پُراسرار بندے
ضیاء تسنیم بلگرامی

فہرست

1	اُم اَلابرار	5
2	پیش بین	45
3	اُفق تَاب	83
4	مہران مہر	131
5	سجدۂ سَنگ	163
6	خیر خواہ	201
7	پہلی کِرن	241
8	عہدِ سعید	281
9	فیض رَساں	321
10	اِمام العَارفین	363
11	ابوالخیر	387

اُمّ الابرار

تاریخ کے روشن باب؛ فرانس کی ایک بزرگ محترم خاتون کی سوانح مبارک!

جنوبی فرانس کا شہر پائی ٹیرس اپنے خوب صورت محل وقوع اور تاریخی آن بان سے قطع نظر پورے فرانس میں مقدس بھی سمجھا جاتا تھا کیونکہ سینٹ ہلاری کا عظیم الشان کلیسا بھی اسی شہر میں دریائے ڈاردون کے کنارے واقع تھا۔ فرانس میں بہت سے کلیسا تھے مگر سینٹ ہلاری کا کلیسا اپنی چند خصوصیات کی وجہ سے زیادہ پرکشش تھا۔ اس کلیسا میں ہمہ وقت اللہ کی حمد وثنا کا اہتمام تھا۔ ہر چار گھنٹے کے بعد جب ایک راہب اپنے طائفے کے ساتھ حمد وثنا کے فرائض انجام دے کر جاتا تو دوسرا راہب عبادت گزاروں کے ساتھ آکر حمد وثنا میں مصروف ہو جاتا۔ شب و روز حمد وثنا کا تسلسل برقرار رکھنے کے لیے راہب اور عبادت گزاروں کے چھ طائفے کلیسا میں ہی قیام پذیر تھے۔ سینٹ ہلاری کے کلیسا میں ساری رونقیں آرچ بشپ جیکب کے دم قدم سے تھیں۔ یہ انہی کی انتھک محنتوں کا نتیجہ تھا کہ کلیسا میں آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔

آرچ بشپ جیکب بڑے زاہد اور بہت پاک باز تھے۔ ان کی عمر سو سال سے تجاوز کر چکی تھی مگر ان کی صحت قابل رشک تھی۔ چار سال سے وہ کلیسا کی حدود ہی میں، ایک حجرے میں معتکف ہو گئے تھے۔ وہ عبادت تک میں بھی شریک نہ ہوتے تھے۔ ان کا نائب پادری اسمتھ تمام امور کی دیکھ بھال آرچ بشپ جیکب کے بنائے ہوئے ضابطوں کے مطابق کیا کرتا تھا۔ آرچ بشپ صرف اتوار کو صبح آٹھ بجے سے دن کو ایک بجے تک برکتیں حاصل کرنے والے مشتاقان دید کو فرداً فرداً اپنے حجرے میں آنے کی اجازت دیتے تھے۔ وہ سراپا محبت تھے۔ ان سے ملاقات کرنے والا اپنے دل کا دامن آسودگیوں سے بھر کر ہی لوٹتا تھا۔

ایک دن آرچ بشپ کے ایک دوست کی نوجوان بیٹی فلورا جب برکتیں حاصل کرنے آئی تو اس نے بڑے ادب سے کہا "میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنی زندگی نن بن کر گزار دوں گی۔ مجھے آپ اس مقدس کلیسا کی آغوش میں پناہ دے دیجیے۔"

آرچ بشپ نے فلورا کے چہرے پر عزم وثبات کا نور دیکھ کر کہا "کیا تم نے اپنے باپ رچرڈ سے نن بننے کی اجازت لے لی ہے۔"

جب میں نے ان سے اجازت طلب کی تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر آپ مجھے نن بنالیں گے تو انہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ میں یہ یقین لے کر یہاں آئی ہوں کہ آپ مجھے ہرگز مایوس نہیں کریں گے۔"

فلورا کا جواب سن کر آرچ بشپ نے اپنی روشن آنکھیں موند لیں اور دیر تک کچھ سوچتے رہے پھر فیصلہ کن انداز میں کہا "میں تمہیں نن بننے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔"

"مگر کیوں؟" فلورا نے سراپا احتجاج بن کر کہا۔

"کیا میرے فیصلے غلط ہوا کرتے ہیں۔" سوال کے جواب میں آرچ بشپ نے ایک اور سوال کر ڈالا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ آپ کے فیصلے غلط ہو سکتے ہیں مگر اس اعتماد کے باوجود میں بے اطمینانی کا شکار ہوں۔ آپ کا قرب تو اطمینان کی ضمانت ہوا کرتا ہے' کیا آپ مجھے مطمئن نہیں کریں گے؟"

آرچ بشپ نے انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا "اطمینان تو بس آسمانی باپ ہی دلوں کو فراہم کرتا ہے۔ اگر میں تمہیں مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا تو تمہارا اضطراب اور بڑھ جائے گا۔"

"کبھی کبھی اضطراب بھی سکون آفریں بن جاتا ہے۔ آپ مجھے بتائیں کہ میں کیوں نن نہیں بن سکتی؟"

"ضد نہ کرو بیٹی! تمہارا نازک ذہن حقائق کی آنچ سے سلگ جائے گا۔ تمہارے خواب کا آئینہ چکنا چور ہو جائے گا اور جو آگ بھڑکے گی اس کی لپیٹ میں' میں ہی نہیں یہ پورا کلیسا آجائے گا۔"

"مقدس بزرگ! آپ نہ جانے کس آگ کا ذکر کر رہے ہیں آپ کی بات سن کر میرا ذہن واقعی سلگ اٹھا ہے اور اس وقت تک سلگتا رہے گا جب تک آپ مجھے یہ بات نہ بتا دیں گے کہ میں کیوں نن نہیں بن سکتی؟" فلورا اپنا جملہ مکمل کرتے ہوئے شدت جذبات سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

اس صورت حال کو دیکھ کر آرچ بشپ نے فلورا کو تسلی دے کر چپ کراتے ہوئے کہا "اگر تم نہیں مانتیں تو سنو! اب نجات کی راہیں کلیسا کی طرف نہیں آتیں۔ آنے والا آچکا ہے' اب نجات اسی کو ماننے میں اور اسی کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے۔"

"کون آچکا ہے؟ آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟"

"کھجوروں کے دیس میں پیدا ہونے والا نبی فارقلیط' جو آیا بھی اور چلا بھی گیا اور واضح نشانیوں کے باوجود ہم نے اسے نہ مانا۔ چار سال پہلے میں اسپین کے شہر تولیدو گیا تھا' وہاں ایک سارا سین (مسلمان) درویش سے ملاقات ہوگئی تھی۔ اس سے ملاقات کے بعد میرے جہل کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور میں نے مسلمان ہو کر اس سرچشمہ انوار سے رابطہ پیدا کر لیا جس نے پوری دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے۔ جس کلیسا میں مجھے اب روشنی نظر نہیں آتی' تمہیں کیسے یہاں تباہ ہونے کی اجازت دے سکتا ہوں!"

فلورا نے آرچ بشپ کی یہ بات سن کر ہذیانی چیخ مارتے ہوئے کہا "نہیں نہیں' ایسا نہیں ہو سکتا۔ یسوع مسیح کی نبوت کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔" اس کے ساتھ ہی وہ حجرے سے نکل گئی۔

فلورا جب گھر پہنچی تو اس کی حالت بہت ابتر تھی۔

بیٹی کا حال دیکھ کر رچرڈ بھی بے قرار ہو گیا۔ اس نے پوچھا "فلورا خیریت تو ہے' تم بہت ہی پریشان نظر آ رہی ہو۔"

فلورا باپ کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔ آنسو بہانے سے جی ہلکا ہوا تو اس نے آرچ بشپ کی ہر بات تفصیل سے سنا کر کہا "کیا آرچ بشپ جیسا عالم' فاضل اور خدا پرست انسان بھی گمراہ ہو سکتا ہے؟"

"نہیں بیٹی' نہیں! جیکب کے متعلق ایسی بات زبان سے نہ نکالو۔ انہیں میں تیس سال سے خوب جانتا ہوں۔ وہ بڑے صاحب نظر ہیں۔ شاید ان کی بصیرت اس حق میں نہ ہو کہ تم ایک نن کی حیثیت سے اپنی زندگی گزارو۔ تمہیں کلیسا میں نہ رکھنے کے لیے انہوں نے تمہیں بدگمان کر لیا ہو۔ جاؤ تم آرام کرو' میں ابھی جا کر جیکب سے ملتا ہوں۔"

رچرڈ نہ صرف یہ کہ پائی ٹیرس کے امرا میں سے تھا بلکہ ڈیوک آف ایکوٹین کا چچا زاد بھائی بھی تھا۔ ڈیوک آف ایکوٹین بڑا صاحب اقتدار حکمراں تھا۔ فرانس کے سات بڑے شہروں پر اس کی حکمرانی تھی۔ اس قرابت کی بنیاد پر رچرڈ دولت مند ہونے کے علاوہ سب سے زیادہ باعزت اور صاحب اثر ورسوخ تھا۔ جب وہ جیکب کے پاس پہنچا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے رچرڈ کا استقبال کیا اور کہا "فلورا بیٹی نے وہی کیا جس کی مجھے توقع تھی اور تم بھی وہی کرو گے جس کا مجھے اندیشہ ہے۔"

رچرڈ نے اپنے تلخ لب ولہجے میں مٹھاس پیدا کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا "آپ نے فلورا سے جو کچھ کہا ہے' اس سے وہ بہت رنجیدہ ہو گئی ہے۔ دل آزاری تو آپ کا شعار کبھی نہیں رہا ہے۔ آپ نے میری بیٹی کو کس جرم کی سزا دی ہے۔"

"میں نے جو کچھ کہا ہے' حق کہا ہے اور فلورا کے اصرار پر اس کی اشک شوئی کے لیے

کہا ہے۔ اگر وہ حق بات سے بھی رنجیدہ ہو گئی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں!"

"تو اس کا مطلب ہے کہ تم واقعی مسلمان ہو گئے ہو اور مسیحیت کو ترک کرنے کے باوجود چار سال سے کلیسا کو اپنے قیام سے نجس کر رہے ہو' یہاں لوگوں کا ایمان خراب کر رہے ہو!"

"میں اپنے اسلام کو ہرگز نہیں چھپاؤں گا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ آج سے پہلے میں نے کبھی اسلام کی تبلیغ یہاں نہیں کی ہے۔"

"جیکب! مجھے حیرت ہے کہ تم نے حق کو چھوڑ کر ناحق کو قبول کر لیا ہے۔ تم تو انجیل مقدس کے بہت بڑے عالم تھے۔" رچرڈ نے بڑے دکھ سے کہا۔

"مجھے راہ حق آسمانی کتابوں سے ہی ملی ہے۔ تم میرے دوست رہے ہو' میں تمہیں یہ ضرور بتاؤں گا کہ آسمانی کتابوں سے مجھے کیا روشنی ملی ہے۔" جیکب نے رچرڈ کی حیرت کو نظرانداز کرتے ہوئے سلسلہ کلام جاری رکھا "انجیل مقدس کا وہ قدیم نسخہ جو اس کلیسا کے کتب خانے میں ہے' اگر تمہاری نظر سے بھی گزرتا تو آج تمہارے ذہن کو جھٹکا نہ لگتا۔"

"انجیل مقدس میں نے بھی پڑھی ہے۔ میری نظر سے ایسی کوئی بات نہیں گزری جس کی روشنی میں' میں یہ باور کر لوں کہ یسوع مسیح کے بعد بھی کوئی پیغمبر دنیا میں آئے گا۔" رچرڈ نے آواز کی سطح کو بلند کرتے ہوئے کہا۔

"بے شک یسوع مسیحؑ کے بعد آنے والے نبی کی نوید تم نے نہیں پڑھی ہو گی مگر میں نے یہ بات انجیل مقدس میں پڑھی ہے' توریت میں دیکھی ہے اور زبور میں مرقوم پائی ہے۔ توریت میں شمعون نبی کا یہ کلام موجود ہے۔ "میں نے دو سوار دیکھے جن کے نور سے دنیا جگمگا رہی تھی' ان میں ایک عیسیٰؑ تھے جو خچر پر سوار تھے اور دوسرے پیغمبر آخرالزماںؐ تھے جو اونٹ پر سوار تھے۔" زبور میں بھی یہ خوش خبری میری نظر سے گزری ہے "جب آنے والا آئے گا جس کی بشارت ملتی چلی آ رہی ہے تو دنیا سلامتی کے نور سے معمور ہو جائے گی۔" انجیل میں یسوع مسیح کا یہ قول بھی بہت واضح ہے کہ میں تمہارے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں اور میرے بعد فار قلیطؐ آئے گا جو میرے متعلق ایسی گواہی دے گا جس میں اس کے بارے میں سچی شہادت دی گئی ہے۔"

رچرڈ نے جملہ مکمل ہوتے ہی کہا "مگر مسلمانوں کے پیغمبر کا نام تو فار قلیطؐ نہیں ہے۔ اگر بشارت انجیل میں ہے بھی تو اس کا اطلاق مسلمانوں کے نبی پر کیسے ہو سکتا ہے؟"

"اعتراض کسی حد تک درست ہے مگر میں بتاتا ہوں کہ فار قلیطؐ اس نبی مکرمؐ کا صفاتی نام ہے' ذاتی نام نہیں ہے۔ فار قلیطؐ کے دو معنی ہیں۔ انسان کا قریب ترین دوست اور وہ شخص جس کی بہت تعریف کی جائے۔" چنانچہ رسول عربیؐ کا نام احمدؐ بھی ہے اور احمدؐ

فار قلیطؐ کا بالکل ہم معنی لفظ ہے' احمدؐ کے بھی دو ہی معنی ہیں۔"

"بس جیکب مجھے ورغلانے کی کوشش نہ کرو! تم اب اپنے برے انجام کو تیار ہو جاؤ' میں آج ہی تقدس کی نقاب تمہارے چہرے سے نوچ کر پھینک دوں گا۔" رچرڈ اس دھمکی کے بعد جانے لگا۔

جیکب نے اسے روکتے ہوئے کہا "جو کچھ تم کر گزرنے کا ارادہ رکھتے ہو' میں اس میں حارج نہیں ہونا چاہتا مگر آسمانی کتابوں کے میں نے جو حوالے دیے ہیں' انہیں ایک نظر خود بھی دیکھ لو۔"

رچرڈ کا غصہ انتہا کو پہنچ چکا تھا اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت تقدیر الٰہی نے سلب کر لی تھی۔ وہ آرچ بشپ جیکب کو راستے سے ہٹا کر تیزی سے چلا گیا۔

دھکے سے جیکب گر گئے تھے۔ ضعیفی میں یہ حادثہ بھی بہت تکلیف دہ تھا مگر وہ اپنی ہمت مجتمع کر کے اٹھے اور پھر سجدے میں سر رکھ کر کہا "اے پالنے والے! اعلان حق کی توفیق دی ہے تو مجھے صبر و استقامت بھی عطا کر!"

رچرڈ نے ایک رات میں ہی پائی ٹیرس کی فضا کو مسموم کر دیا۔ کلیسا کے در و دیوار اس شخص کے خون کے پیاسے ہو گئے جس کی عظمتوں کا نور کل تک کلیسا کی آبرو بنا ہوا تھا۔ آرچ بشپ جیکب کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ فرانس کی حدود سے باہر وسط یورپ تک ان کی بزرگی کی شہرت تھی۔ اس لیے عدالتی کارروائی کے بغیر ان پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں تھا چنانچہ پائی ٹیرس میں مقدمے کی نوعیت کی بھرپور تشہیر کے بعد ایک کھلے میدان میں کھلی عدالت قائم ہوئی اور آرچ بشپ جیکب کو فرد جرم سنا کر عدالت نے انہیں صفائی کا موقع دیا۔ اس مقدمے کی کارروائی دیکھنے کے لیے ہزاروں آدمی جمع تھے۔ فلورا بھی اپنے باپ کے ساتھ موجود تھی۔

آرچ بشپ جیکب نے اپنی صفائی پیش کرنے سے پہلے مجمعے پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ ہر نظر میں اپنے لیے نفرت کی چنگاریاں دیکھ کر وہ مسکرائے اور عدالت سے کہا "رچرڈ نے جو الزامات مجھ پر عائد کیے ہیں' ان میں صرف یہ الزام درست ہے کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور شاید یہی بنیادی اعتراف تم سننا بھی چاہتے تھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ رسول ہونے کی خبر آسمانی صحائف میں موجود ہے۔"

یہ جواب سن کر مجمع غصے سے بے قابو ہو مگر سپاہیوں نے انہیں جیکب کے قریب نہ جانے دیا۔ عدالت نے سزائے موت سناتے ہوئے یہ بھی حکم دیا کہ مجرم کو اسی وقت سب کے سامنے قتل کر دیا جائے۔ جب جیکب ک کرنے کے لیے جلاد آیا تو انہوں نے "اللہ اکبر" کہہ کر گردن جھکا لی اور بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرنے لگے۔ موت سر پر

سایہ فگن تھی مگر اطمینان کا نور ان کے چہرے کو تابناک بنائے ہوئے تھا۔ جلاد کی تلوار' منصف کا اشارہ پاتے ہی بجلی کی طرح کوندی اور سر تن سے جدا ہو گیا مگر بے بصیرت مجمع یہ نہ دیکھ سکا کہ بندہ اللہ سے واصل ہو گیا۔

پورا مجمع خوشی کے نعرے لگاتا ہوا واو کرا ٹھا مگر فلورا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس کا بھائی الیگزینڈر اگر اسے سہارا نہ دیتا تو وہ ایک قدم بھی نہ چل سکتی۔ فلورا اپنے گھر پہنچی تو باپ نے کہا "یسوع مسیح کے دشمن کی موت پر تمہارا سوگ باعث شرم ہے۔ کیا تم نے جیکب کو کافر قرار نہیں دیا تھا' اس کے کفر کی مجھے اطلاع نہیں دی تھی۔"

اس مرحلے پر الیگزینڈر نے باپ سے کہا "فلورا کا دل بہت نازک ہے۔ انسانی قتل دیکھ کر اس کا موجودہ حال غیر فطری نہیں ہے۔ آپ جائیں' نشست گاہ میں بہت سے لوگ آپ کے منتظر ہیں' تھوڑی دیر میں فلورا کی طبیعت سنبھل جائے گی۔"

رچرڈ نشست گاہ کی طرف چلا گیا۔

الیگزینڈر' بہن کو اس کی خواب گاہ میں لے گیا اور کہا "اب تم تھوڑی دیر آرام کر لو اور جو کچھ دیکھا ہے' اسے بھول جانے کی کوشش کرو۔"

فلورا ابھی تنہائی چاہتی تھی۔ اس نے بھائی سے کہا "تمہارا مشورہ درست ہے۔"

الیگزینڈر کے چلے جانے کے بعد فلورا نے ایک طویل اور سرد آہ بھر کر خود کلامی کی "یہ میں نے کیا کر ڈالا! آرچ بشپ کا جھوٹ میرے تجربے میں کبھی نہیں آیا تھا۔ مجھے ان کی بات سن کر جذباتی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ مجھے ان سے ان کے دعوے کی دلیل طلب کرنا چاہیے تھی۔ انہوں نے جو کچھ کہا تھا' اس بات پر انہیں یقین کامل تھا۔ سزائے موت سن کر بھی وہ مطمئن تھے اور جب جلاد انہیں قتل کرنے کے لیے ان کے نزدیک پہنچ چکا تھا تو وہ مسکرا رہے تھے۔ ان کے چہرے پر اطمینان کا نور تھا۔ انہوں نے موت بھی زندگی کی طرح قبول کی۔ ایک عابد وزاہد' ذی علم اور صاحب بصیرت انسان نے اپنا مذہب کسی نہ کسی مستحکم بنیاد پر ہی چھوڑا ہو گا۔ میں وہ بنیاد ضرور تلاش کروں گی۔ انجیل کا ایک ایک حرف' میں ایک بار غائر نظر سے ضرور پڑھوں گی۔ میں نے بڑا گناہ کیا ہے۔ میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ چہرے جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ جیکب بلاشبہ سچے آدمی تھے' حقیقت کی یہ تعریف تو ہرگز نہیں کہ جو ہم جانتے ہیں' صرف وہی حقیقت ہے۔ ہمارا علم ہمیشہ ارتقا پذیر رہے گا' جہان علم و دانش میں اپنے شعور کے کسی فیصلے کو حرف آخر مان لینا کہاں کی دانائی ہے۔"

فلورا خیالات کی رو میں بہتی ہوئی سو گئی۔

شام کو جب خادمہ نے آکر جگایا تو وہ بیدار ہوئی اور یہ پیغام سن کر کہ کھانے پر اس کا انتظار ہو رہا ہے' اس نے خادمہ سے کہا "جاؤ کہہ دو' میں فوراً پہنچ رہی ہوں۔"

خادمہ چلی گئی تو فلورا نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور تیار ہو کر جب کھانے کی میز پر پہنچی تو باپ اور بھائی کے علاوہ دو مہمانوں کو بھی موجود پایا۔

کھانے کے دوران میں فلورا نے باپ سے پوچھا "جب اتوار کو تنہائی میں آرچ بشپ سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی تو آپ دونوں کے مابین کیا گفتگو ہوئی تھی؟"

رچرڈ یہ غیر متوقع سوال سن کر برہم ہو گیا اور کہا "آئندہ جیکب کو آرچ بشپ ہرگز نہ کہنا۔ اس سے میری جو گفتگو ہوئی تھی' وہ اتنی مہمل اور لایعنی تھی کہ اس کا اعادہ وقت کے زیاں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ تم اس کے تذکرے سے کھانا بدمزہ نہ کرو۔ اگر تم وہ گفتگو سننا ہی چاہتی ہو تو کھانا کھا لینے کے بعد سننا' جب ہمارے معزز مہمان رخصت ہو جائیں۔"

رچرڈ کی بات سن کر فلورا تو خاموش ہو گئی مگر دونوں مہمان وہ گفتگو سننے کے لیے اصرار کرنے لگے۔ ان میں سے ایک بولا "جیکب سے آپ کی جو گفتگو ہوئی تھی جب تک ہم نہ سن لیں گے' یہاں سے نہیں جائیں گے۔ جیکب کی گمراہی ہمارے لیے ابھی تک ناقابل یقین ہے حالانکہ ترک مذہب کا اعتراف خود اس کی زبان سے سن چکے ہیں۔ شاید آپ کے بیان سے جیکب کی گمراہی کا کوئی مزید ثبوت مل جائے۔"

مہمانوں کے اصرار پر رچرڈ نے بلا کم و کاست وہ مکالمے سنا دیے جو جیکب اور اس کے درمیان ہوئے تھے۔ مکالمے سن کر مہمان تو جیکب کی گمراہی پر متفق اور مطمئن ہو گئے لیکن فلورا کے لیے تحقیق کا دروازہ کھل گیا۔ توریت' زبور' انجیل کے حوالے اس کے ذوق تجسس کے لیے مہمیز بن گئے۔

مہمان چلے گئے تو فلورا بھی اپنی خواب گاہ میں پہنچ گئی۔ دن میں کئی گھنٹے سو لینے کے بعد نیند آنے کا فوری امکان تو تھا ہی نہیں' وہ روتی رہی اور جیکب کے بارے میں سوچتی رہی۔ رات گئے جب اسے نیند آئی تو اس نے خواب میں بھی جیکب کو ہی دیکھا۔ جیکب شاہانہ لباس زیب تن کیے ہوئے بہت ہی پرفضا اور حیرت ناک حد تک خوب صورت باغ میں ایک مرصع تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے آس پاس کئی خادم مودب کھڑے نظر آئے۔ فلورا مجرمانہ احساس سے گردن جھکائے ان کی طرف بڑھی اور ان کے قریب جا کر خاموشی سے کھڑی ہو گئی۔ جب جیکب کی شفقت بھری آواز نے اسے مخاطب کیا تو وہ رونے لگی اور ان کے قدموں میں جھک کر معافی مانگنے لگی۔

جیکب نے اس کا سر اپنے قدموں سے اٹھاتے ہوئے کہا "یہ وقت بہت قیمتی ہے' اسے رو کر ضائع نہ کرو۔ جو کچھ ہوا وہ مشیت الٰہی تھی۔ مجھے اسی طرح سرخ رو ہونا تھا' جس طرح ہوا۔ تم یہ بات ذہن سے نکال دو کہ تم میرے قتل کا سبب بنیں۔ میں نے تمہارے

اس قصور کو مرنے سے پہلے ہی معاف کردیا تھا جو تم سے مذہبی جنون میں سرزد ہوا تھا۔ تم بہت اچھی بیٹی ہو۔ میں نے تمہارے باپ کو آسمانی صحائف کے جو حوالے دیئے تھے' وہ کلیسا کے کتب خانے میں تمہیں آسانی سے مل جائیں گے۔ میں اب بھی تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اللہ کی خوشنودی اور نجات کا راستہ اسلام اور صرف اسلام ہے۔ جب تمہیں بھی حوالے دیکھ کر اسلام کی صداقت کا یقین آجائے تو میری خواب گاہ میں جانا۔ وہاں اوپر تلے آبنوس کے تین صندوق رکھے ہوئے ہیں۔ درمیانی صندوق میں میری قلمی کتاب تمہیں ملے گی جس پر میں نے لکھا ہے "اسلام ایک سچا دین۔" اس قلمی کتاب کے مطالعے سے تمہیں بہت نفع ہوگا۔ تم اچھی طرح سمجھ لوگی کہ اسلام کیا ہے اور ہم سے کس انداز فکر اور کس طرز زندگی کا مطالبہ کرتا ہے۔"

جیکب نے جیسے ہی اپنی بات مکمل کی اور فلورا کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا' خواب بکھر گیا پھر نہ باغ تھا' نہ جیکب۔ فلورا کی آنکھ کھل چکی تھی اور اسے خواب گاہ کی خاموشی میں اپنے دل کی دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

فلورا کو اپنے خواب کے سچے ہونے کا یقین تھا۔ اس نے زندگی میں بہت کم خواب دیکھے تھے مگر جتنے خواب بھی دیکھے تھے' وہ کسی تاویل یا تعبیر کے محتاج نہ تھے۔ جو کچھ اس نے خواب میں دیکھا' وہی بیداری میں ظہور پذیر ہوا۔ فلورا کا ذہن خواب کی جزئیات کو سمیٹنے لگا۔ کچھ دیر بعد ہی جب صبح صادق طلوع ہوئی تو فلورا کو یوں محسوس ہوا کہ صبح صادق نے جس طرح خارج کو روشن کیا ہے' اسی طرح اس کے باطن کو اندھیروں سے پاک کردیا ہے۔

آفتاب جب کسی قدر افق پر بلند ہوگیا تو فلورا اپنے گھر سے کلیسا پہنچی اور کلیسا کے کتب خانے کے مہتمم کے دروازے پر دستک دی۔ مہتمم نے دروازہ کھول کر فلورا کو موجود پایا تو حیرت سے کہا "آپ اور اس وقت! کہئے' میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟"

"میں کچھ دیر کتب خانے میں بعض کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہتی ہوں۔ ابھی کتب خانہ کھلنے کا وقت نہیں ہوا تھا اس لیے میں نے آپ کو بے آرام کیا میں اپنی اس جسارت پر معذرت خواہ ہوں۔"

"کوئی بات نہیں مس فلورا! آپ جیسی علمی ذوق رکھنے والی ہستی کی خدمت کرکے مجھے دلی مسرت ہوگی۔ میں ابھی آپ کے ساتھ چل کر کتب خانہ کھول دیتا ہوں۔"

کتب خانے کے مہتمم نے اپنے گھر سے چابیوں کا گچھا لیا اور فلورا کے ساتھ جاکر کتب خانہ کھول دیا۔

فلورا کتب خانے میں داخل ہوئی تو مہتمم نے کہا "آپ اس کتب خانے کی ترتیب سے

اچھی طرح واقف ہیں۔ کتابوں کی فہرست دیکھ کر آپ مطلوبہ کتاب تلاش کرلیں۔ جہاں کتاب کے نام کا اندراج ہے' وہاں اس الماری کا نمبر بھی درج ہے جس میں کتاب ہے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر رہتا مگر میں نے نہ ابھی غسل کیا ہے نہ ناشتا۔ میں تھوڑی دیر بعد آجاؤں گا۔ اچھا خدا حافظ۔"

فلورا نے فہرست پر نظر ڈال کر مطلوبہ کتابوں کے نمبر ذہن نشین کئے اور الماری سے کتابیں نکال لیں۔ جیکب کے بتائے ہوئے حوالے بہت آسانی سے مل گئے کیونکہ جیکب نے حوالوں کے صفحات پر فاضل کاغذ لگا رکھے تھے۔ توریت' زبور اور انجیل میں فار قلیط کے متعلق بشارتیں پڑھ کر فلورا کا دل مسرت سے جھومنے لگا۔ اس نے مہتمم کے آنے سے پہلے کتابیں الماری میں واپس رکھ دیں اور اطمینان کی دولت سمیٹ کر کتب خانے سے نکلی۔ اب وہ اس طرف جارہی تھی جہاں جیکب کا حجرہ تھا۔ وہ وہاں پہنچی تو اسے یہ دیکھ کر بہت ملال ہوا کہ جہاں رونقیں بسیرا کرتی تھیں' وہاں ویرانیوں کا راج تھا۔ فلورا دھڑکتے دل کے ساتھ حجرے کے دروازے پر پہنچی تو اسے غیر مقفل پایا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور کسی کو اطراف میں نہ پاکر دروازے پر زور دیا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ فلورا نے اندر پہنچ کر دروازہ بند کرلیا۔ آبنوسی صندوق اوپر تلے رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک صندوق کھولا تو اس میں جیکب کا جبہ ملا۔ دوسرا جبہ اٹھانے کے بعد فلورا کو اس کی تہ میں جیکب کی قلمی کتاب مل گئی۔ فلورا نے جبہ واپس صندوق میں رکھ کر اسے بند کیا اور پھر صندوق پر صندوق رکھ دیا۔ یہ کوئی بڑی مشقت کا کام نہ تھا مگر فلورا نے خود کو بہت تھکا ہوا اور مضمحل پایا۔ اس کے تمام مسامات سے پسینا پھوٹ پڑا تھا۔ اس کا سانس بھی ناہموار ہوگیا تھا۔ فلورا نے اپنے گلے کا رومال کھول کر اس میں کتاب لپیٹ لی اور دروازہ کھول کر باہر آگئی' اس کے بعد اطمینان سے چلتی ہوئی کلیسا کے صدر دروازے پر پہنچی۔

ابھی فلورا دروازے پر ہی تھی کہ پیچھے سے آواز آئی "میں نے تمہاری چوری پکڑلی ہے فلورا!"

آواز ہرچند کے فلورا کے لیے غیرمانوس نہ تھی مگر وہ سر سے پاؤں تک لرز گئی اور بغل میں دبی ہوئی کتاب پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی۔

آواز دینے والا اتنی دیر میں قریب آچکا تھا۔ اس نے بڑے خوش گوار لہجے میں کہا "میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم کلیسا تک آؤ اور مجھ سے ملے بغیر چلی جاؤ۔ ہم آج تک اچھے دوست رہے ہیں۔"

فلورا اپنے حواس پر قابو پاچکی تھی۔ اس نے ایک بے جان مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تم میرے معمول سے واقف ہوڈوڈ! میں کلیسا آتی ہوں' تو تم سے ضرور ملتی ہوں مگر تم دیکھ

رہے ہو کہ یہ میرے یہاں آنے کا وقت ہرگز نہیں ہے۔ میں یہاں جب بھی آئی ہوں' سہ پہر میں آئی ہوں۔ آج میں کتب خانے میں چند کتابوں کے حوالے کی تصدیق کے لیے آئی تھی اور بہت عجلت میں تھی۔ تم سے اس ملاقات کے باوجود نہ رک سکوں گی مجھے فوراً ہی گھر پہنچنا ہے۔ اچھا خدا حافظ۔"

ڈیوڈ جو فلورا کا ہم جماعت رہا تھا' اسے حیرت سے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ اسے یہ جرات بھی نہ ہوئی کہ وہ اسے آواز دے کر ہی رکنے کے لیے کہہ سکتا۔ ڈیوڈ جانتا تھا کہ فلورا ایک بااصول لڑکی ہے اور اپنے خود ساختہ ضابطوں کے دائرے میں محصور رہتی ہے۔

فلورا گھر پہنچی تو الیگزینڈر سے دروازے پر ہی ملاقات ہوگئی۔ وہ کہیں جا رہا تھا اس نے فلورا کو دیکھا تو پوچھا "کہاں سے آ رہی ہو فلورا؟"

فلورا نے جھوٹ سے بچنے کے لیے کہا "جب میں یہ نہیں پوچھ رہی ہوں کہ تم کہاں جا رہے ہو تو میں تمہیں یہ حق بھی نہیں دے سکتی کہ تم مجھ سے یہ سوال کرو کہ میں کہاں سے آ رہی ہوں۔"

"تم سے باتوں میں کوئی نہیں جیت سکتا۔ بحث کا وقت بھی میرے پاس نہیں' میں تو چلا۔"

فلورا پہلے اپنی خواب گاہ میں گئی اور کتاب چھپا کر رکھ دی پھر اپنے باپ کے پاس پہنچی۔ وہ بھی گھر سے باہر جانے کی تیاری میں مصروف تھا۔ اس نے بیٹی کو دیکھا تو پوچھا "اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

"میں اب پہلے سے بہتر ہوں اور اس وقت صرف یہ معلوم کرنے آئی ہوں کہ میری والدہ سے آپ کب تک ناراض رہیں گے؟ میں کب تک انہیں دیکھنے کے لیے ترستی رہوں گی؟"

"تمہاری ماں کے لیے اس گھر کے دروازے ہر وقت کھلے ہوئے ہیں مگر میں اسے یہاں آنے کی دعوت نہ دوں گا' وہ خود اس گھر کو چھوڑ کر گئی تھی' خود ہی آ جائے گی۔ اگر تم اپنی ماں سے ملنے کے لیے بہت ہی بے تاب ہو تو اس سے مل آؤ۔"

"ٹھیک ہے' میری محبت دونوں میں مساوی طور پر تقسیم ہے' نہ میں آپ کو چھوڑ سکتی ہوں نہ ان سے دور رہ سکتی ہوں۔ میں کچھ دنوں کے لیے اپنی ماں کے پاس ناربون جا رہی ہوں۔ اگر میرا تنہا سفر آپ کو ناگوار گزرے تو الیگزینڈر سے کہہ دیجئے کہ وہ مجھے ماں کے پاس چھوڑ آئے۔"

"میں الیگزینڈر سے کہہ دوں گا کہ وہ تمہارے ساتھ چلا جائے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس کی تجارتی مصروفیات اسے سفر کی اجازت دیتی ہیں یا نہیں؟"

"میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ الیگزینڈر ہر قیمت پر میرے ساتھ جائے گا۔ ماں کے دیدار کے لیے وہ بھی مجھ سے کم مضطرب نہ ہوگا۔"

رچرڈ گفتگو کے دوران میں تیار ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی سنہری دستے کی مرصع چھڑی اٹھاتے ہوئے کہا "اچھا اب میں چلا' آج پاپائے اعظم کی خدمت میں ایک وفد بھیجا ہے تاکہ وہ جیکب کے متعلق انہیں تفصیلات سے آگاہ کر کے نئے آرچ بشپ کا ان سے تقرر کروائے۔"

رچرڈ چلا گیا تو فلورا اپنی خواب گاہ میں پہنچی اور خادمہ کو بلا کر کہا "میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔ اگر میرے ملاقاتی آئیں تو ان سے کہہ دینا' آج میں کسی سے ملاقات نہیں کروں گی۔"

خادمہ چلی گئی تو فلورا نے خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند کر کے شمع روشن کی اور کتاب نکال کر دھڑکتے ہوئے دل سے کھولی۔ اس نے پہلے صفحے پر لکھی ہوئی عبارت پڑھنا شروع کی "میں نے جو لکھا ہے' پورے دینی شعور اور دیانت سے لکھا ہے۔ اس کا ہر حرف' حرف صداقت ہے اور ایسی صداقت ہے جس کی صحت پر میں ایمان رکھتا ہوں۔ اس کتاب کو جو بھی پڑھے اپنے اعتقادات کی روشنی میں نہ پڑھے' جویائے حق بن کر پڑھے تاکہ بغیر سوچے سمجھے ایک صداقت کبریٰ کا انکار نہ کر سکے۔" اس عبارت کے نیچے جیکب کے خوب صورت دستخط جگمگا رہے تھے۔ فلورا نے اس عبارت کو کئی بار پڑھا۔ تحقیق اور قبول حق کے لیے خود کو اچھی طرح آمادہ کر لینے کے بعد اس نے دوسرے صفحے کا مطالعہ شروع کیا "الوہیت ناقابل تقسیم ہے اور اللہ کے سوا کسی میں بھی الوہیت کا تصور' باطل ہے۔ عیسیٰؑ روح القدس اور مریمؑ اللہ کی مخلوق ہیں' ان کے مراتب عظیم تر ہونے کے باوجود الوہیت سے عاری ہیں' نہ کوئی اللہ کی ذات میں شریک ہے' نہ اس کی اطلاقی صفات میں ساجھی۔ عیسائی' عیسیٰؑ کی تعلیمات کو نظرانداز کر کے توحید کی روشن شاہراہ سے بھٹک کر شرک کی دلدل میں جا گرے ہیں۔ اللہ نے جب یہ دیکھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی امت گمراہی کے راستے پر اتنی آگے نکل چکی ہے کہ خود واپس نہیں آ سکتی تو اس نے حضرت محمدؐ کو نبی بنا کر مبعوث کیا تاکہ وہ انبیائے ماسبق کی تصدیق کریں اور سابقہ امتوں نے اپنے رسولوں پر جو بہتان تراشی کی ہے' اس کی تردید کریں۔ حضرت محمدؐ اللہ کے آخری رسول ہیں اور ان پر نازل ہونے والی کتاب "قرآن" آخری کتاب ہدایت ہے۔ میری کتاب کے دوسرے ابواب قرآن ہی سے ماخوذ ہیں۔ آخری باب میں اسلام قبول کرنے کا طریقہ اور ارکان اسلام بجالانے کا تفصیلی طریقہ کار بھی موجود ہے۔"

ایک سو بارہ صفحات پر مشتمل کتاب فلورا نے ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالی اور اس

ضرورت کو شدت سے محسوس کیا کہ اس کتاب کو جب تک بار بار نہ پڑھا جائے گا' بات اچھی طرح سمجھ میں نہ آئے گی۔ فلورا بہت ذہین اور تعلیم یافتہ تھیں۔ انہوں نے بنیادی باتیں پہلے مطالعے ہی میں سمجھ لیں۔ انہوں نے کتاب کے مطالعے کے بعد سب سے پہلے بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھا اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا "اے کائنات کے خالق' اے محمدؐ کو رسول بنانے والے! تو گواہ رہنا کہ میں نے دل کی گہرائیوں سے اسلام قبول کر لیا ہے اور میرا ایمان ہے کہ تیری گواہی میرے لیے بہت کافی ہے۔"

فلورا نے کتاب دوبارہ صندوق میں مقفل کرنے کے بعد اپنا سر سجدے میں جھکا دیا اور اپنے مخلص اشکوں کا پہلا نذرانہ 'توحید کی شمع' دل میں فروزاں کر کے رب العالمین کی بارہ گاہ میں پیش کیا۔

رچرڈ نے جب اپنے بیٹے الیگزینڈر سے کہا کہ وہ اپنی بہن کو کچھ دنوں کے لیے ناربون چھوڑ آئے تو الیگزینڈر بولا "میں پندرہ دن سے پہلے پائی ٹیرس سے ہل بھی نہیں سکتا۔ کاروباری الجھنیں یہاں میری موجودگی کا تقاضا کر رہی ہیں۔ میں فلورا سے بات کر لوں گا' آپ مطمئن رہیں۔"

الیگزینڈر نے جب فلورا کو اپنی کاروباری مجبوری بتائی تو اس نے کہا "پندرہ دن بعد میں کوئی عذر نہ سنوں گی' تمہیں ماں کے پاس چلنا ہی ہو گا۔"

"میں ضرور چلوں گا بہن! ماں کے لیے میرا دل بھی تمہاری ہی طرح دھڑکتا ہے۔" الیگزینڈر نے جذباتی ہو کر کہا۔

فلورا بہت خوش تھیں' اسلام کو محفوظ طریقے پر سیکھنے کے لیے انہیں پندرہ دن مل گئے تھے۔ انہوں نے پندرہ دنوں میں کتاب ازبر کر لی' نماز شروع کر دی اور اسم ذات کو حرز جاں بنا لیا۔ جب وہ پائی ٹیرس سے اپنے بھائی کے ساتھ ناربون پہنچیں تو ان کا حافظہ کتاب سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ انہیں ہر بات یاد تھی۔ وہ اسلام کی روح کو سمجھ چکی تھیں۔ فکری انقلاب تکمیل کے مراحل طے کر رہا تھا۔

بیٹے اور بیٹی سے مل کر دکھیاری ماں کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ فلورا کی ماں این' بڑی خوددار خاتون تھیں۔ شوہر انہیں اکثر ان کے والدین کی غربت کے طعنے دیا کرتا تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ اس نے ان سے شادی کر کے ان پر احسان کیا ہے۔ یہ بات جس میں طنز کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا ان کی عزت نفس پر بہت گراں گزرتی تھی۔ انہوں نے شوہر کو کئی بار بڑی نرمی اور متانت سے سمجھایا تھا کہ وہ ایسی باتیں نہ کیا کرے جس کی تلافی ان کے اختیار سے باہر ہے مگر اس کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور آخر روز روز کی دل آزاری سے تنگ آ کر وہ اپنی والدہ کے پاس ناربون چلی آئیں۔ این کے والدین غریب نہیں تھے مگر رچرڈ

کی طرح متمول بھی نہ تھے۔ ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی والدہ زمین اور مکانات کی معقول آمدنی سے ایک آسودہ زندگی بسر کر رہی تھیں۔ بیٹی ناربون آئی تو ان کی تنہائیاں رونق آشنا ہو گئیں۔

الیگزینڈر تین دن ناربون میں قیام کے بعد واپس ہو گیا۔ فلورا نے اپنے قیام کے لیے نانی کے بڑے اور کشادہ مکان میں الگ تھلگ ایک کمرا منتخب کر لیا تھا۔ گھر میں ایک بوڑھی خادمہ تھی اور ایک معمر غلام تھا۔ اس گھر میں پانچ افراد رہتے تھے۔ غلام بڑا فرض شناس اور دیانت دار تھا۔ فلورا کی نانی اس پر بڑا اعتماد کرتی تھیں۔ وہ آمد و خرچ کا پورا حساب رکھتا تھا۔

ایک دن جب تمام افراد کھانا کھا رہے تھے تو این نے اپنی ماں سے کہا "ابا نے ہمارے ورثے میں زمین بھی چھوڑی ہے اور مکانات بھی مگر میرے خیال میں رحمین جیسا غلام' ابا نہ چھوڑتے تو آپ بہت پریشان ہوتیں۔"

"ہاں بیٹی' یہ بات تم نے بالکل درست کہی۔ رحمین کو غلام نہ کہا کرو' وہ اب میرے خاندان کا فرد ہے۔ کیا تم اس کی شفقتیں فراموش کر سکتی ہو! اس نے تمہاری دیکھ بھال جس انداز سے کی ہے' تم سے بہتر اس بات کو کون محسوس کر سکتا ہے۔ مجھے تو وہ آدمی نہیں' فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ کافر ہو کر بھی نہ جانے اتنا اچھا کیوں ہے!"

فلورا یہ بات سن کر چونک پڑیں۔ انہوں نے نانی سے پوچھا "کافر تو وہ آپ کی نظر میں ہے۔ خود وہ اپنا مذہب کیا بتاتا ہے؟"

"رحمین خود کو مسلمان کہتا ہے۔ اگر تم اس کے کمرے میں جاؤ تو کپڑوں کے دو جوڑوں کے علاوہ صرف تین چیزیں وہاں اور ملیں گی' ایک لوٹا جس سے پانچ مرتبہ منہ ہاتھ دھوتا ہے' ایک کپڑا جس پر کھڑے ہو کر' بیٹھ کر اور سر زمین پر رکھ کر بقول خود عبادت کرتا ہے اور ایک کتاب ہے جو وہ اپنے ساتھ ہی لایا تھا۔ وہ یہ کتاب روز پڑھتا ہے۔"

فلورا کا اس اطلاع سے دل خوش ہو گیا کہ ایک مسلمان بھی یہاں موجود ہے مگر انہوں نے اپنی مسرت کو چھپا کر کہا "انسان کی پرکھ اس کے مذہب سے نہیں' اس کے اخلاق سے ہوتی ہے۔ دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی مذہب کے ماننے کا دعویٰ کرتا ہے مگر عملی اعتبار سے بہت کم لوگ اچھے انسان ثابت ہوتے ہیں۔ ہمیں رحمین کے مذہب سے کیا سروکار ہمارے لیے تو وہ بہرحال ایک نعمت ہے۔"

فلورا کی ماں اور نانی' دونوں ہی نے پرزور تائید کی۔ دوسرے دن فلورا نے ماں سے فرمائش کی کہ وہ ناربون کے پرفضا مقامات کی سیر کرنا چاہتی ہے۔ ماں نے بیٹی کی اس خواہش کو سراہتے ہوئے کہا "مجھے کچھ ہلکی سی حرارت ہے اور تمہاری نانی بہت ضعیف ہیں۔ اگر سیر و تفریح میرے ساتھ کرنے کا ارادہ ہے تو تم دو ایک دن ٹھہر جاؤ' طبیعت ٹھیک ہو جائے گی

تو چلیں گے اور اگر زیادہ ہی دل گھبرا رہا ہے تو رحمین کو ساتھ لے جاؤ۔"

"آپ کی یہ تجویز بہت مناسب ہے۔ میں آج رحمین کے ساتھ چلی جاتی ہوں' آپ کی طبیعت سنبھل جائے گی تو آپ کے ساتھ بھی جاؤں گی۔"

"یہ ٹھیک ہے بیٹی' تم رحمین کے ساتھ چلی جاؤ۔"

ماں سے اجازت حاصل کر کے فلورا' رحمین کے کمرے میں پہنچیں جو صدر دروازے کے پاس تھا۔ رحمین نے انہیں دیکھا تو بڑی شفقت سے کہا "زہے نصیب' آج تو بیٹی خود چل کر ہمارے پاس آئی ہے۔ کہو میرے لیے کیا خدمت ہے؟"

"میں آج ناربون کے بعض پر فضا مقامات کی سیر کرنا چاہتی ہوں۔ آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ ماں سے میں اجازت لے چکی ہوں۔"

"میں تمہارے ساتھ ضرور چلوں گا' تم تیار ہو کر آجاؤں۔"

"میں بالکل تیار ہو کر آئی ہوں۔ آپ کو اگر کچھ تیاری کرنا ہے تو کر لیجئے' میں یہیں موجود رہوں گی۔"

رحمین نے اپنا عصا اٹھایا اور مسکراتے ہوئے کہا "چلو بیٹی' میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔"

دونوں گھر سے نکل کر ایک طرف چل پڑے۔

کچھ دور چلنے کے بعد جب وہ سہ راہے پر پہنچے تو رحمین نے کہا "اب بتاؤ کدھر چلنا ہے؟ یہ راستہ دریا کی طرف جاتا ہے اور اس راہ پر چل کر ہم سرسبز پہاڑوں کی طرف جا سکتے ہیں۔"

فلورا نے پہاڑوں کی طرف جانے والے راستے پر قدم بڑھاتے ہوئے کہا "آج اس طرح چلیں گے۔"

دو گھنٹے کی مسافت طے کر کے وہ دامن کوہسار میں پہنچ گئے۔ وہاں ہر طرف شادابی ہی شادابی تھی۔ سفر کے دوران میں وہ دونوں خاموش رہے۔ فلورا نے ایک گھنے درخت کے نیچے ایک چٹان دیکھی تو اس پر آرام کے لیے بیٹھتے ہوئے رحمین سے کہا "آیئے آپ بھی تشریف رکھیں۔ جب تک سورج ڈھل نہیں جاتا ہم یہیں آرام کریں گے۔"

رحمین جب چٹان پر بیٹھ گیا تو فلورا نے پوچھا "آپ کا نام رحمین ہے؟"

"ہاں میرا یہی نام ہے مگر تم نے میرے نام کا صحیح تلفظ کیا ہے ورنہ میرے نام کے ساتھ سبھی زیادتی کرتے ہیں۔ میرا پورا نام عبدالرحمٰن ہے اور میں مسلمان ہوں۔ تمہارے نانا نے مجھے ایک بردہ فروش سے خریدا تھا اور میرے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا تھا کہ میں یہیں کا ہو رہا۔ تمہارے نانا کی موت کے بعد تمہاری نانی کے رویے میں کوئی فرق نہیں آیا۔"

عبدالرحمٰن اپنی داستان حیات غیر مرتب انداز میں جستہ جستہ سناتے رہے اور فلورا اس وقت تک بڑی توجہ سے سنتی رہیں جب تک نماز ظہر کا وقت نہ ہو گیا۔

عبدالرحمٰن کا سلسلہ کلام منقطع کرتے ہوئے فلورا نے کہا "میں عبادت کرنا چاہتی ہوں' کیا یہاں قریب ہی پانی مل جائے گا۔"

عبدالرحمٰن کو معلوم تھا کہ تھوڑے فاصلے پر ایک چھوٹا سا چشمہ ہے چنانچہ وہ فلورا کے ساتھ چشمے پر پہنچے اور خود وضو کرنے کے لیے بیٹھ گئے۔ فلورا انہیں غور سے دیکھتی رہیں۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ کتاب سے جو وضو کا طریقہ انہوں نے سیکھا تھا' وہ درست تھا یا نہیں۔ عبدالرحمٰن وضو سے فارغ ہوئے تو فلورا بہت خوش ہوئیں کیونکہ جو طریقہ وضو انہوں نے اپنا رکھا تھا' اس کی کامل مطابقت دیکھ چکی تھیں۔ عبدالرحمٰن کے بعد جب فلورا نے وضو شروع کیا تو عبدالرحمٰن انہیں حیرت سے دیکھتے رہے مگر جب فلورا نے نماز بھی پڑھ لی تو انہوں نے پوچھا "بیٹی! یہ مسلمانوں کا انداز عبادت تم نے کب سے اختیار کر لیا؟"

فلورا کیونکہ عبدالرحمٰن سے بہت کچھ سیکھنا چاہتی تھیں اس لیے انہوں نے اسلام قبول کرنے کی روداد تفصیل سے سنا کر کہا "اب آپ مجھے قرآن پڑھا دیں اور اسلام کے متعلق مجھے وہ سب کچھ سکھا دیں جو میں نہیں جانتی۔ آپ میرے اسلام کو اس وقت تک راز ہی رکھیں جب تک میں اسلام کو اچھی طرح نہ سمجھ لوں۔"

"میرے پاس قرآن مجید کا ایک نسخہ ہے' میں تمہیں قرآن ضرور پڑھاؤں گا اور جو کچھ میں جانتا ہوں سب کچھ سکھاؤں گا۔ میں آج جس قدر مسرور ہوں' کبھی اتنا مسرور نہیں ہوا۔"

نماز عصر پڑھ کر ہی گھر کی طرف ان کی واپسی ہوئی۔ راستے میں عبدالرحمٰن نے اپنی کتاب زندگی کے چند اوراق سنائے۔ "مجھے یہ تو یاد نہیں کہ میں کہاں پیدا ہوا' میرے والدین کون تھے مگر اتنا ضرور یاد ہے کہ مجھے ایک خاتون نے پرورش کیا۔ وہ لاولد تھیں۔ ایک فقیر سے انہوں نے مجھے خریدا تھا۔ جب میری عمر بارہ سال ہوئی تو اس نیک دل خاتون کا انتقال ہو گیا۔ میں جس مدرسے میں پڑھا کرتا تھا اس کے معلم مجھ پر بڑے مہربان تھے۔ مجھے لاوارث دیکھ کر انہوں نے میری سرپرستی قبول کر لی تھی اور مجھے بڑی محنت سے پڑھایا تھا۔ بیس سال کی عمر میں جب میں نے اسلامی لشکر کے ساتھ بربروں سے معرکہ آرائی کی تو مسلمانوں کو طرابلس میں شکست ہو گئی اور میں گرفتار کر لیا گیا۔ میں جس بربری کے حصے میں آیا تھا' اس نے اندلس میں مجھے ایک بڑے ظالم یہودی کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ اس کے پاس میں نے پانچ سال بڑے عذاب میں گزارے اور تمہارے نانا نے میری بے کسی اور یہودی کے مظالم کو دیکھ کر مجھے یہودی سے خرید لیا اور اپنے ساتھ فرانس لے آئے۔ میں

ان کا احسان مند ہوں۔ میں ان کے فیاضانہ سلوک کو کبھی فراموش نہ کر سکوں گا۔"

گھر پہنچ کر فلورا نے اپنی نانی اور ماں کو بتایا "تفریح بہت شاندار رہی اور بابا عبدالرحمٰن بہت شان دار آدمی ہیں' میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ میں ان کی زبان ان سے سیکھوں گی۔ ان کی زبان مجھے بہت پسند آئی ہے۔"

فلورا کی والدہ این نے اپنی ماں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "یہ لڑکی زبانیں سیکھنے کے خبط میں مبتلا ہے۔ اس نے لاطینی' عبرانی اور فرانسیسی زبانیں سیکھ لینے کے بعد ایک نئی زبان سیکھنے کی ٹھان لی ہے۔"

"تم جانو اور تمہاری بیٹی' میں جوان لڑکیوں کے معاملات میں مداخلت نہ کرنے کی قسم کھا چکی ہوں۔"

فلورا نے نانی کو پیار سے چوم کر کہا "نانی! تم کتنی پیاری ہو۔"

این اپنی بیٹی کے مزاج سے واقف تھیں اس لیے انہوں نے ایک نئی زبان (عربی) سیکھنے کی اجازت دے ہی دی۔

عبدالرحمٰن نے بڑی محنت سے فلورا کو عربی پڑھانا شروع کردی۔ فلورا نے بھی اپنی خداداد صلاحیتوں سے استاد کو حیران کردیا۔

رچرڈ نے کئی مرتبہ پیغامات بھیجے کہ فلورا کو بھیج دو مگر فلورا نہ گئیں۔ ایک سال بعد الیگزینڈر بہن کو لینے کے لیے خود ناربون آیا مگر فلورا نے بھائی کے سامنے آنسوؤں کا دریا بہادیا۔

اپنی چہیتی بہن کو غمزدہ دیکھ کر اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا "تم جب تک چاہو یہیں رہو' میں ابا کو سمجھالوں گا۔ ابا جو تمہیں بلانے پر اصرار کررہے ہیں' اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ڈیوڈ کے والد کئی مرتبہ تمہارا پیغام لے کر آچکے ہیں اور میں بھی یہ جانتا ہوں کہ تم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو اس لیے ہماری یہ خواہش تمہاری پسند ہی کے تابع ہے کہ تمہاری شادی اس سے ہوجائے۔ ڈیوڈ میرے ساتھ یہاں آنے والا تھا مگر میں نے اسے اپنے ساتھ لانا مناسب نہ سمجھا۔"

فلورا کے تمام سابقہ فیصلے اسلام کے فکری انقلاب کے بعد یکسر بدل گئے تھے۔ ڈیوڈ جو کبھی انہیں بہت پسند تھا' اسلام قبول کرلینے کے بعد اس سے شادی کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتی تھیں۔ انہوں نے اپنے بھائی سے واشگاف الفاظ میں کہا "ڈیوڈ سے میں شادی نہیں کروں گی۔ شوہر کا جو معیار اب میرے ذہن میں ہے اس پر وہ پورا نہیں اترتا۔ ڈیوڈ سے کہہ دینا کہ وہ ادھر کا رخ نہ کرے۔ اگر وہ یہاں آیا تو میں اس سے ملاقات کرنا بھی پسند نہیں کروں گی۔ میں نے جو کچھ کہا ہے سوچ سمجھ کر کہا ہے۔ یہ بات آپ بھی جانتے ہیں کہ

میرے فیصلے اٹل ہوا کرتے ہیں۔"

الیگزینڈر اپنی چھوٹی بہن کا فیصلہ سن کر بولا "تم جس سے شادی کرنا چاہتی ہو کرو' ڈیوڈ سے میں تمہاری شادی نہیں ہونے دوں گا۔"

وقت گزرتا رہا' تین سال میں فلورا دینی علوم سے آراستہ ہوگئیں اور ذکر و فکر سے ایقان کی منزلیں طے کرتی ہوئی احقاق حق کی منزل تک پہنچ گئیں۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنی ماں کے سامنے اسلام کے محاسن بیان کیے۔ ماں نے بیٹی کو سمجھایا کہ وہ اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھے ورنہ سخت عذاب میں مبتلا ہوجائے گی اور وہ تمام رشتے جو آج محبت کا سرمایہ ہیں' نفرتوں کا دہکتا ہوا جہنم بن جائیں گے۔

"میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ اسلام سب سے بڑی سچائی ہے اور سچائی کو چھپانے سے بڑا کوئی جرم نہیں۔ میں مجرم کی حیثیت سے اپنے رب کے حضور میں جانا پسند نہیں کروں گی۔ دنیا ایک عارضی قیام گاہ ہے' یہاں کی تکلیفیں بھی عارضی ہیں۔ عارضی تکلیفوں سے ڈر کر ہمیشہ ہمیشہ کا عذاب قبول کرنا کہاں کی دانش مندی ہے!"

پڑوس کے گھر میں ایک لڑکی پر مدت سے آسیب کا اثر تھا اور پورا گھر اس کی وحشیانہ چیخ وپکار سے تنگ آچکا تھا۔ فلورا اپنے کمرے میں محو ذکر و فکر تھیں اور چیخ وپکار سے ان کی توجہ کا ارتکاز درہم برہم ہورہا تھا۔ انہوں نے "استغفراللہ" کہہ کر آنکھیں کھولیں اور ان آوازوں کے عذاب سے نجات پانے کے لیے اپنے کمرے سے نکل کر پڑوس کے گھر پہنچ گئیں۔ لڑکی کے گھر والوں نے اسے رسیوں سے باندھ رکھا تھا اور اس نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ آپ اس لڑکی کے پاس جا کر بیٹھ گئیں اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا "اے خبیث! اس لڑکی کو چھوڑ کر چلا جا! میں تجھے صرف چند لمحوں کی مہلت دے رہی ہوں ورنہ جلا کر خاک کردوں گی۔"

لڑکی کی زبان سے جن نے جواب دیا "آگ کو آگ سے نہ ڈراؤ' تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں! اپنی راہ لو' میرے معاملات میں مداخلت کی تو میں اس لڑکی کو چھوڑ کر تمہارے سر پر آجاؤں گا۔"

آپ نے جن کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے مہلت کے چند لمحے گزارنے لگیں۔ مہلت ختم ہوئی تو آپ نے تین بار اسم ذات پڑھ کر لڑکی پر پھونک ماردی۔ جس کے اثر سے جن کا غیر مرئی جسم سلگ اٹھا۔ جن چیخنے لگا "مجھے چھوڑ دو' میں جارہا ہوں۔ میں جل رہا ہوں۔ میں جل رہا ہوں' مجھ پر رحم کرو!"

آپ آنکھیں بند کیے بیٹھی رہیں اور جن کی آواز پست ہوتے ہوتے معدوم ہوگئی۔ لڑکی بے ہوش ہوگئی۔ سب گھر والے آپ کے پاس جمع ہوگئے تھے۔ آپ نے ان سے کہا

"اس لڑکی کے ہاتھ پیر کھول دو' یہ اچھی ہوگئی ہے۔ اس کا آسیب خاک ہو چکا ہے۔ اب نہ یہ شور مچائے گی' نہ توڑ پھوڑ کرے گی۔ کل صبح اسے میرے پاس ضرور لانا۔"

آپ واپس اپنے گھر آگئیں۔ لڑکی آپ کے ارشاد کے مطابق تھوڑی دیر بعد ہوش میں آئی تو بالکل ٹھیک تھی۔ لڑکی کا علاج بڑے بڑے طبیب کرچکے تھے' پہنچے ہوئے راہب اپنے عمل آزما چکے تھے مگر اسے ٹھیک نہ کرسکے تھے۔ فطری طور پر گھر والوں کو آپ تمام راہبوں اور طبیبوں سے زیادہ باکرامت نظر آئیں اور آپ کی بزرگی کی شہرت ناربون میں پھیلنے لگی۔ مایوس العلاج مریضوں نے آپ کے پاس آنا شروع کردیا۔ جو بھی آتا' اللہ کے فضل سے شفایاب ہو کر لوٹتا۔

ناربون کے پادریوں کو فکر لاحق ہوگئی کیونکہ اب لوگ انہیں نظر انداز کرنے لگے تھے۔ پادری رابرٹ کا ایک ہاتھ مدت سے مفلوج تھا۔ اس نے بھی آپ کے پاس آکر قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا مگر اس کے دل میں بھی آپ کی طرف سے میل تھا۔ وہ آپ کو جادوگر تو سمجھنے کے لیے تیار تھا مگر آپ کی بزرگی کو تسلیم کرنے میں اسے تامل تھا۔ جب رابرٹ آپ کی خدمت میں آیا تو راہبانہ وضع قطع دیکھ کر بھی آپ نے اس کی توقع کے مطابق اس کی تعظیم نہیں کی اور کہا "پادری صاحب! میں صرف ان لوگوں کا علاج کرتی ہوں جو مجھے اللہ کی کنیز سمجھ کر میرے پاس آتے ہیں۔ جو مجھے جادوگر سمجھتے ہیں' میں ان کے لیے کچھ نہیں کیا کرتی۔"

رابرٹ اپنے دل کی بات آپ کی زبان سے سن کر چونک پڑا اور معذرت کرتے ہوئے کہا "بے شک میرا گمان یہی تھا کہ آپ جادوگر ہیں لیکن آپ سے ملاقات کے بعد میرا خیال بدل گیا ہے۔"

"اس سے پہلے کہ میں دعا کروں' تم سات بار جادو اور جادوگروں پر لعنت بھیجو۔"

رابرٹ نے حکم کی تعمیل کی تو آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھادیے۔

دعا ختم ہونے سے پہلے رابرٹ کا مفلوج ہاتھ دوران خون کی زد میں آگیا اور اس نے خوشی میں چیخ ماری "میرا ہاتھ اچھا ہوگیا' میرا ہاتھ اچھا ہوگیا۔"

رابرٹ آپ کے سامنے تعظیم کے لیے جھکنے لگا تو آپ نے اسے روکتے ہوئے کہا "جاؤ اللہ کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں صحت عطا کی ہے۔"

رابرٹ واپس ہوا تو وہ آپ کی مسیحائی سے بہت متاثر تھا مگر لفظ "اللہ" اس کے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ آسمانی باپ کو مسلمان "اللہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس نے سوچا کیا فلورا مسلمان ہے اور اگر مسلمان ہے تو اس کی دعا میں یہ تاثیر کیوں ہے؟ رابرٹ نے کئی پادریوں سے اپنے سوال کا جواب چاہا مگر کوئی اسے مطمئن نہیں کرسکا مگر اس پوچھ گچھ کے نتیجے میں یہ بات عام ہوگئی کہ فلورا مسلمان ہیں۔

پادریوں نے ایک اجلاس طلب کیا جس میں ناربون کے تمام پادری شریک ہوئے۔ اجلاس میں شرکت کرنے والوں میں ایک پادری ایسا بھی تھا جو پائی ٹیرس میں اس وقت موجود تھا جب جیکب کو عیسائیت سے برگشتہ ہونے پر سزائے موت دی گئی تھی۔ اس نے لوگوں کو بتایا "فلورا' ڈیوک آف ایکوٹین کی بھتیجی اور رچرڈ کی بیٹی ہے۔ فلورا ہی نے جیکب کے کفر کو بے نقاب کرکے اپنے باپ سے کہا تھا کہ اس گمراہ کو قتل کیا جائے۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جو مسلمان کا وجود برداشت نہیں کرسکتی' وہ خود مسلمان کیسے ہوسکتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے فلورا سے ملاقات کریں۔ ملاقات کے بعد یا تو ہمارا شک رفع ہوجائے گا یا یقین بن جائے گا اور پھر ہم جو بھی لائحہ عمل بنائیں گے' وہ بڑی حد تک ہمیں خطرات سے محفوظ رکھے گا کیونکہ فلورا حکمراں خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔"

اجلاس میں غور و فکر کے بعد یہ طے پایا کہ اتوار کو تمام پادری بڑے گرجا میں جمع ہوں اور عبادت کے بعد سب مل کر فلورا کے پاس چلیں اور اسے آج ہی اطلاع دے دیں کہ پائی ٹیرس کے تمام راہب تین دن بعد یعنی اتوار کو شام کے وقت اس سے ملاقات کے لیے آرہے ہیں۔

فلورا کو جب پادریوں کا پیغام ملا تو وہ سوچنے لگیں کہ آنے والوں کا کیا مقصد ہوسکتا ہے؟ کچھ دیر قیاس آرائی کرنے کے بعد انہوں نے اس سوال کو ذہن سے جھٹک دیا اور سوچا کہ جو بات تین دن بعد معلوم ہو ہی جائے گی! اس کے لیے دماغ سوزی سے کیا فائدہ! ہوگا تو وہی جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

سنیچر کے دن دوپہر سے پہلے رچرڈ اور الیگزینڈر' ناربون پہنچ گئے۔ رچرڈ بیوی کو لینے ہرگز نہ آتا مگر بیٹی کی محبت نے اسے مجبور کردیا۔ اس کے خیال میں بیٹی' ناربون میں ماں کی محبت کے سبب ٹھہری ہوئی تھی۔ الیگزینڈر اور رچرڈ نے فلورا کی شفا بخشی کی داستانیں سنیں تو حیرت زدہ ہوگئے۔ فلورا کے چہرے پر تقدس اور عظمت و جلال کا نور دیکھ کر انہیں سنی ہوئی داستانوں پر یقین آہی گیا۔ اسی دن بیوی اور بیٹی کے ساتھ رچرڈ اپنے بیٹے کی معیت میں پائی ٹیرس کی طرف روانہ ہوگیا۔ این کی ماں اور عبدالرحمٰن اپنی تنہائیوں میں رونے اور بلکنے کے لیے ناربون میں ہی رہ گئے۔

پائی ٹیرس میں ایک دن فلورا نماز پڑھ رہی تھیں کہ رچرڈ ان کے کمرے میں آگیا اور بیٹی کو نماز کی حالت میں حیرت سے دیکھنے لگا۔ وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو اس سے پوچھا "یہ تم

کیا کر رہی تھیں؟"

"میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہی تھی۔"

"عبادت کا تم نے یہ کیا طریقہ ایجاد کیا ہے؟"

"مگر عبادت کا یہ طریقہ میں نے ایجاد نہیں کیا ہے۔ یہ وہ طریقہ بندگی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا اور انہوں نے تمام مسلمانوں کو یہ طریقہ تعلیم کیا۔"

رچرڈ یہ سن کر غصے سے بے قابو ہو گیا۔ اس نے کمرا اندر سے بند کیا اور اپنی چہیتی بیٹی کو اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گئی۔ رچرڈ حیران تھا' زدوکوب کے باوجود فلورا قطعاً خاموش رہیں۔ وہ نہ چیخیں اور نہ چلائیں اور نہ آنسو بہائے۔ رچرڈ خود ہی چیختا رہا تھا۔ اس نے کمرے کا دروازہ کھولا تو این اور ملازمین کو دروازے پر موجود پایا۔ این تیزی سے کمرے میں داخل ہوئیں اور چیخ مار کر لہولہان بیٹی کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا "رچرڈ! تم نے یہ کیا کیا؟"

رچرڈ نے جواب دینے سے پہلے ملازمین سے کہا "تم لوگ جاؤ!" ملازمین چلے گئے تو اس نے این سے کہا "اس لڑکی کا دماغ چل گیا ہے۔ یہ خود کو مسلمان کہتی ہے اور مسلمان کے طریقے پر عبادت کرتی ہے۔ میں نے اس کو ایسی سزا دی ہے کہ اس کا دماغ درست ہو گیا ہو گا۔ یہ ہوش میں آئے تو اس سے کہہ دینا کہ میں یہ ذلت برداشت نہ کر سکوں گا کہ میری بیٹی کافر ہو جائے۔"

رچرڈ چلا گیا تو این نے کنیزوں کی مدد سے فلورا کو زمین سے اٹھا کر بستر پر لٹایا اور انہیں ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگی۔ ابھی فلورا ہوش میں نہ آئی تھیں کہ الیگزینڈر آ گیا اور بہن کا حال دیکھ کر بے قرار ہو گیا۔ اس نے پوچھا "کس ظالم نے اسے مارا ہے؟ مجھے اس کا نام بتاؤ' میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"فلورا کو تمہارے باپ نے مارا ہے۔" این نے بڑے دکھی دل سے کہا۔

"مگر کیوں؟" الیگزینڈر نے چیخ کر پوچھا۔

"بیٹے! بہن کو ہوش میں لانے کی کوشش کرو' اصل واقعہ یہی بتا سکے گی۔"

فلورا ہوش میں آئیں تو انہوں نے کہا "الحمدللہ آزمائشوں کا آغاز ہو گیا۔ اے اللہ! مجھے آزمائشوں میں سرخروئی عطا فرمانا!"

این تو سمجھ گئی تھیں کہ فلورا کیا کہہ رہی ہیں لیکن الیگزینڈر سوالیہ نشان بن کر رہ گیا تھا۔ اس نے بہن کو اچھی طرح ہوش میں دیکھا تو کہا "ابا تم سے جتنی محبت کرتے ہیں' کوئی نہیں کرتا۔ ابا جس بات پر اتنے مشتعل ہو گئے' وہ بات ضرور خطرناک ہو گی۔"

"تمہارا خیال درست ہے میرے بھائی! جس معاشرے میں ہم سانس لے رہے ہیں'

اس میں میرے جرم کی سزا قتل کے سوا کچھ نہیں ہے' ابا نے تو صرف معمولی سی سزا دی ہے۔ میرا خیال ہے کہ جب تمہیں میرے قصور کی نوعیت کا علم ہو گا تو تمہارا رویہ بھی ابا سے مختلف نہ ہو گا۔"

"تمہارا یہ خیال درست نہیں ہے فلورا! میں خوب جانتا ہوں کہ تم ایک اچھی بیٹی اور محبت کرنے والی بہن ہو۔ تم کبھی کسی کو ناراض ہونے کا موقع فراہم نہیں کرتیں۔ دل دہی تمہارا طرہ امتیاز ہے۔ ابا یقیناً اختلاف نظریات کی بنا پر مشتعل ہوئے ہوں گے۔ میں آزادی فکر کو انسان کا پیدائشی حق تسلیم کرتا ہوں۔ انسان کو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ اپنے شعور کی روشنی میں پوری آزادی سے سفر حیات طے کرے۔ تم میری بہن ہو اور یہ رشتہ نہ کوئی نظریہ ختم کر سکتا ہے نہ مذہب! مجھے بتاؤ' ابا کس بات پر اس قدر برہم ہو گئے تھے؟"

"میں تمہیں ضرور بتاؤں گی کہ میں نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا ہے۔ میں مسلمان ہو چکی ہوں اور یہی بات ابا کو ناگوار گزری ہے۔ میں اسلام کے مقابلے میں اپنی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتی۔ بڑی سے بڑی سزا مجھے اپنے موقف سے نہیں ہٹا سکتی۔ ابا نے مجھے جس طرح آج سزا دی ہے' اسی طرح اگر وہ زندگی بھر روزانہ سزا دیتے رہیں تو بھی میرے پائے ثبات میں لغزش نہ آئے گی۔"

الیگزینڈر' بہن کی بات سن کر پریشان ہو گیا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ بہن جس راستے پر چل پڑی ہے' اس میں تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے اور وہ اپنی بہن کی مدد بھی نہ کر سکے گا۔ اس نے کچھ دیر غور کرنے کے بعد سوال کیا "کیا واقعی اسلام ہمارے مذہب سے اتنا اچھا ہے کہ اس کے لیے جان دے دی جائے؟"

"ہاں! اسلام ایک ابدی سچائی ہے۔ اگر کوئی اسے ایک بار قبول کر لے اور اس کی روح کو سمجھ لے تو پھر وہ اسلام پر قربان تو ہو سکتا ہے' اسلام چھوڑ نہیں سکتا۔" اس تمہید کے بعد فلورا نے بڑے دل نشیں انداز میں توحید اور تثلیث کا فرق سمجھاتے ہوئے استدلال کے ساتھ اسلام کی برتری ثابت کر دی جس کے نتیجے میں الیگزینڈر نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ این بھی بیٹی کی گفتگو توجہ سے سن رہی تھیں' وہ بھی اسلام کی تجلیوں سے بہرہ مند ہونے کے لیے بے قرار ہو گئیں۔ ماں کو کلمہ پڑھا کر فلورا نے سجدے میں سر رکھا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

رات کو جب رچرڈ آیا تو اس نے اپنی بیوی سے پوچھا "فلورا کا اب کیا حال ہے؟"

"فلورا کا حال خراب ہی کب تھا!" این نے جواب دے کر رچرڈ کو حیران کر دیا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو! میں نے اسے اتنا مارا ہے کہ میرے ہاتھ درد کر رہے ہیں' اس کا حال کس طرح بہتر ہو سکتا ہے۔"

"تم صرف فلورا کو مارپیٹ کر تھک گئے' ابھی تو مجھ کو سزا دینا باقی ہے' الیگزینڈر کی ہڈیاں توڑنا ہیں کیونکہ ہم دونوں بھی فلورا کی طرح اسلام قبول کر چکے ہیں۔"

رچرڈ ایک بار پھر بے قابو ہو گیا۔ اس نے اپنی بیوی پر گھونسوں اور لاتوں کی بارش شروع کر دی مگر الیگزینڈر' ماں کی چیخیں سن کر آ گیا اور اس نے باپ کو مضبوطی سے اپنی بانہوں میں جکڑ لیا۔ رچرڈ نے بہت ہاتھ پیر مارے مگر وہ جوان گرفت سے خود کو آزاد نہ کرا سکا۔ الیگزینڈر نے باپ کو ایک کرسی پر ڈال دیا تھا۔ وہ بڑی دیر تک ہانپتا رہا۔ الیگزینڈر نے قدرے نرمی سے باپ کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے کہا "میری ماں پر آپ پہلے بھی بہت ظلم کر چکے ہیں' اب میری موجودگی میں آپ ان کے ساتھ یا میری بہن کے ساتھ زیادتی نہ کر سکیں گے۔ ہم بلاشک اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اب آپ کے سامنے صرف دو صورتیں ہیں یا تو آپ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں یا ہمیں کلیسائی قانون کے سپرد کر دیں۔"

رچرڈ کی جسمانی توانائیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا مگر اس کا ذہن ابھی بیدار تھا۔ پھولے ہوئے سانس جب قابو میں آ گئے تو اس نے بہت نرمی سے پوچھا "فلورا کہاں ہے؟ اتنی چیخ و پکار ہوئی مگر وہ یہاں نہیں پہنچی۔ آؤ اسے دیکھیں' وہ کس حال میں ہے۔"

رچرڈ جب این اور الیگزینڈر کے ساتھ فلورا کے کمرے میں پہنچا تو انہیں نماز میں مصروف پایا۔ وہ نماز میں اس طرح منہمک تھیں کہ انہیں نہ اپنا ہوش تھا نہ اپنی اطراف کا۔

یہ منظر دیکھ کر رچرڈ کو غصہ تو بہت آیا لیکن اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا "تم دونوں یہاں رکو اور دروازہ اندر سے بند کر لو' اگر ملازمین نے دیکھ لیا کہ فلورا نماز پڑھ رہی ہے تو بات پورے شہر میں پھیل جائے گی۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔"

رچرڈ کمرے سے باہر گیا تو الیگزینڈر نے دروزہ اندر سے بند کر لیا مگر اس نے یہ بات محسوس کر لی کہ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا ہے۔ الیگزینڈر نے بلند آواز سے پوچھا "ابا! جب میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا ہے تو آپ نے باہر سے دروازہ بند کرنے کی کیوں زحمت کی؟"

"میں اس وقت بہت غصے میں ہوں' تمہارے مسئلے پر کوئی جذباتی فیصلہ کرنا نہیں چاہتا۔ جب تک میں تمہارے متعلق اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ نہیں کر لوں گا' تمہیں اسی کمرے میں مقید رہنا پڑے گا۔"

رچرڈ کے اس فیصلے پر الیگزینڈر احتجاج کرتا ہی رہ گیا اور وہ دروازے کو مقفل کر کے اپنے کمرے میں آ گیا۔

رچرڈ نے تمام ملازمین کو بلا کر حکم دیا کہ وہ کسی قیمت پر تالا کھولنے کی کوشش نہ کریں' خواہ انہیں کتنی ہی دھمکیاں دی جائیں "اگر فلورا' الیگزینڈر اور این یہاں سے فرار ہو گئے تو میں تم سب کو عبرت ناک سزا دوں گا۔" رچرڈ نے آخر میں دھمکی دی۔

رچرڈ نے تنہائی میں بیٹھ کر خوب غور کیا اور مال کار انہیں بھوکا پیاسا رکھ کر راہ راست پر لانے کا فیصلہ کیا۔ اسے یقین تھا کہ زیادہ سے زیادہ دو دن میں ان کی قوت مدافعت جواب دے جائے گی۔ وہ اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں گے' پانی اور خوراک کے لیے گڑگڑائیں گے۔

تین دن گزر گئے' نہ کسی نے کوئی احتجاج کیا' نہ دروازے پر دستک دے کر کوئی چیز طلب کی۔ خود رچرڈ کی قوت برداشت جواب دینے لگی۔ اتنا طویل سکوت اسے غیر فطری محسوس ہونے لگا۔ اندیشے اسے ڈرانے لگے' کہیں بیوی بچے مر نہ گئے ہوں؟ ان کا دم نہ گھٹ گیا ہو؟ آخر گھبرا کر اس نے الیگزینڈر کو آوازیں دیں مگر کوئی جواب نہ ملا۔ جواب نہ پا کر رچرڈ نے کمرے کا تالا کھولا۔ رچرڈ کمرے میں داخل ہوا تو تینوں کو پرسکون حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ یہ دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہوئی۔

فلورا نے باپ کو متحیر دیکھ کر کہا "آپ کی یہ بڑی بھول ہے کہ خود کو ہمارا رازق سمجھتے ہیں۔ اس قید میں ہمیں وہ نعمتیں میسر ہیں جو آپ کو اس قید خانے کے باہر بھی میسر نہیں ہیں۔"

رچرڈ یہ بات سن کر کمرے سے فوراً نکل گیا اور دروازے کو پھر مقفل کر دیا۔ وہ سیدھا اپنے ایک صاحب تدبیر دوست کے پاس پہنچا اور اسے تمام صورت حال سے آگاہ کر کے مشورہ طلب کیا کہ وہ اب کیا کرے؟

نیلسن اپنے دوست رچرڈ کی داستان سن کر دنگ رہ گیا اور کچھ تامل کے بعد کہا "یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ اس مصیبت کو ٹالنے کے لیے فوری طور پر کوئی موثر کارروائی کرنا چاہیے ورنہ تم تباہ ہو جاؤ گے۔"

"میں تمہارے پاس اسی لیے آیا ہوں تاکہ تمہاری ذہنی صلاحیتوں سے استفادہ کروں۔ میری سمجھ میں تو کوئی بات نہیں آتی' میں کروں تو کیا کروں!"

"حوصلے سے کام لو رچرڈ! تمہیں سب سے پہلے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اس دنیا میں تم ایک معزز عیسائی کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتے ہو یا اولاد کی محبت میں اپنے مذہب کو خیرباد کہنا چاہتے ہو؟ مگر جواب دینے سے پہلے یہ بات ہرگز فراموش نہ کرنا کہ تم نے مذہب کے تحفظ کے لیے آرچ بشپ جیکب کو سزائے موت دلوانے میں بڑی سرگرمی دکھائی تھی۔ اگر آج تم نے اولاد کے تحفظ کے لیے کسی کمزوری کا مظاہرہ کیا تو دنیا تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔"

"میں ایک سچا اور پکا عیسائی ہوں۔ میں ہر چیز اپنے مذہب پر قربان کرنے کا حوصلہ رکھتا

ہوں مگر موت تو آخری سزا ہے۔ کیا ایسی کوئی صورت نہیں کہ بھٹکے ہوئے مسافر پھر راہ پر آجائیں؟"

"میرا خیال ہے کہ تمہاری اولاد اور بیوی کا ذہنی مرض ناقابل علاج ہو چکا ہے۔ وہ پاگل ہو گئے ہیں ورنہ اپنے سچے مذہب سے کبھی روگردانی نہ کرتے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ رسوائی سے بچنے کے لیے ان تینوں کو زہر دے کر ابدی نیند سلادو اور ان کی موت کو خودکشی بتا کر لوگوں کو مطمئن کر دو۔ اس کے علاوہ کوئی تدبیر مناسب نہیں رہے گی۔ یہ بات ہرگز نہ بھولنا کہ اپنی اولاد کی گمراہی کا تم مجھے گواہ بنا چکے ہو۔ اگر تم نے ان سے رعایت کی تو میں انہیں مذہبی عدالت کے سپرد کر دوں گا۔ اس کے بعد تمہاری کیا عزت رہ جائے گی' یہ تم آسانی سے سمجھ سکتے ہو۔"

"میں تمہارے مشورے پر ضرور عمل کروں گا۔ تمہارا مشورہ مجھے پسند آگیا ہے۔ میں ذلیل ہو کر کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔ میں جا رہا ہوں' میرے لیے دعا کرنا کہ اولاد کی محبت مجھ پر غالب نہ آسکے۔"

○☆○

فلورا' الیگزینڈر اور این کو جب رچرڈ نے کمرے میں محبوس کیا تھا تو این اور الیگزینڈر بہت گھبرا گئے تھے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ اب ان کا آخری وقت آچکا ہے کیونکہ وہ رچرڈ کے مذہبی جنون سے اچھی طرح واقف تھے۔ ماں اور بھائی کو پریشان دیکھ کر فلورا نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا تھا "موت اور زندگی صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے' اللہ ہی سب سے بڑا محافظ ہے۔ آزمائش میں بے قراری کا اظہار ایمان کے ضعف کی علامت ہے۔"

ماں اور بیٹے نے اس نصیحت کو تو قبول کر لیا تھا مگر دل کو خوف نے جو ناہموار دھڑکنیں دے دی تھیں' ان پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔ رات گزری اور پھر پورا دن گزر گیا۔ بھوک پیاس کے تقاضے شدید سے شدید تر ہونے لگے۔ دوسری رات کے ابتدائی حصے میں این اور الیگزینڈر نے کمزوری کی وجہ سے لیٹ کر چپ سادھ لی تھی۔ فلورا بھی عشاء پڑھ کر لیٹیں تو آنکھ لگ گئی۔ خواب میں ایک سراپا نور شخصیت رونما ہوئی اور فلورا سے کہا "صادقہ! تمہارا اخلاص بارگاہ رب العزت میں قبول کر لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو باطل کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑتا۔ تم مرحلہ آزمائش سے کامیاب و کامراں گزری ہو۔ دارالشرک میں تمہیں آج سے تمام روحانی قوتیں حاصل رہیں گی۔ تم نے آج تک وہی کیا جس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے مکرم رسولؐ نے کیا اور اب اس اطاعت کامل کا صلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے تمہاری ہر خواہش پوری فرماتا رہے گا مگر تم اپنی اطاعت

گزاری میں ثابت قدم رہنا۔ میں خضرؑ ہوں' اللہ تعالیٰ کے رازوں کا امین! تم اب بیدار ہو کر اپنی ماں اور بھائی کو کچھ کھلاؤ پلاؤ تاکہ جسمانی طاقت کے ساتھ ان کا ایمان بھی قوی ہو۔"

فلورا کی آنکھ کھل گئی۔ خواب ذہن پر نقش تھا۔ انہوں نے ماں اور بھائی کو دیکھا' وہ نڈھال پڑے ہوئے تھے۔ فلورا نے خواب میں حاصل ہونے والی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے دو رکعت نفل ادا کرنے کا قصد کیا تو دل نے کہا' کاش پانی ہوتا تو وضو بھی کر لیتی۔ ابھی یہ خیال ذہن میں آیا ہی تھا کہ ایک لوٹا اور ایک مٹکا دروازے کے قریب رکھا ہوا نظر آیا۔ فلورا جب مٹکے کے قریب پہنچیں تو اسے بھرا ہوا پایا۔ پانی دیکھ کر پیاس کی شدت بڑھ گئی مگر وہ سوچنے لگیں کہ اگر وضو کیا تو پانی کمرے میں پھیل جائے گا۔ کمرے میں پانی کی نکاسی کا کوئی راستہ نہیں تھا مگر دوسرے لمحے یہ خیال بھی آیا' اللہ کی رحمت سے پانی آسکتا ہے تو پانی اس کمرے کو تر بھی نہ کر سکے گا۔ آپ نے لوٹا بھر کر وضو کیا اور یہ دیکھ کر خوش ہوتی رہیں کہ وضو کا پانی پختہ فرش میں اس طرح جذب ہو رہا ہے جیسے وہ ریگزار میں وضو کر رہی ہوں۔ وضو کر کے انہوں نے دوگانہ شکر ادا کیا اور دعا میں کہا "اے اللہ! فلورا جیسی حقیر بندی کو آپ نے صادقہ بنا دیا۔ میں کس زبان سے آپ کا شکر ادا کروں۔ آپ کے احسانات کا میں شمار بھی نہیں کر سکتی۔ میرے عجز و شکر کو بہ طور شکر قبول فرما کر ایک اور احسان فرما دیجیے۔"

دوگانہ شکر کے بعد آپ نے کھانا کھانے کا ارادہ کیا تو پردہ غیب سے ایک خوان نعمت نمودار ہوا جس میں اتنا کھانا تھا کہ تین آدمی آسانی سے شکم سیر ہو سکیں۔

آپ نے اپنی والدہ اور بھائی کو اٹھا کر کہا "کھانا کھا لو' اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔"

چراغ کی مدھم روشنی میں دونوں کی کھانے پر نظر پڑی تو بہ یک زبان پوچھا "یہ کہاں سے آیا؟"

آپ نے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا "پہلے کھانا کھا لو' کھانا کہاں سے آیا' یہ بعد میں بتاؤں گی۔"

تینوں خوب سیر ہو گئے تو الیگزینڈر نے کہا "فلورا! اب تو بتا دو' یہ لذیذ کھانا کہاں سے آیا؟"

"پہلے تم ایک بات ذہن نشین کر لو' میرا نام آج سے صادقہ ہے' فلورا نہیں۔ دوسری یہ بات بھی سمجھ لو کہ تمہارا نام بھی اب عادل ہے اور امی کا نام آمنہ ہے۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ عیسائیت کی آخری نشانی بھی اب مٹ گئی۔ ظاہر کی باطن

سے مطابقت ہوگئی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ظلمتوں میں تمہیں ہمارے لیے روشنی کا وسیلہ بنادیا۔ یہ حقیقت میں دل سے تسلیم کرچکا ہوں کہ یہاں اللہ ہی نے ہمیں رزق فراہم کیا ہے مگر کیسے؟ اگر اس بات پر تھوڑی سی روشنی ڈال دو تو میرے ذوق تجسس کی تسکین ہوجائے گی۔"

آپ حیران تھیں کہ بھائی کو کس طرح مطمئن کریں۔ خوان نعمت کیسے آیا تھا' پانی کون رکھ گیا اور وضو کا پانی پختہ فرش میں کیسے جذب ہوگیا' ان سوالات کا کوئی منطقی جواب آپ خود بھی دریافت نہ کرسکی تھیں۔ آپ نے کچھ دیر تامل کے بعد کہا "اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو انسان نہیں سمجھ سکتا اور میں بھی انسان ہی ہوں۔ ہمارے لیے یہ بات کم سرمایہ سرور نہیں ہے کہ ہم اس کی رحمتوں کے مستحق ٹھہرے۔ اللہ نے ہمیں اپنی خصوصی توجہ سے سرفراز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر غوروفکر کرتے ہوئے حیران نہ ہونا سیکھ لو کہ یہی حیرت بندگی ہے' یہی عرفان ہے۔ اب تم دونوں وضو کرکے دوگانہ شکر ادا کرو اور بے فکر ہوکر سوجاؤ۔ اب تمہاری زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

صبح نماز کے بعد آپ سے والدہ نے پوچھا "کیا ساری زندگی اس محبس میں گزارنا ہوگی؟"

"نہیں ماں' آپ مطمئن رہیں' ہم جلد ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔ ویسے ہم اگر اسی وقت یہاں سے نکلنا چاہیں تو یہ بند دروازہ راستہ نہیں روک سکتا۔ بعض مصلحتیں مجھے یہاں روکے ہوئے ہیں۔"

"تمہاری مرضی!" آپ کی والدہ نے مختصر جواب دیا۔

وقت مطمئن انداز سے گزرتا رہا۔ ہر چیز حسب خواہش میسر ہوتی تھی۔

○☆○

رچرڈ جب نیلسن کے پاس سے واپس آیا تو اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ ایک طرف مذہب تھا' ایک طرف بیوی' بچے کبھی ایک پلڑا جھک جاتا' کبھی دوسرا۔ آخر عزت کے جھوٹے بت پر بیوی بچوں کو قربان کردینے کا فیصلہ کرکے اس نے ایک لائحہ عمل مرتب کیا اور اس کمرے کا دروازہ کھولا جس میں تینوں بند تھے اور معذرت کرتے ہوئے کہا "میں بہت شرمندہ ہوں کہ تم لوگوں پر زیادتی کی۔ تم نے اگر اپنا مذہب بدل لیا تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے تھا۔ تم لوگ باہر چلو' میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

چاروں باہر آگئے تو رچرڈ نے کہا "باتیں بعد میں' پہلے کھانا کھاؤ۔ میں بھی بھوکا ہوں' تمہارے ساتھ ہی کھانا کھاؤں گا۔"

"ہم بھوکے نہیں ہیں' آپ کھانا کھالیں۔" آپ نے باپ کے جھوٹ کو محسوس کرتے

ہوئے بھی بڑی سادگی سے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم جھوٹ نہیں بولتیں اس لیے تمہاری بات کا مجھے یقین آگیا ہے اور میں تم سے یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ کھانا تمہیں کس نے پہنچایا۔ کھانا میں بھی اب بعد میں کھالوں گا۔ جو بات میں تم سے کہنا چاہتا تھا' وہ میں اب بتائے دیتا ہوں مگر تم لوگوں سے ہمدردانہ غوروفکر کا خواہش مند ہوں۔"

"آپ فرمائیں تو سہی! ہم میں سے ایک آپ کی بیوی' ایک بیٹی اور ایک بیٹا ہے' آپ کی بات ہمارے لیے کیسے غیراہم ہوسکتی ہے!"

"میں ایک باعزت آدمی ہوں اور حکومت اور کلیسا دونوں کا ایک مخلص کارکن ہوں۔ اگر تم نے اپنے اسلام کو راز نہیں رکھا تو میں رسوا ہوجاؤں گا اور تم قتل کردیے جاؤ گے اس لیے تم اگر مسلمان ہی رہنا چاہتے ہو تو مسلمان ہی رہو مگر کسی کو یہ بات معلوم نہ ہونے پائے۔ تم آرام سے اسی طرح اسی گھر میں رہو جس طرح رہتے چلے آئے ہو اور میں نے جذبات سے مغلوب ہوکر جو سزائیں تمہیں دی ہیں' انہیں بھول جاؤ۔"

"ٹھیک ہے' ہم اس معاہدے پر کاربند رہیں گے مگر ایک بات سن لیجیے' ہم دونوں سے آپ کا جو رشتہ ہے اس میں تو کوئی فرق نہیں آیا ہے مگر میری ماں اب آپ کی بیوی نہیں ہے۔"

رچرڈ کے ذہن میں غصے کی ایک لہر آکر گزر گئی مگر وہ ضبط کرگیا اور اس نے مسکراتے ہوئے کہا "میں اس بات کا خیال رکھوں گا۔ اب تو خوش ہونا!"

عادل بڑھ کر باپ سے ہم آغوش ہوگیا اور باپ نے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت پدری کا مظاہرہ بھی کیا۔ گھر کی رونقیں لوٹ آئیں اور معمولات بحال ہوگئے۔

اس ملاپ کے چار دن بعد رچرڈ نے ایک خادمہ کو اعتماد میں لے کر حلوے میں زہر ملوادیا۔ کھانا سب ساتھ کھاتے تھے۔ دوسرے کھانوں کے ساتھ حلوا بھی دسترخوان پر موجود تھا۔ عادل بچپن سے میٹھے کا شوقین تھا۔ سب سے پہلے اس نے حلوا کھانا چاہا تو آپ نے کہا "عادل حلوا نہ کھانا' اس میں زہر ہے۔"

عادل نے ہاتھ کھینچ لیا اور آپ کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"میں جو کچھ کہہ رہی ہوں' حقیقت ہے اور اس بات کی تصدیق ہمارے والد محترم کریں گے کیونکہ زہر خادمہ نے انہی کے حکم سے انعام کے لالچ میں ملایا ہے۔"

رچرڈ کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ اسے گمان گزرا کہ شاید خادمہ نے غداری کرکے راز فاش کردیا ہے۔

آپ اپنے ظالم باپ کا ذہن پڑھ رہی تھیں۔ آپ نے کہا "آپ کا اندیشہ غلط ہے کہ

مجھے خادمہ نے یہ بات بتادی ہے کہ حلوے میں زہر ملادیا گیا ہے۔ میں تو اللہ کے فضل سے یہ بات بھی جانتی ہوں کہ ہماری ہلاکت کا منصوبہ آپ نے نیلسن کے مشورے سے بنایا تھا اور ہمیں ہلاک کرنے کے لیے ہی محبت کا اظہار کیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میری بات کی تردید نہ کرسکیں گے مگر میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔" آپ نے دل ہی دل میں دعا کی "اے حفاظت فرمانے والے صاحب قدرت رب! اس حلوے کو زہر سے پاک کردے۔"
دعا کے بعد آپ نے عادل سے کہا "بسم اللہ پڑھ کر حلوا جس قدر دل چاہے کھاؤ' مجھے بھی دو اور ماں کو بھی۔"

تینوں حلوا کھارہے تھے اور رچرڈ حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ وہ خوش ہو رہا تھا کہ اس کی تدبیر فاش ہو کر بھی کامیاب ہوگئی مگر انجام کار اسے مایوسی کا شکار ہونا پڑا۔ کسی پر زہر کے اثرات ظاہر نہیں ہوئے حالانکہ جو زہر حلوے میں ملایا گیا تھا' اتنا مہلک تھا کہ اس کا زبان پر رکھ لینا ہی ہلاکت کے لیے کافی تھا۔

آپ نے باپ کی افسوس ناک حالت دیکھتے ہوئے کہا "آپ خود کو عیسائی کہتے ہیں' کیا حضرت عیسیٰؑ کی یہی تعلیمات تھی کہ نظریاتی اور معتقداتی اختلاف رکھنے والوں کو زہر دے کر مار ڈالا جائے؟ وہ مذہب جس سے آپ کا دور کا واسطہ بھی نہیں ہے' اس کے لیے آپ کا اتنا جذباتی ہونا کہ اولاد کو بھی ہلاک کرنے پر آمادہ ہوگئے کوئی جواز نہیں رکھتا۔ میرے خیال میں آپ کبر اور انانیت کے مرض میں مبتلا ہیں اور بس! خود کو سچا پکا عیسائی کہہ کر آپ خود کو فریب دیتے رہے ہیں۔"

رچرڈ پر اس کا باطن ظاہر ہوگیا۔ اسے یقین ہوگیا کہ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ اس کی انا کا بت پاش پاش ہوا تو وہ خود بھی بکھر گیا اور شدت غم میں اس کے آنسو ندامت وانفعال کا مظہر بن گئے۔ وہ روتا رہا' بلکتا رہا اور پھر آپ کے قدموں میں آگرا۔
آپ نے باپ کو قدموں سے اٹھا کر کہا "مجھے گناہ گار نہ کیجئے۔ اگر آپ کی پشیمانی میں خلوص ہے تو یقین کیجئے کہ توبہ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ توبہ کیجئے اللہ بڑا معاف فرمانے والا ہے۔"

رچرڈ انقلاب فکر کے بعد اسی وقت مسلمان ہوگیا۔
آپ نے باپ کو اپنی آرزو کے مطابق حالت ایمان میں دیکھا تو سربہ سجود ہوگئیں اور سجدہ شکر کے بعد باپ سے کہا "آج سے آپ کا اسلامی نام عبداللہ ہے۔ میں آپ کو خوش خبری سناتی ہوں کہ آپ انشاء اللہ' اللہ کے مقبول بندوں میں ضرور شامل ہوں گے۔ نیلسن جو کل تک آپ کا دوست تھا اب آپ کا دشمن بن چکا ہے مگر آپ اس کی پروا نہ کیجئے۔ وہ اس قابل ہی نہیں رہے گا کہ آپ کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔ ہم پائی ٹیرس سے واپس ناربون چلے جائیں گے۔ آپ اور عادل یہیں رہیں گے۔ آپ میری اور ماں کی فکر قطعاً نہ کیجئے'

ہمارے لیے اللہ کافی ہے۔ عادل اپنا کاروبار سمیٹیں اور آپ بھی خود کو اپنی ذمے داریوں سے آزاد کرلیں۔ ہماری منزل اب کہیں اور ہے۔ ہم فرانس سے چلے جائیں گے۔ میں یہاں ابھی دو ہفتے رہوں گی تاکہ آپ کو اور عادل کو ارکان دین سکھا سکوں۔"
دو ہفتے بعد آپ پائی ٹیرس سے ناربون روانہ ہوگئیں۔ ناربون میں ہر چند کے فضا آپ کے لیے سازگار نہ تھی مگر کچھ دلوں میں اسلام نے گھر کرلیا تھا۔ انہیں کلمہ پڑھانا بھی ضروری تھا اور ان کی تربیت بھی کرنا تھی۔ جب ناربون پہنچیں تو نانی اور عبدالرحمٰن کی خوشی کا ٹھکانا ہی نہ تھا۔ ناربون کے وہ تمام باشندے بھی بہت مسرور ہوئے جو آپ کی شفا بخشی کا تجربہ رکھتے تھے یا آپ سے فیض حاصل کرنے کے آرزو مند تھے۔ آپ کے ناربون پہنچنے کے تیسرے دن ہی بیماروں اور حاجت مندوں کا آپ کے گھر ہجوم رہنے لگا۔ اس بار آپ نے اسلام کی تبلیغ بھی شروع کردی' جس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہونے لگے۔ تیس عورتیں اور مرد' آپ کے دست حق پرست پر ایمان لے آئے تو پائی ٹیرس میں مذہبی حلقوں نے آپ کے خلاف محاذ آرائی شروع کردی۔ پادری رابرٹ اور دوسرے پادریوں نے اجتماعی طور پر آپ سے ملاقات کی اور آپ پر سوالات کی بوچھار کردی۔ آپ نے بڑے اطمینان سے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے پادریوں کو یقین دلا دیا کہ آپ نہ صرف یہ کہ خود مسلمان ہیں بلکہ اسلام کی تبلیغ بھی کررہی ہیں۔
پادری آپ کے سامنے تو کچھ نہ بول سکے مگر واپس آکر انہوں نے پورے شہر میں آپ کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکا دی۔ ہزاروں افراد نے آپ کے گھر کو گھیرلیا۔ پادریوں نے آپ کے متعلق خاص طور پر لوگوں کو یہ باور کرادیا تھا کہ آپ جادوگرنی ہیں اور بدروحیں آپ کی تابع ہے۔ آپ کے گھر کا محاصرہ کرنے والے اسی خوف سے گھر میں داخل نہ ہوسکے کہ وہ آپ کو جادوگرنی سمجھتے تھے مگر کچھ نو مسلم خواتین اور مردوں کو بلوائیوں نے ان کے گھروں پر جاکر قتل کردیا تھا۔

آمنہ' عبدالرحمٰن اور آپ کی نانی اس صورت حال سے پریشان ہوگئے تھے مگر آپ نے انہیں تسلی دے کر گھر میں پرسکون رہنے کی تلقین کی اور خود گھر کا دروازہ کھول کر نکلیں۔ بلوائیوں کی قیادت رابرٹ کررہا تھا۔ جیسے ہی رابرٹ کی نظر آپ پر پڑی اس نے انگلی اٹھا کر کہنا چاہا کہ اس جادوگرنی کو قتل کردو مگر جو بات اس کی زبان پر آئی وہ یہ تھی "اس جادوگرنی کو کوئی ہاتھ نہ لگائے ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا' اس سے دور ہوجاؤ۔ میں اس سے بات کروں گا۔"

مجمع یہ سنتے ہی پیچھے ہٹتا چلا گیا اور رابرٹ لرزتا ہوا آپ کی طرف بڑھا۔ وہ قریب پہنچا تو آپ نے کہا "رابرٹ! تم نے یہ کیا ہنگامہ کھڑا کردیا ہے! تم تو میری توقع سے بھی زیادہ بے وقوف ثابت ہوئے۔ اگر عقل مند ہوتے تو کلیسا کی عدالت میں جاکر ان پادریوں کی شہادت

سے مجھ پر فرد جرم عائد کرتے جن کے سامنے میں نے مسلمان ہونے کا اقرار کیا تھا۔ اگر تمہیں میرے خلاف کچھ اقدام کرنا تھا تو مجھ سے مشورہ کر لیتے۔ مسلمان اپنے دشمن کو بھی غلط مشورہ نہیں دیا کرتے۔ تم نے پانچ بے گناہ عورتوں اور دس مردوں کو قتل کرا کے کوئی اچھا کارنامہ انجام نہیں دیا۔ اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو اس مشتعل ہجوم کو واپس لے کر کلیسائی عدالت سے رجوع کرو تاکہ وہ مجھ پر اور میرے باقی ماندہ ساتھیوں پر کھلے عام مقدمہ چلا کر اپنا فرض پورا کرے۔ یہ تم جانتے ہو کہ میری دعا سے تمہارا مفلوج ہاتھ درست ہوا تھا' میری بددعا سے اب تمہارے دونوں ہاتھ مفلوج بھی ہو سکتے ہیں۔"

رابرٹ اس دھمکی سے خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے ہجوم کے سامنے ایک تقریر کی اور انہیں واپس ہو جانے پر آمادہ کر لیا۔ رابرٹ کا عوام پر اتنا ہی اثر تھا کہ اس نے ان کے غصے کی آگ کو لفظوں سے سرد کر دیا تھا۔

رابرٹ اور عوام جب چلے گئے تو آپ نے باقی ماندہ روپوش نو مسلموں کو اپنے گھر بلوا لیا اور شہید ہو جانے والوں کے حق میں دعائے خیر کے بعد کہا "جو ہم سے بچھڑ گئے' وہ ہم سے بہتر عالم میں پہنچ گئے۔ اب تم لوگ اللہ کی پناہ میں ہو' ہر قسم کا خوف دل سے نکال دو۔ ابھی تمہیں ایک اور پریشان کن صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا مگر گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

رابرٹ نے کلیسا کی عدالت میں جا کر مطالبہ کیا کہ گمراہ فلورا اور اس کے ساتھیوں پر کھلے عام مقدمہ چلا کر انہیں سزائے موت دی جائے ورنہ ناربون میں گمراہوں کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔ مسلمان' ان کی سرحدوں پر موجود ہیں۔ اگر فرانس کی حدود میں ان کے ہم نواؤں کی تعداد بڑھ گئی تو یہ صورت حال عیسائیوں کے لیے بہت خوف ناک ہو جائے گی۔

کلیسا کی عدالت کا سربراہ کارڈینل جوزف' ناربون کے ہنگاموں سے بے خبر نہ تھا۔ اس نے اس خطرے کو اسی طرح محسوس کیا جس طرح رابرٹ نے باور کرایا تھا۔ اس نے رابرٹ اور اس کے ساتھ آنے والے راہبوں کو یقین دلایا تھا کہ وہ جلد ہی فلورا کے فتنے کا سدباب کرے گا۔ پادری چلے گئے تو کارڈینل جوزف نے اسی وقت ناربون کے گورنر کو طلب کر کے اس سے کہا "فلورا' ڈیوک آف ایکوٹین کی بھتیجی اور رچرڈ کی بیٹی ہے۔ اس نے نہ صرف یہ کہ اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا ہے بلکہ وہ بہت سے افراد کو گمراہ بھی کر چکی ہے۔ کلیسا اس کی گمراہی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ تمہاری سیاسی مصلحتیں کیا ہیں' مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ فلورا اور اس کے گمراہ ساتھیوں کو آج ہی گرفتار کر لیا جائے۔ میں کل صبح کلیسا کے عقب میں واقع بڑے میدان میں مذہبی عدالت قائم کروں گا' انہیں وہاں پیش کیا جائے۔"

گورنر نے کارڈینل جوزف سے برکتیں حاصل کیں اور اس کی دست بوسی کر کے کہا

"میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔"

گورنر نے اپنے محل پہنچ کر اسی وقت ایک فوجی دستہ مسلمانوں کی گرفتاری کے لیے روانہ کر دیا اور فوجی افسر کو حکم دیا کہ وہ فلورا کے ساتھ ادب سے پیش آئے کیونکہ وہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور اس کے دوست رچرڈ کی بیٹی ہے۔

فوجی افسر' شام کو سورج غروب ہونے سے پہلے آپ کے گھر پہنچا۔ فوجی دستہ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے آپ کو بڑے ادب سے گورنر کا حکم سنا کر کہا "اگر آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ میرے ساتھ چلیں تو بڑی مہربانی ہو گی۔"

آپ نے اسی وقت اپنے ساتھیوں کو تیار کیا اور فوجی دستے کے ساتھ چلنے لگیں تو نانی بھی ساتھ ہو لیں۔

آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے رات گورنر کے یہاں آرام سے بسر کی۔ صبح سورج طلوع ہونے کے بعد آپ کو کھلی عدالت میں لے جایا گیا جہاں ہزاروں تماشائی پہلے سے موجود تھے۔

پانچ راہب کارڈینل جوزف کے ساتھ تخت عدالت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جوزف نے آپ سے سوال کیا "کیا یہ سچ ہے کہ تم اپنا مذہب چھوڑ کر گمراہ ہو چکی ہو اور ان افراد کو بھی گمراہ کر چکی ہو جو اس وقت عدالت میں ملزم کی حیثیت سے موجود ہیں؟"

آپ نے جب جواب دینے سے پہلے جوزف کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں تو اسے اپنا جسم لرزتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے اپنی آنکھیں جھکا لیں۔ آپ نے جوزف کے ذہن کو اپنی مرضی کا تابع بنا کر کہا۔ میں الحمدللہ اسلام قبول کر کے راہ راست پر آ گئی ہوں اور اپنے ساتھیوں کو بھی تیرگی سے نکال کر روشنی میں لے آئی ہوں۔ تاریک ماحول میں روشنی کرنا اگر کوئی جرم ہے تو میں بے شک مجرم ہوں مگر میرے لیے اور میرے ساتھیوں کے لیے کوئی سزا تجویز کرنے سے پہلے خود بھی اپنے ضمیر کی عدالت میں کھڑے ہو جانا اور یہ بھی سوچ لینا کہ اگر کوئی جذباتی فیصلہ کر دیا تو اس کے نتائج تمہارے حق میں بہتر نہیں ہوں گے۔"

کارڈینل جوزف نے پانچوں راہبوں سے دبی زبان میں کچھ مشورے کیے اور فیصلہ سنا دیا "ملزمہ فلورا نے اپنے جرم کا اقبال کر لیا ہے اور اس کے ساتھی بھی اپنے جرم کو تسلیم کر چکے ہیں۔ ان کی گمراہی کی شہادتیں بھی موجود ہیں اس لیے کلیسا کی یہ مقدس عدالت ان سب کے لیے سزائے موت تجویز کرتی ہے مگر سزا اس وقت تک موقوف رہے گی جب تک پائی ٹیرس کے آرچ بشپ اور ڈیوک آف ایکوٹین اس سزا کی توثیق نہ کر دیں۔ مجرموں کو کلیسا کے تہ خانے میں لے جا کر قید کر دیا جائے گا۔"

فیصلہ سب کو بہت پسند آیا۔ اہل ناربون "کارڈینل جوزف زندہ باد" کے نعرے لگاتے ہوئے چلے گئے اور مسلمان کلیسا میں لے جائے گئے۔ کلیسا میں جو تہ خانہ تھا' وہ کافی کشادہ تھا

مگر اس میں تاریکی، سیلن اور گھٹن بھی تھی۔ وہاں ہوا برائے نام تھی۔ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو تہ خانے میں بند کر کے جب لوگ چلے گئے تو آپ نے کہا "گھبرانا نہیں' ہمارا پالنے والا ہمارے ساتھ ہے۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔"

آمنہ آپ کی تسلی آمیز گفتگو سن کر بولیں "مجھے تو یہاں وحشت ہو رہی ہے۔ یہ تہ خانہ تو ایک بڑے تالاب کی طرح ہے' نہ ہوا ہے نہ روشنی۔"

آپ نے والدہ کی بات کا جواب دینے سے پہلے سوچا' یہاں ہوا بھی ہونا چاہیے اور روشنی بھی۔ سیلن اور سیلن سے پیدا ہونے والی بدبو بھی بہت پریشان کن ہے۔ ادھر آپ کی خواہش خیال میں مرتب ہوئی' ادھر اللہ کی رحمت نے دستگیری کی۔ نہ سیلن رہی نہ بدبو' نہ گھٹن رہی' نہ تاریکی مگر غور کرنے کے باوجود یہ کوئی نہ سمجھ سکا کہ روشنی کدھر سے آ رہی ہے اور ہوا کا کون سا راستہ ہے۔ اس فوری تغیر سے سب خوش ہو گئے۔

آپ نے اپنی والدہ سے پوچھا "اب آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں؟"

"ہاں اب ٹھیک ہے' بے شک اللہ ہمارا ہر حال میں مددگار ہے۔"

آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا "اللہ کا شکر ادا کرو کہ یہاں تمہیں اسلام کو سمجھنے کا اچھا موقع میسر آگیا ہے۔ ہماری یہ تنہائی بے شک اللہ کی نعمت ہے۔"

○☆○

پائی ٹیرس میں عبداللہ کو نیلسن سے بڑا خطرہ محسوس ہو رہا تھا مگر جب تین چار دن گزر گئے اور ان کے خلاف کوئی ہنگامہ کھڑا نہ ہوا تو وہ خود نیلسن کے گھر گئے۔ وہاں آپ نے نیلسن کو بستر پر اس حالت میں پڑا پایا کہ اس کے دونوں ہاتھ مفلوج تھے اور قوت گویائی ختم ہو چکی تھی۔ نیلسن کی نظر جب عبداللہ پر پڑی تو اس کی آنکھوں میں نفرت دہکنے لگی۔ عبداللہ کو صادقہ کی بات یاد آگئی۔ انہوں نے کہا تھا "نیلسن اس قابل ہی نہیں رہے گا کہ آپ کو نقصان پہنچا سکے۔" عبداللہ نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا اور واپس آ گئے۔ اب انہیں کوئی خطرہ نہ تھا۔ انہوں نے پہلے کلیسا کے عہدے سے استعفیٰ دیا اور پھر ڈیوک آف ایکوٹین کو لکھ بھیجا کہ وہ اب مشیر حکومت کی حیثیت سے کام نہ کر سکیں گے۔ عادل نے اپنا وسیع کاروبار آہستہ آہستہ سمیٹنا شروع کر دیا تھا۔

تین مہینے ہوا کی طرح گزر گئے مگر فرانس کی سیاست اس اثنا میں درہم برہم ہو گئی تھی کیونکہ ۱۱۵ھ کے اواخر میں اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے والیہ اسپین امیر عبدالرحمٰن کو لکھا کہ عثمان بن عنبہ کی بغاوت کو فوراً کچل دیا جائے جو فرانس کے ڈیوکوں کے ساتھ سازباز کر کے اسپین کی اسلامی ریاست کو تخت و تاراج کرتا رہتا ہے۔

امیر عبدالرحمٰن نے سپہ سالار ابن زیان کی سرکردگی میں ایک فوج' عثمان بن عنبہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کی۔ امیر ابن زیان کی اپنے حریف سے پہلی جھڑپ کوہ پیرنیز کے

دامن میں ہوئی۔ عثمان بن عنبہ کے ساتھ عیسائی بھی تھے مگر امیر ابن زیان نے عیسائی اور مسلمانوں کی مشترکہ فوج کو عبرت ناک شکست دی۔ عثمان بن عنبہ پہاڑیوں میں فرار ہو گیا۔ امیر ابن زیان اس کے تعاقب میں بڑھتے چلے گئے۔ انہوں نے فرانس کی حدود میں عثمان پر قابو پایا اور اسے قتل کر دیا مگر امیر ابن زیان کی فرانس میں آمد' فرانس کے لیے بڑا خطرہ تھی۔ ڈیوک آف ایکوٹین اپنے دارالسلطنت تلوزہ میں تھا۔ وہیں اسے عثمان بن عنبہ کی شکست اور موت کی خبر ملی۔ اس نے خطرے کو سر پر منڈلاتے ہوئے محسوس کیا اور اپنی فوجی طاقت کو مجتمع کر کے پائی ٹیرس کی طرف چل پڑا تاکہ مسلمانوں کو دارالسلطنت تک پیش قدمی سے روک سکے۔ پائی ٹیرس پہنچ کر اس نے سب سے پہلے رچرڈ کو طلب کیا اور اس سے پوچھا "میں تمہارا استعفیٰ منظور اور نامنظور کرنے کا حق محفوظ رکھتے ہوئے پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم نے استعفیٰ کیوں دیا ہے؟ تم نے مستعفی ہونے کی کوئی معقول وجہ بھی تحریر نہیں کی ہے۔"

"میں مسلسل محنت سے تھک گیا ہوں۔ میرے اعصاب قابو میں نہیں رہے۔ ایسی صورت میں کلیسا اور حکومت کی دہری ذمے داریوں کے ساتھ میں انصاف نہیں کر سکتا۔ فرائض کو اچھی طرح پورا نہ کرنے سے بہتر یہی ہے کہ آدمی اپنی ذمے داریوں سے سبک دوش ہو جائے۔ میں نے یہی سوچ کر استعفیٰ دیا تھا۔"

"میں تمہیں ایسے حالات میں مستعفی ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا جب وحشی مسلمانوں کا خوں خوار لشکر فرانس پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔ میں کوئی عذر نہیں سنوں گا۔ اس وقت مجھے اپنے اعتماد کے آدمیوں کی سخت ضرورت ہے۔ ناربون کے کارڈینل جوزف کا ایک فیصلہ میرے پاس توثیق کے لیے بھی آیا ہوا ہے جس کا تعلق فلورا سے ہے مگر میں جب تک مسلمانوں کو حدود فرانس سے نہ نکال دوں گا' اس وقت تک کوئی دوسرا کام نہ کروں گا۔"

عبداللہ اپنی بیٹی صادقہ کا حوالہ سن کر بے چین ہو گئے مگر کسی اضطراب کا اظہار کئے بغیر پوچھا "فلورا کے متعلق کیا فیصلہ ہوا ہے۔ جس کی توثیق آپ سے چاہی گئی ہے؟"

"ابھی اس بات کو چھوڑ دو' یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔" ڈیوک آف ایکوٹین نے بات ٹالتے ہوئے کہا "فلورا کے متعلق فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی تم صرف یہ سوچو کہ آنے والے خطرات کا کس طرح مقابلہ کیا جائے؟"

عبداللہ نے کچھ غور کرنے کے بعد کہا "آپ کی فوجی قوت بڑے سے بڑے لشکر کو شکست فاش دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ آپ نے پائی ٹیرس آ کر بڑے تدبر کا ثبوت دیا ہے۔ مسلمان پہلا حملہ یہیں کریں گے۔ سینٹ ہلاری کے عظیم گرجا کی دولت' مسلمانوں کے لیے ضرور پرکشش ہوگی۔ پائی ٹیرس سے عیسائی مجاہدین کی ایک بڑی تعداد آپ کے

جھنڈے تلے جمع ہو جائے گی۔ آپ نے ابھی تک صلیب کے پرستاروں کو پکارا کیوں نہیں!"

"زندہ باد رچرڈ! تم نے بہت صحیح مشورہ دیا ہے۔ میں صلیب کے پرستاروں کو آج ہی مقدس جنگ کے لیے اذن عام دوں گا۔ جہاں تک میرا گمان ہے' اسلامی لشکر اپنے باغی عوام کو سزا دینے کے بعد آگے نہیں بڑھے گا مگر میرا گمان غلط بھی ہو سکتا ہے اس لیے ہمیں تیار رہنا چاہیے۔

○☆○

عثمان بن عنبہ کے قتل اور اس کی باقی ماندہ فوجی قوت کو کچلنے کے بعد ابن زیان واپس ہو جانا چاہتے تھے کیونکہ امیر عبدالرحمن نے انہیں فرانس پر حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا مگر اسپین کی طرف کوچ کرنے سے پہلے انہوں نے ایک خواب دیکھا۔ انہوں نے خواب میں ایک خاتون کو خود سے مخاطب دیکھا "اے امیر! اسپین جانے سے پہلے ناربون پہنچو! وہاں کے بڑے کلیسا میں کچھ مسلمان مرد اور عورتیں عیسائیوں کی قید میں ہیں۔ انہیں آزاد کرائے بغیر تمہاری واپسی دینی فرائض سے کوتاہی کے مترادف ہوگی۔ اگر تم نے ڈیوک آف ایکوٹین سے جنگ کی تو فتح مندی تمہارے قدم چومے گی۔"

امیر ابن زیان خواب دیکھ کر بیدار ہوئے تو تہجد کا وقت ہو چکا تھا۔ تہجد کی نماز کے بعد انہوں نے خواب پر جتنا غور کیا' اسی قدر اعتماد بڑھتا چلا گیا۔ امیر ابن زیان کے منہ سے بے ساختہ یہ کلمہ نکلا "میری بہن! تیرا بھائی تجھے رہا کرائے بغیر ہرگز اسپین واپس نہیں جائے گا۔"

نماز فجر کے بعد امیر ابن زیان نے فوجی افسروں سے مشورے کے بعد پائی ٹیرس کی طرف پیش قدمی شروع کر دی کیونکہ ناربون کو فتح کرنے کے لیے پائی ٹیرس پر پہلے قبضہ کرنا ضروری تھا۔

○☆○

عبداللہ جب ڈیوک آف ایکوٹین سے رخصت ہو کر اپنے گھر پہنچے تو بہت مضطرب تھے۔ طرح طرح کے خیالات انہیں پریشان کرتے رہے۔ عادل نے جب یہ سنا کہ صادقہ کے متعلق کوئی فیصلہ ڈیوک کے پاس توثیق کے لیے آیا ہے تو اس نے اپنے اندیشے کا اظہار کرتے ہوئے باپ سے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ ناربون میں اسلام کی تبلیغ کی پاداش میں صادقہ پر کلیسا کی عدالت نے مقدمہ چلا کر انہیں سزائے موت سنا دی ہے اور اسی سزائے موت کی توثیق کے لیے کاغذات ڈیوک کے پاس آئے ہوں گے۔ ہمیں کل صبح یہاں سے ناربون کے لیے روانہ ہو جانا چاہیے۔ وہیں پہنچ کر ہمیں صحیح صورت حال معلوم ہو سکے گی اور ہم ان کے لیے کچھ کر سکیں گے۔"

عبداللہ نے بیٹے کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "اب یہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں ہے' تم بھی فارغ ہو اور میں بھی۔ آؤ اب عشا کی نماز پڑھ لیں' کھانا بعد میں کھالیں گے۔"

نماز کے بعد خادمہ نے کھانا لگا کر اطلاع دی تو عادل نے کہا "آپ کھانا کھا لیجئے' میں بھوک محسوس نہیں کر رہا ہوں۔"

عبداللہ نے بیٹے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا "صادقہ کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اللہ کے فضل سے اپنی حفاظت اچھی طرح کر سکتی ہے۔ آؤ اطمینان سے کھانا کھاؤ' بے اطمینانی قلب مومن میں نہیں رہ سکتی۔"

عادل نے باپ کی نصیحت کو سنا تو اٹھ کھڑا ہوا اور دستر خوان پر جا بیٹھا۔ کھانا کھانے کے بعد دونوں اپنی خواب گاہوں میں چلے گئے۔

صبح نماز کے بعد عادل نے کہا "رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ صادقہ نے خواب میں کہا ہے کہ وہ ہر طرح محفوظ اور آرام سے ہیں۔ ان کی مدد کے لیے ناربون روانہ نہ ہوں۔ مسلمانوں کا لشکر آج شام تک پائی ٹیرس پہنچ جائے گا۔ ان کی رائے کے مطابق ہمیں جنگ میں حصہ نہیں لینا چاہیے اور جب تک یہاں جنگ ختم نہ ہو جائے۔ ہمیں خود کو گھر تک محدود رکھنا چاہیے۔"

"تمہارا خواب سچا ہے کیونکہ یہی خواب مجھے بھی نظر آیا تھا اور لفظ بہ لفظ یہی باتیں صادقہ نے مجھ سے بھی کہی تھیں۔ ہم انشاء اللہ صادقہ کی ہدایت پر عمل کریں گے۔"

صادقہ کی اطلاع کے مطابق شام کو پائی ٹیرس کے قلعے کے سامنے اسلامی لشکر خیمہ زن ہو گیا۔ دوسرے دن صبح ڈیوک آف ایکوٹین' تیس ہزار کا لشکر لے کر صف آرا ہوا۔ اسلامی لشکر میں مجاہدین کی تعداد کل گیارہ ہزار تھی۔ ڈیوک آف ایکوٹین کا خیال تھا کہ ایک ہی حملے میں وہ اسلامی لشکر کا شیرازہ منتشر کر دے گا مگر جب جنگ ہوئی تو اس کے خواب بکھر گئے۔ مسلمان ہلکے پھلکے ہتھیاروں کے ساتھ اس تیزی سے حملہ آور ہوئے تھے کہ عیسائی لشکر گھبرا گیا تھا۔ شام ہونے سے پہلے عیسائی لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے اور ڈیوک آف ایکوٹین بھاگ کھڑا ہوا۔ مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔ پائی ٹیرس کے عیسائیوں نے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیے اور مسلمانوں نے کسی گھر میں گھسنے کی کوشش نہیں کی مگر ان کی تلواروں نے انہیں یقیناً معاف نہیں کیا جنھوں نے ان پر تلوار اٹھائی۔

صبح نماز کے بعد امیر ابن زیان نے سینٹ ہلاری کے گرجا پر قبضہ کر کے وہاں کی بے شمار دولت پر قبضہ کر لیا اور دو دن قیام کے بعد پائی ٹیرس سے ناربون کی طرف پیش قدمی کی کیونکہ ڈیوک آف ایکوٹین اسی طرف گیا تھا۔

اسلامی لشکر پائی ٹیرس چل پڑا تو عبداللہ اور عادل بھی ہتھیار سجا کر اپنے برق رفتار

گھوڑوں پر ناربون کی طرف چل پڑے۔ جب وہ اسلامی لشکر سے قریب پہنچے تو انہیں مسلح دیکھ کر مسلمانوں نے گرفتار کرلیا اور امیر ابن زیان کی خدمت میں پیش کرکے کہا "یہ دونوں عیسائی جاسوس معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے لیے کیا حکم ہے؟"

امیر ابن زیان نے دونوں کا غور سے جائزہ لیتے ہوئے کہا "یہ دونوں جاسوس ہرگز نہیں ہوسکتے۔ یہ کیا ہیں' یہ خود ہی بتائیں گے۔"

عبداللہ نے امیر کا روئے سخن اپنی طرف دیکھا تو کہا "الحمدللہ ہم دونوں مسلمان ہیں۔ میرا نام عبداللہ اور میرے بیٹے کا نام عادل ہے۔ ساری زندگی گمراہی میں بسر کرکے کچھ ماہ پہلے اپنی بیٹی صادقہ کے توسط سے اسلام قبول کیا تھا' اب ہم جہاد کی سعادت حاصل کرنے کے لیے لشکر میں شامل ہونے آئے ہیں۔ کیا آپ ہمیں سعادت کے حصول کے لیے اپنے ساتھ چلنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے؟"

امیر ابن زیان نے خوش ہوکر کہا "تم ضرور میرے ساتھ چلو مگر تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہاری بیٹی کہاں ہے؟"

"وہ تبلیغ اسلام کے لیے پائی ٹیرس سے ناربون گئی تھیں۔ وہاں انہیں کوئی حادثہ پیش آگیا ہے مگر حادثے کی نوعیت سے ہم بے خبر ہیں۔"

امیر ابن زیان کے ذہن میں بجلی سی کوند گئی۔ انہیں وہ خاتون یاد آئیں جنھیں خواب میں دیکھا تھا مگر انہوں نے اپنا خواب نہیں سنایا۔

لشکر اسلام ناربون پہنچا تو ڈیوک آف ایکوٹین کو جنگ کے لیے پورے سازوسامان کے ساتھ تیار پایا۔

خوں ریز جنگ ہوئی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگئی مگر اس معرکے میں دو ہزار مسلمان شہید ہوگئے اور ان شہداء میں عبداللہ اور عادل بھی شامل تھے۔ امیر ابن زیان نے ان کی لاشوں کے قریب کھڑے ہوکر اپنے ساتھیوں سے کہا "یہ دونوں کتنی دلیری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔"

ڈیوک آف ایکوٹین دس ہزار عیسائیوں کی لاشیں چھوڑ کر اور چالیس ہزار عیسائیوں کو ساتھ لے کر ایک بار پھر فرار ہوگیا تھا۔

ناربون کے گرجا سے بھی کافی دولت ملی مگر یہ اس دولت کا عشر عشیر بھی نہ تھی جو انہیں پائی ٹیرس سے ملی تھی۔ امیر ابن زیان دن بھر کے تھکے ہوئے تھے۔ جب وہ رات کو سوئے تو صادقہ پھر خواب میں نظر آئیں۔ وہ کہہ رہی تھیں "تم بھی عجیب بھائی ہو' بہن قید میں ہے اور بھائی سو رہا ہے۔"

امیر ابن زیان نے صادقہ کو پہچانتے ہوئے کہا "آپ مجھے بتائیں آپ کہاں ہیں؟ کوشش کے باوجود میں وہ جگہ تلاش نہ کرسکا جہاں آپ مقید ہیں۔"

"میں جہاں ہوں' وہ ایسا ہی تہ خانہ ہے جو آسانی سے دریافت نہیں ہوسکتا۔ گرجا میں حضرت مریمؑ کا بت مفروضہ خدوخال کے ساتھ جس چبوترے پر نصب ہے' اسی کے نیچے تہ خانہ ہے مگر تہ خانے کا دروازہ کارڈینل جوزف کے کمرے میں اس قالین کے نیچے ہے جس پر وہ بیٹھتا ہے۔"

امیر ابن زیان کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے چاہا کہ صبح ہونے کا انتظار کرلیں مگر دل نہ مانا۔ وہ اسی وقت چند سپاہیوں کو ساتھ لے کر گرجا پہنچے اور کارڈینل جوزف کے دروازے پر دستک دی۔ وہ جاگ ہی رہا تھا۔

اس نے جیسے ہی دروازہ کھولا' امیر ابن زیان کمرے میں داخل ہوگئے اور پوچھا "بتاؤ مسلمانوں کو تم نے کہاں قید کیا ہے؟"

جوزف سوال سن کر گھبرا گیا مگر جلدی ہی خود پر قابو پاتے ہوئے بولا "میں نے انہیں گرجا کے تہ خانے میں ہی قید کیا تھا اور تہ خانے کا راستہ بتائے دیتا ہوں۔" جوزف نے اپنا قالین ہٹایا تو اس کے نیچے ایک چوبی دروازہ نظر آیا۔ اس نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہی تہ خانے کا دروازہ ہے مگر اس میں جانا بے سود ہوگا۔ تین ماہ پہلے مسلمانوں کو تہ خانے میں بند کرنے کے بعد جب قیدیوں کے لیے کھانا پہنچایا گیا تھا تو انہوں نے کھانا قبول کرنے سے یہ کہتے ہوئے انکار کردیا تھا کہ وہ ہمارے ناپاک ہاتھوں سے تیار کیا ہوا کھانا نہیں کھائیں گے پھر خادم کھانا واپس لے آئے۔ دوسرے دن بھی جب کھانا پہنچایا گیا تو پہلے والا ہی جواب ملا۔ تیسرے دن بھی جب کھانا قبول نہ کیا گیا تو میں نے خادموں سے کہا کہ وہ کھانا تہ خانے میں پہنچا کر تہ خانے کا دروازہ بند کردیں۔ اگر وہ خودکشی ہی کرنا چاہتے ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے! خادم جو کھانا رکھ آئے تھے' وہ تہ خانے میں اس بات کا ثبوت فراہم کرے گا کہ انہیں کھانا کھلانے کی کوشش ضرور کی گئی تھی۔ وہ اب تک مر کھپ گئے ہوں گے' نہ وہ باقی رہے ہوں گے نہ ان کی ضد!"

تمہارا خیال غلط ہے پادری صاحب! وہ ابھی تک زندہ ہیں۔" امیر ابن زیان نے بڑے اعتماد سے کہا "میں شرط لگاتا ہوں' اگر وہ زندہ نہ ملے تو میں تمہارا مذہب قبول کرلوں گا ورنہ تمہیں میرا مذہب قبول کرنا پڑے گا۔"

امیر کے حکم سے تہ خانے کا دروازہ کھولا گیا اور امیر خود تہ خانے میں گئے۔ راستہ پیچ وخم کھاتا ہوا ایک بڑے کمرے تک پہنچا۔ رات اور وہ بھی تہ خانے کی رات تاریک ترین ہونا ہی چاہیے تھی مگر اس وقت بھی ایک بے چراغ اجالا فضا کو منور کیے ہوئے تھا۔ امیر نے دیکھا کہ اللہ کے عبادت گزار بندے زندہ سلامت نماز تہجد میں مصروف ہیں۔ امیر کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا اور انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

صادقہ نماز سے فارغ ہوئیں تو انہوں نے بلند آواز میں کہا "میرے بھائی! کمرے میں

آؤ' باہر کیوں کھڑے ہوئے ہو؟"

امیر کو حیرت ہوئی کہ بغیر رخ پھیرے ہوئے انہیں کیسے دیکھ لیا گیا۔

وہ اسی سوچ میں تھے کہ صادقہ نے پھر کہا "آؤ' میں اپنے بھائی امیر ابن زیان کو خوش آمدید کہتی ہوں۔"

اپنا نام سن کر انہیں اور بھی حیرت ہوئی مگر وہ آگے بڑھے۔ اس اثنا میں آپ بھی کھڑے ہو کر اپنا رخ امیر ابن زیان کی طرف کر چکی تھیں۔ امیر نے پہلی نظر میں ہی وہ صورت پہچان لی جو دو مرتبہ خواب میں دیکھی تھی۔ تمام مسلمان مرد اور خواتین نے امیر کو اپنے حصار میں لے کر صادقہ کی تائید میں فتح کی مبارک باد دی۔ امیر نے سب کو دعائے خیر سے یاد کرنے کے بعد صادقہ سے پوچھا "کیا میں اپنی بہن کا نام پوچھ سکتا ہوں؟"

"عادل آپ سے پہلے ہی مل چکے ہیں۔"

امیر ابن زیان' عبداللہ اور عادل کا نام سن کر ملول ہو گئے۔

آپ نے مسکراتے ہوئے کہا "مجھے معلوم ہے کہ میرے والد اور میرے بھائی شہید ہو چکے ہیں مگر اس میں ملال کی کیا بات ہے! شہادت تو اہل ایمان کی مراد ہوتی ہے۔ میں اللہ کی شکر گزار ہوں جس نے مجھے ایک شہید کی بیٹی اور ایسے دو بھائی کی بہن ہونے کی عزت عطا کر دی جن میں ایک شہید اور ایک غازی ہے۔"

صبر و استقامت کو اپنے سامنے متشکل دیکھ کر امیر ابن زیان کو روحانی مسرت حاصل ہوئی۔ انہوں نے پوچھا "یہاں کھائے پیئے بغیر کیسے گزارہ ہوا؟ تہ خانے میں یہ روشنی' یہ ہوا کہاں سے آ رہی ہے؟"

"آپ کے تینوں سوالوں کا میرے پاس صرف ایک جواب ہے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ امکانات کے جو دائرے ہماری فکر نے بنائے ہیں' ان دائروں سے باہر ہمیں ناممکنات کا عمل دخل نظر آتا ہے مگر وہ ذات اقدس جو محیط اور بہ ہر اعتبار محیط ہے' اس کی قدرتوں کی ہمہ گیری کا کون ادراک کر سکتا ہے! جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں' یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے۔"

"آپ نے درست فرمایا' ہم کبھی کبھی مادی اسباب و علل کے اتنے اسیر ہو جاتے ہیں کہ ذہن قدرت الٰہی سے محجوب ہو جاتا ہے۔ اب آپ سب میرے ساتھ چلیں۔"

مسلمان قید سے رہا ہو کر جب زندہ سلامت کارڈینل جوزف کے کمرے میں پہنچے تو کارڈینل جوزف صادقہ کے قدموں میں گر پڑا اور کہا "میں شرط ہار گیا' مجھے اپنے مذہب میں داخل کر لو۔"

آپ نے امیر ابن زیان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو امیر ابن زیان نے استفہامیہ نظر کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا "انہوں نے مجھ سے شرط لگائی تھی کہ اگر آپ لوگ

زندہ ملے تو یہ اسلام قبول کر لیں گے۔ اس وقت یہ اسی شرط کا حوالہ دے رہے ہیں۔"

آپ نے جوزف سے کہا "سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور میری بات غور سے سنو' شرط ہارنے کے نتیجے میں اگر تم اسلام قبول کرو گے تو اسلام تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ اسلام کو اسلام کی اچھائیوں کے کامل شعور کے نتیجے میں اگر قبول کیا جائے تو یہ منشائے رب کے عین مطابق ہو گا۔ تم اسلام کو سمجھو' پرکھو اور جب اسلام کے لیے کامل آمادگی پیدا ہو جائے تو اسلام ضرور قبول کر لینا۔"

آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ امیر کے خیمے میں پہنچیں تو نماز فجر کا وقت ہو چکا تھا۔ نماز کے بعد امیر عبدالرحمٰن کا قاصد قرطبہ سے آیا اور امیر عبدالرحمٰن کا پیغام پہنچایا "امیر عبدالرحمٰن نے آپ کو یاد کیا ہے یہیں سے واپس ہو جائیں۔ آج کل بربروں نے اسپین میں فتنہ انگیزی شروع کر دی ہے۔ اسپین میں آپ کی شدید ضرورت ہے۔"

امیر ابن زیان کیونکہ اپنے خواب کو تعبیر آشنا کر چکے تھے اس لیے اسی وقت فوج کو کوچ کرنے کی تیاری کا حکم دے دیا "ہم آج ظہر کی نماز پڑھ کر اندلس کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔" ہرکارے اعلان کے لیے چلے گئے تو امیر نے آپ سے پوچھا "اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

"میں اب فرانس میں نہیں رہوں گی۔ میں یہاں سے آپ کے ساتھ قرطبہ جاؤں گی اور وہاں سے میں حج بیت اللہ کا ارادہ رکھتی ہوں۔ یہ میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا ہے۔"

امیر ابن زیان آپ کا یہ فیصلہ سن کر خوش ہو گئے کیونکہ ان کی دلی آرزو بھی یہی تھی۔

آپ نے عبدالرحمٰن' آمنہ اور دوسرے ساتھیوں سے جب قیام کے سلسلے میں رائے معلوم کی تو وہ سب ہی آپ کے ساتھ ہی جانے پر مصر ہو گئے۔

آپ لشکر کے ساتھ منزلیں طے کرتی ہوئی قرطبہ پہنچیں جہاں تین ماہ کے قیام میں والدہ اور نانی عالم جاودانی کی طرف سفر کر گئیں۔ آپ کے ساتھیوں نے قرطبہ ہی میں قیام کر لیا۔ ایک دن امیر ابن زیان سے رخصت ہو کر عبدالرحمٰن کی معیت میں آپ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہو گئیں۔ چھ مہینے میں آپ اس وقت مکہ مکرمہ پہنچیں جب ایام حج تھے۔ ارکان حج ادا کرنے کے بعد آپ مدینہ منورہ پہنچیں۔ رحمت اللعالمین کے آستانہ اقدس پر حاضری کے وقت آپ اتنا روئیں کہ بے ہوش ہو گئیں۔ جب آپ ہوش میں آئیں تو عبدالرحمٰن سے کہا بابا کاش میں کبھی ہوش میں نہ آتی۔ جب تک میں بے ہوش رہی حضور اکرمؐ کے دیدار سے آسودہ ہوتی رہی۔ اب اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ ہم یہاں سے مراکش چلے جائیں اور وہیں قیام کریں۔"

جب آپ بغداد پہنچیں تو ایک نوجوان بزرگ نے جن کا نام سعد اللہ ہاشمی تھا'

عبدالرحمٰن کی معرفت نکاح کا پیغام دیتے ہوئے کہا کہ نکاح سنت ہے۔ سنت سے اعراض میں انسان بڑے گھاٹے میں رہتا ہے۔

جب عبدالرحمٰن نے سعداللہ ہاشمی کا پیغام آپ کو دیا تو آب دیدہ ہو گئیں اور کہا "ان سے کہہ دو کہ میری منزل مراکش ہے۔ نکاح کے سنت ہونے کا جو حوالہ انہوں نے مجھے دیا ہے میں اسے فراموش نہیں کروں گی۔"

اسی دن آپ بغداد سے چل پڑیں اور چار مہینے کے سفر کے بعد مراکش پہنچ گئیں۔ وہاں آپ بربروں کی اصلاح میں منہمک ہو گئیں۔ مراکش میں سات سال آپ نے بربروں کو اسلام کی روح سے آشنا کرنے میں صرف کر دیے۔

ایک دن صبح آپ نے عبدالرحمٰن سے کہا "بابا! جاؤ شہرپناہ کے دروازے پر جا کر ایک مہمان کا استقبال کرو۔"

عبدالرحمٰن شہرپناہ کے دروازے پر پہنچے تو سعداللہ ہاشمی کو دروازے سے داخل ہوتے پایا۔ عبدالرحمٰن انہیں لے کر آپ کی خدمت میں آئے۔

سعداللہ ہاشمی نے آپ کو دیکھتے ہی کہا "آپ نے ابھی تک شادی نہیں کی۔"

"شادی کا وقت آپہنچا ہے۔ میں چار دن بعد جمعے کے دن نماز عصر کے بعد آپ ہی سے شادی کروں گی۔ آپ دولھا بن کر یہاں آجائیں۔"

جمعے کے دن سعداللہ ہاشمی نکاح کے لیے آگئے۔ آپ کے گھر میں بربر خواتین کا ہجوم تھا اور بڑی کثرت سے آپ کے معتقد بربر بھی موجود تھے۔ ایک عالم نے نکاح پڑھایا۔ ایجاب وقبول کے بعد آپ نے وضو کیا اور سنت نبوی کو ادا کرنے کی خوشی میں دوگانہ شکر کی نیت باندھی۔ جب آخری سجدے کے لیے آپ نے اپنا سر زمین پر رکھا تو واصل بہ حق ہو گئیں۔

بربر عورتوں نے جب آپ کی وفات کی اطلاع باہر پہنچائی تو سعداللہ ہاشمی نے ایک ایسی دل دوز چیخ ماری کہ کلیجا پھٹ گیا۔ انہوں نے خون کی قے کی اور دم دے دیا۔ ۷ اشوال ۲۴۱ھ کو بعد نماز عشا دونوں پہلو بہ پہلو دفن ہوئے۔

عبدالرحمٰن آپ کی وفات کے بعد بھی دس سال تک زندہ رہے۔ عبدالرحمٰن، صادقہ کے قریب ہی مدفون ہوئے۔ ساری زندگی عبدالرحمٰن نے آپ کے ذکر اور آپ کے مزار کی خدمت میں بسر کی۔ بربر، صادقہ کو ام الابرار کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مراکش کے ایک نخلستان، راجع میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

○☆○

پیش بین

تاریخ کی روشن حقیقتیں۔ ایک نامور بزرگ کی [illegible] سوانح حیات مبارک

مرسیہ سے شاطبہ کی طرف جانے والی شاہراہ پر عابد کا سفر تیزی سے جاری تھا۔ وہ ایک مشاق شہسوار تھا۔ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے اس نے دو راتیں اور تین دن گزار دیے تھے۔ تیسری رات کے آغاز میں تھوڑی دیر باقی تھی اور شاطبہ تک پہنچنے کے لیے ابھی اسے چالیس فرسخ کی مسافت طے کرنا تھی۔ اس نے مغربی افق پر کم تاب اور زرد رو آفتاب کی طرف نظر اٹھائی تو وہ سیاہ بدلی بھی اسے نظر آئی جو ایک گوشے سے ابھر کر آسمان پر پھیل رہی تھی۔ موسم سرما کی برسات کے تصور سے ہی اس کے تھکے ہوئے اعصاب ٹھٹھرنے لگے مگر اس کی قوت ارادی مضبوط تھی۔ اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی، سفر جاری رہا۔ ابھی اس نے تیس فرسخ طے کیے ہوں گے کہ گرج چمک کے ساتھ اولے برسنے لگے۔ اسے یوں لگا جیسے آسمان اسے سنگسار کر رہا ہے۔ اولوں کی ضربات سے بچنے کے لیے اس نے ایک گھنے درخت کے نیچے پناہ لی۔ اولوں کی زد سے بچنے کے بعد اسے محسوس ہوا کہ سردی کی شدت اس سے اس کے حواس جلد ہی چھین لے گی۔ اس نے ایک رسی سے خود کو زین کے ساتھ باندھ کر اپنے وفادار گھوڑے کی گردن پر پیار سے تھپکی مار کر کہا "میرے پیارے ساتھی، مجھے معاف کر دے، میں نے مسلسل سفر کر کے تیرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اللہ تیری رہنمائی کرے تو گھر تک پہنچ جانا۔"

گھوڑے نے ہنہنا کر جب یقین دلایا کہ وہ حکم کو سمجھ گیا ہے تو عابد پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ بھوک، تھکن اور اعصاب شکن سردی کے فطری نتائج کا مقابلہ قوت ارادی نہ کر سکی تھی۔

عابد کے بے ہوش ہو جانے کے بعد گھوڑے نے ایک دو بار پناہ گاہ سے نکلنے کی کوشش کی مگر ژالہ باری کی شدت نے اسے سفر سے باز رکھا اور پھر وہ اس وقت تک درخت کے نیچے کھڑا رہا جب تک ژالہ باری ہوتی رہی۔ جب گھوڑے نے دوبارہ اپنے سفر کا آغاز کیا تو نصف رات گزر چکی تھی۔ وہ تیزی سے شاطبہ کی طرف دوڑنے لگا۔

گھوڑا عابد کی قیام گاہ پر پہنچا تو لوگ سرد موسم میں، اپنے بستروں میں دبکے ہوئے تھے۔

گھوڑے نے ہنہنا کر اپنی آمد کی اطلاع دی۔ گھر میں زبیر محو عبادت تھے۔ وہ عابد کے گھوڑے کی آواز پہچان کر جلدی سے اٹھے اور دروازہ کھول کر باہر آئے۔ گھوڑے کو گھر کے احاطے کے باہر دیکھ کر زبیر کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ دوڑتے ہوئے گئے اور ایک ہی نظر میں معاملے کی تہ کو پہنچ گئے۔ عابد کی نبض میں زندگی کے ڈوبتے ہوئے آثار محسوس کر کے وہ گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے کر چلے تو انہوں نے طارق اور قاسم کو آواز دی مگر وہ آواز سن نہ سکے کیونکہ گہری نیند میں ہونے کے علاوہ انہوں نے نقطہ انجماد کو چھونے والی سردی سے بچنے کے لیے خود کو اچھی طرح کمبلوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔ زبیر نے اصطبل میں پہنچ کر عابد کو زین سے کھول کر اتارا اور اسے خواب گاہ میں لے آئے۔ عابد کے کپڑے پانی سے تر تھے۔ اس لیے پہلے اس کے کپڑے تبدیل کئے گئے پھر اسے اپنے بستر پر لٹا کر اس پر کئی کمبل ڈال دیئے گئے۔ اب زبیر کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ عابد کے سرد جسم میں فوری طور پر حرارت پیدا کی جائے؟ انہوں نے ایک لائحہ عمل مرتب کر کے طارق اور قاسم کو جھنجوڑ کر جگایا اور عابد کی ناگفتہ حالت سے انہیں آگاہ کر کے قاسم سے کہا "تم اصطبل میں جا کر گھوڑے کے جسم کو خشک کرو اور اس پر نمدا ڈالو، گھوڑے کو چارہ دو اور اصطبل کے آتش دان میں لکڑیاں ڈال کر جلا آؤ۔"

قاسم چلا گیا تو زبیر نے طارق کی مدد سے عابد کے جسم پر شیر کی چربی سے مالش کی اور بستر کو آتش دان کے قریب کھینچ لائے تاکہ عابد زیادہ سے زیادہ حرارت حاصل کر سکے۔ طارق اور قاسم دونوں ہی اپنے ساتھی کی حالت دیکھ کر اداس ہو گئے تھے۔

زبیر نے ان کے چہرے پر حزن وملال کی واضح علامتیں دیکھیں تو کہا "فکر نہ کرو انشاء اللہ عابد کو جلد ہی ہوش آجائے گا۔ دودھ کو تیز گرم کر کے اسے شہد سے میٹھا کرو، ہوش میں آتے ہی اسے دودھ پلانا ہے۔"

کچھ دیر کے بعد زبیر نے عابد کی نبض دیکھی تو نبض کی رفتار کو پہلے سے کچھ جان دار محسوس کر کے اطمینان کا سانس لیا۔ قریب کی مسجد میں جب اذان فجر ہوئی تو عابد کے جسم میں کچھ حرکت ہوئی۔ زبیر نے کمبل میں ہاتھ ڈال کر عابد کی نبض دیکھی تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس کی رگوں میں زندگی کی حرارت عود کر آئی تھی۔ انہوں نے عابد کو آواز دی تو اس نے بڑی کم زور آواز میں پوچھا "میں کہاں ہوں؟"

زبیر نے قاسم سے دودھ طلب کیا، وہ دودھ لے آیا اور طارق نے عابد کو اٹھا کر دودھ کا پیالہ اس کے منہ سے لگا دیا۔ عابد نے آنکھیں کھولے بغیر دودھ پی لیا۔ قاسم نے عابد کو آواز دے کر اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا تو زبیر نے کہا "اسے لٹا دو۔ اب یہ جب خود بیدار ہو تو جی بھر

کے باتیں کر لینا، ابھی پریشان نہ کرو۔"

زبیر نے حکم کے مطابق عابد کو لٹا کر پھر اس پر کمبل ڈال دیئے۔

موسم اس وقت کچھ اور زیادہ سرد ہو گیا تھا۔ جمے ہوئے پانی کو آگ پر رکھ کر تحلیل کیا گیا اور تینوں نے اس پانی سے وضو کر کے نماز فجر ادا کی۔ نماز کے بعد قاسم نے زبیر سے پوچھا "آپ بتا سکتے ہیں کہ عابد اتنی جلدی کیوں آگیا؟ کیا آپ کے سفارشی خط کے باوجود اسے نوکری نہیں ملی؟"

زبیر نے دونوں سوالوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا "انشاء اللہ عابد بیدار ہو کر تمہیں تمام تفصیلات سے آگاہ کرے گا۔ جب حقیقت حال دریافت کرنے کا امکان روشن ہے تو قیاس کی دلدل میں کیوں پھنسا جائے۔"

دن چڑھے عابد خود ہی بیدار ہو گیا۔ زبیر اس وقت گھر پر موجود نہ تھے۔ اس نے طارق سے پوچھا "محترم زبیر کہاں ہیں؟ اگر گھر میں نہیں ہیں تو ان کی واپسی کب ہو گی؟"

"وہ تمہارے لیے کوئی دوا لینے بازار گئے ہیں۔ ان کی جلد واپسی ہو گی، تم اپنا حال سناؤ۔"

"میں اب ٹھیک ہوں۔ اللہ نے مجھے بچا لیا۔ میرے گھوڑے کا کیا حال ہے؟"

"گھوڑا ٹھیک ٹھاک ہے۔ وہ پچھلی رات تمہیں یہاں لے کر پہنچا تھا۔ واقعی گھوڑے نے اپنی رفاقت کا حق ادا کر دیا۔"

"دوستو! معاف کرنا، میں اپنے فرض شناس گھوڑے کو دیکھ کر ابھی آتا ہوں۔ غالباً وہ اصطبل ہی میں ہو گا۔"

عابد جانتا تھا کہ گھوڑا اصطبل کے علاوہ اور کہیں نہیں جا سکتا اس لیے اپنے سوال کے جواب کا انتظار کئے بغیر ہی اصطبل میں پہنچ گیا۔ عابد نے گھوڑے کے گلے میں بانہیں ڈال کر اسے خوب پیار کیا۔ جب وہ اصطبل سے واپس ہوا تو زبیر آچکے تھے۔ عابد کی نظر جیسے ہی ان پر پڑی، دوڑتا ہوا ان سے لپٹ گیا اور روتے ہوئے کہا "محترم! کیا میں مسلمان نہیں ہوں؟ کیا اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی میرا ایمان مشتبہ ہے؟"

زبیر نے تسلی دیتے ہوئے عابد کو اپنے پاس بٹھایا اور خود بھی بیٹھ کر کہا "عابد! میں تمہارے سفر کی تفصیلی روداد سن کر ہی تمہارے سوالات کا جوابات دینا پسند کروں گا۔"

عابد نے رومال میں آنسو جذب کر کے خود کو سنبھالا اور کہا "میں آپ کا سفارشی خط لے کر شاطبہ سے مرسیہ کی طرف چلا تو مجھے یقین تھا کہ میں بے روزگاری کے دردناک عذاب سے نجات پا لوں گا۔ میں سارے راستے جاگتی آنکھوں سے درخشاں مستقبل کے خواب دیکھتا رہا۔ دوران سفر میں صرف ایک واقعہ قابل ذکر پیش آیا تھا اور وہ یہ کہ وادی

شقورہ میں میری ملاقات اپنے ہم جماعت فلپ سے ہوئی تھی۔ اس نے مجھے اس بات پر بڑی ملامت کی کہ میں نے اسلام کیوں قبول کرلیا ہے۔ فلپ کے ساتھ کچھ عیسائی مجاہدین بھی تھے۔ اگر فلپ پرانی رفاقتوں کالحاظ نہ کرتا تو عیسائی مجاہدین مجھے ضرور قتل کردیتے۔ میں مرسیہ پہنچ کر مرسیہ کے عامل ابوالحکم سے ملا اور آپ کا خط اسے دیا۔ خط پڑھ کر مسکراتے ہوئے اس نے مجھ سے پوچھا "کیا تم صدق دل سے ایمان لائے ہو؟" اس سوال کے جواب میں جب میں نے اسلام قبول کرنے میں اپنے اخلاص کی یقین دہانی کی تو اس نے کہا "زبیر ایک سادہ لوح آدمی ہیں۔ انہوں نے بھی تمہارے دینی اخلاص پر اپنے خط میں کافی زور دیا ہے مگر میں نہ ان سے اتفاق کرسکتا ہوں' نہ تمہاری بات کا یقین کرسکتا ہوں۔ فوج میں کسی نومسلم کو' کوئی عہدہ دینا میرے نزدیک بے احتیاطی نہیں بلکہ اسلام دشمنی ہے۔ اگر تم صدق دل سے اسلام قبول کرچکے ہو تو میں تعمیرات کے شعبے میں تمہیں ایک معقول ملازمت دے سکتا ہوں اور وہ بھی اس لیے کہ زبیر کی سفارش میرے لیے ایسی نہیں کہ میں اسے قطعاً نظرانداز کردوں۔" ابوالحکم کی اس پیش کش کو میں نے یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ میں طبعاً سپاہی ہوں' تعمیرات کے شعبے میں اپنے ذاتی جوہر کو برباد کرنا پسند نہ کروں گا۔ عامل مرسیہ کو میرا جواب بہت ناگوار گزرا۔ اس نے یہ کہنے سے پہلے کہ میں اب جاسکتا ہوں' مجھ سے کہا "مجھے معلوم تھا کہ تم ضرورت مند نہیں ہو' صرف فوج میں عہدہ حاصل کرکے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کرنا چاہتے ہو۔" ابوالحکم نے میرے اخلاص کے منہ پر طمانچہ مارا تھا اور میرے دینی جذبے کی توہین کی تھی۔ میں روتا ہوا وہاں سے لوٹ آیا۔ میرے غموں نے بڑھ کر جنون کی سرحدوں میں قدم رکھ دیا اور پھر اسی عالم جنوں میں کہیں منزل کیے بغیر میں شاطبہ تک آیا۔ میرا گھوڑا اگر گھر تک نہ لاتا تو اس وقت میری لاش سردی سے اکڑی ہوئی کسی برفانی تودے کے نیچے دبی پڑی ہوتی۔ آپ نے میری روداد سن لی ہے۔ اب آپ مجھے بتائیں کیا میں صدق دل سے کلمہ توحید پڑھ لینے کے باوجود ابھی تک مسلمان نہیں ہوا ہوں؟ میرے ایمان کو کس بنیاد پر شبے کی نظر سے دیکھا گیا؟ آپ مجھے بتائیں اسلام میں اخلاص کا کیا معیار ہے؟ مجھے اسلام قبول کیے ہوئے پانچ سال ہوچکے ہیں اور ان پانچ برسوں کے شب و روز آپ کی نظر میں رہے ہیں' کیا میں نے واقعی منافقانہ طور پر اسلام قبول کیا ہے؟"

عابد کی روحانی اذیتوں کے جواب میں زبیر نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ تم سچے اور پکے مومن ہو۔ میں نے یہ تصدیق اپنے مشاہدات اور کامل دینی شعور کے ساتھ کی ہے۔ تم ابوالحکم کی باتوں کو قطعاً اہمیت نہ دو۔ میں آج ہی مرسیہ جاؤں گا۔ اگر تمہاری طبیعت ناساز نہ ہوتی تو میں تمہیں بھی ساتھ لے جاتا۔ اگر مجھے مرسیہ سے قرطبہ نہ جانا پڑا تو میں جلد واپس آجاؤں گا۔ تم میرا یہیں انتظار کرنا۔"

زبیر بن عبداللہ ہاشمی تھے۔ ان کے والد محترم مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے اندلس میں آبسے تھے۔ خطاطی ان کا پیشہ تھا۔ وہ قرآن حکیم کی کتابت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مختلف شہروں میں سکونت پذیر رہ کر انہوں نے شاطبہ میں مستقل قیام کرلیا تھا۔ شاطبہ میں ہی زبیر پیدا ہوئے تھے۔ دوران ولادت میں ہی ماں' زبیر کو داغ مفارقت دے گئی تھیں۔ عبداللہ نے ہی بیٹے کو پروان چڑھایا۔ صالح باپ کی تربیت کے نتیجے میں بیٹا بھی صالح ہونے کے علاوہ قرطبہ کی عظیم درس گاہ میں فارغ التحصیل عالم بن گیا تھا۔ تحصیل علم کے بعد ان پر مناصب کے دروازے کھل گئے تھے مگر انہوں نے تبلیغ کے لیے خود کو وقف کردیا۔ انہوں نے خطاطی والد محترم سے سیکھ لی تھی۔ ان کی وفات کے بعد خطاطی کے معزز پیشے کو ہی انہوں نے ذریعہ معاش بنالیا تھا۔ شاطبہ کے لوگ آپ کی بہت عزت کرتے تھے اور اس عزت کی بنیاد ان کی پر خلوص دینی اور معاشرتی خدمات پر استوار تھی۔ زبیر نے اپنے حسن اخلاق اور دل نشیں حرف نصیحت سے مائیکل کو کلمہ پڑھا کر عابد بنالیا تھا۔ مائیکل کے عیسائی رشتے داروں نے بڑی کوشش کی کہ مائیکل پھر تثلیث پرست ہوجائے مگر ان کی ہنگامہ آرائی اور اختلاف سے عابد کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ وہ اسلام کی حقانیت کو پورے شعور سے قبول کرچکا تھا۔ طارق نے یہودی عقائد کو اسلام کے آستانے پر قربان کیا تھا۔ قاسم بربر تھا۔ اس نے بھی آپ کی ہی توجہ سے اسلام قبول کیا تھا۔ تینوں نوجوان تھے اور زبیر کے ساتھ ہی قیام پذیر تھے۔ عابد کے دل میں ذوق جہاد نے انگڑائی لی تو زبیر نے مرسیہ کے ابوالحکم کو بڑے اعتماد سے سفارشی خط لکھا۔ ان کا گمان تھا کہ ابوالحکم زمانہ طالب علمی کے تعلقات کا لحاظ ضرور کرے گا مگر اس نے مایوس ہی کیا۔ مایوسی دل مومن میں تادیر قیام نہیں کرسکتی چنانچہ آپ اپنے فیصلے کے مطابق شاطبہ سے مرسیہ روانہ ہوگئے۔ منزل بہ منزل سفر کرتے ہوئے آپ جب جنجالہ کی حدود میں پہنچے تو عابد کے دوست فلپ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آپ پر حملہ کرنا چاہا مگر نہتا دیکھ کر تلواریں نیاموں میں رکھ لیں اور آپ سے آپ کا نام پوچھا۔ آپ نے بلا تکلف اپنا نام بتادیا۔ فلپ نے آپ کا صرف نام سنا تھا' صورت آشنا نہیں تھا۔ نام سنتے ہی اس کے تیور بدل گئے اور اس نے غضب ناک لہجے میں کہا "آخر تو مجھے مل ہی گیا۔ میں تجھے ہرگز زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تو نے مائیکل کو گمراہ کیا ہے۔ تیری زبان سلطان قرطبہ کی تلوار سے زیادہ مہلک ہے۔ تو عیسائیت اور میرے وطن کے لیے بڑا خطرہ ہے۔ اگر مسلمان اندلس میں آکر تبلیغ اسلام کو شمشیرزنی سے زیادہ اہمیت دیتے تو اب تک یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہوچکی ہوتی۔ تو نے وہ طریقہ اختیار کیا ہے جو کلیسا کی عظمت کو تہ وبالا کرسکتا ہے۔" فلپ نے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا تھا جیسے اس نے مجرم کو سزا دینے سے پہلے فرد جرم پڑھ کر سنائی ہو۔ فلپ نے آخری جملہ مکمل کرتے ہی تلوار نکال کر

اپنے چار ساتھیوں سے کہا "یہ میرا شکار ہے۔ صلیب مقدس کی قسم زبیر کا قتل میرے نامہ اعمال میں آفتاب کی طرح جگمگائے گا۔ تم خداوند یسوع مسیح کے اس دشمن کی دردناک موت کا صرف تماشا دیکھو گے۔"

فلپ تلوار لہراتا ہوا آپ کی طرف بڑھا۔ آپ اپنے گھوڑے پر مطمئن بیٹھے ہوئے تھے۔ فلپ نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھا کر ایک نپا تلا وار کیا۔ اگر آپ گھوڑے سے کود نہ گئے ہوتے تو آپ کے دو ٹکڑے ہو جاتے۔ تلوار گھوڑے کی زین پر پڑی مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنی تلوار سخت چمڑے کی زین سے کھینچتا' آپ نے گھوڑے کی ٹانگوں کے درمیان سے نکل کر تلوار کے دستے پر ہاتھ ڈال دیا اور فلپ کے ہاتھ کو اتنا شدید جھٹکا دیا کہ وہ زین پر اپنا توازن برقرار رکھنے کی جدوجہد میں تلوار سے محروم ہو گیا۔ تلوار آپ کے ہاتھ لگی تو وہ تیزی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ یہ رنگ دیکھ کر فلپ کے چاروں ساتھیوں نے آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ ماہر شمشیر زن تھے۔ ذرا سی دیر میں حریفوں کو اندازہ ہو گیا کہ جان بچانا مشکل ہے۔ وہ بڑی احتیاط سے وار کر رہے تھے مگر آپ کی شمشیر آب دار ایک جسم کو بے سر کر گئی۔ مقتول کی لاش گھوڑے سے گری تو فلپ نے آپ کو دوسروں سے جنگ میں منہمک پا کر مقتول کی تلوار پر قبضہ کرنے کے لیے جست لگائی مگر آپ نے حیرت انگیز سرعت کے ساتھ گھوم کر فلپ کا کام تمام کر دیا۔ فلپ کی موت سے حواس باختہ ہو کر بقیہ السیف بھاگ کھڑے ہوئے۔ آپ نے ان کا تعاقب غیر ضروری سمجھ کر اپنی راہ لی مگر روانہ ہونے سے پہلے فلپ کی تلوار اس کی لاش کے پاس پھینکنا نہیں بھولے تھے۔

جب آپ مریہ پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ رات کو آپ نے ایک مسجد میں قیام کیا' صبح نماز کے بعد تادیر قرآن حکیم کی تلاوت کی اور عامل مریہ ابوالحکم سے ملاقات کے لیے پہنچے۔ عالی شان محل نما عمارت کے پہرے داروں سے آپ نے کہا "میں عامل مریہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ ان سے جا کر کہہ دو کہ زبیر عبداللہ دروازے پر موجود ہے۔"

ابوالحکم کو جب زبیر کے آنے کی اطلاع پہنچی تو وہ دروازے تک خود ہی استقبال کے لیے آیا اور آپ کو اپنے ساتھ نشست گاہ میں لے کر پہنچا۔ پہلے تو پرانی یادوں نے دونوں کو حال سے بے نیاز رکھا مگر جب وہ ماضی کے خواب ناک لمحوں کی قید سے آزاد ہوئے تو ابوالحکم نے پوچھا "میرے لیے کوئی خدمت ہو تو بتاؤ۔"

آپ نے برجستہ جواب دیا "زندگی میں صرف ایک کام کے لیے تمہیں لکھا تھا مگر تم نے میری سفارش کو اہمیت نہ دی۔ اب کس توقع پر تم سے کسی کام کے لیے کہا جا سکتا ہے؟"

"کیا تمہارا اشارہ اس نو مسلم عابد کی طرف ہے؟"

"تمہاری یادداشت اب بھی اچھی ہے۔ تم میرے اشارے کو پا گئے ہو۔"

"میں اپنے اصولوں کو دوستی پر قربان نہیں کرتا۔ میں کسی نو مسلم کو فوج میں کوئی آسامی
بن دیا کرتا۔ میں نے اپنا یہ اصول اپنے تجربات کی روشنی میں وضع کیا ہے۔"

"مگر یہ اصول ناقص ہے۔ کیا تمہارے خیال میں اسلام اپنی کشش کھو چکا ہے؟ کیا
ب وہ کسی کو متاثر کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا؟"

"میں اسلام کی اثر آفرینی کا منکر نہیں ہوں مگر احتیاط کرنے میں کیا قباحت ہے۔"

"یہ غیر متوازن احتیاط اندلس میں مسلمانوں کے مستقبل کو تاریک کر دے گی۔ ہمیں
ہیں رہنا بسنا ہے تو ہمیں نو مسلموں کا اعتبار کرنا ہوگا' اندلسی مسلمانوں کو عرب مسلمانوں کی طرح مراعات دینا ہوں گی۔ اگر ہم نو مسلموں کے ساتھ رواداری اور مساوات سے کام لیں گے تو مسلمان ہو جانے والے عیسائیوں کی بہتر حالت دیکھ کر عیسائی اسلام کی طرف لازمی طور پر راغب ہوں گے۔ یاد رکھو' عسکری برتری جاوداں نہیں ہوا کرتی۔ ہر کمال ایک دن زوال آشنا ہو جاتا ہے۔ اگر اس زمین پر ہم عددی برتری حاصل کرنے کے لیے حسن تدبیر اور تبلیغ سے کام نہ لیں گے تو ایک دن ہمارا اقتدار یہیں دفن ہو جائے گا۔ ایک عیسائی جب اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کے ایمان کو مشتبہ قرار دینے کا تمہارے پاس کیا جواز ہے؟"

"اصولی طور پر تمہاری پیش بینی غیر منطقی نہیں ہے لیکن خلیفتہ المسلمین کی حکمت عملی بھی یہی ہے۔ میں اس سے انحراف نہیں کر سکتا۔"

"یہ سلطان قرطبہ خلیفتہ المسلمین کب سے ہو گئے؟"

"تمہارا استعجاب درست ہے۔ گزشتہ ہفتے ہی سلطان قرطبہ عبدالرحمٰن ثالث نے خلیفہ الناصر الدین اللہ کا لقب اختیار کر لیا ہے۔ اندلس میں اموی سلاطین پہلے خود کو ابنائے خلفا کہتے تھے اور عباسی خلفائے بغداد کے لیے اس لقب کو چھوڑ رکھا تھا مگر تازہ ترین اطلاعات کے مطابق بغداد کا عباسی خلیفہ مقتدر باللہ برائے نام خلیفہ ہے۔ بغداد میں اس کی حیثیت شاہ شطرنج کی سی ہو گئی ہے۔ یہ تم بھی جانتے ہو کہ اموی خلافت کا خاتمہ عباسیوں نے کیا تھا اور ایک اموی شہزادے نے اندلس میں آ کر ایک نئی حکومت کی بنیاد رکھی تھی۔ وہ شروع ہی سے خود کو خلیفہ کہہ سکتے تھے مگر خلافت کا ادعا کر کے عباسی خلافت کو اپنے خلاف صف آرا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اب حالات سازگار ہیں۔ عباسی خلیفہ میں یہ سکت نہیں ہے کہ وہ اندلس پر حملہ آور ہو چنانچہ اس وقت سے فائدہ اٹھا کر عبدالرحمٰن ثالث نے خلیفہ الناصر الدین اللہ کا لقب اختیار کر لیا ہے۔"

"میری معلومات میں تم نے کافی اضافہ کر دیا ہے مگر اے ابوالحکم! میں نے جو کچھ کہا ہے' اللہ کے لیے اس پر غور کرو۔ خود قرطبہ جاؤ اور سلطان قرطبہ کو لکھ بھیجو کہ وہ اپنی

حکمت عملی پر نظر ثانی کرلیں۔ اس میں ان کی بھی بھلائی ہے اور مسلمانان اندلس کی بھی۔"

"خلیفۃ المسلمین کی حکمت عملی پر میں اس تنقید کی جرات نہیں کرسکتا۔ میں ان کا ملازم ہوں۔ اگر تم خود قرطبہ جاکر یہ نیک کام انجام دے لو تو یہ ملت اسلامیہ کی بڑی خدمت ہوگی۔"

زبیر بن عبداللہ پہلے ہی یہ طے کرچکے تھے اگر مرسیہ میں بات نہ بنی تو قرطبہ ضرور جائیں گے چنانچہ آپ نے ابوالحکم سے کہا "میں اب قرطبہ ہی جاؤں گا مگر میرا ایک مکتوب شاطبہ تک پہنچوادو۔"

ابوالحکم نے مکتوب پہنچوانے کا اقرار کرلیا تو آپ نے لکھا۔

برادرم عابد السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔

میں عامل مرسیہ ابوالحکم کے یہاں قیام پذیر ہوں۔ پہلی فرصت میں طارق اور قاسم کے ساتھ میرے پاس آجاؤ۔ ہمیں مرسیہ سے قرطبہ جانا ہے۔

زبیر بن عبداللہ

مکتوب اسی دن شاطبہ روانہ کردیا گیا۔ ابوالحکم نے اپنے مہمان خانے میں آپ کو ایک کمرا دے دیا۔ شام کو کھانے پر جب آپ ابوالحکم کے گھر لے جائے گئے تو راستے میں خادم نے پوچھا "کیا آپ کا نام زبیر ہے؟" آپ نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے کہا "آپ یہاں سے بھاگ جائیے ورنہ آپ کو دو آدمیوں کے قتل کے جرم میں سزائے موت دے دی جائے گی۔"

دو آدمیوں کے قتل کا حوالہ آپ کے لیے کافی تھا۔ آپ کے ذہن رسا نے واقعے کی ساری کڑیاں جوڑ ڈالیں۔ آپ کو وہ لوگ یاد آگئے جو فلپ کی موت کے بعد فرار ہوگئے تھے اور اب تعاقب کرتے ہوئے مرسیہ تک اور پھر عامل مرسیہ تک آگئے ہوں گے۔

آپ نے خادم کا مسکراتے ہوئے شکریہ ادا کیا اور کہا "شرعی سزاؤں کو زندگی سے تعبیر کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میرے ساتھ انصاف ہوگا۔ عدالت کی راہ سے گریز انسانی ضمیر کی موت بن جاتی ہے۔"

آپ جب ابوالحکم کے پاس پہنچے تو تینوں مفرور عیسائی موجود تھے۔ وہ آپ کو دیکھتے ہی بہ یک زبان چیخنے "یہی وہ شخص ہے جس نے ہمارے دو ساتھیوں کو قتل کیا تھا۔"

ابوالحکم نے انہیں خاموش کرتے ہوئے کہا "تمہارے عائد کردہ الزامات، میں اب زبیر کے سامنے دوبارہ سننا چاہتا ہوں مگر اس بار کوئی دوسرا شخص الزامات کو دہرائے اور وہ شخص خاموش رہے جس نے مجھے پہلی بار اپنی سرگزشت ستم سنائی تھی۔"

عیسائیوں نے آپس میں مشورہ کرکے ایک شخص سے کہا کہ وہ الزامات دہرائے۔ نامزد

شخص نے گفتگو کا آغاز کیا "میرا نام پال ہے۔ جمعرات کو صبح ہم پانچ دوست شکار کے لیے نکلے تھے۔ شکار کی تلاش میں ہم وادی جنجالہ تک پہنچ گئے۔ وادی میں پہنچ کر ہم دو حصوں میں تقسیم ہوگئے تھے۔ فلپ اور جوزف ایک ساتھ تھے اور ہم تینوں ایک الگ جماعت بن گئے تھے۔ دونوں جماعتوں کے راستے دانستہ مختلف رکھے گئے تھے تاکہ شکار کا حصول یقینی ہوجائے۔ یہ شخص فلپ اور جوزف پر حملہ آور ہوا۔ ایک کو تو اس نے ایک چٹان کی آڑ سے نکل کر بے خبری میں مار لیا اور فلپ سے اس کی باقاعدہ لڑائی ہوئی۔ فلپ لڑتا بھی جارہا تھا اور مدد کے لیے ہمیں بھی پکار رہا تھا۔ ہم تک جیسے ہی اس کی آواز آئی، ہم گھوڑے دوڑاتے ہوئے پہنچے مگر اس وقفے میں اس نے فلپ کو بھی ہلاک کردیا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی یہ بھاگ کھڑا ہوا اور ہم اس کا تعاقب کرتے ہوئے مرسیہ تک آگئے۔ رات اس نے ایک عبادت گاہ میں بسر کی۔ ہم نے صبح اس کا تعاقب کرکے یہ معلوم کرلیا کہ یہ آپ کا ہی مہمان بنا ہے۔ اس کے بعد ہم یہاں کے پادری کے پاس گئے اور صورت حال بیان کرکے اس سے مشورہ طلب کیا کہ ہمیں اب کیا کرنا چاہیے۔ اس نے ہمیں مشورہ دیا اور دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے ہم سے کہا کہ اب ہم لوگ شام کو عامل مرسیہ سے مل کر اپنی روداد غم بلاکم وکاست سنا دیں۔ عامل مرسیہ انصاف پسند آدمی ہیں، وہ ہمارے ساتھ انصاف ہی کریں گے۔"

عامل مرسیہ نے پال کی روداد سن کر آپ سے کہا "کیا تم اس الزام قتل کی تردید یا تائید میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

آپ نے پال کے بیان کو جھوٹ اور بہتان قرار دے کر صحیح صورت حال بیان کردی۔

عامل مرسیہ کچھ دیر تک خاموشی سے غور کرتا رہا پھر اس نے گرج دار آواز میں کہا "فلپ کے باپ کا نام ارنلڈ ہے۔ میری اطلاع کے مطابق وہ کافی عرصے سے ملک دشمن سرگرمیوں میں مصروف ہے اور کئی مسلمانوں کو شہید کرچکا ہے۔ نومسلم مسافر اب تک وادی جنجالہ میں ہی قتل ہوئے ہیں کیونکہ فلپ اور تم نے وادی جنجالہ ہی کو قتل وغارت گری کے لیے مخصوص کررکھا ہے۔ کئی مرتبہ تمہارا سپاہیوں نے تعاقب بھی کیا مگر تم وادی شقرہ میں گم ہوگئے۔ تمہیں وہ شخص بھی یاد ہوگا جو تمہاری قید سے بھاگ نکلا تھا۔ تم نے اس کے باپ اور چچا کو صرف اس جرم میں قتل کیا تھا کہ وہ مسلمان تھے۔" یہ کہہ کر عامل مرسیہ نے اپنے خادم سے پوچھا "کیا سفیان آگیا ہے؟"

"جی اس کو بلا لیا گیا ہے۔" خادم نے ادب سے جواب دیا۔

"اسے حاضر کرو۔" عامل مرسیہ نے حکم دیا۔

سفیان کا نام سن کر پال اور اس کے ساتھیوں کے چہرے اتر گئے۔ خوف سے ان کے

جسموں پر لرزہ طاری ہوگیا۔ سفیان جب آیا تو اس نے ایک نظر ہی میں تینوں کو پہچان لیا اور شہادت دی "یہی ہیں میرے والد اور میرے چچا کے قاتل مگر ان میں فلپ اور جوزف نہیں ہیں۔"

عامل مرسیہ نے پھر گرج کر سوال کیا "اب بتاؤ' اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہو؟"

سفیان کو دیکھ کر ہی ان پر دہشت طاری ہو گئی تھی۔ انہیں اپنا یقینی انجام معلوم ہوگیا تھا۔ احساس جرم نے ان سے مزید جھوٹ بولنے کی سکت بھی چھین لی تھی۔ عامل مرسیہ نے ان سے بار بار پوچھا کہ وہ اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہیں مگر وہ چپ سادھے کھڑے رہے۔

آخر عامل مرسیہ نے حکم دیا "ان تینوں کو محبس میں رکھو۔ کل ان کا فیصلہ ہوگا۔"

مجرموں کو جب مسلح خادم لے کر چلے گئے تو عامل مرسیہ نے سفیان کو صبح حاضر ہونے کا حکم دے کر اسے رخصت کیا اور آپ کو ساتھ لے کر کمرا طعام میں آیا۔

کمرے میں پہنچ کر عامل مرسیہ نے کہا "میں نے انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے تمہیں بیان دینے کی زحمت دی تھی' اب ہم صاف ذہن سے اطمینان کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔"

کھانا کھانے کے بعد انہوں نے عشا کی نماز ساتھ پڑھی۔ اس کے بعد میزبان اپنے مہمان کو اس کی آرام گاہ تک پہنچانے خود گیا۔ عامل مرسیہ ابوالحکم بستر پر جا کر لیٹا تو اسے جلد نیند آگئی مگر حسب معمول وہ تہجد کے لیے معینہ وقت پر بیدار ہوگیا۔ وضو کرکے مصلے پر کھڑے ہو کر اس نے نماز تہجد ادا کی اور کھڑکی میں آکر کھڑا ہوگیا جو مکان کی پشت پر کھلتی تھی۔ کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر اذان فجر تک تسبیح و تہلیل کرنا اس کے معمولات میں داخل تھا۔ اس کی حویلی کے آس پاس ایک وسیع باغ تھا۔ فضا پھولوں کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔ معاً اس کی نظر روشنی کے متحرک ہیولوں پر پڑی جو اسے ٹھیک اس جگہ نظر آئے جہاں دو شہیدوں کے مزار تھے۔ روشنی کے ہیولے آہستہ آہستہ حویلی کی طرف آرہے تھے۔

ابوالحکم کی نظر ان کا تعاقب کرتی رہی مگر جب وہ مہمان خانے کی طرف کھڑکی کے پاس جا کر رک گئے تو ابوالحکم کو اس کا جذبہ تجسس کشاں کشاں اس طرف لے گیا مگر جب وہ مہمان خانے کے پاس پہنچا تو روشنی کے انسان نما ہیولے اچانک اس کی نظر سے اوجھل ہوگئے اور قرآن حکیم کی تلاوت کی آواز سماعت نواز ہوئی۔ زبیر بڑی خوش الحانی سے سورہ طٰہٰ کی تلاوت کررہے تھے۔ ابوالحکم خود حافظ قرآن تھا اور اندلس کے بہترین قرا میں اس کا شمار ہوتا تھا لیکن جو جاذبیت اور قوت نفوذ زبیر کی تلاوت میں تھی اس نے ابوالحکم پر کیف کی بارش کردی۔ وہ ہمہ تن گوش ہو کر قرآن سنتا رہا۔ اذان فجر ہوئی تو اس کا انہماک ٹوٹا اور وہ دبے پاؤں وہاں سے واپس آگیا۔

مسجد میں ابوالحکم کی ملاقات زبیر سے ہوئی تو اس نے فرط محبت سے آپ کی پیشانی چوم کر کہا "ماشاء اللہ تم کتنا اچھا قرآن پڑھتے ہو۔"

آپ نے مسکرا کر کہا "دوسروں کی ٹوہ لینا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

ابوالحکم یہ دیکھ کر کہ جماعت کھڑی ہونے والی ہے خاموشی سے صف میں بیٹھ گیا۔ نماز کے بعد ابوالحکم آپ کو شہدا کے مزار پر لے گیا اور کہا "یہ مزارات ان شہدا کے ہیں جو طارق بن زیاد کے ساتھ اندلس سے آئے تھے۔ آج میں نے دیکھا تھا کہ ان کی پاک روحیں' تلاوت قرآن حکیم سننے کے لیے پہنچ گئی تھیں مگر میں نے مداخلت بے جا سے کام لے کر ان کے ذوق کو ناآسودہ کردیا تھا۔ اب میں درخواست کرتا ہوں کہ تم یہاں سورہ طٰہٰ کی تلاوت کرو۔"

آپ میزبان کی فرمائش رد نہ کرسکے۔ تلاوت کے دوران ابوالحکم کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہتے رہے اور انجام کار شدت گریہ سے بے ہوش ہوگیا۔ آپ نے تلاوت کے بعد جب اس پر دم کیا تو وہ ہوش میں آگیا۔ آپ اسے سہارا دے کر باغ کے ایک کنج میں لے گئے اور اس سے کہا "یہاں بیٹھو' طبیعت پرسکون ہوجائے تو یہاں سے چلیں گے۔"

ابوالحکم گھاس پر ابھی بیٹھا ہی تھا کہ ایک شخص نمودار ہوا۔ اس کی گود میں ایک بچہ تھا۔ ابوالحکم کی اس پر نظر پڑی تو اس نے نووارد سے برہم ہو کر پوچھا "تم کون ہو؟ کس کی اجازت سے تم نے یہاں قدم رکھا ہے؟"

نووارد نے ابوالحکم کی بات کو اس طرح نظرانداز کردیا جیسے اس نے سنی ہی نہ ہو۔ اس نے آپ سے کہا "میرا بچہ دس روز سے بے ہوش ہے اس پر دم کردیجئے۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔" آپ اس وقت بھی زیرلب کچھ تلاوت کررہے تھے۔ آپ نے نووارد کے بچے پر بھی پھونک ماردی جس کے اثر سے وہ بچہ فوراً ہی ہوش میں آگیا۔ اس شخص نے اپنے بچے کو ہوش میں دیکھ کر الحمدللہ کہا اور نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

سامنے کھڑے نووارد کو غائب دیکھ کر ابوالحکم نے حیران ہو کر پوچھا "یہ کون تھا جو اچانک ظاہر ہوا اور معاً غائب ہوگیا؟"

"اس کا تعلق قوم جنہ سے تھا۔ یہ اس وقت بھی موجود تھا جب میں شہدا کے مزار پر تلاوت کررہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے خود دیکھا تھا کہ تمہاری بے ہوشی میرے دم کرنے سے جاتی رہی تھی اسی منظر سے اس کا ذہن اپنے بیمار بیٹے کی طرف منتقل ہوگیا اور وہ اسے لے آیا۔"

"آپ کا جواب سن کر ابوالحکم کا یقین اور قوی ہوگیا کہ اس کا ہم درس زبیر صدق و اخلاص کے اس مقام پر پہنچ چکا ہے جہاں اولیا اللہ کے علاوہ کسی کا گزر نہیں ہوسکتا۔ زبیر کو

قرآن سے عشق تھا۔ قرآن لکھنا‘ قرآن پڑھنا‘ قرآن پر غور و فکر کرنا اور لوگوں کی روح کو قرآن سے آشنا کرانا ہی ان کا مشغلہ تھا اور اسی افضل ترین شغل نے انہیں صفائے باطن اور عروج روحانی سے سرفراز کردیا تھا مگر وہ منصب ولایت پر فائز ہونے کے باوجود اپنی وضع قطع اور برتاؤ میں اتنے سادہ تھے کہ ان کے مقام عالیہ کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوتا تھا‘ وہ صرف فرائض کی تکمیل کا اظہار ضروری سمجھتے لیکن نفل عبادت کو بڑی رازداری سے انجام دیتے تھے۔ ابوالحکم کا انداز یکسر بدل گیا۔ بے تکلفی احترام میں بدل گئی۔ اس نے اپنے احساسات کو مخفی رکھتے ہوئے کہا ”اب میری طبیعت بہتر ہے‘ آیئے حویلی میں چلتے ہیں۔“ ناشتے کے دوران ابوالحکم نے کہا ”اللہ تعالیٰ کا دیا سب کچھ میرے پاس ہے مگر اولاد سے محروم ہوں۔ میری ازدواجی زندگی کے دس سال بیت چکے ہیں۔ ہر قسم کے علاج نے مجھے مایوسی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ کیا آپ میرے حق میں دست دعا اٹھانا پسند کریں گے۔“ ابوالحکم کا ملال آنسو بن کر آنکھوں میں آگیا تھا۔

آپ نے کچھ توقف کے بعد کہا ”میں دعا ضرور کروں گا مگر تم عشا کی نماز کے بعد سونے سے پہلے ایک سو گیارہ مرتبہ قبلہ رو ہو کر سورہ اخلاص پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ ضرور فضل فرمانے والا ہے۔“

ابوالحکم کو یقین آگیا کہ اس کا وارث ضرور پیدا ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے نے اللہ تعالیٰ کے فضل کا حوالہ دے دیا ہے۔

آپ نے پانچ دن مرسیہ میں مزید قیام کیا۔ چھٹے دن عابد‘ قاسم اور طارق بھی آپ کے پاس آگئے تھے۔

ابوالحکم نے آپ سے کہا ”آپ قرطبہ تشریف لے جانے کی زحمت نہ کریں۔ میں عابد کو فوج میں کوئی آسامی دے دوں گا۔ اگر آپ چاہیں گے تو آپ کے دوسرے ساتھیوں کو بھی فوج میں بھرتی کرلوں گا۔ خلیفتہ المسلمین نے اگر کوئی بازپرس کی تو میں انہیں مطمئن کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا۔“

آپ نے ابوالحکم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا ”اب مسئلہ یہ نہیں ہے کہ عابد کو ملازمت مل جائے‘ میں تو قرطبہ جاکر سلطان سے اس کی ناقص حکمت عملی پر بات کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ نومسلموں کے ساتھ انصاف ہوسکے۔“

آپ اپنے ساتھیوں کی ہمراہی میں مرسیہ سے قرطبہ روانہ ہوئے تو ابوالحکم بہت اداس تھا۔ آپ کی دست بوسی کرتے ہوئے اس نے کہا ”آپ پر قاتلانہ حملہ کرنے والے مجبس سے فرار ہوگئے ہیں‘ راستے میں ان سے ہوشیار رہیں۔“

آپ نے ابوالحکم کی دی ہوئی اطلاع سن کر صرف اتنا کہا ”اللہ ہی سب سے اچھا محافظ

ہے۔“

موسم سرما کی خوش گوار اور حرارت بخش دھوپ میں سفر جاری تھا کہ عابد نے پوچھا ”سلطان قرطبہ عبدالرحمٰن ثالث کیا آپ کا پیغام مساوات توجہ سے سن لے گا؟“

”میں سمجھ رہا ہوں کہ تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو۔“ آپ نے عابد سے کہا ”اور ساتھ ہی اپنے مقصد سفر کو واضح کرتے ہوئے یہ بات بھی کہی ”میں نے جس حکمت عملی کو غلط تصور کیا ہے‘ اس کا اظہار میں سلطان کے سامنے کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اگر میری بات اس نے مان لی تو میں سمجھوں گا کہ محنت ٹھکانے لگ گئی اور بالفرض میرے نقطہ نظر سے اس نے اتفاق نہیں کیا تو میں اپنی ذمے داری سے ایک حد تک عہدبرا ہو جاؤں گا۔ میرے ہاتھ میں عنان حکومت نہیں ہے اس لیے اللہ کی طرف سے اس معاملے میں کسی خاص گرفت کا مجھے خوف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ناقابل برداشت بوجھ نہیں ڈالتا۔ تمہیں میں یہ بات کئی بار سمجھا چکا ہوں کہ مسلمان حکمراں کے طرز حکومت کو دیکھ کر اسلام سے بدگمان ہونا اصولی طور پر نادرست ہے۔ اسلام‘ اسلام ہی ہے۔ اس کے قائم کردہ زندگی کے اصول بلاشک وشبہ عالم انسانیت کے لیے چراغ ہدایت ہیں۔ جو اس کی روشنی میں سفر کرے گا منزل تک پہنچ جائے گا جو اسے درخور اعتنا نہ سمجھے گا‘ نامرادی کے اندھیروں میں بھٹکتا رہے گا۔“

”محترم! آپ کی کسی بات کو میں کبھی نہیں بھولتا۔ انشاء اللہ آپ مجھے ہر حال میں ثابت قدم پائیں گے۔“ عابد نے پورے اعتماد سے کہا۔

راستے میں ظہر کی نماز کے لیے رکے تو وضو کے لیے آس پاس کہیں پانی نہ تھا۔ سب نے تیمم کرکے نماز ادا کی اور پھر کچھ کھانا کھا کر چل پڑے۔ سفر عصر تک جاری رہا۔

نماز عصر کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا ”گھوڑوں پر سے سامان اتار لو۔ اب ہم یہاں سے کل صبح اپنے سفر کا آغاز کریں گے۔ یہاں پانی کا ایک چشمہ بھی ہے اور کچھ گھنے درخت بھی جن کے سائے میں کچھ آرام کیا جاسکے گا۔“

آپ کے حکم کی تعمیل کے بعد تازہ وضو سے نماز ادا کرکے آپ کے ساتھی خشک لکڑیاں جمع کرنے کے لیے منتشر ہوگئے تاکہ سرد رات آرام سے بسر ہوسکے۔ آپ جب تنہا بیٹھے ہوئے تھے تو ایک شخص نے آکر آپ کو سلام کیا۔ آپ پہلی نظر ہی میں پہچان گئے کہ یہ وہی جن تھا جس کے بیٹے کا علاج آپ نے مرسیہ میں کیا تھا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر کہا ”کہو کیسے آنا ہوا؟ تمہارا بیٹا تو ٹھیک ہے؟“

جن نے بغیر تمہید کے آپ کو اطلاع دی ”ہاں اور اس کے چھ ساتھی آپ کا تعاقب کررہے ہیں۔ وہ رات کو اس وقت آپ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کرچکے ہیں جب آپ کے

ساتھی سو رہے ہوں گے۔ وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہیں۔"

آپ نے جن کے لیے دعائے خیر کرنے کے بعد کہا "مجھے میرے رب نے اس بات سے بھی آگاہ کر دیا تھا کہ پال اور اس کے ساتھیوں کو کسی نے مجلس سے رہا کرا دیا ہے۔ یہ بھی بتایا ہے کہ میں مرسیہ سے قرطبہ کا سفر کروں گا۔ آغاز سفر سے یہ بات بھی میرے علم میں رہی ہے کہ دشمن ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔ تم جاؤ' ہمارے لیے ہمارا رب بہت کافی ہے۔"

جن نے آپ کی دست بوسی کی اور چلا گیا۔ مغرب سے قبل آپ کے ساتھی لکڑیاں لے آئے تھے۔ مغرب کی نماز کے فوراً بعد لکڑیاں جلائی گئیں کیوں کہ پہنے ہوئے کپڑے سردی کی مدافعت میں ناکافی ثابت ہونے لگے تھے۔ آگ کی تپش نے شل اعضا کو حرارت پہنچائی تو نیلگوں چہروں پر سرخی پھیل گئی۔ کھانا کھانے کے بعد سب نے نماز عشا ادا کی اور پھر آپ کے مشورے کے مطابق کمبل تان کر لیٹ گئے۔ رات گئے جب آپ مصروف عبادت تھے' ایک پتھر کے لڑھکنے کی آواز نے آپ کو دشمنوں کے آجانے کی خبر دی جو کہ آنے والوں میں سے کسی کی ٹھوکر سے نشیب میں شور مچاتا ہوا چلا گیا تھا۔ آپ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور تلوار نیام سے نکالتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو بھی جگا کر صورت حال سے آگاہ کیا۔ آپ کے ساتھی دشمنوں کے حملے سے پہلے ہی تیار ہو گئے۔ چار اور سات کا مقابلہ دشمنوں کی ہمت افزائی کے لیے کافی تھا۔ انہوں نے حملے میں بڑی گرم جوشی دکھائی لیکن انہیں بہت جلد احساس ہو گیا کہ انہوں نے حملہ کر کے عقل مندی کا ثبوت نہیں دیا ہے۔

طارق' عابد اور قاسم نے ایک ایک حریف کو قتل کر کے دشمنوں کی عددی اکثریت کا غرور خاک میں ملا دیا مگر وہ جو باقی رہ گئے تھے' انہوں نے انگلی سے سینوں پر صلیب کا نشان بنایا اور حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ جارحانہ جنگ شروع کر دی۔ موت اور زندگی سے بے نیازی جذبہ ظہور پیدا کر دیتی ہے مگر دوسری طرف بھی یہی جذبہ کار فرما تھا۔ ایک طویل معرکہ آرائی کے نتیجے میں چاروں عیسائی بھی مارے گئے مگر طارق اور عابد بھی زخمی ہو گئے تھے۔ آپ نے دشمنوں کی لاشوں کے پاس کھڑے ہو کر کہا "ساتھیو! یہ عیسائی جن کی لاشیں تمہارے قدموں میں پڑی ہوئی ہیں' ان کا انداز جنگ اور ان کا استقلال تم نے ابھی دیکھا تھا۔ وہ ہم سے اپنی آخری سانس تک برسرپیکار رہے تھے۔ عیسائیوں کے دلوں میں ہمارے خلاف بھڑکتی ہوئی نفرت کی آگ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ مسلمانوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کے طرز حکمرانی میں انہیں اپنے لیے کوئی بھلائی نظر نہیں آتی۔ اسلام کی آغوش میں غیر مسلموں نے ہمیشہ سکون کا سانس لیا ہے مگر اب اسلام کو اندلسی عیسائی ایسا عذاب سمجھ رہے ہیں جس سے وہ ہر قیمت پر نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

اندلس کے حکمرانوں نے اپنی جاہ طلبی اور خود غرضی کی کند چھری سے اس سرزمین پر مسلمانوں کے مفادات ذبح کر دیے ہیں اور اسلام کو رسوا کر رہے ہیں۔ مجھے اب اور یقین آگیا ہے کہ ہمارے موجودہ سفر کا مقصد عظیم اور وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔"

قاسم نے آپ کی تائید کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا "میں یقین رکھتا ہوں کہ سلطان آپ کے معقول دلائل کو ضرور تسلیم کر لے گا۔ آپ جو بات سلطان سے منوانا چاہتے ہیں وہ خود اس کے حق میں جاتی ہے۔"

آپ نے قاسم کی کمر تھپک کر محبت کا اظہار کرتے ہوئے عابد اور طارق سے کہا "تم لوگ آرام کرو۔ تمہارے زخم گہرے ہیں نہ مہلک مگر حرکت کرو گے تو خون کا رسنا بند نہیں ہو گا۔ میں مرہم لگا کر ابھی پٹی باندھے دیتا ہوں۔ کل تک زخم بھر جائیں گے۔"

مرہم پٹی کروا کر دونوں زخمی آگ کے قریب لیٹ گئے تو آپ نے قاسم سے کہا "آؤ مقتولوں کے لیے قبریں کھودیں۔ لاشیں اسی حال میں چھوڑ دی گئیں تو درندے ان کی بے حرمتی کریں گے۔"

قاسم نے ادب سے عرض کیا "آپ کا خیال درست ہے مگر ہم یہ سنگلاخ زمین کیسے کھودیں گے' ہمارے پاس نہ کدال ہے نہ بیلچا؟"

"تمہاری تشویش بجا مگر تم نے یہ بات کیوں فراموش کر دی کہ نیک مقاصد کو تائید غیبی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ ہماری ذمے داری یہ ہے کہ نیک مقاصد کے حصول کی خاطر پورے اخلاص سے جدوجہد کریں اور نتائج اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ آؤ' تلواریں گلے کاٹ سکتی ہیں' زمین کھودنے میں بھی ہمارے کام آئیں گی۔"

قاسم نے تائید میں آپ کے ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ ابھی چند قدم ہی کسی مناسب جگہ کی تلاش میں چلے ہوں گے کہ ایک آواز کے ساتھ زمین آپ کے داہنے ہاتھ پر دس قدم پر شق ہو گئی۔ اس صورت حال کو دیکھ کر قاسم کے قدم رک گئے۔

قاسم ڈر گیا تھا مگر آپ زمین کے شگاف تک گئے اور اس کا معائنہ کر کے قاسم سے کہا "ڈرو نہیں اور یہاں آکر دیکھو۔ ہماری مشکل اللہ تعالیٰ نے آسان کر دی۔"

قاسم نے بڑھ کر شگاف دیکھتے ہوئے کہا "لاشیں لے آؤں؟"

"میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ اگر لاش تم تنہا لاؤ گے تو گھسیٹتے ہوئے لاؤ گے۔"

دونوں نے ایک ایک کر کے تمام لاشیں زمین کے شگاف میں اتار دیں۔ ابھی آپ سوچ ہی رہے تھے کہ شگاف کو کس طرح بند کیا جائے کہ اللہ کے حکم سے اچانک شگاف بند ہو گیا۔ زمین بالکل اسی طرح ہموار ہو گئی جس طرح پہلے ہموار تھی۔ تدفین سے فارغ ہو کر آپ نے اور قاسم نے تازہ وضو سے نماز فجر ادا کی۔

نماز کے بعد آپ نے کہا "ہم اب یہاں سے اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک ہمارے ساتھی سفر کے قابل نہ ہو جائیں۔"

عابد اور طارق تین روز کے قیام کے بعد صحت یاب ہوئے تو سفر کا پھر آغاز ہوا۔ شام ہوئی تو ایک بستی میں قیام کیا۔ اس بستی میں صرف چند گھرانے ہی نو مسلم تھے۔ باقی آبادی عیسائیوں کی تھی۔ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نصر کے گھر اس کے اصرار پر ٹھہرے۔ نصر کا گھر کشادہ تھا۔ مہمانوں کی وجہ سے اسے کسی قسم کی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ نصر کا کنبہ دو بیٹوں' ایک بیٹی اور بیوی پر مشتمل تھا۔ نصر پارچہ باف تھا اور پورا کنبہ پارچہ بانی کی صنعت سے اپنا پیٹ پال رہا تھا۔ اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے بستی کے عیسائی اس سے ناخوش تھے۔ مہمانوں کی خاطر مدارت میں اس نے بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔

کھانا کھانے کے بعد سب سے آرام سے گرم کمرے میں بیٹھے تو آپ نے نصر سے پوچھا "میں جب سے آیا ہوں مسلسل بدبو محسوس کر رہا ہوں۔ یہ بدبو کدھر سے آ رہی ہے؟"

"میرے پڑوس میں ایک بوڑھی راہبہ رہتی ہے جو ایک عرصے سے بیمار ہے' اسے اس بات پر بڑا ناز ہے کہ وہ ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک کبھی نہائی نہیں ہے۔ اس کا جسم سڑ چکا ہے مگر وہ علاج اور صفائی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس بدبو سے تمام پڑوسی بیزار ہیں۔ بستی کے تمام عیسائی راہبہ کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کا غلیظ رہنا' اس کی بزرگی کی دلیل ہے۔ میں بدبو کے اس عذاب کے خلاف صدائے احتجاج بھی بلند نہیں کر سکتا جو عیسائی میرے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ناراض ہیں اگر احتجاج کروں گا تو وہ شاید مجھے قتل ہی کر دیں گے۔"

نصر کی پریشانی کا احوال سن کر آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر کہا "اے میرے معبود! نصر کو اس بدبو سے نجات عطا کیجیے۔"

ادھر دعا ختم ہوئی ادھر راہبہ کے گھر میں بین و بکا کا شور ہونے لگا۔ نصر دوڑتا ہوا گھر سے باہر چلا گیا۔ وہ واپس آیا تو اس نے راہبہ کی موت کی خبر دی۔

عابد نے موت کی خبر سن کر آپ سے پوچھا "کیا آپ نے راہبہ کی موت کے لیے بددعا کی تھی؟"

عابد کے سوال سے آپ کو بڑا ملال ہوا لیکن بڑے تحمل سے آپ نے کہا "میں نے جن الفاظ میں دعا کی تھی' وہ تم نے بھی سنے تھے۔ اس دعا کے نتیجے میں راہبہ صحت مند بھی ہو سکتی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ راہبہ پڑی سڑتی رہتی مگر بدبو نصر کے گھر کی طرف نہ آتی یا صرف راہبہ کے گھر تک محدود ہو جاتی مگر مشیت باری نے موت کے ذریعے راہبہ کو

تکلیف سے اور نصر کو بدبو سے نجات دے دی۔ ایک بات اچھی طرح ذہن میں بٹھا لو کہ جب دعا کرو تو اللہ سے صرف اس کا فضل و کرم طلب کرو۔ اپنی مشکلات کے حل کے لیے کسی خاص ضابطے کا تعین نہ چاہو۔ ہماری محدود عقل اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتی۔"

عابد نے بڑھ کر آپ کی دست بوسی کرتے ہوئے ندامت سے کہا "میں اپنی بدگمانی پر نادم ہوں مگر آپ کے جواب سے مجھے روشنی مل گئی۔ اب میری دعاؤں میں وہ نقص باقی نہیں رہے گا جس کی نشان دہی آپ نے کر دی ہے۔"

قاسم نے اپنی ناک سے رومال ہٹاتے ہوئے بڑے دکھی لہجے میں کہا "حضرت! مجھے تو یوں لگ رہا تھا کہ میرا دم گھٹ جائے گا۔ اس بدبو کو میں صبح تک شاید برداشت نہ کر سکوں اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ طارق کا حال بھی مجھ سے مختلف نہیں ہے۔"

آپ نے ساتھیوں کی حالت غیر دیکھی تو آہستہ آہستہ مدھم آواز میں سورہ یٰسین کی تلاوت شروع کر دی۔ تلاوت کی نکہتیں پھیلیں تو دل و دماغ مہکنے لگے۔ ذہن' پست اور غلیظ فضاؤں سے نکل کر فردوس انہماک میں گم ہو گئے۔

صبح نماز فجر کے بعد آپ نصر کو دعاؤں سے نواز کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ ظہر کی نماز کے لیے آپ نے ایک گل پوش وادی میں منزل کی۔ نماز پڑھ کر آپ نے خود کھانا کھانے سے پہلے گھوڑوں کے لیے غذا فراہم کی۔ کھانے کے بعد قاسم نے طارق سے پوچھا "اب یہاں سے لورقہ کا فاصلہ کتنا ہو گا؟"

"ہم کل شام لورقہ پہنچ جائیں گے۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ لورقہ میں والد سے ملاقات کروں یا نہ کروں۔ وہ مجھے دیکھ کر بھڑک اٹھیں گے۔ انہیں اپنا آبائی مذہب بہت عزیز ہے۔ میرا اسلام قبول کرنا ان کے نزدیک ایسا جرم ہے جو کبھی معاف نہیں ہو سکتا۔"

اس سے پہلے کہ قاسم کچھ کہتا' آپ نے کہا "ہم تمہارے والد سے لورقہ میں ضرور ملیں گے۔ وہ تم سے خفا ہونے کے باوجود تمہیں دیکھنے کی آرزو رکھتے ہیں۔"

وقفہ آرام کے بعد سفر شروع ہوا۔ آپ سب سے آگے تھے۔ آپ کے پیچھے عابد اور قاسم ہم عنان تھے اور ان کے پیچھے طارق۔ ہموار زمین پر گھوڑے ہوا سے باتیں کر رہے تھے۔ مسافتیں سمٹتی چلی جا رہی تھیں۔

دور ایک عظیم الشان گرجا دائرہ نظر میں ابھرا تو آپ نے تیز آواز میں کہا "میرے خیال میں یہ گرجا نیا بنا ہے میں اس راستے سے پہلے بھی گزرا تھا۔ اس وقت یہ گرجا یہاں نہیں تھا۔"

قاسم نے آپ کی تائید کرتے ہوئے کہا "یہ نیا گرجا گھر مسلمانوں کی رواداری کا کھلا ثبوت ہے۔ انہوں نے اپنی سلطنت کی حدود میں عیسائیوں کو مذہبی آزادی دے رکھی ہے۔"

آپ نے قاسم کے اس خیال پر کوئی تبصرہ ضروری نہیں سمجھا۔ آپ جب گرجا گھر کے پاس پہنچے تو عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ گرجا قصبہ مونہ کے مشرقی کنارے پر سر اٹھائے کھڑا تھا۔ گرجا کا اسقف سموئیل اپنے زہد کی بنا پر دور دور تک عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ سموئیل کے ذاتی اثر ورسوخ کی بنیاد پر ہی وسیع گرجا کی تعمیر ممکن ہو سکی تھی۔ مونہ کا ہر عیسائی اسقف کے اشارہ ابرو پر جان دے دینے کو اپنے لیے باعث عزت سمجھتا تھا۔

آپ نے جب گرجا کے قریب ہی اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز عصر ادا کی تو اسقف کو اس کے معتقدین نے اجنبی مسلمانوں کی آمد کا حال بتایا۔ اسقف بہت ذہین اور زیرک آدمی تھا۔ اس نے کچھ غور و فکر کے بعد اپنے آدمیوں سے کہا "جاؤ مسلمانوں سے کہو کہ سرد موسم میں کھلا ہوا میدان رات گزارنے کے لیے مناسب نہ ہوگا۔ وہ گرجا کے مہمان خانے میں رات گزاریں تو ہمیں خوشی ہوگی۔"

آپ کے پاس جب اسقف کا پیغام پہنچا تو آپ نے مسکرا کر اسقف کی پیش کش قبول کرلی۔ گرجا کے مہمان خانے میں اصطبل بھی تھا اور ایسے کمرے بھی جن میں آتش دان بنے ہوئے تھے۔ لکڑیاں آتش دان میں ڈال کر سلگائی گئیں تو کمرے سے سردی آہستہ آہستہ رخصت ہونے لگی۔

اسقف باطنی طور پر اسلامی حکومت کے خلاف عیسائیوں کو منظم کر رہا تھا۔ فلپ' پال' جوزف اور ان کے ساتھی جو آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے' ان کا تعلق بھی اسقف ہی کی جاں باز تنظیم سے تھا۔ اسقف سموئیل کے لیے یہ سمجھنا دشوار نہ ہوا کہ زبیر بن عبداللہ خود اس کے جال میں آپھنسے ہیں۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اپنے جاں بازوں کے قتل کا بدلہ ضرور لے گا۔ اس نے مہمان خانے کے مہتمم کو بلا کر ایک سریع الاثر زہر دیتے ہوئے کہا۔

"مہمان خانے میں جو چار مسلمان ابھی آکر مقیم ہوئے ہیں' ان کے کھانے میں یہ زہر ملا دینا اور جب ان کا کام تمام ہو جائے تو ان کی موت کا ڈھنڈورا نہ پیٹنا صرف مجھے اطلاع دینا تاکہ خفیہ طور پر ان کی لاشیں ٹھکانے لگا دی جائیں۔"

مہتمم نے زہر لیا اور احکام کی تعمیل کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

آپ عشا کی نماز سے فارغ ہوئے تو ایک خادم کھانا لے کر آپ کے پاس آیا اور کہا "یہ کھانا اسقف کی طرف سے آیا ہے' اسے قبول کر لیجئے۔ اس کھانے میں وہ چیزیں شامل نہیں

ہیں جو آپ کے مذہب میں حرام ہیں۔"

آپ نے خادم سے کہا "تم کھانا تاخیر سے لائے ہو۔ ہم مغرب کے بعد کھانا کھا چکے ہیں۔ یہ کھانا واپس لے جاؤ۔ صبح اگر ضرورت ہوئی تو ہم کھانا منگوالیں گے۔ تمہارے اسقف کی یہ عنایت بھی کم نہیں ہے کہ اس نے ہمیں کھلے آسمان کے نیچے رات گزارنے سے بچا لیا۔"

خادم نے یہ بات سن کر پھر ادب سے کہا "اگر آپ کھانا کھا چکے ہیں تو اپنے میزبان کی دل دہی کے لیے چکھ ہی لیجئے ورنہ اسقف کو بڑا ملال ہوگا۔"

"تم کھانا واپس لے جاؤ' مجھے یقین ہے کہ تمہارے اسقف کو ملال نہ ہوگا۔ ہم لوگ اس بات کو اپنی توہین سمجھتے ہیں کہ میزبان دسترخوان پر نہ ہو۔ اگر وہ ہمیں اپنا مہمان سمجھتا تو خود بھی آتا۔ کیا یہ بات اخلاق کے منافی نہیں کہ وہ ہم سے اب تک ملاقات کے لیے آیا نہ ہمیں بلایا۔"

خادم لاجواب ہو کر کھانا اٹھا کر لے گیا۔

خادم کے جانے کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا "اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمنوں کے فریب سے بچا لیا ورنہ زہر آلود کھانا کھانے کے نتائج اچھے نہ ہوتے مگر اب تم ہوشیار رہو۔ اسقف پہلی ناکامی کے بعد ہماری ہلاکت کے لیے دوسرا طریقہ اختیار کرے گا مگر گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و مددگار ہے۔ آؤ ہم ابھی سے دعا کریں۔" آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر کہا "اے اللہ! ہمیں دشمنوں کے شر سے پناہ دے۔"

ساتھیوں نے دعا کی تائید میں آمین کا نعرہ بلند کیا۔ اللہ نے اپنے مقبول بندے کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔

مہمان خانے کا مہتمم' اسقف کے پاس گیا اور اسے کھانا واپس کرنے کی تفصیل سنائی۔ اسقف نے مہتمم سے کہا "ڈیوڈ کو میرے پاس بھیجو۔" اسقف نے ڈیوڈ کو یہ سوچ کر بلایا تھا کہ وہ اسے حکم دے کہ رات کو اپنے ساتھیوں کی مدد سے چاروں کو سوتے میں ہلاک کردے مگر وہ ڈیوڈ کو یہ حکم نہ دے سکا کیونکہ جب ڈیوڈ اس کے پاس پہنچا تو اسقف کے پیٹ میں شدید درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں اور وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ ڈیوڈ نے فوراً طبیب کو بلوایا۔

پوری رات علاج معالجے کی تدابیر میں گزر گئی۔ صبح ہوتے ہوتے درد کی تاب نہ لا کر وہ بے ہوش ہو گیا۔ اسقف نے صرف مہتمم سے یہ بات کہی تھی کہ وہ مسلمانوں کو ہلاک کرنا چاہتا ہے اور اسے اعتماد میں لے کر یہ بھی کہہ دیا تھا کہ یہ بات کسی اور پر ظاہر نہ کرنا۔ مہتمم

کے علاوہ یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا کہ اسقف، مہمان مسلمانوں کو قتل کرنا چاہتا ہے اور کیوں قتل کرنا چاہتا ہے۔

آپ نے نماز فجر کے بعد اصطبل سے گھوڑے منگوائے اور گرجا کے مہمان خانے سے روانہ ہو گئے۔ مونہ سے گیارہ فرسخ دور نکل آنے کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کو صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا "کل رات اسقف ہمارے قتل کے احکامات جاری کرنا چاہتا تھا مگر اللہ تعالیٰ کے عذاب نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور اب جب کہ ہم ان کی دسترس سے دور نکل آئے ہیں، اسقف کا وہ عذاب جو درد شکم کی صورت میں تھا، موقوف ہو گیا ہے۔"

سفر شام تک بہ حسن وخوبی جاری رہا۔ غروب آفتاب سے کچھ پہلے آپ لورقہ میں داخل ہو گئے تھے۔

آپ نے طارق سے کہا "ہم آج رات تمہارے گھر پر ہی قیام کریں گے۔"

طارق نے اپنا گھوڑا آگے نکال کر اپنے گھر کی طرف رخ کیا۔ مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے یہ سب نے دیکھ لیا کہ لورقہ ایک بڑا شہر تھا۔ ہر چند کہ وہ چاروں اطراف سے بلند پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا مگر سرسبز وشاداب تھا۔ طارق اپنے گھر کے سامنے رکا تو لوگوں نے اسے دیکھتے ہی شور مچادیا "دانیال آگیا، دانیال آگیا۔"

یہ آوازیں اس کے باپ نے سنیں تو وہ دوڑتا ہوا گھر سے نکلا اور اپنے جوان اور اکلوتے بیٹے کو سینے سے لگا کر رونے لگا۔ آپ بھی اور آپ کے دونوں ساتھی بھی قریب آکر گھوڑوں سے اتر چکے تھے۔

بوڑھا جیراڈ اپنے بیٹے سے کہہ رہا تھا "تو بڑا ظالم ہے۔ تو نے میری آنکھوں کو ویران اور دل کو زخمی کردیا ہے۔ کیا میں نے تجھے اسی دن کے لیے پالا تھا کہ جب مجھے تیری ضرورت پڑے تو تو مجھے چھوڑ کر چلا جائے۔"

طارق نے آبدیدہ ہو کر جواب دیا "میں یہاں سے خود نہیں گیا تھا، آپ نے دھکے دے کر مجھے یہاں سے نکالا تھا۔"

جیراڈ جانتا تھا کہ بیٹا درست کہہ رہا ہے اس لیے اس نے موضوع بدلتے ہوئے کہا "یہ تمہارے ساتھ آنے والے کون ہیں؟ ان کا تعارف تو کراؤ دانیال۔"

اسلام قبول کرنے سے پہلے طارق کا نام دانیال ہی تھا۔ اس نے اپنے باپ سے تینوں کا تعارف کرایا۔ جیراڈ نے بڑے تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ گھر میں پہنچ کر آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا "پہلے مغرب کی نماز پڑھ لیں۔"

آپ کی امامت میں جب نماز ہو رہی تھی تو جیراڈ ایک طرف کھڑا نماز کا منظر دیکھتا رہا۔

آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جیراڈ میزبانی کے فرائض میں مصروف ہو گیا۔ طارق باپ کا ہاتھ بٹانے لگا۔ عشا کی جماعت ہوئی تو جیراڈ نے پھر بڑی توجہ سے نماز پڑھنے والوں کو دیکھا۔ عشا کے بعد دسترخوان پر کھانا چنا گیا۔

جیراڈ نے مہمانوں سے کھانے کی درخواست کرنے سے پہلے کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں اس وقت کوئی خاص اہتمام نہ کرسکا۔ میں گھر میں تنہا ہوں۔ میری بیوی، دانیال کی پیدائش کے تین سال بعد فوت ہو گئی تھی۔ میں نے دوسری شادی نہیں کی۔ ملازمہ پر مجھے اعتبار نہیں اس لیے کوئی ملازمہ نہیں رکھی۔ ایک آدمی کا کیا، وہ کسی طرح بھی اپنا پیٹ بھر سکتا ہے۔"

کھانے سے فارغ ہو کر سب سونے لگے تو جیراڈ اپنے بیٹے کو اپنی خواب گاہ میں لے گیا اور زبیر بن عبداللہ، قاسم اور عابد ایک ساتھ ایک کمرے میں سونے کے لیے چلے گئے۔

تنہائی میسر آئی تو جیراڈ نے کہا "ہمارے پاس دولت کی پہلے بھی کمی نہ تھی مگر اب تو میں بہت ہی مال دار ہو گیا ہوں۔ تم میرا خزانہ دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔" جیراڈ نے اپنی خواب گاہ میں ایک تہ خانہ بنوالیا تھا جس کا دروازہ اس کے بستر کے نیچے تھا۔ اس نے بستر ہٹا کر تہ خانے کا دروازہ کھولا اور شمع اٹھائی پھر تہ خانے میں اترتے ہوئے بیٹے کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ نو سیڑھیاں اتر کر دونوں تہ خانے کے فرش تک پہنچے۔ وہاں لکڑی کے بڑے بڑے صندوق اوپر تلے رکھے تھے۔ جیراڈ نے ایک ایک صندوق کھول کر بیٹے کو دکھانا شروع کیا۔ کسی میں چاندی کے ظروف تھے، کسی میں سونے کے، کسی صندوق میں چاندی کی اینٹیں تھیں، کسی میں سونے کی۔ ایک صندوق کھولا تو اس میں موجود ہیرے جواہر آنکھوں کو اپنی چمک دمک سے خیرہ کرنے لگے۔

طارق نے دولت کے انبار کو دیکھ کر کہا "آپ نے تو واقعی قارون کا خزانہ دریافت کرلیا ہے۔"

"نہیں بیٹے، یہ خزانہ میں نے زمین سے کھود کر نہیں نکالا ہے۔ یہ میری کفایت شعاری اور مسلسل محنت کا ثمر ہے مگر میرے لیے یہ سب بے کار ہو گیا ہے۔ تم نے اسلام قبول کر کے میری وراثت سے خود کو محروم کرلیا ہے۔ بیٹے میری ضعیفی پر رحم کرو، یہ ساری دولت تمہاری ہے مگر اس کے حصول کے لیے تمہیں اسلام سے اپنا رشتہ منقطع کرنا پڑے گا۔"

طارق نے چہرے کا پسینہ رومال میں جذب کرتے ہوئے کہا "تہ خانے سے باہر چلیے، میرا یہاں دم گھٹ رہا ہے۔"

جیراڈ نے بیٹے سے کہا "تم اوپر چلو، میں صندوق بند کر کے واپس آجاؤں گا۔"

اوپر پہنچ کر طارق کو اپنے باپ کا زیادہ دیر تک انتظار نہ کرنا پڑا۔ جیراڈ نے تہ خانے سے نکل کر پہلے تہ خانے کے دروازے کو بند کیا اور اس پر بستر بچھایا پھر اسی بستر پر بیٹھ گیا۔ اس نے بیٹے کو اپنے پاس بٹھا کر پوچھا "کیا یہ کثیر دولت جس سے زندگی کی ہر آسائش خریدی جاسکتی ہے' تم حاصل کرنا نہیں چاہتے۔"

"آپ کی شرط میں سن چکا ہوں۔ آپ کہتے ہیں کہ میں اسلام کو ترک کر کے اپنے آبائی مذہب کی طرف لوٹ آؤں تو میں آپ کا وارث بن سکتا ہوں مگر میں اسلام سے وابستگی کو اپنے لیے سب سے بڑی عزت سمجھتا ہوں۔ اپنی دولت آپ کو مبارک' میرے لیے میرا اللہ کافی ہے۔"

جیراڈ' بیٹے کا صاف اور واضح جواب سن کر مایوس ہوگیا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا "تم جانتے ہو کہ میں راسخ العقیدہ یہودی ہوں۔ میری میراث تمہیں ہرگز نہیں مل سکتی۔ کیا تم مجھے قتل کر کے اس دولت کو اپنے تصرف میں نہیں لاسکتے! میں دل کی گہرائی سے یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے قتل کر کے اسی گھر میں گاڑ دو۔ میں ویسے بھی اب کچھ ہی دن کا مہمان ہوں۔ زندہ رہنے کی کوئی آرزو میرے دل میں باقی نہیں رہی ہے۔"

طارق باپ کی بات سن کر چکرا گیا۔ محبت اور مذہب کے دوراہے پر باپ کی روح کو مصلوب دیکھ کر وہ لرز اٹھا۔ اس کے جذبات میں ایک ہلچل سی پیدا ہوئی مگر اس نے جلد ہی خود پر قابو پانے کے لیے کہا "نہ میں اسلام چھوڑ سکتا ہوں' نہ آپ کو دولت کے لیے قتل کرسکتا ہوں۔ اسلام مجھے ایسے قتل کی اجازت نہیں دیتا۔"

"فیصلہ اس قدر جلد نہ کرو بیٹے!" جیراڈ نے کہا "ابھی پوری رات باقی ہے' صبح مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کردینا یا رات میں میری نیند کو اپنی تلوار سے ابدی نیند میں تبدیل کردینا۔"

بوڑھا جیراڈ رات بھر سوتا رہا اور طارق مصروف عبادت رہا۔ ہر دو رکعت کے بعد وہ سجدے میں سر رکھ کر اپنے رب سے کرم کی بھیک مانگتا رہا۔ صبح سویرے ہی جیراڈ کی آنکھ کھلی تو بیٹے کو سجدے میں دیکھا۔

جب طارق نے سلام پھیرا تو جیراڈ نے پوچھا "ہاں اب مجھے بتاؤ کہ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"میں اپنے فیصلے پر قائم ہوں اور اس میں کسی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

جیراڈ نے مسکراتے ہوئے کہا "بیٹے! دولت دنیا کی عظیم قوت ہے۔ بڑے بڑے لوگوں کو میں نے دولت کے سامنے سر جھکاتے ہوئے دیکھا ہے مگر میں خوش ہوں کہ اسلام کی صداقت کو تم نے دل کی گہرائیوں سے قبول کیا ہے۔ اسلام واقعی سچا دین ہے۔ جو حب مال

جیسی زنجیر گراں کو توڑ دینے کی استعداد پیدا کرتا ہے۔ تمہارے چلے جانے کے بعد میں نے فرصت کے اوقات میں اسلام کا کافی مطالعہ کیا تھا اور اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ سچائی کی تلاش میں تم مجھ پر سبقت لے جاچکے ہو۔ میں نے دولت کا لالچ دے کر تمہارے جذبہ ایمانی کا امتحان لیا تو اس میں بھی تم پورے اترے۔ مجھے بے حد خوشی ہوگی اگر میرا بیٹا مجھے خود داخل اسلام کرے گا۔"

طارق دوڑ کر باپ سے ہم آغوش ہوگیا۔ دونوں دیر تک رونے کے بعد پرسکون ہوئے تو طارق نے باپ کو داخل اسلام کرلیا۔

نماز فجر میں زبیر بن عبداللہ کے مقتدیوں میں ایک کا اضافہ ہوگیا تھا جس کی سب کو دلی خوشی ہوئی۔ جیراڈ کا اسلامی نام مرتضیٰ رکھا گیا۔ اس نے زبیر بن عبداللہ سے کہا "میرے پاس بے شمار دولت ہے' میں چاہتا ہوں کہ اسے آپ کے مشورے سے نیک مقاصد میں صرف کروں۔"

مرتضیٰ کی اس سادہ سی درخواست نے آپ کو متفکر کردیا۔

آپ نے مشورہ دینے کا وعدہ کر کے مرتضیٰ کو خاموش کردیا اور طارق سے کہا "تم جاکر یہاں کے قاضی سے ملو اور ان سے کہو کہ آج شام زبیر بن عبداللہ ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔"

طارق اسی وقت قاضی شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔

آپ نے عابد اور قاسم سے کہا "تم لوگ بھی اس شہر کی سیر کر آؤ۔" وہ دونوں بھی چلے گئے تو آپ نے مرتضیٰ سے کہا "ہاں اب بتاؤ' تمہاری نظر میں دولت کا کیا مصرف ہونا چاہیے؟ میں یہ بات ابھی تک نہیں بھولا ہوں کہ کچھ دیر پہلے تم نے اس ضمن میں مجھ سے مشورہ طلب کیا تھا۔ میں سردست اپنی رائے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ پہلے تم اظہار خیال کرو۔ تم اگر خود اپنی دولت نیک مقاصد میں صرف کرو تو وہ مقاصد کیا ہوسکتے ہیں؟"

مرتضیٰ نے ابھی تک کوئی بات سوچی ہی نہ تھی۔ آپ نے بار فکر اسی کے سر پر رکھ دیا تو وہ سوچنے لگا مگر اس کی سوچ اس کا ساتھ نہ دے سکی۔ زندگی بھر اس نے صرف مال جمع کرنے کے نت نئے طریق ایجاد کیے تھے۔ جمع کردہ رقم خرچ کرنے کے لیے اس نے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔ اس نے ذہنی انتشار سے گھبرا کر کہا "میں کچھ نہ سوچ سکوں گا۔ یہ کام آپ کے مشورے کے بغیر انجام نہیں دیا جاسکتا۔ میں تو بس یہ فیصلہ کرسکا ہوں کہ جو دولت میرے پاس ہے' اب میری نہیں ہے۔"

"جزاک اللہ۔" بے ساختہ آپ نے کہا اور وہ منصوبہ پیش کیا جو آپ نے اب تک مرتب کرلیا تھا۔

منصوبے کی تفصیل سن کر مرتضیٰ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے کہا "میں تو یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آپ نے واقعی دولت کا بہترین مصرف تلاش کر لیا ہے۔"

طارق، قاضی شہر سے ملاقات کا وقت طے کر آیا تھا۔ آپ عصر کے بعد طارق کے ساتھ قاضی شہر صفوان عامری کے پاس پہنچے۔ وہ آپ کے نام سے آشنا تھا، صورت سے نہیں پہچانتا تھا مگر طارق کے ساتھ آپ کو دیکھ کر اسے یقین ہو گیا کہ آنے والے زبیر بن عبداللہ ہیں۔ اس نے بڑے تپاک سے آپ کا استقبال کیا اور بغیر کسی تمہید کے آنے کا مدعا دریافت کیا۔

آپ نے نپے تلے الفاظ میں گفتگو کا آغاز کیا "اندلس پر الحمدللہ، پرچم اسلام لہرا رہا ہے۔ سلطان عبدالرحمٰن کی شاندار قیادت نے ملک کے طول و عرض میں تمام بغاوتوں کو کچل کر امن و امان کی فضا قائم کر دی ہے مگر میری نظر میں تلوار کا رعب دیرپا نہیں ہوتا۔ تلوار ہر قسم کی آب و ہوا میں رکھے رکھے زنگ آلود ہو جاتی ہے۔ اگر یہاں دیرپا اقتدار چاہتے ہیں تو ہمیں مقامی لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کی بھرپور کوشش کرنا پڑے گی۔ نومسلموں کے تعاون کے بغیر ہمارے پیر اس سرزمین پر نہیں جم سکتے۔ آپ یہ جانتے ہیں کہ سلاطین اندلس تیغ زنی پر تو اعتبار رکھتے ہیں مگر تبلیغ پر وہ توجہ نہیں دے رہے ہیں جس کی اشد ضرورت ہے۔ میں اور میرے ساتھی اپنے محدود وسائل کے ساتھ تبلیغ کا ایک مرکز قائم کرنا چاہتے ہیں مگر یہ کام آپ کے تعاون کے بغیر بہتر طور پر نہ ہو سکے گا۔ میں تبلیغی مرکز کے قیام کی خاطر آپ سے یا حکومت سے مادی امداد کا طالب نہیں ہوں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ حکومت ہمارے تبلیغی ادارے کو آزادی سے کام کرنے کی اجازت دے دے اور ہمارے ادارے سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کرتی رہے لیکن اس احتیاط کے باوجود یہ بھی ضروری ہے کہ آپ ادارے کے مفادات کا دور بیٹھ کر بھی خیال رکھیں۔"

قاضی صفوان نے آپ کی بات بڑی توجہ سے سنی اور دل ہی دل میں اس بات کا اعتراف بھی کیا کہ زبیر بن عبداللہ بہت دوراندیش ہیں اور جو کچھ وہ کر گزرنا چاہتے ہیں اس کی دوررس افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ خود بھی اس مسئلے پر کئی بار اپنی تنہائیوں میں اپنا ذہن سلگا چکے تھے۔ آپ کی بات سن کر ان کا دل باغ باغ ہو گیا اور بڑی گرم جوشی سے آپ کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا "مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ملت اسلامیہ کے مفادات پر سنجیدگی سے سوچنے والے ابھی موجود ہیں۔ میں آپ سے ہر ممکن تعاون کا وعدہ کرتا ہوں۔ آپ اپنے کام کا آغاز کیجیے، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔ آپ کو تبلیغی مرکز کے قیام کی خاطر زمین بھی درکار ہو گی۔ آپ اس شہر میں جو جگہ چاہیں پسند کر لیں، میں آپ کی پسند کی جگہ آپ کو دے دوں گا بشرطیکہ وہ زمین کسی شہری کی ملکیت نہ ہو۔" قاضی صفوان

نے اپنی بات مکمل کر کے اپنے نائب سے کہا "لورقہ کا نقشہ لاؤ۔" لورقہ کا نقشہ لایا گیا تو قاضی صفوان نے اسے زمین پر پھیلا کر رکھا اور کئی مقامات کا جائزہ لینے کے بعد ایک مقام پر انگلی رکھ کر کہا "میرے خیال میں یہ قطعہ اراضی آپ کے ادارے کے لیے بہت مناسب رہے گا۔ یہ دیکھیے، اس سے متصل شمال میں ایک باغ ہے، جنوب سے شاہراہ اعظم گزرتی ہے اور مغرب کی طرف کچھ ہی فاصلے پر ایک بڑا تالاب ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے، یہ زمین سرکاری ہے۔ کل صبح متعلقہ محکمے سے میں مزید تصدیق کر لوں گا۔ آپ دوپہر میں تشریف لے آئیں۔ میں زمین آپ کے نام منتقل کروا دوں گا۔"

زمین کا موضوع ختم ہوا تو تبلیغی ادارے کے قیام کی تفصیلات اس وقت تک زیر بحث رہیں جب تک اذان مغرب نہ ہوئی۔ نماز کی امامت زبیر بن عبداللہ کو کرنا پڑی مگر نماز کے بعد آپ کو قاضی صفوان نے کھانا کھلائے بغیر رخصت نہ کیا۔

مرتضیٰ بڑی شدت سے انتظار کر رہے تھے۔ زبیر بن عبداللہ اور اپنے بیٹے کو دیکھ کر وہ خوش ہو گئے اور گھر کے دروازے پر ہی سوال کر ڈالا "مجھے جلد بتائیے، قاضی شہر نے کیا جواب دیا؟"

آپ نے مرتضیٰ کی بے قراری سے مسرور ہو کر کہا "الحمدللہ، ہم کامیاب واپس آئے ہیں۔"

کامیابی کی خبر سن کر مرتضیٰ آپ کو لے کر گھر آئے جہاں عابد اور قاسم بھی آپ کے منتظر تھے۔

دوسرے دن تجویز کردہ زمین مجوزہ تبلیغی ادارے دارالفلاح کے نام ہو گئی اور اسی دن باہمی مشورے سے دارالفلاح کی وسیع اور شاندار عمارت کا نقشہ بنایا گیا۔ نقشے کی تکمیل کے بعد آپ نے تعمیر کی ذمے داری طارق اور قاسم کے سپرد کر دی اور مرتضیٰ سے کہا "تم بھی کام کی نگرانی کرنا اور جس قدر رقم دو، اس کا حساب ان دونوں سے لیتے رہنا۔ ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ دارالفلاح کی تعمیر زیادہ سے زیادہ مزدوروں اور کاریگروں کی خدمات حاصل کر کے جلد سے جلد مکمل کرنے کی کوشش کرنا۔ میں کل صبح عابد کے ساتھ غرناطہ کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ لورقہ میں اس کا امکان تو نہیں ہے کہ ہمارے دشمن کوئی نقصان پہنچا سکیں مگر اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔"

رات گزار کر آپ نماز فجر کے بعد عابد کے ساتھ غرناطہ کی طرف چل پڑے۔ لورقہ کی حدود سے نکلتے ہی آپ نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر تیز سے تیز تر کر لیا۔ شام کو آپ نے وادی آش میں قیام کیا۔ وادی آش بہت سرسبز شاداب تھی۔ رات میں جب دن بھر کی تھکن کی

وجہ سے آپ گہری نیند سو رہے تھے' ایک زہریلا ناگ کسی طرف سے آنکلا اور آپ کے چہرے کے قریب پھن اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی پھنکار سے فضا کا سکوت درہم برہم ہوا تو عابد کی آنکھ کھل گئی۔ خطرے کے احساس نے اس کے ذہن کو آن واحد میں بیدار کر دیا۔ اگر ذرا سی بھی حرکت کی تو دو میں سے ایک کو سانپ ضرور ڈس لے گا چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اپنی زندگی اپنے شیخ پر قربان کر دے گا مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ حرکت کرتا' سانپ نے آپ کو ڈسنے کے لیے منہ مارا مگر ایک حیرت انگیز و عجیب منظر نے عابد کو ششدر کر دیا اور واقعی یہ بات تھی بھی انوکھی۔ جیسے ہی سانپ نے ڈسنے کے لیے آپ کے چہرے پر پھن مارنا چاہا' قریب سے ایک بڑا پتھر اڑ کر پھن اور آپ کے چہرے کے درمیان حائل ہو گیا اور پھن پتھر پر پڑا۔ سانپ اس ضرب سے زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ پتھر اپنی جگہ چلا گیا۔ سانپ نے تھوڑی دیر بعد آپ کو پھر ڈسنا چاہا تو نتیجہ پہلے سے مختلف نہ رہا۔ سانپ نے مسلسل آپ کو ڈسنے کی کوشش کی مگر ہر بار اس کا پھن ٹکرا کر زخمی ہوتا رہا اور پھر وہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ عابد حیران تھا کہ آپ کی آنکھ کیوں نہ کھلی حالانکہ آپ نیند میں بھی بیداری کی سی کیفیت رکھتے تھے۔ عابد اٹھا اور اس نے اس مردہ سانپ کو کچھ دور لے جا کر ڈال دیا۔

آپ تہجد کے لیے اٹھے تو عابد کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر کہا "تم شاید کافی دیر سے جاگ رہے ہو۔"

عابد نے سانپ سے متعلق تفصیلات سنا کر پوچھا "کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ پتھر آپ کے دفاع میں کس طرح حرکت میں آیا اور آپ کی نیند آج اتنی گہری کیوں تھی؟"

"اللہ تعالیٰ بڑا قدرت والا ہے۔ اس کے احکام ہر شے پر نافذ ہیں۔ پتھر نے بھی اسی کے حکم سے ایک ناچیز بندے کا دفاع کیا ہو گا۔ جہاں تک میری نیند کے گہرے ہونے کا تعلق ہے تو میں روحانی طور پر سفر میں تھا۔ صرف میرا جسم یہاں تھا اور ظاہر ہے جسم کی ساری حسیات روح کے بغیر معطل ہی رہتی ہیں۔"

عابد کے ذہن میں کرید پیدا ہوئی کہ آپ روحانی سفر کے ذریعے کہاں گئے ہوں گے مگر اسے سوال کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ تہجد کے بعد نماز فجر تک عابد کی درخواست پر آپ نے کلام مجید کی تلاوت قدرے بلند آواز میں کی۔

نماز کے بعد وادی آش میں پھر سفر شروع ہو گیا۔ وادی آش کے دل کش اور نظر افروز مناظر کو دیکھ کر بار بار آپ کی زبان پر سبحان اللہ وبحمدہ جاری ہوتا رہا۔ ایک منظر کے حسن سے متاثر ہو کر آپ نے عابد سے کہا "اگر اسلام میں رہبانیت (ترک دنیا) کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو میں ساری زندگی یہیں گزار دیتا۔"

آپ نے نماز عصر وادی آش سے نکل کر ادا کی۔ اب آپ کے سامنے جبل الثلج تھا جس کے عقب میں غرناطہ کا عظیم شہر آباد تھا۔ رات جبل الثلج کے دامن میں گزار کر آپ نے صبح ایک طویل پہاڑی درہ عبور کیا اور ظہر کے وقت غرناطہ کے دروازے پر پہنچ گئے۔ شہر پناہ سے متصل ایک مسجد میں نماز ادا کر کے آپ نے عابد سے کہا "میرا خیال ہے کہ نیک کام میں تاخیر مناسب نہیں۔ ہمیں آج ہی خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث سے ملاقات کر لینا چاہیے۔"

"آپ کا خیال بہت مناسب ہے مگر خلیفہ تک پہنچنا آسان تو نہ ہو گا۔" عابد نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

آپ اسی وقت مسجد سے نکلے اور چل پڑے۔ غرناطہ کے گلی کوچے' شاہراہیں اور مکانات کا شکوہ دیکھ کر آپ نے کہا "شہر کی زیبائش اس بات کی واضح علامت ہے کہ دلوں کی ویرانیاں بڑھ رہی ہیں۔ اللہ ہمیں دنیا کی محبت سے محفوظ و مامون رکھے۔"

ابھی آپ نے کچھ فاصلہ طے کیا تھا کہ "ہٹو بچو" کا شور مچاتے ہوئے زرق برق لباس پہنے ہوئے غلام' گھوڑوں پر سوار آتے دکھائی دیے۔ راہ گیر راستے کے اطراف میں مودب کھڑے ہو گئے۔ آپ بھی عابد کے ساتھ ایک کنارے پر گھوڑوں کو لے گئے۔ ایک شہری نے کہا "اجنبی دوستو! گھوڑوں سے نیچے اتر آؤ' خلیفۃ المسلمین کی سواری آ رہی ہے۔ ان کا استقبال گھوڑوں پر بیٹھ کر نا ادب کے خلاف ہے۔"

ادب کا درس دینے والے نے جو بات کہی تھی' آپ نے بھی سن لی تھی مگر آپ نے گھوڑے سے اترنا مناسب نہ سمجھا۔ جب خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث آپ کے سامنے آیا تو آپ گھوڑا بڑھا کر اس کی طرف بڑھے۔ غلاموں نے آپ کو روکنا چاہا تھا مگر خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث نے آپ کو اپنے قریب بلا کر پوچھا "کیا کوئی بہت ضروری کام ہے جو آپ نے سر راہ مجھ سے ملاقات کو ترجیح دی؟"

"میں مرسیہ سے آج ہی یہاں پہنچا ہوں اور طویل سفر آپ سے ملاقات ہی کے لیے کیا ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ سے ملاقات کا کیا ضابطہ ہے۔"

"مجھ سے ہر شخص' ہر وقت مل سکتا ہے۔ میں نماز فجر اور نماز عصر جامع مسجد میں پڑھتا ہوں۔ مجھے آپ سے مل کر خوشی ہو گی۔ میں اس وقت ایک عالم کی عیادت کے لیے جا رہا ہوں۔"

ملاقات کے اوقات سے باخبر ہو کر آپ پھر عابد کے پاس آ گئے اور خلیفۃ المسلمین آگے بڑھ گئے۔ آپ نے دن کا باقی حصہ ایک کارواں سرائے میں گزارا اور عصر کی نماز جامع مسجد میں ادا کی۔

نماز کے بعد آپ نے جب خلیفہ عبدالرحمٰن سے مصافحہ کیا تو اس نے آپ کو پہچانتے

ہوئے کہا "محل آپ میرے ساتھ چلیں گے۔"

خلیفہ اذان مغرب تک لوگوں کی فریادیں سنتا رہا اور فیصلے کرتا رہا۔ آپ کو بار بار خیال ستاتا رہا کہ عیسائی بھی تو خلیفہ کی رعایا ہیں جو مسجد میں نہیں آسکتے' کیا یہ صورت حال غیر مسلم رعایا کے لیے موزوں ہے کہ وہ براہ راست اپنے حاکم تک نہ پہنچ سکے؟ مغرب کی نماز پڑھ کر جامع مسجد سے آپ شاہی محل میں پہنچے' کھانا تناول کیا اور پھر نشست گاہ میں گفتگو کا آغاز ہوا۔

خلیفہ نے کہا "اب آپ اپنے آنے کے مقصد سے آگاہ فرمائیں۔"

آپ نے مختصر مگر جامع الفاظ میں بات شروع کی "اندلس میں غالب اکثریت عیسائیوں کی ہے۔ اکثریت پر اقلیت کی حکومت بہ زور شمشیر قائم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ صرف شمشیر پر بھروسا کرنا' کسی وقت بھی نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے اس لیے اندلس کے طول وعرض میں اسلام کی تعلیمات کو عوام الناس تک پہنچانے کا موثر اور ترجیحی انتظام کیا جائے۔"

آپ کی تائید کرتے ہوئے خلیفہ نے کہا "تجویز درست ہے' اس کی اصابت کا انکار کوئی باشعور آدمی نہیں کرسکتا۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے' بہت سے مبلغ یہ کام انجام دے رہے ہیں۔"

آپ کی معلومات درست ہیں مگر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ تبلیغ کی مہم کو آپ کی سرپرستی حاصل نہیں ہے۔ مبلغین کی کوششوں سے جو عیسائی' مسلمان ہوچکے ہیں' حکومت ان سے امتیازی سلوک کرتی ہے۔ انہیں وہ مراعات نہیں دیتی جو عرب اور بربر مسلمان کو حاصل ہیں۔ اس عدم مساوات کے بڑے غلط نتائج سامنے آئے ہیں۔ عیسائیوں نے نو مسلم عیسائیوں کو عرب مسلمانوں کی نظر میں غیر معتبر دیکھ کر اسلام قبول کرنا بند کردیا ہے۔"

خلیفہ عبدالرحمٰن آپ کی بات سن کر بہت دیر تک خاموشی سے کچھ سوچتا رہا' اس کے بعد کہا "نو مسلموں کے متعلق ہم نے جو رویہ اختیار کر رکھا ہے' وہ ہر تنقید سے بالا تر ہے کیونکہ ہم نے اپنے لائحہ عمل کو بہت غور و فکر کے بعد مرتب کیا ہے۔ میں آپ کے جذبات کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے کے باوجود یہی کہوں گا کہ اگر آپ کو تبلیغ سے کوئی دلچسپی ہے تو بڑے شوق سے تبلیغ کیجیے۔ حکومت پر تنقید کو اپنے دائرہ اختیار سے باہر سمجھیے۔ آپ کا یہ خیال درست نہیں ہے کہ نو مسلموں کو ہم نے اعتبار کے قابل ہی نہیں سمجھا۔ ہم نے ان کا اسی طرح اعتبار کیا تھا جس کے وہ مستحق تھے مگر ان میں سے بیشتر نے ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔ ہمارا رویہ تجربات کی روشنی میں بدلا ہے۔ آپ کے متعلق میری معلومات وسیع ہیں۔ مرسیہ کے عامل ابوالحکم اور لورقہ کے قاضی صفوان کے قاصد آچکے ہیں۔ دونوں نے

آپ کی تعریف کی ہے اور میں بھی یہ یقین رکھتا ہوں کہ آپ مخلص ہیں۔ آپ لورقہ کے دار الفلاح میں جن نو مسلموں کو تربیت دے کر ہمارے پاس بھیجیں گے' ان کے ساتھ خاص سلوک کیا جائے گا۔"

آپ خلیفہ عبدالرحمٰن سے رخصت ہوکر آئے تو بہت ملول تھے۔ جب کارواں سرائے میں پہنچے تو عابد نے صورت ہی سے اندازہ لگالیا کہ مہم ناکام ہوگئی ہے۔ اس نے ادب سے پوچھا "کیا خلیفہ عبدالرحمٰن جیسے باشعور نے بھی آپ کی بات نہ مانی؟"

آپ نے خلیفہ اور اپنے مابین ہونے والی گفتگو تفصیل سے سنا کر کہا "میری نظر میں یہاں آنا سود مند نہیں ہوا۔ دار الفلاح کے تربیت یافتہ اگر منصب اعتبار پر فائز ہوئے بھی تو وہ مقصد حاصل نہ ہوسکے گا جس کے لیے میں جدوجہد کر رہا ہوں۔ اسلام کی طرف لوگ صرف اس صورت میں راغب ہوسکیں گے جب بہ حیثیت مسلم ان کا اعتبار عام ہو جائے گا۔ اگر ہم خلیفہ کی بات مان لیں گے تو ہمارا ادارہ سرکاری ادارہ بن جائے گا۔ لوگ حکومت سے جو تعصب رکھتے ہیں' اس کی زد میں ہم بھی آجائیں گے۔ کل صبح ہم لورقہ چل رہے ہیں۔"

رات غرناطہ میں بسر کرکے صبح عابد کے ساتھ آپ لورقہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ جبل الثلج کے درے سے نکل کر آپ وادی آکاش میں پہنچے۔ رات کو آپ نے وہیں قیام کیا۔ دوسری صبح نماز کے بعد سفر شروع ہوا تو چند فرسخ چلے ہوں گے کہ آپ کو پچاس عیسائیوں نے گھیر لیا۔ ہر طرف دشمن' کمانوں پر تیر چڑھائے موجود تھے۔ عیسائیوں کا سربراہ مائیکل تھا۔ اس نے حکم دیا "تلواریں زمین پر پھینک دو۔"

عابد تلوار کو نیام سے نکال چکا تھا مگر آپ نے تلوار زمین پر ڈال دی تو اس نے بھی آپ کی پیروی کی۔ عیسائیوں نے دونوں کو باندھ لیا اور دو دن سفر کرنے کے بعد ایک پہاڑی کے وسیع غار میں پہنچے۔

دونوں کو ایک راہب کے سامنے پیش کرکے مائیکل نے کہا "عیسائی جاں بازوں کے قاتل آپ کے سامنے موجود ہیں۔ انہیں زندہ گرفتار کرنے کا حکم تھا اس لیے یہ ابھی تک زندہ ہیں ورنہ میں ان دونوں کے سر ہی لے کر آپ کے پاس آتا۔"

راہب نے مائیکل کو بہت سی دعائیں دینے کے بعد کہا "ان دونوں کو قید کردو اور تم آرام کرو۔ میں ان مجرموں کو ایسی سزا دوں گا کہ مسلمان لرز اٹھیں گے۔"

مائیکل نے دونوں کو لے جاکر ایک چھوٹے سے غار میں قید کردیا اور غار کے دروازے پر پہرا لگادیا۔

جس غار میں آپ کو قید کیا گیا تھا اس میں صرف بیٹھا جاسکتا تھا۔ نہ اس میں کھڑے

ہونے کی گنجائش تھی' نہ آرام سے لیٹنے کی۔ قید خانے کو دیکھ کر عابد نے کہا "محترم! دشمنوں کے ارادے خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔"

"تمہارا خیال ٹھیک ہے مگر زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم پر ان کے خطرناک ارادوں کا کیا رد عمل ہو سکتا ہے۔ ہم قید ہو کر یہاں آ گئے' اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ہوگی۔ اپنے ذہن سے تمام اندیشے محو کر دو۔ ظہر کی نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے' پہلے نماز ادا کر لیں۔"

"ہمارے ہاتھ تو پشت پر بندھے ہوئے ہیں' کیا نماز اشاروں سے ادا کرنا ہوگی؟" عابد نے بڑے دکھ سے کہا۔

آپ نے عابد کی بات سن کر آنکھیں بند کر لیں اور زیر لب کچھ پڑھنے لگے۔ آپ نے جب آنکھیں کھولیں تو دونوں کے ہاتھ بندشوں سے آزاد ہو گئے۔ رسیاں خود بہ خود ٹوٹ گئیں۔ آپ نے آزاد ہوتے ہی سجدے میں سر رکھ دیا اور کہا "آپ تو واسع ہیں' ہم پر یہ زمین کیوں تنگ ہو گئی ہے؟"

ابھی آپ کا سر سجدے میں تھا کہ بغیر کسی آواز کے وہ غار اتنا کشادہ ہو گیا کہ دونوں آرام سے لیٹ بھی سکیں اور کھڑے بھی ہو سکیں۔ عابد بھی یہ حیرت ناک تبدیلی دیکھ کر سربہ سجود ہو گیا۔ اس دعائیہ سجدے کے بعد دونوں نے نماز ظہر ادا کی اور لیٹ گئے۔

مسلسل پہاڑی سفر نے اعصاب کو شل کر دیا تھا۔ لیٹتے ہی دونوں کو نیند آ گئی تھی۔ غار کے دہانے پر پہرا دینے والوں کو اندر کی تبدیلی کا علم نہ ہو سکا کیونکہ غار کا دہانہ کشادہ نہیں ہوا تھا۔ غار میں تاریکی تھی۔ مومی شمعوں سے دن میں بھی اجالے کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ آپ جس غار میں تھے' وہاں تاریکی ہی تاریکی تھی۔ رات' کھانے کے لیے پوچھا گیا نہ پانی کے لیے۔

نماز فجر کے بعد عابد نے کہا "کیا کچھ دیر کے لیے میں آزاد نہیں ہو سکتا۔"

آپ سمجھ گئے کہ عابد کیا چاہتا ہے۔ آپ نے آنکھیں بند کر کے مراقبہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد جب آپ مراقبے سے فارغ ہوئے تو عابد سے کہا "راہب نے فیصلہ کیا ہے کہ تین دن تک ہمیں بھوکا پیاسا رکھنے کے بعد ہم سے ملے گا اور ہمارے ضعف سے لطف بھی اٹھائے گا۔ وہ ہم سے من مانی شرطیں قبول کرانا چاہے گا چنانچہ دو دن اور دو رات تک ہمارے پاس کوئی نہیں آئے گا۔ فرصت کے ان لمحات میں آؤ ہم کھلی ہوا میں سیر کر آئیں۔"

عابد ایک مدت سے آپ کی مصاحبت میں تھا مگر اس سفر میں آپ کے متعلق نئے نئے انکشافات ہو رہے تھے۔ ہر چند کہ آپ کی بات اس کے لیے ناقابل فہم تھی لیکن اسے اعتماد تھا کہ جس طرح رسیاں آسانی سے ٹوٹ گئیں' غار کشادہ ہو گیا' اسی طرح یہ بھی ممکن ہے' اس غار سے کھلی فضا میں پہنچ جائیں۔

آپ نے عابد کا ذہن پڑھ کر کہا "آنکھیں بند کر لو۔" عابد نے حکم کی تعمیل کی پھر حکم ملا "آنکھیں کھول دو۔"

عابد نے ارشاد کی تعمیل کی تو خود کو وادی آش میں اسی جگہ پایا جس جگہ کو آپ نے بہت پسند کیا تھا۔

آپ دن بھر وادی آش میں رہے' رات ہوئی تو جس طرح آئے تھے اسی طرح غار میں پہنچ کر آرام کیا۔ تیسرے دن بھی آپ وادی آش کے حسین مناظر سے لطف اندوز ہوئے۔ چوتھے دن نماز فجر کے بعد غار میں آپ تلاوت کر رہے تھے تو ایک مشعل بردار کے ساتھ راہب غار میں آیا۔ راہب' غار کو اندر سے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی غار ہے جسے وہ بارہا دیکھ چکا تھا۔

آپ نے اس کی حیرت کو یہ کہہ کر دوچند کر دیا "قیدیوں کے ساتھ یہ ظالمانہ سلوک کسی مہذب قوم میں روا نہیں ہے جو تم نے ہمارے ساتھ روا رکھا۔"

راہب کے خیال میں دونوں کو بے ہوش پڑا ہونا چاہیے تھا۔ راہب نے آپ کی بات کا جواب دینے سے پہلے مشعل بردار سے مشعل لے کر کہا "تم باہر جا کر میرا انتظار کرو۔" وہ چلا گیا تو راہب نے آپ کے سوال کا جواب نظر انداز کرتے ہوئے پے در پے سوالات کر ڈالے "یہ غار اتنا کشادہ کیسے ہو گیا؟ تمہارے ہاتھ کس نے کھولے؟ تم اتنے تر و تازہ کیسے نظر آ رہے ہو؟"

آپ نے ان سوالوں کے جواب میں صرف اتنا کہا "اللہ اپنے بندوں کے لیے کافی ہے۔ اللہ کی قدرتوں پر ایمان رکھنے والے نہ کسی کام کو ناممکن سمجھتے ہیں' نہ تمہاری طرح حیرت زدہ ہوتے ہیں۔"

راہب نے آپ کے چہرے کو بہ غور دیکھتے ہوئے کہا "تم میرے ساتھ آؤ۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں' اپنے ساتھی کو یہیں رہنے دو۔"

آپ راہب کے ساتھ چلے تو عابد سے کہا "میں ان کے ساتھ جا رہا ہوں مگر تم یہاں اطمینان سے بیٹھو اور یہی سمجھو کہ اللہ تعالیٰ جس طرح میرا محافظ ہے' تمہارا بھی محافظ ہے۔"

راہب آپ کو اپنے غار میں لے گیا اور اپنے سامنے بٹھا کر کہا "مجھے سچ اور جھوٹ کو پرکھنے کا فن آتا ہے۔ اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو جب تک میں کہوں میری آنکھوں سے آنکھیں ملائے رکھو۔"

آپ نے بلا عذر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

راہب عمل تنویم کا ماہر تھا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی مگر وہ آپ کی روشن آنکھوں کی تاب نہ لا سکا اور خود ہی آنکھیں بند کرکے کہا "تم آخر ہو کیا؟ آج تک جس نے مجھ سے آنکھ ملائی ہے' میرا معمول بن کر رہا ہے مگر تم پر کوئی اثر نہیں ہوا۔"

"تمہارے پاس سارے کمالات کسبی ہیں اور میرے پاس وہبی۔ میں نے جو کچھ کہا تھا' اسے سچ مان لو۔ واقعی مجھ پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔ وہی میری دستگیری فرماتا ہے اور میری ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ تم بار بار یہ سوچ رہے ہو کہ میں ساحر ہوں مگر یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں ایک ذی علم آدمی ہوں' آؤ ہم اس موضوع پر گفتگو کریں کہ آج دین حق' دین محمدی ہے یا دین عیسوی؟"

"میں صرف انجیل مقدس پر ایمان رکھتا ہوں اور ایک عمر مسلسل مطالعہ انجیل کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ مسیح کے بعد کوئی آسمانی کتاب نازل ہو گی نہ کوئی اللہ کا رسول آئے گا۔" راہب نے بڑے وثوق اور تمکنت سے کہا۔

آپ نے سوچا کہ اگر راہب سے یہ کہا جائے کہ اصل انجیل میں فارقلیط کے نام سے محمد عربی مراد ہے تو راہب اس انجیل کی صحت پر اصرار کرے گا جو اس کے پاس ہے اس لیے آپ نے ماورائے سخن ایک دلیل دینے کا فیصلہ کرکے کہا "اب ہم کل گفتگو کریں گے۔ تم بھی میرے متعلق کوئی رائے قائم کر لو اور میں بھی تمہارے لیے اپنی رائے پر نظر ثانی کر لوں۔"

راہب ذہنی طور پر منتشر ہو چکا تھا اس نے آپ کی پیش کش کو قبول کرتے ہوئے کہا "چلیے میں آپ کو چھوڑ آؤں۔ جس غار میں آپ کو قید کیا گیا تھا' وہ اب کافی کشادہ ہو گیا تھا۔" کچھ دیر بعد غار کے دہانے پر پہنچ کر راہب نے کہا "غار اندر سے تو کشادہ ہو گیا مگر اس کا دہانہ ابھی تک بہت چھوٹا ہے' کیا یہ بڑا نہیں ہو سکتا۔"

آپ نے مسکراتی ہوئی آنکھوں سے راہب کی طرف دیکھ کر کہا "میں انشاء اللہ سر جھکائے بغیر اس غار میں داخل ہو جاؤں گا۔"

راہب نے کہا "میں دیکھ رہا ہوں' اندر جاؤ۔"

آپ نے بسم اللہ پڑھ کر دروازے کی طرف قدم بڑھایا تو دروازے کی بلندی غار کی اندرونی بلندی کے برابر ہو گئی اور آپ سر جھکائے بغیر غار میں داخل ہو گئے۔ راہب اور دو پہرے داروں نے یہ منظر دیکھا تو فرط حیرت سے ان کی چیخیں نکل پڑیں۔

راہب نے جلد ہی اپنے بکھرے ہوئے حواس سمیٹ کر پہرے داروں سے کہا "غار میں روشنی کا انتظام کرو اور انہیں ضرورت کی ہر چیز فراہم کرو۔"

ان غاروں میں ستر عیسائی جاں باز مقیم تھے۔ پہرے داروں نے راہب کے منع کرنے

کے باوجود سب لوگوں سے غار کے کشادہ ہونے اور دروازے کے بلند ہونے کا ماجرا سنا دیا تھا۔ ایک ایک جاں باز آکر آپ کو دیکھتا اور چلا جاتا۔ مائیکل خاص طور پر سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ جنہیں وہ اتنی آسانی سے گرفتار کرکے لے آیا تھا' وہ روحانی قوتوں کے مالک ہیں۔

صبح جب عابد اور آپ نماز فجر ادا کر رہے تھے تو راہب بھی آ گیا اور ایک طرف کھڑے ہو کر آپ کو عبادت میں مصروف دیکھتا رہا۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے تو راہب نے آگے بڑھ کر آپ کی دست بوسی کرتے ہوئے کہا "مجھے اسلام میں داخل کر لیجئے' مجھے یقین آ گیا ہے کہ آپ حق پر ہیں۔"

عابد تمام تفصیلات سے آگاہ تھا اس نے سوال کیا "آپ دین اسلام کو کس بنیاد پر حق ہونے کی سند دے رہے ہیں؟"

"میں بہت خوش نصیب ہوں۔ رات میں نے حضرت مسیحؑ کو خواب میں دیکھا ان کے ساتھ حضرت محمد رسول ؐاللہ بھی تھے۔ حضرت مسیحؑ نے خود تصدیق فرمائی کہ حضرت محمدؐ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ اس تصدیق کے بعد مجھے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔"

آپ نے راہب کو اسی وقت داخل اسلام کرکے کہا "اب تم اپنے سارے جاں بازوں کو ایک جگہ جمع کرکے انہیں یہاں پیش آنے والے حیرت انگیز واقعات سناؤ اور اپنے خواب کی تفصیلات سے آگاہ کرو۔ تم اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بلا خوف و خطر کرو۔ نہ یہ جاں باز تمہارا کچھ بگاڑ سکیں گے' نہ جاں باز تنظیم کا سربراہ مونہ کا اسقف جو تمہارا دوست بھی ہے۔"

راہب نے تمام جاں بازوں کو جمع کرکے آپ کے ارشاد کے مطابق حالات اور خواب بیان کرکے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تو مائیکل تلوار نکال کر دوڑا تاکہ راہب کو قتل کر دے' جس کا نام اسماعیل رکھ دیا گیا تھا مگر آپ نے جو روحانی طور پر وہاں موجود تھے' اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ اس عجیب منظر کے ستر افراد شاہد تھے۔ مائیکل نہتا ہو گیا تو اسماعیل کے قدموں میں آ گرا اور باقی افراد نے بھی اسلام قبول کرنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ آپ نے جسمانی طور پر ظاہر ہو کر سب کو داخل اسلام کر لیا۔

لورقہ میں آپ نے مزید تین دن قیام فرمایا اور بعد نماز جمعہ بیس افراد کے ساتھ آپ لورقہ کو خیرباد کہہ کر روانہ ہو گئے۔ تیسرے دن مرسیہ پہنچے تو عامل مرسیہ ابوالحکم نے آپ کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا اور اپنے بیٹے کو پیش کرکے کہا "یہ محمود ہے' آپ کی دعاؤں کی مقبولیت کا زندہ ثبوت۔ اس کے لیے دعاؤں کا مزید طالب ہوں۔"

آپ نے محمود کو اپنی مستجاب دعا سے سرفراز کرنے کے بعد کہا "ہم صرف آج رات

تمہارے یہاں قیام کریں گے' صبح رخصت ہو جائیں گے۔"

رات کا بیشتر حصہ اللہ والوں نے عبادت میں گزارا اور نماز فجر کے بعد اوریولہ کی طرف چل پڑے دو دن بعد اوریولہ پہنچے۔ یہ شہر تجارتی مرکز تھا۔ یہاں عرب تاجروں کے قبیلے آباد تھے۔ ایک دن قیام کے بعد آپ اوریولہ سے بندرگاہ لقنت کی طرف روانہ ہوگئے۔ دوسرے دن جب آپ لقنت پہنچے تو معلوم ہوا کہ ساحل پر کوئی جہاز نہیں ہے۔ ساحلی قصبے میں' کسی جہاز کے انتظار میں آپ کو قیام کرنا پڑا۔

ایک رات جب آپ اور آپ کے ساتھی محو خواب تھے' بحری قزاقوں نے حملہ کردیا۔ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ تمام افراد آسانی سے باندھ لیے گئے۔ قزاقوں کو مال و متاع زیادہ ہاتھ نہ لگا مگر وہ اس بات پر خوش تھے کہ بیس غلام ان کے ہاتھ آگئے تھے جن کی وہ معقول قیمت وصول کرسکتے تھے۔ قزاقوں نے قیدیوں کو اپنے جہاز پر سوار کیا اور اسی وقت ساحل چھوڑ دیا۔ قیدیوں کو جہاز کے ایک کھلے حصے میں باندھ کر ڈال دیا گیا تھا۔

عابد نے جو قریب ہی بندھا پڑا تھا' آپ کو مخاطب کیا "آپ کی موجودگی میں جو کچھ ہوا' میں اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔"

"تمہارا انداز فکر درست نہیں ہے عابد!" آپ نے کہا "میں کچھ بھی نہیں ہوں' مجھ سے کوئی توقع وابستہ نہ کیا کرو۔ بات صرف اتنی ہے کہ بعض امور سے اللہ تعالیٰ مجھے مطلع فرما دیتا ہے اور وہ اطلاع میرے لیے باعث طمانیت بن جاتی ہے۔ موجودہ صورت حال کو غور سے دیکھو' میرے سارے ساتھی پریشان ہیں مگر میں پریشان نہیں ہوں۔ تم ابھی صرف یہ بات ذہن نشین کرلو کہ لقنت کی بندرگاہ پر جہاز کے انتظار میں ہم دو دن ضائع کرچکے تھے اور اس بندرگاہ پر ابھی سات دن تک کسی ایسے جہاز کی آمد متوقع نہیں تھی جو ہمیں اپنی منزل تک پہنچا دیتا۔ الحمدللہ ہم اب جہاز میں ہیں اور ہمارے گھوڑے بھی۔ ہمارا سامان اٹھا کر بھی قزاق لائے۔ اگر کوئی دوسرا جہاز ہوتا تو ہمارے گھوڑے سوار نہ ہونے دیے جاتے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم کیسے ظہور پذیر ہوتا ہے' صرف دیکھتے رہو۔"

صبح ہوئی تو قزاقوں کے سردار نے آکر قیدیوں کا معائنہ کیا۔ آپ نے آواز دے کر سردار کو اپنے پاس بلایا۔ آپ کی آواز میں ایسی تاثیر تھی کہ وہ آپ کے پاس کھنچا چلا آیا۔

سردار بالکل قریب آگیا تو آپ نے کہا "تیری دو بیٹیوں اور ایک بیٹے کو تیرے ایک حریف نے یرغمال بنا کر تجھے بے دست وپا کر رکھا ہے۔ اس کے اشارے پر تجھے چلنا پڑتا ہے۔ تیرا حریف اسی سمندر میں دوسرے جہاز پر موجود ہے۔ تیرے پاس اس کے جہاز سے بڑا جہاز اور تیرے پاس قزاقوں کی تعداد بھی اس سے زیادہ ہے مگر تو اس پر حملہ نہیں کرسکتا۔ تجھے یقین ہے کہ اگر تو نے اس پر حملہ کیا تو وہ تیرے بیٹے اور بیٹیوں کو ہلاک

کردے گا۔"

آپ سے یہ تفصیلات سن کر اس نے حیرت سے پوچھا "یہ سب باتیں تمہیں کیسے معلوم ہوئیں؟ یہ راز تو سمندروں کی دنیا کا ہے' خشکی پر سانس لینے والوں کو کیسے معلوم ہوا؟"

آپ نے سردار کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا "میری معلومات کے ذرائع جان کر تو کیا کرے گا۔ میں تجھے ایک پیش کش کر رہا ہوں' اسے غور سے سن' اگر تو مجھ سے وعدہ کرے کہ جو میں کہوں گا' اس پر عمل کرے گا تو صرف چوبیس گھنٹے میں یرغمالی اسی جہاز پر موجود ہوں گے اور تجھے اپنے حریف قزاق سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔ میں جانتا ہوں کہ تو سمندر گردی سے تنگ آچکا ہے اور آبرومندانہ زندگی گزارنے کا آرزومند ہے۔ میری اطاعت کے عہد کے نتیجے میں تیری یہ آرزو بھی پوری ہوجائے گی۔"

قزاقوں کے سردار کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی مایوسیوں کے اندھیروں میں امید کی کرن در آئی ہو۔ وہ بلک پڑا اور کہا "اے باخبر انسان! تو نے میرے سارے دکھ جان لیے ہیں۔ میں دکھوں سے نجات پانے کے لیے تیری ہر بات مانوں گا مگر میرے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچانا ورنہ تم سب کا ٹھکانا مچھلیوں کے پیٹ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔" اس نے خود آپ کو بندشوں سے آزاد کرتے ہوئے قزاقوں کو حکم دیا "قیدیوں کو بندشوں سے آزاد کردو۔ یہ غلام نہیں' ہمارے مہمان ہیں۔"

آپ نے آزاد ہو کر اپنے ساتھیوں سے کہا "جلد از جلد وضو کرو اور قضائے فجر ادا کرو۔"

نماز کے بعد قزاقوں کا سردار نومل آپ کو ساتھ لے کر اپنی خواب گاہ میں پہنچا اور کہا "بتاؤ میرے بچوں کی واپسی کے لیے تمہارے ذہن میں کیا لائحہ عمل ہے اور مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

آپ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "تمہارا حریف اس وقت جزیرہ ابی کے قریب ہے۔ میں نے اپنے اللہ سے درخواست کردی ہے اور مجھے اس کے فضل و کرم پر کامل اعتماد ہے' تم صرف کل تک انتظار کرو' ابھی تمہیں خود کچھ نہیں کرنا ہے۔"

نومل کی سمجھ میں آپ کی بات بالکل نہ آئی مگر وہ انتظار کے سوا کیا کرسکتا تھا۔ نائیدہ پہلے نومل کا نائب تھا اور اس کی کارگزاریوں سے متاثر ہو کر نومل نے اسے تخت و تاراج کے لیے ایک جہاز دے دیا تھا۔ وہ لوٹ مار سے حاصل ہونے والی دولت کا تین چوتھائی حصہ بطور خراج نومل کو دیا کرتا تھا مگر نائیدہ کی امنگیں جوان تھیں۔ جوان خون' ترقی اور خود مختاری کے لیے بے قرار رہتا تھا۔ آخر اس نے ایک رات اس وقت نومل کے بچوں کو اغوا کرلیا

جب دونوں جہاز قریب قریب لنگر انداز تھے۔ بچوں کو یرغمال بنا کر نائیدہ نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

اس وقت نائیدہ اپنے جہاز پر سو رہا تھا۔ اس کے نائب نے اسے اٹھا کر اطلاع دی "ہمارا جہاز ایک بہت ہی سرکش طوفان کی زد میں آگیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ زندگی میں ایسا طوفان میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ یہ طوفان جہاز کو تنکے کی طرح مغرب کی طرف لے جا رہا ہے جب کہ ہمیں شمال میں جزیرہ منورقہ کی طرف جانا تھا۔"

نائیدہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ جہاز کے بادبان اتار لیے گئے اور پھر جہاز کو دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ طوفان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ آپ کے ارشاد کے عین مطابق طوفان نائیدہ کا جہاز نومل کے جہاز کے سامنے لے آیا۔

سب کی نظروں سے اوجھل ہو کر آپ روحانی پرواز کے ذریعے نائیدہ کے جہاز پر پہنچے اور نومل کے تینوں بچوں کو نائیدہ کی قید سے نکال لائے۔ واپسی روحانی پرواز کے ذریعے ہی ہوئی تھی۔ نومل نے بچوں کو آپ کے ساتھ اپنے سامنے دیکھا تو مسرت سے بے قابو ہو گیا مگر آپ نے کہا "یہ وقت مسرت کی جذباتی رو میں بہنے کا نہیں، اٹھو اور دشمن پر حملہ کرو! جب تمہارا جہاز اس کے جہاز سے قریب ہو گا تو نائیدہ یہی سمجھے گا کہ تم خراج ادا کرنا چاہتے ہو۔ یہ خیال اس کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتا کہ تم اس پر حملہ کرو گے کیونکہ وہ ابھی تک اس وہم میں مبتلا ہے کہ تمہارے بچے اس کی قید میں ہیں۔"

نومل نے آپ کی حکمت عملی کو اچھی طرح سمجھ کر اپنے ساتھیوں کو حملے کے لیے تیار کیا اور اپنے جہاز کو آگے بڑھایا۔ نائیدہ اپنے جہاز کے عرشے پر کھڑا اس وقت تک مسکراتا رہا جب تک اس کے جہاز پر اچانک حملہ نہ ہو گیا۔ قزاقوں میں خوں ریز معرکہ گرم ہوا تو وہ نومل کے بچوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے دوڑا مگر انہیں اپنی جگہ نہ پا کر غصے میں بل کھاتا ہوا لڑائی میں شریک ہو گیا مگر اس لڑائی میں نائیدہ اور اس کے سارے ساتھی مارے گئے۔ نومل کے بھی بیشتر آدمی کام میں آ گئے۔

نومل اور اس کے ساتھی چند دنوں کی تبلیغ کے نتیجے میں اسلام پر ایمان لے آئے اور آپ نومل ہی کے جہاز پر بحیرہ روم میں سفر کرتے ہوئے، تین ماہ میں بن غازی پہنچے جہاں نومل نے آپ کے حکم کے مطابق اپنے دونوں جہاز بیچ کر وہاں مستقل قیام کر لیا۔

آپ نے وہیں دس ماہ قیام کر کے نومسلموں کو اسلامی تعلیمات سے آراستہ کیا اور پھر سب کو اپنے ساتھ لیے لورقہ پہنچے۔ دارالفلاح تیار ہو چکا تھا۔ آپ نے وہاں کے دارالاقامہ میں سب کو ٹھہرایا۔ طارق، قاسم اور مرتضیٰ آپ کو دوبارہ پا کر بہت خوش ہوئے۔

پانچ سال تک آپ نے دارالفلاح کے تحت ایک تبلیغی نظام قائم کر کے غیر مسلموں کو

اسلام کی طرف دعوت دی اور تین ہزار افراد کو داخل اسلام کیا۔ یہ ایک بڑی کامیابی تھی مگر آپ کو رنج تھا کہ یہ کامیابی آپ کی توقع سے بہت کم تھی۔ آپ نے دارالفلاح میں تربیت پانے والے اٹھاون نومسلموں کو خلیفہ عبدالرحمٰن کے پاس بھیجا مگر اٹھاون میں سے صرف دس آدمی قبول کیے گئے اور اڑتالیس واپس آ گئے۔ آپ نے نومسلموں کی فلاح و بہبود کے لیے پارچہ بافی، شیشہ گری اور آئینہ سازی کی چھوٹی چھوٹی صنعتیں بھی قائم کی تھیں جن سے معاشی سطح پر وہ آبرومند ہو گئے تھے ورنہ اسلام قبول کرنے والوں کو ان کے عیسائی رشتے داروں نے ہر اعتبار سے پریشان کر رکھا تھا۔

زبیر بن عبداللہ کو اللہ تعالیٰ نے فراست و حکمت سے سرفراز کیا تھا۔ ان کی بصیرت اسلامی ریاست کی پھیلتی سرحدوں سے نامطمئن تھی۔ وہ جانتے تھے کہ یہ مادی قوت کی کرشمہ سازی ہے جو کسی طرح دیرپا نہ تھی۔ رات دن انہیں یہی فکر تھی کہ کسی طرح اہل اندلس کے دلوں پر اسلام کی حکمرانی ہو۔ مملکت کی حدیں نہ کبھی کہیں برقرار رہی تھیں، نہ مستقبل میں اس کا کوئی امکان تھا۔ ایک رات جب آپ مصروف عبادت تھے، واضح طور پر ندائے غیب سنی "اے زبیر! قانون مکافات عمل اٹل ہے۔ دن کی روشنی میں رات کی تاریکیوں کا احساس ہر چند کہ دائرہ بصارت سے خارج ہوتا ہے مگر سورج ضرور غروب ہوتا ہے، تاریکیاں ضرور مسلط ہوتی ہیں۔ تم نے جنھیں اسلام کا متبع بنایا ہے، ان میں سے کچھ افراد کی فکر کو اپنی فکر سے ہم آہنگ کر لیا ہے۔ وہ تمہاری ہی طرح ہر وقت آزردہ خاطر رہتے ہیں۔ ان سب کو لے کر اندلس کی حدود سے نکل جاؤ تاکہ تمہارے ساتھی نئی فضا میں سکون کا سانس لے سکیں۔ آج وہ اپنے دیار میں اور اپنے ہم نفسوں میں اجنبیت کا زہر پی رہے ہیں۔ جو جیسا کرے گا، اسے اس کے نتائج بھگتنا ہوں گے۔ یہاں ابھی صدیوں مسلمانوں کی حکومت رہے گی۔ آج کی بے تدبیری اور گمراہی کے نتائج بتدریج ظہور پزیر ہوں گے۔"

ندائے غیب سن کر آپ نے تازہ حکم پر غور و فکر کیا اور نماز فجر سے پہلے اندلس کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کر لیا۔ بعد نماز فجر دارالفلاح کے تمام افراد کو آپ نے ایک جگہ جمع کیا۔ حاضرین کی تعداد تین سو اکیس تھی۔ یہ آپ کی تبلیغی کوششوں کا ثمر تھا۔ آپ نے ان کے سامنے ایک مختصر سی تقریر میں کہا "میں اندلس سے ہجرت کر رہا ہوں۔ میری پہلی منزل مکہ مکرمہ ہو گی اور بیت اللہ شریف میں پہنچ کر یہ فیصلہ کروں گا کہ میرا مستقل قیام کہاں ہو گا۔"

یہ بات سن کر مجمع بے قرار ہو گیا۔ غم فراق اشکوں اور آہوں میں ڈھل گیا۔

آپ نے صبر کی تلقین کرتے ہوئے کہا "جو شخص میرے ساتھ اس ارادے سے چلنا چاہے کہ یہاں واپس نہ آئے گا، میرے ساتھ چل سکتا ہے۔"

آپ کی یہ بات سن کر سناٹا چھا گیا۔ زمین کے رشتے، آب و ہوا کی زنجیریں، لوگوں کو

فوری فیصلے سے روکے ہوئے تھیں مگر عابد اور قاسم نے باری باری کھڑے ہو کر کہا ”ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔“

پھر طارق اور مرتضٰی بولے ”ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔“

اسماعیل نے کچھ کہا تو نہیں مگر اپنی جگہ کھڑے ہو کر اس نے تائید میں اپنا سیدھا ہاتھ بلند کر لیا تھا۔ پانچ افراد کی آمادگی کے بعد مزید پندرہ افراد نے ہجرت کے لیے آمادگی کا اظہار کیا۔ باقی سب لوگ ندامت سے سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔

آپ نے بلند آواز سے کہا ”جو لوگ یہاں رہنے کا فیصلہ کر چکے ہیں' نادم نہ ہوں وہ یہاں رہ کر بھی اسلام کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیں گے۔ جن لوگوں نے میرے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا ہے وہ ذہنی طور پر اس ماحول کو ناقبول کر چکے ہیں جس میں پہلے سانس لے رہے تھے اور جن افراد نے یہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے' وہ اس ماحول میں بھی جینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ آج سے طلحہ (مائیکل) تمہارے سربراہ اور دارالفلاح کے منتظم اعلیٰ ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ طلحہ کی نگرانی میں تم سب دارالفلاح کے قیام کے مقاصد پورے کرتے رہو گے۔ مجھ میں اور تم میں آج تک استاد اور شاگرد کا رشتہ تھا' آؤ مسلک حق پر کاربند رہنے کے لیے مجھ سے بیعت کر کے مجھ سے ایک ابدی رشتہ قائم کر لو۔“

دعوت بیعت پر سب نے لبیک کہا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

آپ اپنے رفقا کے ساتھ زیارت حرمین کے لیے پہنچے۔ حج کے بعد بارگاہ ایزدی کے حکم کے مطابق مکہ سے روانہ ہوئے اور پانچ سال کے تبلیغی دورے میں اٹھارہ ہزار افراد کو حلقہ بگوش اسلام کرتے ہوئے طرابلس پہنچے اور ایک خانقاہ بنا کر اس میں گوشہ نشیں ہو گئے۔ آپ کے رفقا زندگی کے مختلف شعبوں میں تبلیغی جذبے کے ساتھ محو ہو گئے۔ آپ کا مزار اقدس طرابلس ہی میں زیارت گاہ عوام اور انوار و تجلیات کا مرکز ہے۔ آپ نے اندلس کے شہر لورقہ میں جو دارالفلاح ۷۹۳ء میں قائم کیا تھا' وہ مدتوں تبلیغی خدمات انجام دیتا رہا۔ دارالفلاح کو ۱۰۹۰ میں مرابطین نے مسمار کر دیا تھا۔

○☆○

اُفق تاب

تاریخ کی روشن شخصیت اللہ کے ایک برگزیدہ بندے کی سوانح مبارک

عراق کے مشہور شہر بصرہ پر سکوت اور رات کی گہری تاریکی مسلط تھی۔ علامہ سعید قیسی کے گھرانے کے نوجوان بیٹے حامد بن سعید دبے پاؤں بڑی احتیاط سے نکلے۔ سیاہ چوغہ سیاہ عمامہ زیب تن تھا۔ شعیب بنو قیس سے باہر آ کر وہ شارع حسن کی طرف بڑھنے لگے۔ دور و نزدیک کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا مگر اس کے باوجود ان کی روش احتیاط میں کوئی فرق نہیں آیا۔ سیاہ لباس نے انہیں تاریکی کا جزو بنا دیا تھا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد انہیں سامنے سے دو گشتی سپاہی آتے ہوئے دکھائی دیے تو وہ گھبرا گئے۔ انہوں نے پناہ گاہ تلاش کرنے کے لیے ادھر ادھر نظر ڈالی۔ چند قدم کے فاصلے پر ایک گلی انہیں چھپنے کے لیے موزوں معلوم ہوئی۔ وہ تیزی سے گلی میں داخل ہو کر ایک دروازے سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ غیر ضروری احتیاط نے ان کے اعصاب کو بے قابو کر دیا تھا ورنہ وہ ایک باعزت باپ کے شریف بیٹے تھے۔ گشتی سپاہی گلی سے آگے نکل گئے تو انہوں نے اپنی راہ لی۔ شارع حسن کے اختتام پر وہ سیدھے ہاتھ کی پہلی گلی میں مڑ گئے اور بائیں ہاتھ کے دروازے شمار کرتے ہوئے ساتویں دروازے پر رک گئے۔ انہوں نے آہستہ سے دستک دی۔

دروازہ بلا کسی تاخیر کے کھلا اور ایک مترنم آواز آئی ”اندر آ جاؤ حامد' میری تو پوری رات انتظار کے عذاب میں گزر گئی۔“

”میں معذرت خواہ ہوں نبیلہ! والد دیر سے سونے کے عادی ہیں اور ان کے سو جانے سے پہلے گھر سے آنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔“

نبیلہ نے دروازہ بند کیا اور حامد بن سعید کو لے کر ایک کشادہ اور بہت آراستہ کمرے میں پہنچی جو لطیف خوشبو سے مہک رہا تھا۔ مومی شمعوں کی روشنی نے ماحول کو سحر انگیز بنا رکھا تھا۔

حامد نے سب کچھ نظر انداز کر کے بے قراری سے پوچھا ”خولہ کہاں ہے؟ خولہ کو اس وقت یہاں ضرور ہونا چاہیے تھا۔ میں نے اپنے ملازم اور ملازمہ کے ذریعے تمہیں اور خولہ

کو ایک ساتھ پیغامات بھجوائے تھے۔ میں خولہ کی طرف سے بے حد فکر مند ہوں۔" حامد نے خولہ کو نہ پا کر فوراً نبیلہ کے گھر سے چلے جانے کا فیصلہ کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

نبیلہ نے کہا "بیٹھو حامد' واپسی کی ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ خولہ کو اگر معلوم ہوا کہ میں نے تمہاری خاطر مدارت نہیں کی تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی۔"

حامد کا اب اس ماحول میں دم گھٹنے لگا تھا جو کسی بھی نوجوان کے لیے پرکشش ہو سکتا تھا۔

وہ دروازے کی طرف بڑھے تو نبیلہ پھر بولی "رک جاؤ حامد' ورنہ میں شور مچا دوں گی اور میرے فرض شناس پڑوسی تمہیں آکر دبوچ لیں گے۔ اس کے بعد میں جتنے بھی الزامات تم پر عائد کروں گی' تم ان کی اگر تردید بھی کرو گے تو کوئی تمہاری بے گناہی تسلیم نہیں کرے گا اور کل سورج طلوع ہوتے ہی اہل بصرہ اس بات پر انگشت بدنداں رہ جائیں گے کہ علامہ سعید قیسی جیسے شریف النفس بزرگ کا بیٹا اپنے باپ سے اعمال و کردار کے اعتبار سے کتنا مختلف ہے۔"

حامد نے نبیلہ کی دھمکی کا کوئی اثر قبول نہ کیا اور مسکراتے ہوئے کہا "تم بہت چالاک ہو مگر یہ بات بھول گئیں کہ تمہارا وہ خط میرے پاس ہے جس میں مجھے یہاں پہنچنے کی تحریری ہدایات تمہارے دستخط کے ساتھ موجود ہے۔"

"تم نے مجھے ایک ہی سانس میں چالاک اور بے وقوف کہا ہے مگر تمہارا پہلا فیصلہ ہی درست ہے۔ جو خط میں نے تمہیں بھجوایا ہے' اس پر نہ میری تحریر ہے نہ میری دستخط! وہ خط میں نے کسی اور سے ہی لکھوایا تھا۔"

حامد بن سعید قیسی جو اس جگہ سے جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے' یہ سوچ کر بیٹھ گئے کہ بات سننے میں کیا قباحت ہے۔ نبیلہ مجھے کیا نقصان پہنچا سکتی ہے۔ آپ نے نبیلہ سے پوچھا "اب تم اپنا مدعا بیان کرو' میں پوری توجہ سے سن رہا ہوں۔"

نبیلہ نے اپنی گفتگو کے آغاز سے پہلے کہا "میری گفتگو جب تک مکمل نہ ہو جائے' کوئی مداخلت نہیں کرنا۔ اس کے بعد جو کچھ تم کہو گے میں سنوں گی۔" نبیلہ نے قدرے سکوت کے بعد کہا "میں یہ بات جانتی ہوں کہ تم خولہ سے محبت کرتے ہو مگر تمہیں یہ بات نہیں معلوم کہ میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں۔ میں خولہ سے زیادہ حسین ہوں یہ حوالہ اس لیے غیر ضروری سمجھتی ہوں کہ محبت میں حسن' اضافی اور ثانوی درجہ رکھتا ہے۔ خولہ میری بچپن کی دوست ہے۔ میں اس کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ اس کے مزاج میں صرف تلون کی حکمرانی ہے۔ اس کی پسند موسموں کی طرح بدلتی رہتی ہے۔ آج اگر وہ تمہیں چاہتی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آنے والی کل بھی اس کی چاہتوں کے

پھول تمہارے لیے لائے گی۔ میں جانتی ہوں کہ میری کسی بات کا تمہیں ہرگز اعتبار نہیں آئے گا مگر میں یہ باتیں صرف اس لیے بتا رہی ہوں کہ تمہارے حافظے میں رہیں۔ خدانخواستہ وہ تمہیں مایوس کر دے تو تم مجھے اپنا منتظر پاؤ گے۔ میں اس مرحلے میں اپنے متعلق بھی یہ بات بتا دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ میں بیوہ ہوں۔ شادی کے بعد صرف ڈیڑھ سال مجھے اپنے شوہر کی سرد آغوش میں جلنا پڑا اس کے بعد وہ چل بسا۔ اس بدنصیب نے مرنے سے پہلے مجھے اپنی تمام جائداد اور کثیر دولت کا وارث بنا کر میرے زخموں پر مرہم رکھنا چاہا تھا۔ میری بیوگی کو ایک سال بیت چکا ہے اور تنہائیوں کا زہر میری رگ رگ میں اتر رہا ہے۔ کئی پیغامات آئے مگر میں نے توجہ نہ دی کیونکہ میں نے تمہیں دریائے دجلہ کے کنارے خولہ کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔ وہ ملاقات تمہیں ضرور یاد ہو گی۔ اس دن سے آج تک میں تمہارے لیے تڑپ رہی ہوں۔ میں نے ہر بات دیانت داری سے بتا دی ہے۔ جس سے محبت کی جاتی ہے اسے دھوکا نہیں دیا جاتا۔ میں نے خولہ کو خط بھیجا تھا اور پورے خلوص سے یہ چاہتی تھی کہ تم دونوں مل کر اپنے مستقبل کے لیے کوئی بہتر فیصلہ کر لو مگر نہ جانے وہ کیوں نہیں پہنچی۔ میں نے اپنے ملازمین کو بھی آج رات اسی لیے رخصت کر دیا تھا کہ آزاد گفتگو ہو سکے۔ میں اب تم سے اپنے اس رویے کی معافی مانگنا بھی ضروری سمجھتی ہوں جو میں نے تمہیں کچھ دیر پہلے یہاں روکنے کے لیے اور اپنا احوال سنانے کے لیے اختیار کیا تھا' اب تم شوق سے جا سکتے ہو۔"

حامد نے نبیلہ کی ایک ایک بات غور سے سنی تھی۔ ان کے دل میں نبیلہ کے لیے ہمدردی کا جذبہ بھی ابھرا لیکن اس کے اظہار کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے' سلام کیا اور تیزی کے ساتھ گھر سے باہر آگئے۔ دور کسی مسجد سے اذان فجر کی آواز ابھری۔ ان کے قدم بے ساختہ مسجد کی طرف اٹھ گئے۔

نماز فجر کے بعد حامد مسجد میں قرآن حکیم کی تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ دن چڑھے وہ مسجد سے نکلے تو کوچہ دلدار کی جانب روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو انہوں نے خولہ کے والد کو گھر کے باہر بے قراری سے ٹہلتے ہوئے دیکھا۔ ان کی نظر حامد پر پڑی تو اپنے اضطراب کو چھپانے کے لیے رک گئے۔ ایک پھیکا سا استقبالیہ تبسم ہونٹوں پر سجا کر انہوں نے حامد کے سلام کا جواب دیا اور پوچھا "اس وقت ادھر کہاں؟"

"میں ایک ضروری کام سے نکلا ہوں مگر آپ مجھے کچھ فکر مند نظر آرہے ہیں۔"

"تمہارا اندازہ درست ہے بھتیجے! رات خولہ اپنی سہیلی نبیلہ کے یہاں یہ کہہ کر گئی تھی کہ علی الصبح لوٹ آئے گی مگر ابھی تک نہیں آئی۔"

یہ خبر سن کر حامد کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ ان کا دل چاہا کہ خولہ کے والد کو

بتادیں کہ خولہ' نبیلہ کے گھر نہیں پہنچی مگر انہوں نے ذہن میں مچلنے والی اطلاع کو زبان تک نہ آنے دیا اور کہا" آپ کو اب تک نبیلہ کے گھر چلا جانا چاہیے تھا۔ یہ کیفیت انتظار تو بڑی صبر آزما ہوتی ہے۔"

"تم نے صحیح مشورہ دیا ہے۔ میں ابھی جاتا ہوں۔ تم اپنے والد سے میرا سلام کہہ دینا۔"

خولہ کے والد احسان رخصت ہوگئے تو حامد کے ہاتھوں سے دامن صبر چھوٹ گیا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور دل کی دھڑکنیں سینہ پھاڑنے لگیں۔ تھوڑی دیر پہلے جہاں احسان تصویر اضطراب بنے ہوئے تھے' اب وہاں حامد اسی عالم میں ٹہلنے لگا مگر اضطراب بڑھتا ہی چلا گیا۔ چند لمحوں بعد ہی انہوں نے بڑھ کر خولہ کے گھر پر دستک دی۔ خولہ کے گھرانے سے حامد کے خاندان کے بڑے اچھے تعلقات تھے مگر حامد بطور احتیاط بہت کم آتے جاتے تھے۔ دستک سن کر خولہ کے بھائی گھر سے برآمد ہوئے اور انہیں ساتھ لے کر گھر میں پہنچے۔

خولہ کی والدہ نے انہیں دیکھتے ہی کہا" آج کہاں بھول پڑے بیٹے!"

"پھوپی جان' میں ایک ضروری کام سے جاتے ہوئے ادھر سے گزرا تو پھوپا سے معلوم ہوا کہ خولہ رات کی گئی ہوئی ہیں' ابھی تک نہیں آئیں۔ وہ بہت پریشان تھے اس لیے میں نے انہیں نبیلہ کے گھر کی طرف بھیج دیا اور خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔"

"احسان اپنی بیٹی سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں' اس کے لیے ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہوجاتے ہیں۔ خولہ اپنی سہیلی نبیلہ کے پاس ہی تو گئی ہے' آجائے گی۔ اس میں گھبرانے کی بات کیا تھی۔"

"پھوپی جان' کیا آپ بتاسکیں گی کہ خولہ گھر سے کب روانہ ہوئی تھیں؟"

"عشا کی نماز ہم نے ساتھ ہی پڑھی تھی' اس کے بعد وہ روانہ ہوئی تھی۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ خولہ مہینے میں دو تین بار بیچاری نبیلہ کے پاس جاتی ہی رہتی ہے۔"

حامد نے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا ورنہ ان کے باطن پر جنوں اثر انداز ہوتا جارہا تھا۔ حامد کو اب یقین ہوگیا کہ ضرور کوئی حادثہ رونما ہوچکا ہے ورنہ خولہ ہر قیمت پر نبیلہ کے گھر پہنچتی۔ وہ جلد ہی رخصت ہوکر چلے آئے ورنہ ان کی وحشت انہیں تماشا بنادیتی۔

حامد نے ذاتی طور پر اور احسان کے پورے خاندان نے کئی مہینے خولہ کو تلاش کیا مگر اس کا پتا نہ چلا۔ احسان' بیٹی کے غم میں مرگئے۔ ماں اپنی بیٹی کی جدائی سے پاگل ہوگئی۔ غیرت مند بھائی ایسا غائب ہوا کہ پھر اس کا کہیں پتا نہ لگا۔

حامد بھی ہر وقت کھوئے کھوئے سے رہنے لگے۔ ان کی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

دوست احباب ان سے ملنے کے لیے آتے تو وہ خاموش بیٹھے رہتے۔ وہ کسی کے سوال کا جواب تک نہ دیتے مگر ان کا چچا زاد بھائی خالد ان سے ملنے کے لیے آتا تو وہ سارے زخم اسے دکھاتے' خود روتے اور اسے بھی تڑپاتے۔ خالد اور حامد کے درمیان نسبی رشتے کے علاوہ محبت اور موانست کے اور بہت سے اسباب تھے۔ ہم جماعت' ہم خیال اور ہم ذوق ہونے کی وجہ سے قربتیں بہت مستحکم تھیں۔ خالد سے حامد کا حال دیکھا نہ جاتا تھا اور جہاں تک خولہ کی تلاش کا تعلق تھا' وہ اس سلسلے میں ہر ممکن کوشش کرچکا تھا۔ خالد نے لاکھ چاہا کہ حامد' خولہ کو بھول جائے مگر وہ ناکام رہا۔ وہ عسکری ذہن کا آدمی تھا۔ زندگی کی متعین قدروں پر اس کا اعتماد تھا۔ محبت اس کی نظر میں بے وقعت جذبہ نہیں تھا لیکن وہ اس جذبے کو زندگی کی تعمیر کا بہترین وسیلہ کہتا تھا۔ وہ یہ بات ماننے کے لیے آمادہ نہیں تھا کہ محبت' انسان کو معطل کرسکتی ہے۔ خالد صبح شام حامد سے ملنے کے لیے ضرور آتا تھا۔

حامد ایک دن نماز عصر کے بعد مسجد میں اداس اداس بیٹھے تھے کہ مسجد کے پیش امام ان کے قریب آکر بیٹھ گئے اور بڑی شفقت سے پوچھا" میں آپ کو بہت دنوں سے اداس اور غمگین دیکھ رہا ہوں اور آپ کی صحت بھی پہلے جیسی نہیں رہی۔ آپ اگر مجھ پر اعتماد کریں تو اپنا دکھ مجھے بتادیں۔ میں ہر ممکن مدد کا وعدہ کرنے کے ساتھ یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ کا کوئی راز میرے علم میں آیا تو میرے سینے میں ہی دفن رہے گا۔"

حامد' امام صاحب کا بہت احترام کرتے تھے اس لیے ان کی شفقتوں کی گرمی سے موم کی طرح پگھل گئے۔ انہوں نے خولہ کی گمشدگی کا تفصیلی حال سنادیا۔

امام صاحب نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا" آپ مجھے مل لیں۔ مجھے یقین ہے کہ میں خولہ کی گمشدگی کے لیے کوئی راہ نکال لوں گا۔"

یہ سن کر حامد کو بڑی ڈھارس بندھی۔ نماز مغرب کے بعد بھی وہ مسجد ہی بیٹھے رہے پھر عشا کی نماز پڑھ کر گھر واپس پہنچے۔ رات مایوسی کی ہو تو آسانی سے گزر جاتی ہے لیکن جس رات میں امید کے کسی چراغ کے جل اٹھنے کا امکان ہو' وہ کاٹے نہیں کٹتی۔ حامد اپنے بستر پر پڑے پڑے سوچتے رہے۔ امام ابوالحسن آخر کن ذرائع سے خولہ کو تلاش کریں گے؟ خدا خدا کرکے صبح ہوئی۔ نماز فجر میں زبان پر تلاوت رہی۔ ارکان نماز میں بھی کوئی فرق نہ آیا مگر دل ودماغ پر خولہ چھائی رہی۔ حامد اس بے کیف نماز کے بعد امام ابوالحسن سے ان کے حجرے میں جاکر ملے۔

امام ابوالحسن بڑی محبت سے پیش آئے اور کہا" رات میں نے خولہ کا پتا معلوم کرنے کے لیے ایک آزمودہ استخارہ کیا تھا مگر مجھے اپنے سوال کا جواب نہیں ملا۔ میں نے تہجد کے بعد ایک دوسرے عمل کے ذریعے یہ معلوم کرلیا کہ خولہ کا پتا صرف تم ہی ایک عمل کے

ذریعے معلوم کر سکتے ہو۔ اگر تم اس دشوار عمل کے لیے تیار ہو جاؤ تو وہ عمل میں تمہیں بتا سکتا ہوں۔"

حامد نے بڑی بے قراری سے کہا "میں خولہ کی تلاش کے لیے ہر عمل کر سکتا ہوں۔ آپ مجھے عمل بتائیے۔"

امام ابوالحسن نے حامد کی کامل آمادگی دیکھ کر قریب ہی رکھی ہوئی ایک کتاب اٹھائی اور اس سے ایک کاغذ نکال کر دیتے ہوئے کہا "اس میں عمل' پڑھنے کے اصول اور اس سے متعلق تمام احتیاطیں درج ہیں۔ اسے گھر لے جاؤ اور اس پرچے کو پڑھنے کے بعد خوب غور کرو۔ اس کے بعد تم جو فیصلہ کرو' اس سے مجھے نماز ظہر کے بعد آگاہ کر دینا۔"

حامد رخصت ہو کر گھر پہنچے تو خالد کو اپنا منتظر پایا۔ اس نے اپنے دوست کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "ماشاء اللہ آج تو چہرے پر شگفتگی کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ ایسا لگتا ہے جیسے تم نے خولہ کا سراغ پالیا ہے۔"

"ابھی خولہ کا سراغ تو نہیں ملا ہے مگر اندھیرے میں روشنی کا دریچہ کھلنے کا امکان ضرور پیدا ہوا ہے۔ عمل اور اس کی تفصیلات اس کاغذ پر تحریر ہیں۔ مجھے پڑھ کر سناؤ' میں نے بھی ابھی تک نہیں پڑھی ہیں۔ امام ابوالحسن کے پیرو مرشد کی بیاض کا یہ قیمتی سرمایہ ہے۔"

خالد نے حامد کے ہاتھ سے کاغذ لے کر پڑھنا شروع کیا "یہ عمل آزمودہ ہے۔ اگر عامل نے پوری احتیاط اور بتائی ہوئی شرائط سے پورا کر لیا تو کامیابی یقینی ہے۔"

اس کے بعد خالد نے شرائط پڑھیں جو یہ تھیں۔ پہلی شرط دوران عمل میں چالیس دن تک نماز باجماعت ادا کی جائے۔ دوسری شرط دوران وظیفے میں گوشت 'انڈے' 'مچھلی' دودھ اور گھی کے استعمال کو ترک کر دیا جائے۔ تیسری شرط ہر روز روزہ رکھا جائے اور عامل سورہ نور کی بیالیسویں آیت "**یجعلہ**" تک تین ہزار ایک سو پچیس بار ہر رات بعد نماز عشا دریا میں اس طرح کھڑا ہو کر پڑھے کہ وہ ناف تک پانی میں ڈوبا رہے۔ دوران عمل میں عامل کو موکل ڈرائیں گے' دھمکائیں گے۔ عامل کو چاہیے کہ وہ کسی خوف کو قبول نہ کرے اور اپنے وظیفے کو ہر قیمت پر جاری رکھے۔ اگر وظیفے کی تکرار میں خلل واقع ہو گیا تو عامل ہلاک ہو جائے گا یا دیوانہ۔ وظیفہ اگر پوری شرائط کے ساتھ تکمیل کی منزل تک پہنچ گیا تو موکل عامل کے سامنے حاضر ہو کر کہئے گا "پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ میں تمہارے تین سوالوں کے صحیح جوابات دینے کا پابند ہوں۔"

خالد نے وظیفے کی تفصیلات پڑھنے کے بعد کہا "میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم یہ وظیفہ نہ پڑھو۔ اس کے لیے فولادی اعصاب کی ضرورت ہے۔ اس سے قطع نظر بصرہ سے دریائے دجلہ کا فاصلہ پندرہ فرسخ ہے۔ دریائے دجلہ سے قریب ترین مسجد کا فاصلہ تقریباً تین فرسخ

ہے' وہاں قیام کیا جا سکتا ہے مگر ایک قباحت ہے۔ مسجد ویرانے میں اور آبادی سے دور ہے۔ کبھی کبھی جب وہاں ملاح اور مچھیرے پہنچ جاتے ہیں تو جماعت ہو جاتی ہے ورنہ موذن اذان دے کر تنہا ہی نماز ادا کر لیتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ دو آدمی بھی جماعت سے نماز پڑھ سکتے ہیں مگر عشا کے وقت کبھی کبھی اور نماز فجر کے وقت روزانہ ہی موذن مسجد میں نہیں پہنچتا۔ اس صورت میں نماز باجماعت کا اہتمام نہ ہو سکے گا۔ یہ ساری تفصیلات اس یقین کے ساتھ اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ میں نے موذن کی اس غیر ذمے داری پر اپنے پڑوس میں رہنے والے مچھلی کے شکاریوں کو کئی بار برہم ہوتے دیکھا ہے۔"

حامد نے اپنے دوست کی مدلل باتیں سن کر کہا "میں وظیفہ ضرور پڑھوں گا۔ اگر کوئی اور نہ ہو گا تو بھی ہم جماعت سے نماز پڑھ لیں گے۔ موذن بھی مسجد میں ہمارا قیام دیکھ کر ضرور فرض شناس ہو جائے گا۔ میں تمہارے دردمندانہ انداز فکر کی قیمت جانتا ہوں مگر میرا فیصلہ میری محبت کا فیصلہ ہے جو کسی خوف سے نہیں بدل سکتا۔ مجھے امید ہے کہ تم چالیس دن تک میرے ساتھ مسجد میں قیام کرو گے۔ اب صرف والد سے اجازت لینے کا سخت مرحلہ رہ جاتا ہے۔ ان کی اجازت کے بعد شب جمعہ سے میں وظیفہ شروع کروں گا۔ خدا کرے والد مجھے وظیفے کی اجازت دے دیں ورنہ میرے فیصلے کی کوئی اہمیت باقی نہ رہے گی۔"

"اچھا اب میں اجازت چاہتا ہوں' کل نہیں آسکوں گا کیونکہ چالیس دن کے قیام و طعام کے پیش نظر مجھے بھی کچھ انتظامات کرنے ہوں گے۔" خالد نے کہا۔

خالد رخصت ہو گیا تو حامد باپ سے اجازت لینے کی ترکیب سوچنے لگے۔ وہ یہ بات خوب جانتے تھے کہ اگر والد سے اس خطرناک وظیفے کی اجازت طلب کی تو وہ ان کی جرح کے سامنے بے بس ہو جائیں گے لہٰذا انہوں نے ایک اور ہی ترکیب کا فیصلہ کیا اور والد کی خدمت میں پہنچے۔

علامہ سعید قیسی اپنے جواں سال اور ذہین بیٹے کے غم کی حقیقت سے تو واقف نہیں تھے لیکن اسے غم زدہ اور اداس دیکھ کر ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوتا رہتا تھا۔ انہوں نے کئی بار بیٹے سے آزردگی کا سبب دریافت کرنا چاہا تھا مگر ناکام رہے تھے۔ جب حامد نے ان سے کہا کہ وہ تبدیلی آب و ہوا کی خاطر کچھ دن کے لیے شہر کے ہنگاموں سے دور جانا چاہتا ہے تو انہوں نے خوش ہو کر اجازت دے دی۔

تمام انتظامات مکمل کر کے دن ہی دن میں حامد اور خالد اس مجوزہ مسجد میں پہنچ گئے جو مسجد سعد کے نام سے مشہور تھی۔ موذن نے مغرب کی اذان دی تو حامد نے روزہ افطار کیا۔ نماز کے بعد جب موذن کو معلوم ہوا کہ آنے والے چالیس دن کے لیے آئے ہیں تو وہ بہت خوش ہوا۔

عشا کے بعد حامد دریائے دجلہ کی طرف جانے لگے تو خالد نے کہا "کپڑوں کا ایک فاضل جوڑا اپنے ساتھ لے جاؤ اور ایک کمبل بھی۔ جب تم وظیفے سے فارغ ہو کر دریا سے باہر آؤ گے تو پہنے ہوئے کپڑے تر ہو چکے ہوں گے اور موسم بھی سرد ہو گا' کپڑے ساتھ ہوں گے تو بدل لو گے۔"

حامد نے اس مشورے کو قبول کر لیا۔

خالد نے پھر کہا "میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ساتھ چلوں' جب تک تم وظیفے میں مصروف رہو گے' میں دور بیٹھا رہوں گا۔"

"نہیں خالد' اس تکلیف کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تنہا ہی جاؤں گا' تم یہیں آرام کرو۔ مجھے صرف تمہاری نیک تمناؤں کی ضرورت ہے۔"

حامد مسجد سے نکل کھڑے ہوئے اور تیز قدمی سے دریائے دجلہ پر پہنچے۔ وہاں چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ ایک جگہ کا انتخاب کر کے ساتھ لائے ہوئے کپڑے انہوں نے کنارے پر رکھے اور اللہ کا نام لے کر پانی میں اتر گئے۔ انہوں نے ایسا مقام منتخب کیا جہاں ناف تک پانی تھا۔ درود پڑھ کر پہلے انہوں نے حصار کھینچا پھر وظیفہ شروع کر دیا اور مقررہ تعداد میں آیت تلاوت کی۔ درود پڑھ کر آپ نے وظیفے کی پہلی شب کا معمول مکمل کیا اور دریا سے نکل آئے۔ پانی میں کھڑے کھڑے آپ کو واقعی سردی محسوس ہونے لگی تھی۔ آپ نے خشک کپڑے پہن کر کمبل اوڑھا تو بڑی تسکین ملی۔ اس وقت بے ساختہ خالد کے لیے آپ کے دل سے دعا نکلی۔

دن کو حسب ضرورت آرام اور روزہ' رات کو وظیفہ' انیس دن تک یہ معمول بغیر کسی دشواری کے جاری رہا۔ بیسویں شب آپ پانی میں کھڑے وظیفہ پڑھ رہے تھے کہ ایک سانپ بہتا ہوا آیا اور کمر کے گرد لپٹ کر پھنکاریں مارنے لگا۔ حامد نے وظیفہ جاری رکھتے ہوئے سانپ کے پھن پر اپنی گرفت مضبوط کر دی۔ سانپ تڑپا تو آپ نے اس کے پھن پر دباؤ بڑھا دیا۔ آپ کی پیشانی سے پسینے کے قطرے پانی میں گرنے لگے۔ یہ خوف کا پہلا حملہ تھا۔ اس خوف کی نوعیت اتنی فطری تھی کہ اگر حامد کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو بدحواس ہو جاتا مگر وہ اس خوف کے باوجود وظیفہ پڑھتے ہی رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ انگوٹھے کا شدید دباؤ صرف ان کی انگلیوں پر ہے' سانپ کا دور و نزدیک کہیں پتا نہیں۔ وظیفہ ختم کر کے آپ مسجد پہنچ گئے مگر خالد کو سانپ کے متعلق کوئی بات نہیں بتائی۔

اس امتحانی خوف کے بعد حالات اپنے معمول پر رہے۔ اٹھائیسویں شب جب آپ وظیفہ پڑھ رہے تھے تو رات کے آخری حصے میں ایک کشتی دور سے آتی دکھائی دی۔ جب وہ کشتی قریب پہنچی تو آپ نے دیکھا کہ اس میں ایک ملاح' ایک افسر اور دو سپاہی موجود ہیں۔

افسر نے آپ سے ڈپٹ کر پوچھا "تم کون ہو اور یہاں اس وقت کیا کر رہے ہو؟"

حامد نے برجستہ جواب دیا "میں ایک معزز شہری ہوں اور یہاں وظیفہ پڑھ رہا ہوں۔"

یہ جواب حامد کو بہت مہنگا پڑا۔ جواب سے وظیفے کا تسلسل منقطع ہو گیا۔ موکل جیت گیا' عامل ہار گیا۔ وظیفے کی شرط پوری نہ ہو سکی۔ حامد کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے انہیں پانی سے اٹھا کر ساحل کی طرف پھینک دیا ہو۔ زمین پر گرتے گرتے ان کی ایک چیخ سکوت شب کا سینہ چیر گئی۔ کچھ دیر کے بعد جب انہیں ہوش آیا تو یہ بھی یاد نہ تھا کہ وہ کون ہیں؟ وہ اٹھے اور ایک طرف چل پڑے۔

معمول کے مطابق حامد مسجد نہیں پہنچے۔ موذن بھی اس صبح نہ آیا۔ خالد کی جب آنکھ کھلی تو سورج سوا نیزے پر تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور حامد کو نہ پا کر مسجد میں اور پھر مسجد سے باہر آ کر تلاش کیا۔ وہ کچھ ہی دن پہلے اس خوف پر قابو پا سکا تھا کہ وظیفہ خطرناک ہے لیکن اب حامد کو نہ پا کر خوف سے لرز اٹھا۔ حامد وظیفہ کہاں پڑھا کرتے تھے' یہ اس نے پہلے ہی ان سے معلوم کر لیا تھا۔ دریائے دجلہ کے کنارے پر حامد کے کپڑے مل گئے مگر حامد موجود نہ تھے۔ کنارے پر ایک جگہ کچھ خون دیکھ کر خالد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور ذہن پر خدشات کی یورش ہونے لگی۔ سارا دن اس نے تلاش میں صرف کیا مگر حامد کہیں نہیں ملے۔ تھک ہار کر وہ مسجد سعد پہنچا اور سامان اٹھا کر بصرہ کی طرف چل پڑا۔ راستے میں اس نے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ وہ سیدھا اپنے گھر جائے گا اور حامد کی گمشدگی کی اطلاع خود چچا کو نہ دے گا۔ اس میں نہ تو یہ ہمت تھی کہ علامہ سعید قیسی کے سامنے کوئی جھوٹی کہانی سنا سکے اور نہ سچ بولنے کی جسارت تھی۔ اگر وہ سچ بولتا تو یہ سوال کیا جاتا کہ انہیں صحیح صورت حال سے پہلے کیوں آگاہ نہ کیا گیا۔

اب خالد کا یہ معمول ہو گیا کہ صبح اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر نکلتا اور شام کو واپس آتا۔ پانچ دن کی مسلسل تلاش کے باوجود بصرہ اور اس کے نواح میں حامد کا کوئی سراغ نہ ملا۔ ایک دن خالد غصے میں بھرا ہوا امام ابوالحسن کے پاس پہنچ گیا۔ خالد نے ان کے حجرے میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ امام ابوالحسن اس صورت حال کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ انہوں نے تیز آواز میں پوچھا "تم کون ہو اور دروازہ کیوں بند کر دیا؟"

"میں کون ہوں' اس سوال کا جواب دینا غیر ضروری سمجھتا ہوں۔ میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم نے حامد بن سعید کو ایسا عمل کرنے کی کیوں ترغیب دی جو اتنا تباہ کن تھا؟ وہ خولہ کی تلاش میں خود گم ہو گیا۔ خدا کرے میرا یہ اندیشہ غلط ہو کہ وہ اس دنیا میں اب نہیں ہے۔ میں کل تک اپنے دوست کا پتا چاہتا ہوں۔ اگر تم اس تلاش میں ناکام رہے تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" خالد نے جیسے ہی اپنا جملہ مکمل کیا' حجرے کے باہر ایک

دلدوز چیخ گونجی اور ساتھ ہی کسی کے فرش پر گرنے کی آواز آئی۔

خالد حجرے کا دروازہ کھول کر تیزی سے نکلا تو دیکھا کہ علامہ سعید قیسی فرش پر تڑپ رہے تھے۔ انہیں سنبھالنے کے لیے جب خالد بڑھا تو ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ خالد اپنے چچا کی موت کے صدمے سے نڈھال ہو گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ آنسو بن کر بہہ جائے گا۔ ابوالحسن بھی اس افتاد سے حواس باختہ ہو گئے تھے۔

تھوڑی دیر میں شعیب بنو قیس میں اور اس کے بعد پورے بصرہ میں علامہ سعید قیسی کے انتقال کی خبر عام ہو گئی۔ جنازے میں ہزاروں آدمیوں نے شرکت کی۔

تدفین کے بعد ابوالحسن نے خالد کو ایک طرف لے جا کر کہا "میں واقعی مجرم ہوں۔ میری وجہ سے حامد مفقود الخبر ہوئے اور علامہ سعید جیسے بزرگ کا سایہ ہمارے سر سے اٹھ گیا۔ جس وقت تم میرے پاس آئے تھے' اسی وقت علامہ سعید کو بھی میرے پاس آنا تھا۔ غالب گمان یہ ہے کہ ہماری گفتگو انہوں نے سن لی۔ تم نے حامد کی موت کے اندیشے کا اظہار کیا تو وہ بیٹے کا غم برداشت نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے۔ میں نے اپنے مرشد مرحوم کی بیاض سے ایک عمل نقل کر کے حامد کو دے دیا تھا۔ مجھے ذاتی طور پر اس کا تجربہ نہ تھا۔ اب اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو شوق سے قتل کر دو۔ میں اپنے خون کے قصاص سے دونوں جہان میں دست بردار ہوں۔"

خالد نے ابوالحسن کی حقیقی پشیمانی کو محسوس کرتے ہوئے کہا "جو ہونا تھا' ہو چکا۔ خدا کے لیے آئندہ کسی کو اپنی ناتجربے کاری کی بھینٹ نہ چڑھانا۔ اب میں اپنے خاندان کا واحد فرد رہ گیا ہوں۔ میرے والد اور والدہ پہلے ہی مجھے یتیم چھوڑ گئے ہیں۔ اب چچا کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گیا اور میرا بھائی بھی مجھ سے بچھڑ گیا۔"

دوسرے دن بصرہ میں اعلان جہاد ہوا۔ لشکر اسلام افریقہ کی طرف جانے والا تھا۔ خالد مجاہدین میں شامل ہو کر محاذ پر روانہ ہو گیا۔

حامد بن سعید کی یادداشت ورق سادہ بن گئی تھی جس پر ماضی کا کوئی نقش باقی نہیں رہا تھا۔ وہ رات کے باقی حصے میں سفر کرنے کے بعد دن میں بھی چلتے رہے۔ دوپہر ہوئی تو وہ کھجوروں کے جھنڈ تلے سائے میں بیٹھ گئے۔ ابھی آپ کو آرام کرتے ہوئے کچھ دیر ہی گزری تھی کہ دو آدمی اونٹوں پر سوار وہاں پہنچے اور آرام کے لیے اتر پڑے۔

ایک سوار نے حامد سے مخاطب ہو کر پوچھا "تم کدھر کا قصد رکھتے ہو؟"

جواب میں حامد انہیں خالی خالی نظروں سے دیکھتے رہے۔

نووارد نے دوسرا سوال کیا "تمہارا نام کیا ہے؟"

"معلوم نہیں۔"

"کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"معلوم نہیں۔"

"اور تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کہاں جا رہے ہو؟" نووارد نے حیرت سے پوچھا۔

نووارد کے ساتھی نے بھی حامد میں دلچسپی لیتے ہوئے اپنے ساتھی سے پوچھا "عامر! کیا یہ شخص ایسا ہی ہے جیسا نظر آ رہا ہے؟"

عامر نے حامد کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہا "اس کی آنکھوں کو غور سے دیکھو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شعور کے سارے چراغ بجھ گئے ہوں۔ اس کی روشن اور شفاف آنکھوں میں ویرانی ہی ویرانی ہے۔"

حشمت نے عامر کی تائید کرتے ہوئے کہا "یہ جوان بھی ہے اور خوب صورت بھی۔ اس کی صحت بھی قابل رشک ہے۔ میرے خیال میں یہ اچھے دام دے جائے گا۔ اسے اپنے ساتھ کوفے میں لے چلتے ہیں۔"

حشمت و عامر پیشہ ور بردہ فروش تھے۔ وہ حامد کو اپنے ساتھ کوفے لے گئے۔ غلاموں کے بازار میں وہ کئی دن حامد کو لیے گھومتے رہے مگر کوئی خریدار نہ ملا۔ جو گاہک بھی حامد کو دیکھتا انہیں پاگل سمجھ کر نظر انداز کر دیتا۔

ایک دن ایک عورت نے بازار میں حشمت کو روک لیا "کیا یہ غلام بیچتے ہو؟"

حشمت نے عامر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ ان کا پسندیدہ غلام ہے۔ اگر یہ بیچنا پسند کریں تو آپ ان سے بات کریں۔"

عورت' عامر سے مخاطب ہوئی "آپ اس غلام کو بیچنا پسند کریں تو قیمت بتانے سے پہلے اپنے پسندیدہ غلام کی خصوصیات پر روشنی ڈالیں۔"

"میرے غلام کی فی الحال ایک خوبی ہی قابل ذکر ہے۔ یہ ایک بچے کی طرح بھولا بھالا اور بے خبر ہے۔ اسے جو کچھ سکھایا جائے گا' آسانی سے سیکھ لے گا۔ اس کی صورت اور صحت آپ خود دیکھ سکتی ہیں۔"

عورت نے حامد سے کچھ دیر بات کرنے کے بعد کہا "یہ تو کسی کام کا بھی نہیں ہے۔" یہ کہہ کر وہ عورت چل دی۔

عامر نے آواز دی "محترم خاتون! میں بہت کم قیمت پر اسے آپ کے ہاتھوں فروخت کر دوں گا۔ آپ ضرور اسے خرید لیجیے۔ آپ کی تربیت سے یہ انمول بن جائے گا۔"

عورت نے بڑی بے نیازی سے کہا "تم اسے کم قیمت پر بیچنا چاہتے ہو' ہم بھی تو سنیں کیا قیمت لو گے؟"

"صرف پچاس دینار۔" عامر نے جواب دیا۔

عورت نے بیس دینار عامر کے ہاتھ پر رکھے اور عامر نے کچھ بحث و تکرار کے بعد سودا طے کردیا۔

حامد کو اپنے ساتھ لے کر وہ عورت کارواں سرائے میں پہنچی جہاں ایک غلام اس کا منتظر تھا۔ غلام نے حامد کو دیکھ کر کہا ”میرے خیال میں تم ایسا غلام خرید لائی ہو کہ مالکہ خوش ہو جائیں گی۔“

”مالکہ کیوں خوش نہ ہوں گی‘ صرف تیس دینار میں ایک غلام انہیں مل جائے گا مگر فائدہ ہم دونوں کو بھی ہو گا۔ ہمارے کام کا بوجھ اس کی وجہ سے کم ضرور ہو گا۔“

اسی دن غلام اور کنیز حامد کو ساتھ لے کر کوفے سے بصرہ روانہ ہو گئے۔

کنیز‘ حامد کو مالکہ کے سامنے پیش کر کے الٹے پیروں واپس ہو گئی تو مالکہ نے حیرت سے پوچھا ”تمہارا نام کیا ہے؟“

”معلوم نہیں۔“

”کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟“

”جی نہیں۔“

مالکہ نبیلہ کے علاوہ کوئی نہ تھی۔ اس کے سامنے اس کا محبوب حامد تھا جسے وہ اچھی طرح پہچانتی تھی مگر وہ خود کو حامد ماننے پر آمادہ نہ تھا۔ غم سے اس کا کلیجا پاش پاش ہوا جا رہا تھا۔ نبیلہ نے بڑی مشکل سے اپنی طبیعت کو سنبھالا اور بڑی دیر تک حامد کو دیکھتی رہی۔ اس کے بعد کنیز کو بلا کر کہا ”اس کا نام میں نے حامد تجویز کیا ہے۔ اس کے لیے بہترین لباس کا انتظام کرو اور پاس والے کمرے میں اس کے رہنے کا انتظام کرو۔“

کنیز‘ حامد کو اپنے ساتھ لے آئی۔

نبیلہ اپنی خواب گاہ میں تنہا رہ گئی تو اس نے سوچا میں یقین رکھتی ہوں کہ یہ حامد ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شباہتیں کبھی کبھی کسی فرق کو قبول نہیں کرتیں مگر رخسار کا تل پیشانی کا مسہ اور نیلگوں آنکھیں میرے اس خیال کی تائید کرتی ہیں کہ یہ حامد ہی ہے۔ رہی اس کی یادداشت تو کہیں خولہ کے غم میں یہ سب کچھ محو تو نہیں کر بیٹھا۔ خولہ اگر ہوتی تو میں حامد کو اس کے حوالے کر دیتی۔ اب جب کہ خولہ نہیں ہے‘ میں حامد سے دست بردار نہیں ہو سکتی۔ حامد میرا ہے۔ اب کوئی اسے مجھ سے نہیں چھین سکتا۔ اس حتمی فیصلے کے بعد نبیلہ نے ایک سادہ سی تقریب میں حامد سے شادی کر لی۔

حامد اور نبیلہ شادی کے بعد آرام سے زندگی گزارنے لگے۔ ایک لڑکا اور اس کے بعد ایک لڑکی ان کے یہاں پیدا ہوئے۔ حامد نئے دور شعور میں بہت مطمئن تھے۔ نبیلہ کی ایما پر انہوں نے تجارت شروع کر دی تھی۔ ایک بار آپ تجارتی قافلہ لے کر بصرہ سے بغداد کی

طرف روانہ ہوئے۔ بغداد سے ابھی آپ دو منزل دور تھے کہ قزاقوں نے قافلے پر حملہ کر دیا۔ حامد اور ان کے ساتھیوں نے بڑی دلیری سے ان کا مقابلہ کیا مگر ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ حامد کے سب ساتھی کام آ گئے اور وہ خود بھی زخموں سے چور چور ہو کر بے ہوش ہو گئے۔ جب انہیں ہوش آیا تو دیکھا کہ ان کے ساتھیوں کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں اور لاشوں کے سوا وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ انہوں نے ایک چادر پھاڑ کر زخموں کو باندھا اور بغداد کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگے۔ خون ضائع ہو جانے کی وجہ سے رہ رہ کر ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا تھا‘ زخموں سے ٹیس اٹھتی تھی مگر وہ اپنی بے پناہ قوت ارادی کی بنا پر کئی فرسخ تک چلتے رہے۔ اس کے بعد ضعف اتنا بڑھا کہ وہ چکرا کر گر پڑے۔ دوبارہ ہوش آیا تو انہوں نے خود کو ایک آرام دہ بستر پر پایا۔

اپنے سامنے ایک بزرگ کا مسکراتا ہوا نورانی چہرہ دیکھ کر انہوں نے اٹھنا چاہا تو بزرگ نے کہا ”لیٹے رہو بیٹے‘ ابھی تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ تمہارے تمام زخموں پر مرہم لگا دیا گیا ہے۔ انشاء اللہ تمہارے زخم جلد ہی مندمل ہو جائیں گے۔“

حامد کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو آ گئے اور کہا ”اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ مجھے جلد اچھا کر دیجئے۔ میری بیوی اور میرے بچے بصرہ میں میرے منتظر ہیں۔“

”اللہ تمہیں جلد ہی صحت یاب فرمائے گا۔ مجھے اس کی ذات سے قوی امید ہے۔“

آہستہ آہستہ زخم مندمل ہوتے رہے مگر حامد جس ماحول میں تھے‘ وہاں سے جانے کا خیال بھی تکلیف دینے لگا کیونکہ صبح سے شام تک بزرگ کی خدمت میں لوگ آتے رہتے اور وہ انہیں اپنی دل نشیں آواز میں راہ ہدایت پر چلنے کی تلقین کرتے رہتے۔ رات ہوتی تو بزرگ اپنے رب کے حضور کھڑے ہو کر ایسی حمد و ثنا کرتے کہ حامد کی روح جھوم اٹھتی۔

ایک دن حامد نے بزرگ سے کہا ”مجھے اپنے معزز میزبان اور چارہ گر کے تعارف کا شرف ابھی حاصل نہیں ہوا۔“

”بیٹے‘ یہ سب رسمی باتیں ہیں اس لیے میں نے نہ تم سے پوچھا کہ تم کون ہو نہ اپنے متعلق کچھ بتانا ضروری سمجھا۔ میرا نام حبیب ہے۔ میں عجمی ہوں۔ پہلے میں سود پر لوگوں کو رقم دے کر اصل محفوظ رکھتا تھا اور سود پر گزارہ کرتا تھا اب اللہ تعالیٰ نے اس رزق حرام سے بچا کر مجھ پر اپنے فضل و کرم کے دروازے کھول دیے ہیں اور میں شکر نعمت میں یہاں مصروف ہوں۔“

”کیا آپ اپنی توبہ کے اسباب پر کچھ روشنی ڈالنا پسند کریں گے؟“ حامد نے دریافت کیا۔

”بیٹے‘ یہ داستان بڑی طویل ہے مگر میں بہت اختصار سے تمہیں وہ واقعہ ضرور سناؤں

گا جس سے میری زندگی میں انقلاب رونما ہوا۔ آج سے تقریباً دس سال پہلے میں ایک مقروض کے پاس وصول یابی کے لیے گیا۔ اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ اس کے پاس قرض کی قسط ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ میں نے تقاضے میں شدت اختیار کی تو مجھے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ واقعی مجبور ہے۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا کہ اگر وہ قسط ادا نہیں کر سکتا تو میرے آنے میں جو وقت صرف ہوا ہے' کچھ دے کر اس کی تلافی ضرور کر دے۔ وہ بولا کہ اس نے کل ایک بکری کاٹی تھی گوشت تو ختم ہو چکا البتہ سری پائے رکھے ہیں۔ میں وہ سری پائے لے کر گھر آ گیا اور بیوی سے کہا کہ انہیں پکا لے۔ سالن جب تیار ہو گیا تو بیوی نے مجھے آواز دے کر بلایا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا ہی تھا کہ دروازے پر کسی سائل نے صدا لگائی۔ خدا کے نام پر مجھے کوئی سری پائے کھلائے گا تو اپنی مراد پائے گا' یہ صدا سن کر مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے سوچا کہ یہ سوالی بہت ہی بدمعاش ہے۔ یہ ٹوہ میں رہتا ہے کہ کس کے گھر کیا پکا ہے۔ میں دروازے پر پہنچا اور اسے ڈانٹتے ہوئے کہا "اس گھر سے تم جیسے حرام خوروں کو نہ کبھی پہلے کچھ ملا ہے نہ آئندہ ملے گا۔" میں نے محسوس کیا کہ سائل پر میری بات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔"

حامد خاموشی اور توجہ سے بزرگ کی داستان سن رہے تھے۔

چند لمحے توقف کے بعد بزرگ نے دوبارہ اپنی داستان شروع کی "مجھے سائل پر غصہ آ رہا تھا کیونکہ وہ میرا تلخ جواب سن کر بھی وہیں موجود تھا۔ چند لمحے بعد ہی سائل نے مجھ سے کہا "تم نے آج سری پائے نہیں پکائے؟" میں نے سخت لہجے میں جواب دیا "ضرور پکائے ہیں مگر اپنے لیے' تمہارے لیے نہیں۔ جاؤ اپنا راستہ لو ورنہ میں بری طرح پیش آؤں گا۔" سائل میری بات سن کر مسکرایا اور کہا "سری پائے میرے لیے نہیں پکے ہیں تو وہ تمہارے لیے بھی نہیں ہیں۔" اس کی یہ بے ہودہ بات سن کر میں نے اپنا دروازہ بند کیا اور اسے برا بھلا کہتا ہوا بیوی کے سامنے پہنچا اور اسے کھانا نکال کر لانے کو کہا۔ بیوی نے سالن نکالنے کے لیے پتیلی کا ڈھکنا کھولا اور چمچے سے سالن نکالا تو حیرت کے سبب اس کی چیخ نکل گئی۔ چمچے میں تازہ تازہ خون تھا۔ سارا سالن خون بن چکا تھا۔ بیوی نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے کہا "میں تم سے ہزار بار کہہ چکی ہوں کہ سود نہ کھاؤ اور سائلوں کو نہ جھڑکو مگر تم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔" اس واقعے نے میری آنکھیں کھول دیں۔ اسی وقت میں نے سود کے کاروبار سے توبہ کر لی۔ میں نے سود سمیت اصل رقم سب پر معاف کر دی۔ گھر میں کچھ نہیں تھا۔ سود اور کنجوسی جڑواں بھائی بہن ہیں۔ یہ ایک ساتھ ہی ذہن پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ دوسرے ہی دن بیوی نے مجھ سے کہہ دیا کہ کما کر لاؤ گے تو روٹی ملے گی۔ میں گھر سے نکلا اور ایک مسجد میں جا کر بیٹھ گیا۔ نہ میرے اعضا ایسے تھے کہ مشقت برداشت کر سکتے نہ کوئی ہنر میرے پاس تھا۔ شام ہوئی تو میں مسجد سے گھر پہنچا۔ بیوی نے پوچھا "کیا کوئی نوکری ملی؟" میں نے اثبات میں جواب دیا تو مزید سوال کیا "کیا تنخواہ مقرر ہوئی اور کب تنخواہ ملا کرے گی؟" میں نے نیک بخت سے کہا "تنخواہ ہر ہفتے ملے گی مگر کتنی ہو گی یہ طے نہیں ہے۔" میں روزانہ گھر سے نکل کر مسجد میں پہنچ جاتا اور یاد الٰہی میں مصروف رہتا۔ جس دن ہفتہ مکمل ہوا اس دن مجھ پر سخت وحشت طاری تھی کہ بیوی کو کیا جواب دوں گا مگر گھر تو بہرحال جانا تھا۔ مقررہ وقت پر ڈرتے ڈرتے گھر پہنچا۔ دستک کے جواب میں بیوی نے دروازہ کھولا تو اس کے چہرے پر غیر معمولی شگفتگی اور بشاشت دیکھ کر میں یہ سمجھا کہ تنخواہ کی متوقع تاریخ نے بیچاری کو مسرت کے فریب سے آشنا کر دیا ہے۔ میں گھر میں داخل ہوا تو اس نے کہا "میں سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ تمہیں اتنی اچھی ملازمت ایسے اچھے مالک کے پاس ملی ہے۔ ابھی تمہارے آنے سے پہلے تمہارے مالک کا آدمی یہ تھیلی دے گیا ہے جس میں پچاس دینار ہیں۔" میں نے اپنی بے پناہ مسرتوں کا اظہار کرتے ہوئے کہا "میرا مالک واقعی بہت شاندار ہے' اپنے ملازموں کا بہت خیال رکھتا ہے۔" اس دن کے بعد سے آج تک میں نہیں جانتا کہ تنگدستی اور افلاس کسے کہتے ہیں۔ میں اپنے مالک کی ملازمت میں مصروف ہوں۔ وہ میری تمام ضروریات کا خود ہی کفیل ہے۔" یہ کہہ کر بزرگ خاموش ہو گئے۔

حامد نے حبیب عجمیؒ کی توبہ کا حال سن کر کہا "سبحان اللہ' کیا عجیب معاملہ ہوا ہے آپ کے ساتھ! اللہ تعالیٰ جب یہ چاہتا ہے کہ کسی کو ہدایت دے تو بے شک زندگی میں انقلاب آ جاتا ہے۔ میں اب آپ کے دامن کرم میں پناہ چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی بیعت سے سرفراز فرمائیں تو بڑی نوازش ہو گی۔"

حبیب عجمیؒ نے حامد بن سعید کو اپنی بیعت سے مشرف کر کے ان کی روحانی تربیت شروع کر دی۔

حامد نے اپنے شیخ کے بتائے ہوئے اعمال اور درود وظائف شروع کر دیے۔

چھ مہینے کے ریاض کے بعد حامد نے حبیب عجمیؒ سے کہا "میں ہر وقت یہ محسوس کرتا ہوں جیسے میں کھلی آنکھوں سے ایک مسلسل خواب دیکھ رہا ہوں۔ ہر حقیقت پر مجھے وہم کا گمان ہوتا ہے۔ بیوی اور بچوں کا خیال بھی بہت غیر حقیقی سا معلوم ہوتا ہے۔ خدا کے لیے توجہ فرمائیے۔ میری ذہنی کیفیت اگر ایسی ہی رہی تو بے یقینی کے اندھیرے مجھے نگل لیں گے۔"

"نہیں بیٹے' تمہارے اندیشے درست نہیں ہیں۔ تم گمان سے ایقان کی طرف سفر میں ہو۔ کیفیات کا یہ عبوری دور ہے۔ خواب اور حقیقت کی دھوپ چھاؤں میں تمہیں کچھ دن

اور گزارنے پڑیں گے۔ وادی تشکیک عبور کرنے کے بعد تمہیں ہر طرف اجالا ہی اجالا ملے گا۔ استقلال کے ساتھ میرے بتائے ہوئے وظائف کو جاری رکھو۔"

چھ مہینے اور گزر گئے۔ ذوق وشوق نے ارتقائے روحانی کی بہت سی منزلیں طے کرلیں۔

ایک رات حامد مصروف عبادت تھے کہ حبیب عجمیؒ ان کے حجرے میں آگئے اور حامد کو اپنے سامنے بٹھا کر کہا "اس سے پہلے کہ میں روحانی کمالات کا وہ حصہ تمہیں دوں جو میرے پاس تمہاری امانت ہے، میں تمہیں ایک غیر منقسم شخصیت بنا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ تمہارا ماضی تمہارے حال سے اب تک منقطع ہے۔ میری آنکھوں سے آنکھیں ملائے رکھو۔"

حامد نے حکم کی تعمیل کی تو انہیں اپنے دماغ میں چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہوئیں۔ ریڑھ کی ہڈی سے ایک ٹھنڈی سی رو اٹھی اور اس نے آہستہ آہستہ دماغ کی طرف بڑھنا شروع کردیا۔ جب یہ رو دماغ تک پہنچی، ذہن پر رینگنے والی سرسراہٹ مفقود ہوگئی۔ اس مرحلے پر حبیب عجمیؒ نے کچھ پڑھ کر حامد پر دم کیا جس کے اثر سے حال ماضی سے مربوط ہوگیا۔ ذہن نے تیزی سے معلومات کی گمشدہ کڑیاں جوڑنا شروع کردیں۔ حامد کو سب کچھ یاد آگیا۔ خولہ کی یاد ان کے دل میں ناقابل برداشت درد بن کر ابھری۔ نبیلہ کے طرز عمل پر انہیں غصہ آیا۔ باپ کی شفقتوں کی یاد نے انہیں ستایا اور خالد کی بے لوث محبت نے بے قرار کیا۔ اپنے بچوں پر انہیں ترس آیا۔

حامد کو ماضی وحال کے سنگم پر مختلف کیفیات میں الجھا ہوا دیکھ کر حبیب عجمیؒ نے کہا "حامد کھڑے ہوجاؤ۔"

تعمیل حکم میں حامد کھڑے ہوگئے تو حبیب عجمیؒ نے کھڑے ہوکر انہیں سینے سے لگالیا اور ایک طویل معانقے کے فیض سے ان کے باطن کو منور کردیا۔

روحانی کمالات کے حصول کے بعد ان پر ایک مدہوشی کی سی کیفیت طاری ہونے لگی تو شیخ مکرم نے دستگیری کی۔ انہیں وادی سکر سے نکال کر میدان صحو میں لے آئے اور کہا "اب اپنی بدگمانیاں دور کرنے کے لیے آنکھیں بند کرکے ایک کے بعد ایک منظر دیکھو۔"

حامد نے آنکھیں بند کیں تو دیکھا کہ خولہ ایک شاندار مکان میں ایک خوب صورت بچے کو دودھ پلا رہی تھی اور ایک نوجوان اس کے پاس بیٹھا ہوا اسے محبت پاش نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ ابھی اس منظر میں گم تھے کہ حبیب عجمیؒ نے کہا "یہ نوجوان جسے تم خولہ کے پاس دیکھ رہے ہو، ایک خطرناک ڈاکو تھا۔ اسی نے خولہ کو اغوا کیا۔ اس کا نام مسیب ہے۔ خولہ نے مسیب کو اس شرط پر قبول کرلیا کہ وہ ایک اچھے انسان کی طرح زندگی گزارے گا۔ مسیب

نے صدق دل سے اپنی مجرمانہ زندگی کو خیرباد کہا تو خولہ نے اس سے شادی کرلی۔ خولہ کا یہ فیصلہ قطعی دانش مندانہ تھا۔ اگر وہ کسی طرح واپس بھی آجاتی تو معاشرہ اسے باعزت طور پر قبول نہ کرتا۔ اگر تم اسے قبول کربھی لیتے تو دنیا کی زبان، ظالمانہ الزامات تراشتی ہی رہتی۔ اب دونوں میاں بیوی بغداد میں آرام وآسائش کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ شادی کے بعد خولہ نے ایک پاک باز مومنہ کی طرح تمہارے خیال کو بھی خود پر حرام قرار دے لیا ہے۔ تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ خولہ اپنی محبت کی قربانی دے کر مسیب کو صراط مستقیم پر لے آئی۔ محبت ایک لطیف جذبہ ہے، اسے تمناؤں کی میزان میں نہیں تولنا چاہیے۔ اب ذرا نبیلہ کو بھی دیکھ لو۔"

پہلا منظر محو ہوا تو حامد نے نبیلہ کو دیکھا۔ نبیلہ کے پاس اس کے بچے سو رہے تھے اور اس کی آنکھیں مسلسل برس رہی تھیں۔ کنیز اسے سمجھا رہی تھی "آپ مایوس نہ ہوں۔ حامد ایک دن ضرور واپس آئیں گے۔ وہ آپ سے اور اپنے بچوں سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور عافیت سے ہیں۔"

"اگر تمہاری بات مان لی جائے تو بتاؤ کہ وہ آتے کیوں نہیں؟" نبیلہ یہ سوال کرکے شدت سے رونے لگی۔

کنیز نے پھر تسلی دیتے ہوئے کہا "اللہ کے لیے خود کو سنبھالیے، اپنے معصوم بچوں کی خاطر۔ نہ آپ پوری نیند سوتی ہیں نہ پیٹ بھر کر کھانا کھاتی ہیں۔ آپ کی صحت کتنی خراب ہوگئی ہے، چہرے کی شگفتگی جھلس کر رہ گئی ہے۔"

"میں حامد کے بغیر زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ میں انہیں اس عالم میں نہ پاسکی تو دوسرے عالم میں ان کی تلاش کے لیے جلد سفر کروں گی۔"

یہ منظر دیکھ کر حامد کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

حبیب عجمیؒ نے کہا "تم خوش نصیب ہو حامد! ایسی بیوی تمہیں اللہ نے عطا کی ہے جو پیکر اخلاص ووفا ہے۔ اب آنکھیں کھولو اور اپنے والد محترم علامہ سعید قیسی کی بخشش کے لیے دعا کرو۔"

حامد نے والد کی موت کی خبر مومنانہ صبرواستقلال سے سنی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھادیے۔ حبیب عجمیؒ بھی شریک دعا تھے۔

حامد دعا سے فارغ ہوئے تو حبیب عجمیؒ نے کہا "اب تم یہاں سے جاؤ۔ تمہاری روحانی تربیت کی تکمیل ہوچکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر کیسے کیسے احسانات کیے ہیں، رفتہ رفتہ جب وہ ظاہر ہوں گے تو شکر کے سجدے سے سر اٹھانا دشوار ہوجائے گا۔"

صبح نماز کے بعد حبیب عجمیؒ نے حامد کو اپنے حجرے میں بلایا اور مزید ہدایتیں دیں۔ حامد

مرشد کی ہدایات بغور سنتے رہے۔ حبیب عجمیؒ نے مزید کہا "میں جس دن تمہیں یہاں اٹھا کر لایا تھا' اسی دن بغداد کے صاحب شرطہ کو قزاقوں کی غارت گری سے مطلع کر دیا تھا اور قزاقوں کے پتے بھی بتا دیے تھے۔ صاحب شرطہ نے تمہارے پانچ سو ساتھیوں کو دفن کروایا اور قزاقوں کو مسروقہ مال کے ساتھ گرفتار کر لیا۔ قزاقوں کے پاس سے جو دولت ملی تھی' وہ بھی میرے پاس بھیج دی گئی تھی تاکہ مقتولین کے وارثوں میں تقسیم کر دی جائے۔ پہلے تم اپنا سامان تجارت لے کر بغداد جاؤ اور اسے بیچ کر یہاں واپس آؤ پھر مقتولین کی امانت مجھ سے لے کر بصرہ چلے جانا۔"

حامد سامان تجارت لے کر بغداد پہنچے۔ آپ کا سامان ایک تاجر نے بہت اچھے داموں خریدا۔ سامان دے کر جب آپ تاجر سے رقم لے رہے تھے تو آپ کو تاجر کا چہرہ کچھ جانا پہچانا لگا۔ غور کیا تو آپ نے فوراً پہچان لیا کہ وہ خولہ کا شوہر مسیب ہے۔ آپ نے رقم لے کر مسیب سے کہا "میں اپنے اونٹ یہاں چھوڑ کر کچھ خرید و فروخت کے لیے بازار جا رہا ہوں' واپسی میں اونٹ آپ سے لے لوں گا۔"

"آپ شوق سے تشریف لے جائیے۔ یہ اونٹ آپ کی امانت ہیں۔ جب چاہے لے جائیے گا۔" مسیب بولا۔

حامد نے بازار سے کچھ نادر تحفے خریدے اور مسیب کے پاس پہنچے۔ آپ کو لدا پھندا دیکھ کر مسیب مسکرانے لگا اور شوخی سے بولا "بیوی بچے ہر شخص کے سر پر ہی سوار رہتے ہیں۔"

آپ نے سامان زمین پر رکھتے ہوئے کہا "تمہارا نام مسیب ہے؟" مسیب نے اقرار میں گردن خم کر دی تو آپ نے کہا "پھر تمہاری بیوی کا نام خولہ اور بیٹے کا نام امین ہے۔"

مسیب نے حیرت سے پوچھا "مگر یہ سب باتیں آپ کو کیسے معلوم ہوئیں؟"

"میرا نام حامد بن سعید ہے۔ میں خولہ کا بھائی اور امین کا ماموں ہوں۔ میری معلومات پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" آپ نے چند تحائف اٹھا کر مسیب کو دیتے ہوئے کہا "یہ خولہ اور اس کے بیٹے کے لیے ہیں۔ میری طرف سے انہیں پہنچا دینا۔ میں بغداد میں نہیں رک سکتا۔ یہ میری مجبوری ہے ورنہ اپنی بہن سے ضرور ملاقات کرتا۔"

"مگر آپ کو تو گھر چلنا ہی پڑے گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی بہن سے ملے بغیر اور مجھے اپنی خدمت کا موقع دیے بغیر واپس ہو جائیں۔"

آپ سمجھ گئے کہ بغیر ملے ہوئے اب واپس ہونے کا کوئی منطقی جواز نہیں ہے اس لیے روحانی قوت سے کام لے کر اپنے کمزور استدلال کو مضبوط بناتے ہوئے کہا "میری مجبوری کا اندازہ آپ صرف اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ بھائی اپنی پیاری بہن سے اس قدر قریب

آ کر بھی ملے بغیر واپس ہو رہا ہے۔ میں پھر بغداد آؤں گا اور آپ کی ساری شکایت دور کر دوں گا۔"

اس سے پہلے کہ مسیب کچھ کہتا' آپ نے وہ انگوٹھی ہاتھ سے اتار کر اسے پہنا دی جو خولہ نے آپ کو دی تھی اور کہا تھا "یہ قیمتی تحفہ آپ کے لیے ہے۔"

مسیب کے ذہن میں ایک احتجاج کی لہر ابھری مگر زبان تک نہ پہنچ سکی۔ حامد اسے سلام کر کے رخصت ہو گئے اور وہ انہیں جاتا ہوا حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔

حامد بغداد سے اپنے شیخ مکرم حبیب عجمیؒ کی خدمت میں پہنچے۔ انہوں نے رات ہی کو مقتولین کی امانتیں آپ کے سپرد کر دیں۔ صبح ان کی دعاؤں کے سائے میں آپ نے بغداد سے بصرہ کا سفر شروع کیا۔ آپ جمعے کی صبح کو بصرہ پہنچے۔ گلی کے لوگوں نے آپ کو دیکھا تو شور مچ گیا۔ کنیز نے بالا خانے سے آپ کو دیکھا تو دوڑتی ہوئی نبیلہ کے پاس پہنچی اور حامد کے آنے کی خوش خبری سنائی۔ حامد گھر میں داخل ہوئے تو نبیلہ سینے سے لگ کر اس وقت تک روتی رہی جب تک فراق کی ساری آگ آنسوؤں سے نہ بجھ گئی۔ بیوی کو تسلی دینے کے بعد آپ نے بڑھ کر بچوں کو پیار کیا اور مقتولین کی امانتیں ان کے وارثوں کو پہنچانے چلے گئے۔

جمعے کی نماز کے بعد حامد اپنے دوست خالد کے گھر پہنچے۔ ملازموں نے بتایا "وہ افریقی محاذ پر جہاد کے لیے گئے تھے مگر واپس نہیں آئے۔ آج کل حسان بن نعمان بصرہ میں آئے ہوئے ہیں۔ اگر آپ ان سے ہمارے آقا خالد کے متعلق تفصیلات معلوم کریں گے تو کوئی یقینی بات معلوم ہو سکے گی۔ افریقہ کی مہم کے وہی سپہ سالار تھے۔ ہم نے اپنے آقا کے لیے جو افواہیں سنی ہیں' ان سے آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتے۔"

حامد سیدھے عامل بصرہ کے پاس پہنچے۔ حسان بن نعمان انہی کے مہمان تھے۔ حامد دونوں کے لیے اجنبی تھے مگر اجنبیت ملاقات میں دیوار نہ بن سکی۔

حسان بڑے تپاک سے ملے اور پوچھا "میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

حامد نے کہا "میں اپنے دوست اور بھائی خالد قیسی کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنے آیا ہوں۔ وہ آپ ہی کی سپہ سالاری میں افریقہ کی مہم میں شریک تھے۔"

حسان نے ایک آہ کے ساتھ کہا "خالد کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ وہ ایک عظیم مجاہد ہے۔ افریقہ میں قرطاجنہ' صطفورہ' باجہ' بونا اور جبل کے محاذوں پر اس کی تیغ آبدار کے جوہر دیکھنے والے اسے کیسے بھول سکتے ہیں۔ رومیوں اور بربریوں پر اس کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ وہ جدھر بھی حملہ آور ہوتا تھا' دشمن فرار ہی میں عافیت محسوس کرتے تھے۔ جبل کے محاذ پر ہمیں ذلت آمیز شکست ہوئی۔ ملکہ دامیہ عجیب و غریب عورت تھی۔ وہ میدان جنگ

میں اپنی فوج کے ساتھ خود لڑنے آئی تھی۔ اس کی شخصیت اتنی سحر انگیز تھی کہ اس کے ساتھی جان دے سکتے تھے مگر ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔ عام طور پر لوگ ملکہ جبل دامیہ کو کاہنہ اور ساحرہ ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ خالد اسی محاذ پر مجھ سے بچھڑا تھا۔ شاید وہ شہید ہوگیا' اگر قید ہوتا تو واپس آچکا ہوتا کیونکہ ملکہ دامیہ نے ہمارے لوٹ آنے کے بعد مسلمان قیدیوں کو رہا کردیا تھا۔ میرے دل میں خالد کا زخم تازہ ہے۔ خلیفہ سے میں نے ملکہ دامیہ کی سلطنت پر حملہ کرنے کے تازہ احکامات حاصل کرلیے ہیں اور انشاء اللہ میں ۸۷ھ کے دوسرے مہینے کے آغاز میں افریقہ روانہ ہوجاؤں گا' تیاریاں جاری ہیں۔ آج محرم الحرام کی اٹھارہ تاریخ ہوچکی ہے۔ آپ اگر خالد کی تلاش میں میرے ساتھ چلنا چاہیں تو میں بڑی مسرت محسوس کروں گا۔"

"میں خالد کی تلاش میں ضرور جاؤں گا مگر میں اب دس گیارہ دن انتظار نہیں کرسکتا۔ انشاء اللہ آپ سے اب جبل ہی میں ملاقات ہوگی۔"

"تمہارا دوستی کا جذبہ واقعی قابل رشک ہے مگر وہاں تنہا جانا دانش مندی کے خلاف ہے۔ تمہیں اس طرح موت کے منہ میں چھلانگ نہیں لگانا چاہیے۔"

"میرا فیصلہ غیر دانش مندانہ نہیں ہے۔ خالد کی تلاش دوران جنگ میں عام حالات کی بہ نسبت زیادہ دشوار ہوجائے گی۔ رہا موت کا خوف تو یہ باطل ہے موت اپنے مقررہ وقت سے پہلے کبھی نہیں آتی۔ مجھے افسوس ہے کہ امیر عسکر کی نصیحت کا میں احترام نہیں کرسکا۔"

حسان نے کچھ دیر غور سے حامد کو دیکھا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "اللہ حافظ' میں تمہاری کامیابی کے لیے دعا کرتا رہوں گا۔"

حامد رخصت ہوکر گھر پہنچے اور نبیلہ کو خالد کے بارے میں حاصل ہونے والی معلومات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا "میں انشاء اللہ کل افریقہ روانہ ہوجاؤں گا۔"

"آپ نے اپنے بھائی خالد کا تفصیلی تعارف نہیں کرایا؟"

حامد نے بیوی کو وہ تمام واقعات اختصار سے سنا ڈالے جو ان کے علم میں تھے یا بذریعہ کشف معلوم ہوئے تھے۔

حامد اور خالد کی محبتوں سے معمور داستان سن کر نبیلہ آبدیدہ ہوگئی۔ اس نے اپنا سر حامد کے سینے پر رکھتے ہوئے کہا "آپ ضرور تشریف لے جائیں۔ اللہ آپ کو اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔ اچھا دوست' اللہ کی بہترین نعمت ہوتا ہے۔ میں آپ کا پورے صبر واستقامت سے انتظار کروں گی۔"

"تم نے مجھے خوش کردیا نبیلہ! ایک مدت بچھڑے رہنے کے بعد ہم آج ملے ہیں اور تم

کل چلے جانے کی اجازت دے رہی ہو۔ واقعی تم محبت کی قدر وقیمت سے واقف ہو۔"

رات بھر سفر کی تیاریاں ہوتی رہیں۔ صبح حامد' اللہ کا نام لے کر افریقہ روانہ ہوگئے۔ آپ کی ناقہ بہت تیز وطرار تھی۔ منزلیں طے کرتے ہوئے آپ نجف پہنچے اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ نجف سے چلے تو شمالی صحرائے عرب کی وسعتیں اپنے ناقابل عبور ہونے کا اعلان کرتی محسوس ہوئیں مگر آپ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی' بے کراں صحرا میں سفر شروع کردیا۔ رات بھر سفر جاری رہا۔ صبح کی نماز کے لیے آپ رکے اور پھر چل پڑے۔ دور ونزدیک آپ کو کوئی ایسا مقام نظر نہ آیا جہاں سایہ میسر آسکے۔ سورج طلوع ہوا اور رفتہ رفتہ گرمی کی شدت بڑھنے لگی۔ دوپہر سے پہلے ہی یہ محسوس ہونے لگا کہ لو اور گرد وغبار کی شدت جھلسا کر رکھ دے گی۔ ناقہ تھک کر چور ہوچکی تھی۔ اس کی رفتار تشویش کن حد تک سست ہوگئی تھی۔ مجبوراً آپ صحرا میں رک گئے۔ پیاس کی شدت کم کرنے کے لیے آپ نے مشکیزے سے چند گھونٹ پانی پیا۔ ہر لحہ گرمی ناقابل برداشت ہوتی جارہی تھی۔ ناقہ خود بخود بیٹھ گئی اور اس کے بعد گرم ریت پر لڑھکنے ہی والی تھی کہ آپ تیزی کے ساتھ اس کے اوپر سے اتر گئے۔ چند لمحے بعد ناقہ نے تڑپ کر جان دے دی۔ ناقہ کی موت صحرا کے سفر میں مسافر کے لیے بھی یقینی موت بن جاتی ہے۔ آپ نے صورت حال کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے دعا کی "میرے پالنے والے! میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

دعا کی قبولیت کا مژدہ لے کر مشرقی افق سے ابر جھوم کر اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے آسمان پر چھا گیا۔ لو کی گرمی سورج سے منقطع ہوکر کم ہونے لگی اور جب بادل ٹوٹ کر برسنے لگا تو آپ کو بڑا سکون ملا۔ بارش ہی میں آپ نے نماز ظہر ادا کی' صحرا جھل تھل ہوگیا تو اس کے سینے کی آگ ٹھنڈی پڑگئی۔ اب بارش تھم چکی تھی مگر بادلوں کا سائبان تنا ہوا تھا۔ آپ لیٹ گئے۔ آپ کے اعصاب کو سکون ملا تو نیند آگئی۔ خواب میں پیرومرشد حبیب عجمیؒ تشریف لائے اور آپ سے کہا "بیٹے' گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے **ان اللہ عزیز حکیم** میرے بتائے ہوئے طریقے پر سات بار پڑھ کر جہاں کا ارادہ کروگے پہنچ جاؤگے۔ جس کام کا ارادہ کروگے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے پورا کردے گا۔ اب اٹھ جاؤ ورنہ عصر کی نماز قضا ہوجائے گی۔"

یہ حکم جیسے ہی سنا' آپ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ نے اٹھ کر نماز عصر پڑھی اور مرشد گرامی کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرکے مغرب سے قبل روحانی طور پر بیت المقدس پہنچ گئے۔ آپ نے نماز مغرب وہاں ادا کی۔ نماز کے بعد یاد الٰہی میں مصروف تھے کہ ایک شخص نے آکر آپ کو سلام کیا اور قریب ہی بیٹھ گیا۔

آپ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا "فرمائیے کیا حکم ہے؟"

"مجھے بڑی مسرت ہوگی، اگر آپ جیسا مہمان مجھے میزبانی کا شرف عطا کردے۔" آپ ابھی کوئی مناسب عذر سوچ ہی رہے تھے کہ نووارد نے پھر کہا "آپ کریم النفس ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میری التماس کا جواب عذر ہی سے نہ دیا جائے گا۔"

آپ اپنے میزبان عبدالسلام کے ہمراہ اس کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ آپ اس کے انداز التماس کے سامنے بے بس ہوگئے تھے۔ آپ نے اس کے گھر پہنچ کر دیکھا کہ ایک بڑا کنبہ چھوٹے سے گھر میں آباد ہے۔ عسرت اور نفاست کے امتزاج نے ماحول کو ایک اداس دلکشی دے رکھی تھی۔ کھانا تناول کرنے کے بعد آپ نے شکریے کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اپنے مہربان رب سے یہ استدعا کیے بغیر نہ رہ سکے "اس گھر کی عسرت کو عشرت سے بدل دیجیے۔"

آپ عبدالسلام سے رخصت ہو کر ابھی کچھ دور ہی چلے تھے کہ اپنے پیچھے دوڑتے قدموں کی آہٹ سن کر رک گئے۔ آنے والے عبدالسلام تھے۔ وہ بڑے افسردہ لہجے میں بولے "میں نے آپ کی دعوت کسی لالچ میں نہیں کی تھی۔ آپ نے جس چوبی تخت پر بیٹھ کر کھانا کھایا تھا، اس کی لکڑی سونا بن گئی ہے۔ خدا کے لیے اس تخت زریں کو اپنے ساتھ لے جائیے اور مجھے میرے اخلاص کے سامنے شرمندہ نہ کیجیے۔"

آپ نے یہ بات سن کر پہلے تو الحمدللہ کہہ کر قبولیت دعا کا شکر ادا کیا اور پھر کہا "میرے بھائی! اللہ کے فضل و کرم کو میرے نام سے منسوب نہ کرو۔ میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ واپس گھر جا کر تخت پر دوگانہ شکر ادا کرو۔"

عبدالسلام آپ کی ہدایت کے مطابق اپنے گھر کی طرف چلے گئے تو آپ نے مسجد القدس کا رخ کیا۔ عشا کی نماز کے بعد اپنی قوت مکاشفہ کا پہلی مرتبہ تجربہ کرنے کے لیے آپ یہ سوال قائم کرکے کہ خالد کہاں اور کس حال میں ہے، اپنی آنکھیں بند کیں۔ پہلے تو تاریکیوں سے واسطہ پڑا پھر آہستہ آہستہ پردہ چشم منور ہوتا چلا گیا اور دائرہ نگاہ میں ایک منظر سمٹ گیا۔ خالد ایک شاندار خواب گاہ میں تنہا اپنے بستر پر نظر آیا۔ وہ آنکھیں بند کیے کچھ سوچ رہا تھا۔ آپ کا مشاہدہ اتنا عمیق تھا کہ وہ بات بھی ساعت روح پر واضح تھی کہ جو خالد کے ذہن میں تھی۔ خالد کے لیے دنیا میں صرف ایک ہی ایسی ہستی تھی جس سے اس کی یادوں کا گہرا اور جذباتی رشتہ تھا۔ وہ اسی کے لیے پریشان رہتا تھا۔ اس وقت بھی اس کی یاد میں محو تھا۔ حامد اپنے بھائی کو اپنی ہی یاد میں محو پا کر بہت خوش ہوئے اور ملاقات کے لیے بے قرار ہوگئے۔ خالد کے پاس پہنچنے کے لیے **ان اللہ عزیز حکیم** کا ورد جیسے ہی کیا تو وہ اس کی خواب گاہ میں پہنچ گئے اور "السلام علیکم" کہا۔

خالد نے شمع کی مدھم روشنی میں صورت تو نہ پہچانی مگر تغیر نے خدوخال پر جو خامہ فرسائی کی تھی اسے بے اثر بنا دیا۔ وہ تڑپ کر بستر سے اٹھا اور "حامد" کا نعرہ بلند کرکے ہم آغوش ہوگیا۔ ٹھوس آغوش کی گرمی نے جلد ہی خالد کو یقین دلا دیا کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہا ہے۔ وہ روتا رہا، رلاتا رہا۔ جذبات نے ہنگامی ضرورت کے لیے جو آنسو جمع کیے تھے بہہ چکے تو خالد نے کہا "میں جاگتی آنکھوں سے تمہیں اپنے سامنے دیکھنے کے باوجود اپنے اعتبار کی فضا میں آندھیاں اٹھتی محسوس کر رہا ہوں۔ میں سونے کے پنجرے میں بند ہوں۔ یہاں پر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ تم یہاں کیسے نظر آرہے ہو؟ یہاں کس طرح پہنچ گئے؟"

"آپ نے اپنے روحانی سفر پر پردہ ڈالتے ہوئے کہا "میرے بھائی، یہ اپنی اپنی تلاش ہے، تم مجھے ڈھونڈنے میں ناکام رہے مگر میں نے تمہیں تلاش کرلیا۔" یہ کہہ کر ماضی کو حال سے مربوط کرنے کے لیے پہلے حامد نے اپنی سرگزشت سنائی پھر خالد سے مطالبہ کیا "اب تم اپنی اسیری کی داستان سناؤ۔"

خالد نے اپنی یادداشت کو مرتب کرنے کے بعد کہا "امیر عسکر حسان بن نعمان افریقہ میں مصروف جہاد تھے۔ مجاہدین جوق در جوق ذوق شہادت سے سرشار ہو کر افریقہ جا رہے تھے۔ تمہاری تلاش میں ناکام ہوا تو ماحول کی ویرانی کا احساس بڑھ گیا۔ اسی اثنا میں جب چچا بھی تمہاری جدائی کی تاب نہ لا کر داغ مفارقت دے گئے تو اپنے حواس کو تعطل سے بچانے کے لیے میں بھی مجاہدین کے ایک قافلے کے ساتھ افریقہ آکر جہاد میں شریک ہوگیا۔ مسلمان جس طرف گئے فتح و نصرت نے ان کا استقبال کیا مگر یہاں جبل آکر ہمیں ملکہ دامیہ کے مقابلے میں عبرت ناک شکست ہوئی۔ پچاس ہزار مجاہد لشکر میں موجود تھے۔ ہماری شکست کا امکان بعید از قیاس تھا۔ ہمارے حوصلے بلند تھے۔ ہمارے حریف کئی محاذوں پر شکست کھا کر حوصلے ہار چکے تھے۔ ہماری شکست کے حقیقی اسباب کیا تھے، وہ مجھے بعد میں معلوم ہوئے۔ اس وقت کسی کا تجرباتی شعور کوئی فیصلہ نہ کرسکا ہوگا۔ گھمسان کی جنگ جاری تھی۔ بربروں اور رومیوں کی ثابت قدمی دیکھ کر میں حیران تھا۔ جنگ کے نقشے کو دیکھ کر میں نے آسانی سے یہ اندازہ لگا لیا کہ جب تک ملکہ دامیہ میدان جنگ میں موجود ہے اس کا لشکر موت قبول کرلے گا مگر پسپا نہ ہوگا۔ وہ ملکہ کے نام پر اپنی قربانی کو سب سے بڑی عزت سمجھ رہے تھے۔ میں نے ان کے مینار استقلال کو گرانے کا فیصلہ کرلیا اور اپنے دستے کے ساتھ ملکہ دامیہ کی طرف بڑھنے لگا۔ ہم نے راہ میں حائل ہونے والی دشمنوں کی صفوں کو الٹ دیا۔ جدال و قتال کا ایسا بازار گرم ہوا کہ ہم دشمن کے خون میں نہا گئے۔ ہم جوش و تہور میں بڑھتے ہی چلے گئے اور یہ بھی نہ سوچا کہ ہماری پیش قدمی جنگی مصلحتوں کے خلاف ہے۔ ہم گھیرے بھی جاسکتے ہیں، اپنے لشکر سے کٹ بھی سکتے ہیں۔ میں ملکہ دامیہ

سے تھوڑے سے فاصلے پر رہ گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ مجھے اور میرے دستے کے جاں بازوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی ہے۔ اس کے ہونٹوں پر ایسے عالم میں تبسم دیکھ کر میں خلاف عادت مشتعل ہوگیا۔ میرے حملوں میں اور تیزی آگئی۔ میرے ساتھی بھی میرا حال دیکھ کر دشمنوں کے لیے برق بے اماں بن گئے۔ جب ہمارے اور ملکہ دامیہ کے درمیان چند قدم کا فاصلہ رہ گیا تو اس نے بایاں ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا "جو مسلمان یہاں گھس آئے ہیں' انہیں زندہ گرفتار کرو۔" اس کے ہاتھ کی جنبش میں نہ جانے کیا بات تھی' میں نے محسوس کیا کہ میں بے سکت ہوگیا ہوں۔ میرے ہاتھ سے تلوار گر پڑی اور مجھے گرفتار کرلیا گیا۔ اپنے ساتھیوں کا حال دیکھنے کے لیے میں مڑ کر بھی نہ دیکھ سکا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ میرے ساتھیوں پر بھی ہاتھ کی جنبش کا وہی رد عمل ہوا جو مجھ پر ہوا تھا۔ تلواریں ان کے ہاتھوں سے بھی گر پڑی تھیں۔ ملکہ دامیہ کی آواز جنگ کے شور میں اس کے سپاہیوں تک نہ پہنچ سکی تھی' نہتے مسلمانوں کو دشمنوں نے شہید کردیا تھا۔ میں ملکہ سے بہت قریب تھا۔ اس کی آواز ان لوگوں نے سن لی تھی جو اس وقت مجھ سے نبرد آزما تھے۔ انہوں نے ملکہ کے حکم کی تعمیل میں مجھے قتل نہیں کیا۔ میرا صرف ایک ساتھی بچا مگر اس کا ہاتھ کٹ چکا تھا اور وہ سینے پر شمشیر کا ایک گہرا زخم کھا چکا تھا۔ ہم دونوں کو میدان جنگ سے خیموں میں منتقل کردیا گیا۔ شام ہونے سے پہلے مسلمانوں کو شکست ہوگئی۔ ہزاروں مسلمان اس طرح حوصلہ ہارے کہ پھر افریقہ کی حدود سے نکل کر ہی دم لیا۔ رات کو مجھے اپنے زخمی ساتھی سے دوسرے مجاہدوں کے قتل کا حال معلوم ہوا۔ زخمی رات گزار نہ سکا۔ صبح سے پہلے اس کی روح پرواز کرگئی۔ خیموں سے نجات ملی تو مجھے ملکہ دامیہ کے محل میں لایا گیا۔ تیسرے دن ملکہ دامیہ کے سامنے مجھے پیش کیا گیا۔ وہ تخت پر بڑی تمکنت کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ میری اطلاع کے مطابق وہ ایک نوجوان بیٹے کی ماں تھی مگر اسے دیکھ کر اس کی عمر کا اندازہ لگانا ناممکن تھا۔ وہ بہت حسین' صحت مند اور پرکشش تھی۔ مجھے اس کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ اس نے مجھے بڑے غور سے کافی دیر دیکھتے رہنے کے بعد کہا "جب میں نے تمہیں خون میں نہایا ہوا دیکھا تھا' اس وقت تمہارے متعلق ایک رائے قائم کی تھی مگر تم ہمارے اندازے سے زیادہ وجیہہ و شکیل ہو۔" بھرے دربار میں اس نے میرے شباب کا قصیدہ پڑھا اور یہ بات نہ اس کے لیے باعث شرم تھی نہ اہل دربار کے لیے موجب عار۔ اس نے مجھ سے پوچھا "تمہارے خیال میں کتنے مسلمانوں کو ہم نے قید کیا ہوگا؟" میں بولا "میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" اس نے بتایا "اگر تمہیں نہیں معلوم تو سنو' اس وقت تین ہزار سات سو بیالیس مسلمان ہماری قید میں ہیں اور یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ چاہے ہم انہیں غلام بنا کر رکھیں یا قتل کردیں۔ تم بتاؤ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟" اس کی بات سن کر میں نے کہا

"آپ اگر میری رائے دریافت کرنا چاہتی ہیں تو میں تو یہی کہوں گا کہ ان سب کو آزاد کردیا جائے۔" ملکہ دامیہ بولی "قیدیوں کو آزاد کرنا اور وہ بھی جنگی قیدیوں کو' ہمارے قانون میں اس کی گنجائش نہیں ہے لیکن اس کے باوجود میں تمہاری سفارش ایک شرط پر قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے امید افزا بات سن کر بے ساختہ کہا "آپ قیدیوں کو آزاد کردیں۔ میں بغیر سنے آپ کی شرط تسلیم کرتا ہوں۔" ملکہ دامیہ نے میرے اضطراب سے محظوظ ہو کر قہقہہ لگانے کے بعد کہا "جذباتی نوجوان! فیصلے آنکھ بند کرکے نہیں کیے جاتے۔ زندگی بڑی نعمت ہے۔ اس کو داؤ پر لگانے سے پہلے خوب سوچ سمجھ لینا چاہیے۔" میں نے کہا "آپ فکر کی رفتار سے ناآشنا تو نہیں ہیں۔ میں نے سوچنے میں بہت کم وقت صرف کیا ہے لیکن فیصلہ پورے شعور سے کیا ہے۔ میں نے آپ کی ہر شرط قبول کرلی ہے اور آپ دیکھیں گی کہ نامعلوم شرط کو پورا کرتے ہوئے میری پیشانی پر ناگواری کی ہلکی سی شکن بھی نہ ابھرے گی۔ ملکہ دامیہ نے بڑی متانت سے کہا "تم شرط سننے کے لیے خود کو تیار کرلو۔ اگر تم میرے ساتھ بہ رضا و رغبت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنے کا فیصلہ کرلو تو میں ابھی سب قیدیوں کی آزادی کا فیصلہ سنادوں گی۔" تو حامد! میں نے اس کی شرط قبول کرلی اور شرط کی وضاحت سے میرے ذہن پر چھایا ہوا اندیشوں کا غبار چھٹ گیا۔ ملکہ دامیہ نے اسی وقت حکم دیا کہ تمام قیدیوں کو آزاد کردیا جائے' انہیں اپنی آخری سرحد تک حفاظت سے پہنچانے کا انتظام کیا جائے اور یہ بات قیدیوں کو ہرگز نہ بتائی جائے کہ انہیں کس نے خود قید ہوکر آزاد کرایا ہے۔ سارے قیدی اسی دن آزاد کردیے گئے۔ میں اس وقت سے دامیہ محل کے اسی کمرے میں قیام پذیر ہوں مگر کہیں آنے جانے پر پابندی نہیں ہے۔" خالد اپنی داستان سنا کر خاموش ہوگیا۔

"مگر تم نے تو کہا تھا کہ یہ کمرا سونے کا پنجرا ہے اور یہاں کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا؟ تم بیک وقت خود کو آزاد اور مقید کیوں کہہ رہے ہو؟" حامد نے سوال کیا۔

"تمہارا سوال برمحل اور معقول ہے۔ مجھے جواب کے لیے ذرا تفصیل میں جانا پڑے گا ورنہ بیان میں پائے جانے والے تضاد کو نہ سمجھ سکوگے۔ ملکہ دامیہ ساحرہ ہے۔ اس کی کاہنت مستقبل میں جھانکنے کی عظیم صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ بے پناہ قوتوں کی مالک ہے۔ اس سے پہلے کہ اس کے بارے میں گفتگو کروں تمہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس امر کا واضح امکان موجود ہے کہ وہ ہماری باتیں اپنی خواب گاہ میں بیٹھی سن رہی ہو۔"

یہ سنتے ہی آپ نے کچھ پڑھتے ہوئے انگشت شہادت کو گردش دی اور کہا "میں نے تمہاری خواب گاہ کے گرد حصار کھینچ دیا ہے۔ جب تک ہم گفتگو کرتے رہیں گے نہ ملکہ دامیہ ہماری گفتگو سن سکے گی نہ یہاں آسکے گی۔ تم اپنا بیان جاری رکھو۔"

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا ملکہ دامیہ عجیب و غریب ساحرانہ قوتیں رکھتی ہے۔ جب اس

نے مجھے اپنے پاس روک کر سب کو آزاد کردیا تو فطری طور پر میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ مجھے کیوں روکا گیا ہے۔ اس کے ذہن میں میرا کیا مصرف ہے؟ مجھے ہر قسم کا آرام میسر تھا مگر میرے سارے سوالات تشنہ جواب تھے اور ملکہ دامیہ محل میں نہیں تھی۔ وہ جب مفتوحہ علاقوں کے انتظامات مکمل کرکے واپس آئی تو اس نے ایک رات مجھے اپنی خواب گاہ میں اپنی کنیز کو بھیج کر طلب کیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہ اپنے بستر پر ایک زرنگار چادر اوڑھے ہوئے لیٹی ہوئی تھی۔ کنیز واپس چلی گئی تو اس نے مجھے قریب بلایا۔ جب س کی مسہری سے میرا فاصلہ صرف ایک قدم رہ گیا تو اس نے حکم دیا "بس یہیں کھڑے رہو اور میری بات توجہ سے سنو! میرا حکم دلوں پر نافذ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میری حکم عدولی کسی کے اختیار میں نہیں' میرا یہ دعویٰ تم تسلیم نہیں کرو گے جب تک میرے احکام کے نفاذ کا عملی تجربہ نہ کرلو گے۔ اب میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ میری خواب گاہ سے باہر نہ جانا۔ حکم تم نے سن لیا۔ اب کوشش کرو کہ اس خواب گاہ سے ہر قیمت پر باہر چلے جاؤ۔" میں نے حکم کی خلاف ورزی کرنے کے لیے مڑکر دروازے کی طرف جانے کا فیصلہ کرکے قدم اٹھانا چاہا تو میرے پاؤں زمین سے اٹھ نہ سکے۔ کوشش کرتے کرتے میں نڈھال ہوگیا تو اس نے پھر کہا "اس پہلے تجربے کے بعد میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ مجھے پیار کرو۔" میں نے کراہت سی محسوس کی اور ساتھ ہی کسی نامحرم کو بوسہ دینے کے انجام کار سے لرز اٹھا مگر نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے بڑھ کر اس کے رخسار پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔ اس نے پھر حکم دیا "سیدھے کھڑے ہو جاؤ' اور سوچ کر بتاؤ' کیا تم میرے حکم سے سرتابی کرسکتے ہو؟ کیا میری کسی خواہش کو ٹھکرا سکتے ہو؟" میں نے تازہ تجربوں کی روشنی میں جواب دیا "آپ کے حکم سے انحراف میرے اختیار سے باہر ہے۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور کہا "تم جوان ہو' خوب صورت ہو اور بہادر بھی۔ میری عمر چالیس سال ہوچکی ہے اور میں ایک جوان بیٹے کی ماں ہوں مگر تم دیکھ رہے ہو کہ میں جوان ہوں۔" اتنا کہہ کر اس نے چادر اپنے جسم سے ہٹا دی۔ ریشم کا باریک ترین لباس اس کے جسم پر تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے قائل ہونا پڑا کہ وہ جوان ہے اور ایسے شباب آفریں جسم کی مالک ہے کہ زہد و ورع کے نازک آبگینے اس کے قرب میں پگھلے بغیر نہیں رہ سکتے۔ میں تصویر حیرت بنا اسے دیکھ رہا تھا۔ مجھے اچھی طرح باور کرانے کے بعد کہ وہ بے حد حسین ہے' اس نے چادر اٹھا کر اپنے جسم کو چھپاتے ہوئے کہا "اب بیٹھو آرام سے باتیں کریں گے۔" میں بیٹھ گیا تو اس نے بڑی متانت سے کہا "میں تم سے محبت کرتی ہوں خالد۔ تم نے میری ساحرانہ قوتیں دیکھ لی ہیں' اگر میں چاہوں تو تمہیں اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے مجبور کرسکتی ہوں لیکن میں ایسا نہیں کروں گی۔ میری وسیع حدود مملکت میں ایک سے ایک نوجوان موجود ہے۔ میں جسے چاہوں استعمال کرسکتی ہوں مگر

میں نے آج تک ایسا نہیں کیا۔ میری رعایا مجھے اتنا محترم سمجھتی ہے کہ مجھے ان میں سے کوئی ایسی محبت نہیں دے سکتا جس کی مجھے طلب ہے۔ میرا شوہر ایک عیاش طبع سردار تھا۔ بیسیوں کنیزیں اور اٹھارہ بیویاں اس کے تصرف میں تھیں۔ اس نے مجھے سب کچھ دیا' محبت کے سوا۔ میں محبت کی بھوکی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ کوئی مجھے ٹوٹ کر چاہے' میری روح کو سیراب کردے۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں مگر تم سے محبت کی بھیک نہیں مانگوں گی۔ ہاں میں یہ کوشش کروں گی کہ تمہیں مجھ سے محبت ہو جائے۔ اپنی ساحرانہ قوت کے بجائے اپنی وفاؤں سے تمہارا پیار جیتنے کی کوشش کروں گی۔ میں نے جو کچھ کہا ہے' اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا۔ میں نہ فاحشہ ہوں نہ بازاری جنس۔ محبت جذبات کی پاکیزگی کا نام ہے اس لیے محبت کرنا گناہ نہیں۔ محبت مقصد تخلیق کا احترام ہے۔ اب تم جاؤ' آرام کرو۔ اضطراب کے کانٹوں پر کروٹیں بدلنے کے لیے میں بہت کافی ہوں۔" میں ملکہ دامیہ کی کرب کی داستان سن کر ذہنی طور پر معطل ہوگیا تھا' خاموشی سے اپنی خواب گاہ میں لوٹ آیا۔ میں بستر پر لیٹ گیا مگر نیند غائب تھی۔ میں ملکہ کی حیرت انگیز شخصیت کے بارے میں سوچتے سوچتے سو گیا۔ صبح نماز کے بعد میں محل کے پائیں باغ میں چہل قدمی کے لیے گیا تو ملکہ دامیہ سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے اداس سی مسکراہٹ سے استقبال کرتے ہوئے کہا "میرے محبوب! مجھے معاف کردینا' رات مجھ سے ایک ناروا حرکت سرزد ہوگئی۔" میں نے استفہامیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا تو اس نے وضاحت کی "رات تم نے میرے اظہار محبت کے جواب میں سکوت اختیار کرلیا تھا۔ مجھ پر کیا کیا قیامتیں ٹوٹ پڑیں' ان کی تفصیلات سے قطع نظر میں نے یہ بھی سوچا کہ یہ ناممکن ہے کہ تم نے میرے متعلق کچھ غور نہ کیا ہوگا اس لیے میں نے اپنی ساحرانہ حیثیت کو روبرو لاکر نہ صرف یہ کہ تمہیں دیکھنا شروع کردیا بلکہ تمہارا ذہن پڑھ کر وہ سب کچھ بھی جان لیا جو رات تم نے سونے سے پہلے میرے متعلق سوچا۔ میرا یہ غیر اضطراری عمل تھا کہ میں نے تمہارے خیالات سے آگاہی حاصل کرنے کی جدوجہد کی۔ میں اس قصور کے لیے عذر خواہ ہوں۔ تم نے جو کچھ بھی سوچا اس کا تمہیں حق حاصل ہے۔ میں بہرکیف ناامید نہیں ہوں اور وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ تمہارے باطن میں جھانکنے کی کبھی کوئی شعوری کوشش نہ کروں گی۔" ملکہ دامیہ مجھ سے جس شدت سے محبت کرتی رہی ہے' میں اس کے جواب میں اس سے محبت تو نہ کرسکا مگر اس کے لیے اپنے دل میں ہمدردی ضرور محسوس کرتا ہوں۔ وہ کسی وقت مجھ سے غافل نہیں رہتی۔ بعض خوب صورت اور نوخیز کنیزوں نے مجھ سے رابطہ پیدا کرنا چاہا تو اسے علم ہوگیا۔ رقابت اور وہ بھی ایک خود مختار ملکہ کی' کنیزوں کو بہت مہنگی پڑی۔ اب کسی میں یہ حوصلہ نہیں کہ میری خلوتوں کی آرزو کرے۔ اس قید تنہائی کی اذیتوں کو کم کرنے کے لیے میں نے ملکہ دامیہ کے

بیٹے مقوتش سے دوستانہ مراسم پیدا کر لیے۔ وہ ایک نڈر باہمت اور مہم جو نوجوان ہے۔ عادات واخلاق میں اس نے اپنی ماں کے محاسن تو قبول کیے ہیں مگر دوسری خراب عادتوں سے خود کو محفوظ رکھا ہے۔ مقوتش کے ساتھ سیر و تفریح کے مواقع میسر آرہے ہیں۔ وہ ایک اچھا دوست ہے اور ملکہ بھی اس رابطے پر خوش ہے۔"

خالد اپنی داستان تفصیلی طور پر سنا چکا تو حامد نے کہا "ملکہ دامیہ ایک نفسیاتی مریضہ ہے۔ مرض کی گرفت صرف جنسی سطح تک محدود ہے۔ حواس کے دوسرے تمام شعبے اس کے ذہن سے پورا پورا تعاون کر رہے ہیں۔ وہ ایک اچھی منتظم فرمانروا ہے۔ اس کی مملکت کی حدود میں رعایا خوش حال ہے۔ سرکش سردار اس کی ساحرانہ قوتوں کی وجہ سے اس کے بندہ بے دام ہیں۔ افریقہ میں جب تک اس کی مستحکم حکومت قائم ہے' مسلمان یہاں کسی مہم میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ زبیر جیسے بہادر سپہ سالار نے افریقہ پر حملہ کیا اور ایک وسیع علاقہ فتح کرنے کے بعد بھی اسے قرطاجنہ کی حدود مملکت میں شکست فاش ہوئی اور اس محاذ پر جب وہ شہید ہوئے تو ان کے لشکر کے قدم اکھڑ گئے۔ دوسری مہم میں تم خود حسان بن نعمان کے ساتھ تھے۔ اس کے انجام سے تم خود واقف ہو۔ اب حسان بن نعمان پھر ایک عظیم لشکر کے ساتھ افریقہ پر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ ملکہ دامیہ افریقہ میں ان کے قدم جمنے نہ دے گی۔ بزور شمشیر زمین پر تو قبضہ کیا جاسکتا ہے مگر دلوں کو نہیں جیتا جاسکتا۔ افریقہ میں اسلام کی تبلیغ ضروری ہے۔ اگر ہم یہاں اسلام کی روشنی پھیلانے میں کامیاب ہوجائیں تو یہاں کے مسلمان حملہ آور مسلمانوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔ انہی کے تعاون سے اسلامی ریاست یہاں پھل پھول سکتی ہے۔ تم ملکہ دامیہ کے خلاف کچھ نہیں کرسکتے۔ تمہیں اپنے بعض وعدوں کا پاس کرنا ہوگا جو تم اس سے کرچکے ہو۔ میں تم سے کوئی ایسا کام نہیں لوں گا جس سے تمہارا کوئی عہد مجروح ہو۔ میرا قیام رات کو یہیں ہوا کرے گا۔ میں دن میں مصروف رہوں گا۔ تبلیغ اسلام کے لیے میرا کیا لائحہ عمل ہوگا' میں یہ بتانا سر دست ضروری نہیں سمجھتا۔ اب تم آرام کرو۔"

خالد ابھی بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا مگر حامد نے گفتگو کا سلسلہ ختم کرنے کا اعلان کیا تو کچھ کہنے کے لیے لرزش لب تو ہوئی مگر آواز نے ساتھ نہ دیا۔ خالد حیران تھا کہ حامد کیا کچھ ہوگیا ہے۔ کل تک جو اس کے لیے آئینے کی طرح آشنا تھا' آج راز ہی راز کیوں بن گیا ہے۔

صبح خالد کو حامد ہی نے نماز کے لیے جگایا۔ نماز کے بعد حامد اپنے معمولات میں مصروف ہوگئے۔ خالد نے جب دیکھا کہ حامد وظائف سے فارغ ہی نہیں ہو رہے ہیں تو وہ محل کے باغ کی طرف چل دیا۔ سورج طلوع ہونے کے بعد جب وہ واپس آئے حامد موجود نہیں تھے۔

حامد رات ہی کو کچھ فیصلے کرچکے تھے۔ خالد کی خواب گاہ سے روحانی پرواز ذریعے وہ صطفورہ پہنچے۔ یہ شہر بربروں کا خصوصی مرکز تھا۔ عیسائی مبلغین نے اس علاقے میں بہت کام کیا تھا اور کامیابی بھی حاصل کی تھی مگر اس کے باوجود کی اکثریت اپنے قدیم مذہب پر ہی کاربند تھی۔ آپ ایک بربر سردار قویہ کے پاس پہنچے۔

قویہ نے اپنے سامنے ایک عرب کو دیکھا تو مشتعل ہوگیا اور پوچھا "تمہیں یہ جرات کیسے ہوئی کہ صطفورہ میں قدم رکھو اور اپنی موت کو آواز دینے کے لیے میرے پاس چلے آؤ؟"

"میں تمہارے پاس صرف اس لیے چلا آیا ہوں کہ میں موت سے نہیں ڈرتا اور یہ بات بھی تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تم جیسا غیور اور بہادر سردار ایک عورت کا غلام بنا ہوا ہے۔"

"خاموش رہو بدتمیز! میں کسی کا غلام نہیں ہوں۔ ملکہ دامیہ ہماری محسن ہے۔ اس کے ساتھ تعاون کرنا غلامی نہیں شرافت ہے۔ اس نے ہمیں مسلمانوں اور عیسائیوں سے تحفظ دیا ہے۔ مسلمانوں نے ہم پر یلغار کی تو اس نے ہماری سرپرستی کی۔"

"ملکہ دامیہ نے تمہیں مسلمانوں سے ضرور بچایا ہے لیکن عیسائیوں کی گود میں ڈال دیا ہے۔ آج تمہارے علاقوں میں کئی گرجا موجود ہیں۔ بربر بڑی تعداد میں عیسائی بن گئے ہیں۔ پادریوں کی کوششیں اسی طرح جاری رہیں تو وہ دن دور نہیں جب یہاں عیسائیوں کی اکثریت ہوگی اور پھر تمہاری سرداری کی بساط بھی الٹ دی جائے گی۔ یہ بات تمہیں معلوم ہے کہ جو بربر عیسائی ہوجاتا ہے' اس کے دل سے تمہارا احترام نکل جاتا ہے۔"

"تم بہت مکار ہو اے اجنبی! تم لوگ ہمارے علاقے پر تلوار کے زور سے قابض نہ ہوسکے تو اب ہم میں پھوٹ ڈال کر ہمارا شیرازہ بکھیر دینا چاہتے ہو۔ رومی ہمارے حلیف ہیں' جب بھی ہم پر حملہ ہوتا ہے وہ ہماری مدد کے لیے سسلی اور اسپین تک سے کھنچے چلے آتے ہیں۔ اگر ملکہ دامیہ نے اپنے حلیفوں کو مذہبی تبلیغ کی اجازت دے رکھی ہے تو اس کا ایک معقول جواز بھی موجود ہے۔"

تم یہ بات ملکہ کے نقطہ نظر سے سوچ رہے ہو اور ملکہ صرف اپنے اقتدار کے عارضی تحفظ کو سامنے رکھ کر فیصلے کرتی ہے۔ تم اگر اپنے نقطہ نظر سے سوچنے کی زحمت گوارہ کرو تو میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں۔ ملکہ عیسائیوں سے خوش گوار تعلقات رکھنے پر مجبور ہے۔ عیسائی یہ خوب سمجھتے ہیں کہ ملکہ سے جنگ کیے بغیر بھی وہ افریقہ پر قابض ہوسکتے ہیں۔ یہاں عیسائی مذہب مقبول ہوگیا تو کوئی غیر عیسائی یہاں حکومت نہ کرسکے گا۔"

"تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔ شعور اس خطرے کے امکان کو نظرانداز نہیں کرسکتا

جس کی تم نے نشاندہی کی ہے۔ اگر اس خطرے کے خلاف میں نے کوئی اقدام کیا تو ملکہ سے ٹکراؤ لازماً ہوگا اور ملکہ کے خلاف محاذ بنانے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تمہاری باتوں سے مجھے شعور کی ایک کرن ملی ہے اس لیے میں تمہیں زندہ سلامت یہاں سے جانے کی اجازت دے رہا ہوں۔ تم فوراً میری نظر سے دور ہو جاؤ' ملکہ کے دشمنوں کا خون بہا کر مجھے بڑی آسودگی ملتی ہے۔"

آپ فوراً قوبیہ کے گھر سے باہر آ گئے اور اپنی مادیت کی روشنی کے پیکر میں تبدیلی کر کے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ آپ جب دوبارہ قوبیہ کے کمرے میں پہنچے تو اسے آنکھیں بند کئے کسی سوچ میں مستغرق دیکھا۔ آپ نے اس کے خیالات کو پڑھنا شروع کیا تو یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے کہ قوبیہ کے ذہن پر ملکہ دامیہ کے جادو کے اثرات موجود ہیں اور قوبیہ کا ذہنی رویہ اس بات کا پابند ہے کہ وہ کچھ بھی سوچے اس میں ملکہ کی وفاداری کو ملحوظ رکھے۔ آپ نے اپنے روحانی تصرف سے اس کے ذہن کو جادو کے اثر سے پاک کیا اور یہ اہتمام بھی کر دیا کہ آئندہ بھی اس پر جادو اثر نہ کر سکے۔

قوبیہ کا ذہن آزاد ہوا تو اس نے تیزی سے اس خطرے کا جائزہ لیا جو اس کی سرداری پر منڈلا رہا تھا۔ سوچتے سوچتے اس نے خطرات کو اتنا قریب محسوس کیا کہ گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور آواز دے کر خادم کو بلایا۔

خادم نے آ کر تعظیماً سر جھکا لیا تو قوبیہ نے حکم دیا "ابھی ایک اجنبی یہاں سے گیا ہے' اس نے عربوں جیسا لباس پہن رکھا ہے' اسے فوراً بلا کر لاؤ مگر ادب سے' وہ ہمارا مہمان ہے۔"

خادم دوڑ کر باہر گیا تو آپ بھی اس کے ساتھ تھے۔ خادم تیزی سے دوڑا جا رہا تھا۔ تھوڑی دور جا کر آپ ظاہر ہو گئے اور خادم کو آواز دی۔ خادم نے پلٹ کر آپ کو دیکھا اور دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا۔ اس نے پہلے تعظیم کے لیے سر خم کیا اور پھر کہا "سردار قوبیہ آپ کو یاد کر رہے ہیں۔"

آپ اس کے ساتھ سردار قوبیہ کے پاس پہنچے تو اس نے مسکرا کر آپ کا استقبال کرتے ہوئے اپنے پاس بٹھایا اور کہا "تمہاری بات میری سمجھ میں آ گئی ہے مگر میں اکیلا ہوں' دوسرے سردار اگرچہ میرے ماتحت ہیں لیکن ملکہ کے خلاف نہیں' میں ان کے سامنے ایک لفظ بھی کہوں گا تو وہ میرے خلاف ہو جائیں گے۔ کچھ دیر پہلے میں نے تمہیں اس لیے رخصت کر دیا تھا کہ میں ملکہ کے خلاف کوئی بات سننے کا روادار نہ تھا۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ تمہاری باتوں میں بڑا اثر ہے۔ جب تم مجھے سمجھا سکتے ہو تو دوسرے سرداوں کے ذہنوں میں بھی آنے والے خطرے کا احساس پیدا کر سکتے ہو۔ میں ابھی تمام سرداروں کو بلاتا ہوں'

تم ان سے بات کر لو۔"

"یہ بات درست ہے کہ سرداروں کو یہاں بلایا جائے مگر میں تمہاری اس بات سے متفق نہیں کہ میں ان سے بات کروں۔ بات تم ہی کرو گے۔ میں تو صرف اتنا یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری بات ان کی سمجھ میں آ جائے گی۔ وہ تمہارے خلاف بغاوت بھی نہ کریں گے۔"

آپ اپنی بات مکمل کرتے ہی اس کی نظر سے اوجھل ہو گئے۔

قوبیہ آپ کے غائب ہونے سے حیرت زدہ رہ گیا۔ افریقہ جادو کا گھر ہے' عجائبات کا خزانہ ہے۔ انہونی بات کا ظہور زیادہ حیرانی کا باعث نہ بنا۔ قوبیہ نے جب یہ سوچا کہ ایک عظیم جادوگر اس کی پشت پناہی کر رہا ہے تو وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اسی وقت اس نے خادموں کو بھیج کر بربر سرداروں کو طلب کیا۔ سطفورہ میں سات سردار تھے۔ ان میں قوبیہ سب سے بڑا تھا۔ اس کا حکم ملتے ہی تمام سردار قوبیہ کی قیام گاہ کی طرف چل پڑے۔ آپ قوبیہ کے گھر کے دروازے پر سب کی نگاہوں سے اوجھل کھڑے تھے۔ جو سردار بھی گھر میں داخل ہوتا آپ اس کے ذہن کو ملکہ دامیہ کے سحر سے آزاد کر دیتے۔ جب سب سردار آ گئے تو آپ بھی اندر جا کر ایک گوشے میں کھڑے ہو گئے۔

سردار قوبیہ نے عیسائی حکمت عملی پر روشنی ڈالنے کے بعد ملکہ دامیہ کی حکمت عملی پر بھی کھلی اور جارحانہ تنقید کی۔ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد سردار قوبیہ نے سوال کیا "اب آپ بتائیں کہ میں جو کچھ سوچ رہا ہوں' وہ غلط ہے یا درست۔"

ایک سردار نے جس کا نام واشو تھا' کہا "اے ذہین سردار! تیری بات کو سن کر ایسا لگتا ہے جیسے ہماری آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹ گئے ہیں۔ ہم ہر طرح تیرے ساتھ ہیں۔"

دوسرے سرداروں نے بھی واشو کی بھرپور تائید کی۔ قوبیہ نے تائید سے مسرور ہو کر کہا "تم لوگ میرے دوسرے حکم کے منتظر رہو۔ میں افریقہ میں پھیلے ہوئے دوسرے بربر سرداروں کو بھی اس مسئلے پر اعتماد میں لینا چاہتا ہوں۔"

اجلاس ختم ہوا تو تمام مہمان سردار چلے گئے۔ آپ ایک مرتبہ پھر قوبیہ کے سامنے ظاہر ہوئے تو اس بار اس کی حیرت میں تبسم بھی شامل تھا۔ اس نے ادب سے کہا "میں حیران ہوں' اتنی آسانی سے ان کی سمجھ میں میری بات کیسے آ گئی؟"

"تمہارے ذہن پر ملکہ دامیہ کے جادو کا اثر تھا۔ جب میں نے اسے زائل کر دیا تو تمہاری فکر آزاد ہو گئی اور تم نے حقیقت کو آسانی سے قبول کر لیا۔ تمہارے ساتھی بھی سحر زدہ تھے۔ جب وہ یہاں پہنچے تو دروازے پر ہی میں نے انہیں سحر سے آزاد کر دیا تھا اس لیے تمہاری بات بھی ان کی سمجھ میں آسانی سے آ گئی۔"

"تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔" قویہ نے کہا۔

"میرا نام حامد ہے۔"

"بہت اچھا نام ہے۔ ایک بات میری الجھن کا سبب بنی ہوئی ہے' کیا تم اس پر روشنی ڈالنا پسند کرو گے؟ تم نے ابھی اپنی گفتگو میں یہ عجیب سی بات کہی ہے کہ تم نے ملکہ دامیہ کے سحر کے اثرات کو زائل کیا ہے حالانکہ تم نے بھی سحر زائل کرنے کے لیے سحر ہی سے کام لیا ہے۔"

"میں مسلمان ہوں اور مسلمان ساحر نہیں ہوا کرتا۔ سحر کو ہم تسلیم کرتے ہیں مگر اس کو اختیار کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔ سحر سے اللہ کی مخلوق کو نقصان زیادہ پہنچتا ہے اور فائدہ کم۔ اس کے علاوہ ساحر گندگی کا کیڑا ہوتا ہے جب کہ اسلام جسم وروح کی پاکیزگی اور طہارت کا نام ہے۔ جس طرح نور و ظلمت ایک دوسرے کی ضد ہیں اسی طرح سحر اور اسلام ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو اسلام کا روحانی نظام سحر کی عظیم قوتوں پر فوقیت رکھتا ہے۔"

"تم نے میرا مطلب غلط نہیں سمجھا۔ اسلام کے روحانی نظام کی برتری کے لیے تم مزید ثبوت چاہو گے تو ضرور پیش کروں گا۔"

"تم اگر اتنے ہی قوی ہو تو ملکہ دامیہ سے تم نے شکست کیوں کھائی' وہ اپنے لشکر کو سحر کی قوتوں ہی سے تو میدان جنگ میں لڑاتی ہے۔"

"اگر میں روحانی قوتوں سے کام لینے کا فیصلہ کرتا تو مجھے افریقہ آنے کی بھی ضرورت نہ پڑتی۔ بصرہ میں بیٹھے ہی بیٹھے ملکہ دامیہ کی حکومت کا تختہ الٹ سکتا تھا۔ یہاں کے گرجاؤں کو مسمار کر سکتا تھا۔ تمہاری قربان گاہوں کو منہدم کر سکتا تھا مگر اسلام دین فطرت ہے۔ کائنات میں اسباب وعلل کا جو مربوط نظام اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے' اس کا احترام بھی ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اسباب وعلل اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور ہم بھی۔ مخلوق کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ مخلوق کو تباہ وبرباد کرے۔ ہم لشکر کے مقابلے میں لشکر ہی میدان میں اتارتے ہیں۔ تلوار کے وار کو ڈھال پر روکتے ہیں' روحانی قوت سے حملہ آور کا ہاتھ شل کر کے' اسے قتل نہیں کیا کرتے۔ اسلام کے روحانی تصرفات' صرف ذہنی انقلاب اور تزکیہ نفس کے لیے روبہ کار آتے ہیں یا باطل کے سفلی حملوں کا ان سے دفاع کیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں اب تم میری بات کسی حد تک سمجھ گئے ہو گے۔"

"ہاں میں نے تمہارے موقف کو کچھ کچھ سمجھ لیا ہے لیکن یہ باتیں میرے لیے دردسر بن گئی ہیں۔ بہت سے سوالات میرے ذہن پر یلغار کر رہے ہیں مگر میں تمہاری باتوں پر غور وفکر کروں گا' پھر انتہائی ضروری سوالات کے جوابات کی خاطر تمہیں زحمت دوں گا۔

میں اس وقت ذہنی طور پر تقسیم ہوں۔ تمہاری باتیں بھی غور طلب ہیں اور افریقہ کے سیاسی حالات بھی دامن کش توجہ ہیں۔"

"تم پہلے بربر قبائل کے سرداروں سے ملاقات کی تیاری کرو یہ کام بھی کم اہم نہیں ہے۔ مجھے سفر کی تیاری کے لیے ایک ہفتے کی مہلت درکار ہوگی۔ میرا سفر تنہا نہیں ہوگا' ایک پوری فوج میرے ساتھ ہوگی تاکہ اگر صورت حال خراب ہو جائے تو میں اپنا دفاع بھی کر سکوں۔ یہاں سے تقریباً دو ماہ غیر حاضر رہنا پڑے گا۔ میرے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ یہاں کے انتظامات کی طرف سے بھی غفلت نہ برتوں۔"

"تمہیں کسی انتظام کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ جہاں جہاں تم جانا چاہتے ہو' میں لے جاؤں گا اور اس سفر میں ایک ہفتے سے زیادہ صرف نہ ہوگا۔ سفر کیسے اور کس طرح ہوگا' اس سوچ کا بوجھ اپنے ذہن پر نہ ڈالو۔ ہم کل صبح یہاں سے روانہ ہوں گے۔ تم صرف یہ سوچ لو کہ کہاں کہاں جانا ہے اور سرداروں سے کس ترتیب سے ملاقات پسند کرو گے۔"

"اب تم میرے لیے ملکہ دامیہ بن گئے ہو۔ کل میں اس کی بات نہ ٹال سکتا تھا مگر آج تمہاری ہر بات مان لینے پر خود کو مجبور پا رہا ہوں۔" یہ بات سردار نے سنجیدگی سے کہی تھی لیکن جملے کے اختتام پر اس کے ہونٹوں پر تبسم نمودار ہو گیا' جس نے سنجیدگی کو ایک لطیف مزاح میں بدل دیا۔

آپ جب قویہ کے گھر سے رخصت ہوئے تو رات ہو چکی تھی۔ آپ روحانی پرواز سے خالد کی خواب گاہ میں پہنچے تو خالد بے قراری سے ٹہل رہا تھا۔ آپ نے ظاہر ہو کر سلام کیا تو وہ دوڑ کر لپٹ گیا اور کہا "میں تمہارے لیے بہت پریشان تھا' اچھا ہوا تم آ گئے۔"

"میں نے تو رات ہی کہہ دیا تھا کہ میں صبح چلا جایا کروں گا اور صرف رات کو آیا کروں گا پھر تم پریشان کیوں ہو گئے تھے؟"

"صبح تمہارے جانے کے بعد ملکہ دامیہ نے مجھے طلب کیا تھا۔ میں پہنچا تو خلاف معمول اسے بہت برہم پایا۔ اس نے بڑے سخت لہجے میں مجھ سے پوچھا "رات تمہاری خواب گاہ میں تمہارے ساتھ اور کون تھا؟" میں نے بھی ترش روئی اختیار کر لی' اسی کے لہجے میں جواب دیا "میرے ساتھ کون تھا' یہ تمہیں خود جاننا چاہیے۔ تمہارے علم واطلاع کے بغیر کیا آج تک کوئی میری خواب گاہ میں داخل ہو سکا ہے؟ تم نے تو ان لوگوں کو پہچان لیا تھا جو مجھ سے قریب ہونے کا صرف ارادہ ہی رکھتے تھے۔ ملکہ دامیہ نے فوراً ہی اپنے غصے پر قابو پا لیا اور بولی "رات میری طبیعت خراب تھی لیٹے لیٹے میں نے سوچا کہ تمہارے دیدار سے سکون حاصل کروں۔ میں نے جادو کے ذریعے تمہیں دیکھنے کے لیے منتر پڑھا مگر نہ تم

نظر آئے نہ تمہاری خواب گاہ۔ میں نے کئی بار منتر پڑھا مگر ناکام رہی حالانکہ اس سے پہلے کبھی میرا منتر خالی نہ گیا تھا۔ میں نے چاہا کہ اسی وقت خود تمہارے پاس آجاؤں مگر پھر ارادہ بدل گیا۔ منتر کے ناکام ہونے کے بعد میں نے تاویل کرلی کہ ذہن بہت منتشر ہے اس لیے کام نہیں کر رہا۔ صبح جب میری آنکھ کھلی تو طبیعت بحال تھی۔ مجھے رات کی ناکامی کا خیال آیا تو میں نے دوبارہ اپنی ناکامی کا تجزیہ کرنے سے پہلے تمہیں دیکھنے کے لیے منتر پڑھا تو تم باغ میں نظر آگئے۔ میں نے خوب سوچ سمجھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ میرا منتر ناکام ہوا نہیں بلکہ ناکام بنایا گیا ہے۔ رات تمہاری خواب گاہ میں کوئی بڑا ساحر یا بڑی ساحرہ موجود تھی۔ تم نے اسے دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو، وہ کوئی بھی ہو اب مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتا۔ یقین کرو میرے محبوب، جو کوئی بھی تمہیں مجھ سے چھین لینے کے لیے آیا تھا وہ آج شام غروب آفتاب سے پہلے مر چکا ہوگا، میں ملکہ دامیہ کی ساحرانہ قوتوں سے واقف ہوں، اس لیے مجھے تمہارے لیے پریشان ہو ہی جانا چاہیے تھا۔"

"تمہیں اللہ کی مدد پر زیادہ بھروسا کرنا چاہیے۔ مطمئن رہو، وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ میں تم سے آج صرف ایک بات کہہ کر سو جانا چاہتا ہوں۔ وہ بات یہ کہ تم کل سے ملکہ دامیہ کے بیٹے مقوتش کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرو۔ اب میں یہاں موجود رہ کر بھی کسی کو نظر نہ آؤں گا اور حصار بھی نہیں کھینچوں گا تاکہ وہ اگر تمہیں دیکھنا چاہے تو دیکھ سکے اور تمہاری طرف سے بدگمان نہ ہو۔ صبح تم سے ملاقات نہ ہوگی۔ میں کچھ دن کے لیے جبل جا رہا ہوں، جلد واپس آؤں گا۔"

صبح آپ نماز کے بعد سردار قویہ کے پاس پہنچ گئے۔ وہ سفر کے لیے بالکل تیار تھا۔ اس نے گیارہ بربر سرداروں کے نام اور ان کے ٹھکانے بتاتے ہوئے کہا "جس ترتیب سے میں نے نام بتائے ہیں، اسی ترتیب سے ان سے ملاقات بھی کرنا چاہتا ہوں۔"

اس وقت آپ سردار قویہ کے کمرے میں تھے۔ آپ بڑھے اور دروازہ اندر سے بند کر دیا مگر زنجیر نہ لگائی۔ اس کے بعد آپ پلٹ کر قویہ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اپنے دونوں ہاتھ اس کے دونوں شانوں پر رکھ کر کہا "مضبوطی سے آنکھیں بند کرلو اور جب تک میں نہ کہوں بند ہی رکھنا۔"

اس نے آنکھیں بند کرلیں تو آپ نے بلند آواز سے کسی آیت کا ورد شروع کر دیا۔ قویہ نے اپنے جسم پر پہلے ایک ہلکا سا جھٹکا محسوس کیا اور اس کے بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی طوفانی آندھی اسے اڑائے لیے جا رہی ہے۔ کچھ دیر کے بعد اس نے پھر ایک جھٹکا سا محسوس کیا۔

آپ نے کہا "اب آنکھیں کھولو۔ تم اپنی پہلی منزل مِمش پہنچ چکے ہو۔"

قویہ نے اطراف کا حیرت سے جائزہ لیتے ہوئے کہا "بے شک ہم مِمش پہنچ چکے ہیں۔ وہ دیکھو سامنے سردار کسیل کا گھر۔ آؤ چلیں، وہ میرا بڑا بے تکلف دوست ہے۔"

دونوں کسیل کے شاندار مکان سے ابھی چند قدم کے فاصلے پر تھے۔ کسیل اپنے دروازے سے نمودار ہوا اور آنے والوں کو غور سے دیکھنے لگا جیسے ہی اس نے قویہ کو پہچانا دوڑ کر اپنے گھر میں گھس گیا مگر اسے واپس آنے میں بھی دیر نہ لگی۔ اب اس کے ہاتھ میں بے نیام شمشیر تھی۔ اس نے شمشیر کا بھرپور وار زمین پر کیا۔ اس کا ایک گھٹنا زمین پر تھا، دوسرا کھڑا ہوا تھا اور نگاہ قویہ کے چہرے پر۔ اسی عالم میں اس نے جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میں، میری اولاد، میرا قبیلہ اور میرا سب کچھ اپنے دوست قویہ پر نثار۔ بتا تجھ پر کیا افتاد پڑی کہ میں تجھے اس بے سروسامانی کے ساتھ اپنے دروازے پر دیکھ رہا ہوں۔"

قویہ نے کہا "میں تمہاری دوستی پر فخر کرتا ہوں۔ مجھ پر کوئی افتاد نہیں پڑی۔ میں اب بھی اپنے قبائل کا سردار ہوں اور کسی امداد کے لئے تمہارے پاس نہیں آیا ہوں۔"

کسیل تلوار زمین پر ہی چھوڑ کر تیزی سے کھڑا ہوا اور قویہ کی پھیلی ہوئی آغوش میں سما گیا۔ آپ جانتے تھے بربر قبیلے کے لوگ آنے والے سے اپنے خلوص کا اظہار کرنے کے لیے کن رسومات کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں۔ دونوں دوستوں کی جذباتی وابستگی دیکھ کر آپ کو بہت خوشی ہوئی۔ کسیل سے آپ کا تعارف کراتے ہوئے قویہ نے کسی غلو سے کام نہیں لیا لیکن آپ کے متعلق اپنے پورے مشاہدات بیان کر دیے۔ کسیل ایک دم مودب ہو گیا۔ سب افراد گھر میں پہنچے اور اطمینان سے بیٹھے تو قویہ نے اپنے مِمش پہنچنے کا مقصد بیان کرنے سے پہلے آپ کی طرف سوالیہ نظر سے دیکھا۔ آپ نے اس کا مدعا سمجھتے ہوئے کہا "میں اپنا کام کر چکا ہوں۔ یہ تمہاری بات پوری توجہ سے سنیں گے اور سمجھیں گے۔"

قویہ نے بڑی وضاحت سے اپنا مدعا بیان کیا۔ کسیل نے ملکہ دامیہ اور عیسائیوں کے تعلقات کے منطقی نتیجے کو سن کر کہا "میں خود بھی یہ سمجھتا تھا کہ بربروں کا عیسائی مذہب قبول کرنا ہمارے اقتدار کے لیے ایک دن ضرور خطرہ بن جائے گا مگر آج سے پہلے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ ملکہ دامیہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اس سازش میں شریک ہے۔ مجھے اب یہ بتاؤ کہ تمہارا ارادہ کیا ہے؟ عیسائیت کے سیلاب کو کس طرح روکو گے۔ ملکہ دامیہ سے اگر ٹکراؤ ہوا تو کیا کرو گے؟ رومی اس کی مدد ضرور کریں گے۔"

قویہ نے برجستہ جواب دیا "میں نے ایک ترکیب سوچی ہے مگر یہ میرا فیصلہ نہیں ہے۔ تم جانتے ہو میں تم سے مشورہ کیے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا کرتا۔ بہرکیف میں نے سوچا یہ ہے کہ تمام بربر سرداروں سے مل کر اور انہیں ہمنوا بنا کر ایک تاریخ متعین کرلی جائے اور پھر ایک ہی وقت میں اپنے علاقے کے تمام کلیساؤں کو مسمار کر دیں، پھر پادریوں اور عیسائیوں کو، خواہ وہ ہمارے قبیلے ہی کے کیوں نہ ہوں، قتل کر دیں۔"

کسیل نے قویہ کے لائحہ عمل پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد کہا "اس حکمت عملی

کے ایک پہلو پر تم نے شاید غور نہیں کیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم عیسائیت کا بیج بھی یہاں سے اکھاڑ پھینکیں گے مگر اس قتل عام کے بعد بربروں کی منتشر قوت کو ملکہ دامیہ کی فوجی قوت، اس کی ساحرانہ طاقت اور رومیوں کے لشکر سے ٹکرانا پڑے گا اور شاید ہمیں یہ سودا بہت مہنگا پڑے گا۔ ہمارا کوئی مددگار بھی نہیں ہے۔"

قویہ نے کسیل کے استدلال پر غور کیا تو اسے اپنی تدبیر ناقص نظر آنے لگی۔ اس نے شرمندگی سے کہا "تم ٹھیک کہتے ہو کہ میری تدبیر میں ایک پہلو جو بہت ہی اہم تھا، نظر انداز ہو گیا مگر اب تم ہی بتاؤ کہ ہمارا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے؟"

"میرا خیال ہے کہ ہم اب اس سلسلے میں محترم حامد سے رجوع کریں۔ شاید وہ کوئی بہتر مشورہ دے سکیں۔"

قویہ نے اس کی تائید کرتے ہوئے آپ سے درخواست کی "اب آپ ہی کچھ رہنمائی فرمائیں۔"

آپ نے کہا "میرے ذہن میں ایک تدبیر ابھری ہے جو میں بیان کئے دیتا ہوں۔ سردار قویہ کا فیصلہ ظالمانہ ہے۔ قتل عام کا منصوبہ نہایت غیر دانش مندانہ ہے۔ انسانی زندگی اتنی بے وقعت نہیں کہ اسے اس طرح تلف کر دیا جائے۔ آپ لوگ یہ جانتے ہیں کہ مسلمان افریقہ پر صرف اس لیے حملے کر رہے ہیں کہ انہیں یہاں اسلام کی تبلیغ سے نہ صرف روکا جاتا ہے بلکہ مبلغین کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ اب تک سیکڑوں مبلغ تہ تیغ کئے جا چکے ہیں۔ اگر اسلام اور عیسائیت کو یکساں تبلیغ کے مواقع حاصل ہوتے تو لوگ اسلام قبول کرتے، عیسائیت کو رد کر دیتے۔ اسلام میں ایسی مساوات ہے کہ نہ گورا کالے پر فضیلت رکھتا ہے، نہ کالا گورے سے افضل ہے۔ عزت کا معیار دولت نہیں تقویٰ ہے۔ اگر آپ لوگ اسلام کی پناہ میں آجائیں تو اسلام آپ کو بہتر مستقبل کی ضمانت فراہم کرے گا۔ انتظامی طور پر آپ سرداروں کو بھی تحفظ حاصل ہو جائے گا اگر تم عدل قائم رکھ سکے۔ بربر قبائل کے جو لوگ عیسائی ہو چکے ہیں، وہ بھی انشاء اللہ اسلام کی طرف راغب ہو جائیں گے۔ دنیا کی راحتیں چند دن کی ہیں، ان کے لیے کوئی باشعور نہ ختم ہونے والی زندگی کی آسائشیں قربان نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں نے کچھ عرصے افریقہ کے بعض حصوں پر حکومت کی ہے۔ ان کے دائرہ اقتدار میں بسنے والوں سے تصدیق کر لو کہ وہ انسان دوستی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔"

کسیل نے یہ بات سن کر کہا "میں اس امر کی تائید کرتا ہوں۔ میرے دادا نے مسلمانوں کے عدل وانصاف کی بہت سی داستانیں مجھے سنائی ہیں اور میں بچپن ہی سے اسلام کے لیے ایک کشش محسوس کرتا رہا ہوں۔ اب جب ایک مسلمان میرے سامنے ہے، میں ضرور اسلام قبول کروں گا۔"

قویہ نے کہا "میں تم سے کبھی جدا نہیں رہا ہوں، یہ کیسے ممکن ہے کہ اب ہماری راہیں

بدل جائیں۔ اسلام کی حقانیت مجھ پر بھی واضح ہو چکی ہے، میں بھی اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

آپ نے اسی وقت دونوں کو داخل اسلام کیا اور سامنے بٹھا کر ان پر اپنی روحانی توجہ مرکوز کر دی۔ جب آپ توجہ سے فارغ ہوئے تو دونوں بے ہوش ہو گئے مگر جب ہوش میں آئے تو ان کا جہل، علم میں تبدیل ہو چکا تھا، نگاہیں باطن بیں اور حواس اپنی پوری صلاحیتوں سے بیدار ہو چکے تھے۔ آپ نے مزید تین روز دونوں کو اپنی تربیت میں رکھ کر کامل بنا دیا۔ چوتھے دن آپ نے انہیں مختلف سمتوں میں تبلیغ کے لیے روانہ کرتے ہوئے کہا "تم سے میرا روحانی رابطہ رہے گا۔ جب مشورے کی ضرورت ہو، مشورہ کر لینا۔ میں نے تمہاری زبانوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے اثر مانگ لیا ہے۔ تمہاری نصیحتیں کارگر ہوں گی، دلوں میں اتر جائیں گی اور تمہارے ہاتھ پر لوگ اسلام قبول کریں گے۔ تم اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہو، ہر قسم کا خوف دل سے نکال دو۔ میں بربر عیسائیوں کی طرف جا رہا ہوں اور اپنے کام کے نتائج سے آگاہ کرتا رہوں گا۔ مجھے اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ بربر سرداروں کے اسلام لانے کے بعد قبائل جلد ہی اسلام قبول کر لیں گے۔"

ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد آپ نے قویہ کو قرطاجنہ کی طرف اور کسیل کو نیزرت کی جانب روانہ کر کے خود ممش سے قیروان کا رخ کیا۔ آپ نے یہ سفر روحانی قوت سے کیا تھا اس لیے جلد ہی اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ قیروان بڑا شہر تھا۔ افریقہ میں عیسائیت کی تبلیغ کا یہ ایک بڑا مرکز تھا۔ افریقہ کا سب سے بڑا کلیسا یہیں تھا۔ کلیسا سے ملحق ایک بڑی عمارت میں تربیت گاہ بھی تھی جہاں خصوصیت سے بربر قبائل میں تبلیغ کے لیے تین سو بربر پادری اور ایک سو پچاس دوشیزائیں انجیل مقدس کی تعلیم سے آراستہ کی جا رہی تھیں۔ تبلیغ کے نت نئے اسلوب سکھائے جا رہے تھے۔ تربیت گاہ کے سارے اخراجات صقلیہ (سسلی) کا کلیسا برداشت کر رہا تھا۔ آپ عصر کی نماز سے پہلے ہی قیروان کا جائزہ لے کر یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ کلیسا میں دن چڑھے اس وقت داخل ہوں گے جب وہاں درس ہو رہا ہو گا۔

نماز عصر کے بعد جب آپ ایک درخت کے سائے میں آرام کے لیے بیٹھے تو تھکن کا شدید احساس ہوا، کئی روز سے نہ آرام میسر آیا تھا نہ نیند۔ آپ کو بیٹھے ہوئے چند لمحے ہوئے تھے کہ بغداد سے حبیب عجمیؒ نے آپ کو مخاطب کیا "بیٹے حامد! اللہ تعالیٰ تمہاری جدوجہد کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ تم کل کلیسا جاؤ گے اس لیے مناسب یہ ہے کہ ابھی بصرہ چلے جاؤ، رات بچوں میں گزارو، صبح قیروان واپس آجانا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پرواز کی عظیم صلاحیت سے سرفراز کیا ہے۔ جاؤ اور اس نعمت کا شکر بجا لاؤ۔"

شیخ کے حکم کی تعمیل میں آپ بصرہ پہنچ گئے۔ نبیلہ اور بچے آپ کو دیکھ کر بہت خوش

ہوئے۔ نبیلہ کو یہ معلوم کر کے بھی دلی خوشی ہوئی کہ حامد نے خالد کو تلاش کر لیا ہے۔
دوسرے دن صبح جب آپ نبیلہ سے رخصت ہوئے تو اس پیکر استقلال نے مسکراتے ہوئے الوداع کہا۔

آپ جب قیروان کے کلیسا میں پہنچے تو اس وقت درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ آپ کیونکہ نظروں سے اوجھل تھے اس لیے کلیسا اور درس گاہ کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ درس گاہ کے دو حصے بالکل ایک دوسرے کے مقابل تھے' ایک حصہ اقامت کے لیے مخصوص تھا' دوسرا تربیت اور تدریس کے لیے۔ آپ کو صدر مدرس کی تلاش تھی جو اسقف کہلاتا تھا۔ آپ نے جلد ہی معلوم کر لیا کہ وہ اپنے گھر میں ہے۔ گھر کی پشت پر میدان تھا اور اس طرف اسقف کی خواب گاہ کے روشندان تھے۔ آپ نے توجہ فرمائی تو دیوار کے پار' خواب گاہ کا منظر سامنے تھا۔ آپ عقبی میدان سے درس گاہ کی طرف گئے اور طلبہ کے سامنے جا کر ظاہر ہو گئے۔ طلبہ نے ایک اجنبی کو اپنے درمیان دیکھا تو ان میں سے اکثر متوجہ ہو گئے۔ آپ نے بلند آواز میں کہا "کیا تم اسقف کے مقام اور مرتبے کو جانتے ہو؟"

ایک طالب علم نے جواب دیا "اگر اس سوال سے تم ہماری معلومات میں اضافہ کرنا چاہتے ہو تو ہم گوش بر آواز ہیں۔"

"بے شک! میں تمہاری معلومات میں اضافہ کرنا ہی چاہتا ہوں۔ تم واقعی ذہین طالب علم ہو۔ میرے سوال کا مدعا تم نے پا لیا مگر اضافہ معلومات کے لیے تمہیں میری ایک شرط پوری کرنا ہو گی جو بہت ہی آسان ہے۔"

کئی طلبہ نے بیک زبان کہا "شرط بتاؤ۔"

"شرط صرف یہ ہے کہ تم سامنے والی اس عمارت کی پشت پر میرے ساتھ چلو جس میں اسقف کا قیام ہے۔ وہاں جا کے تمہیں معلوم ہو گا کہ دیوار تمہاری نظروں کے لیے حجاب نہیں رہی۔ تم دیوار سے باہر ہو کر بھی اسقف کو دیکھ سکو گے۔ اگر تم نے راستے میں شور مچایا تو میں تمہیں کچھ نہ دکھا سکوں گا۔"

آپ کی یہ بات سن کر طلبہ اور دو پادری خاموشی سے سر جھکائے آپ کے ساتھ خواب گاہ کے عقب میں پہنچ گئے اور آپ کے اشارے پر ایک صف میں کھڑے ہو گئے۔ ان سب کا رخ خواب گاہ کی طرف تھا۔ آپ نے دو قدم بڑھ کر خواب گاہ کی دیوار سے مخاطب ہو کر کہا "کیا تو ہمیشہ حالت قیام میں ہی رہے گی' سجدہ کیوں نہیں کرتی۔"

ابھی آپ کا جملہ پورا ہی ہوا تھا کہ خواب گاہ کی عقبی دیوار زمین بوس ہو گئی۔ خواب گاہ کے منظر سے پردہ ہٹا تو طلبہ خواب گاہ کی طرف دوڑ پڑے۔ اسقف اس وقت ایک راہبہ کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں تھا۔ طلبہ غصے سے بے قابو ہو گئے۔ ذرا ہی دیر میں تقدس کا فریب دینے والا نام نہاد اسقف طلبہ کی ٹھوکروں سے اپنے انجام کو پہنچا۔ اسی دوران میں

آپ پھر نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔

اسقف کو ہلاک کرنے کے بعد طلبہ آپ کو ہر طرف ڈھونڈتے پھرے مگر وہ آپ کو کیسے پا سکتے تھے۔ تربیت گاہ میں کہرام مچ گیا۔ جگہ جگہ طلبہ ٹکڑوں میں بٹ کر اس تمام واقعے پر گفتگو کر رہے تھے۔

ایک طالب علم نے کہا "وہ اجنبی تو فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ دیوار اس کے حکم پر سجدہ ریز ہو گئی تھی۔ کاش مجھے وہ ایک بار اور مل جائے تو میں اس سے درخواست کروں کہ وہ دوسرے پادریوں کے احوال سے بھی ہمیں آگاہ کرے۔"

طلبہ ابھی اپنے جوش غضب کا مظاہرہ ہی کر رہے تھے کہ فوج نے کلیسا کو گھیر لیا۔ اسقف کا قتل کوئی معمولی بات نہ تھی۔ تحقیق ہوئی تو تمام راہبوں نے یہی کہا کہ جھوٹا الزام لگا کر اسقف کو قتل کیا گیا ہے۔ اسقف کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں پائی جانے والی راہبہ بھی ان کی ہمنوا ہو گئی۔ فوج تمام طلبہ کو گرفتار کر کے لے گئی۔ گورے اسقف کے کالے قاتل بھلا کس طرح معاف کئے جا سکتے تھے۔ رسمی باز پرس کے لیے ان تمام طلبہ کو ایک بڑے احاطے میں باندھ کر ڈال دیا گیا' ساتھ ہی قتل کی تمام تفصیلات پر مشتمل ایک پیغام اسی وقت صقلیہ کے اسقف اعظم کے نام روانہ کر دیا گیا۔

جب رات کا پچھلا پہر شروع ہوا تو آپ طلبہ کے پاس پہنچ گئے۔ دروازہ باہر سے بند کر کے فوجی مطمئن ہو گئے تھے کہ اب بندھے ہوئے اسیروں کے فرار کا کوئی امکان باقی نہیں۔ یہ تمام طلبہ آپ کو اپنے درمیان پا کر حیران رہ گئے۔ آپ نے سب کو خاموش رہنے کی ہدایت کر کے انہیں کھولنا شروع کیا۔ جو طالب علم بندشوں سے آزاد ہوتا' دوسرے کو کھولنے لگتا۔ تھوڑی ہی دیر میں سب طلبہ بندشوں سے آزاد ہو گئے۔ آپ نے ان سب کو حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا "کل شام تک تم میں سے اکثر طلبہ کو قتل کر دیا جائے گا' رومی افسر تو یہ فیصلہ پہلے ہی کر چکے ہیں' ضابطے کی جو بھی کارروائیاں ہوں گی' محض دکھاوے کے لیے ہوں گی۔"

ایک طالب علم نے کہا "اے فرشتہ رحمت! ہم جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کون ہیں؟"

"میرا نام حامد ہے۔ میں دین اسلام کا ایک پیروکار ہوں۔ ظلمتوں کے خلاف مسلسل جنگ کرنا اور روشنی پھیلانا میرا مقصد زندگی ہے۔"

"ہم اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں۔" کئی نوجوانوں نے بیک زبان کہا۔

آپ نے ان نوجوان کو کلمہ طیبہ پڑھا کر حلقہ بگوش اسلام کیا اور ان سے کہا "اب تم سب اللہ کی راہ میں آ گئے ہو۔ تمہیں اب کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں اکثریت ایسے جوانوں کی ہے جن کے ماں باپ عیسائی ہیں اور انہوں نے ہی تمہیں حصول تعلیم کے لیے یہاں بھیجا ہے۔ اب تم سب اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ اور اپنے

ماں باپ اور رشتے داروں کو سمجھاؤ کہ اگر وہ خالق کائنات کی خوشنودی چاہتے ہیں تو اسلام قبول کرلیں۔"

ایک طالب علم نے پوچھا "مگر ہم یہاں سے نکلیں گے کیسے؟؟"

"یہ میری ذمے داری ہے۔ میں تمہیں یہاں سے نکال کرلے جاؤں گا۔"

ایک اور طالب علم نے کہا "محترم! کلیسائی تربیت گاہ میں ہماری ہم قوم لڑکیوں کا کیا بنے گا؟"

"تم ان کی بھی فکر نہ کرو۔ میں انہیں بھی ان کے گھروں تک پہنچادوں گا۔ اب تم میں سے وہ لوگ ایک طرف آجائیں جن کی بہنیں یا قریب کی رشتے دار لڑکیاں تربیت گاہ میں موجود ہیں۔"

آپ کا حکم سنتے ہی بیالیس نوجوان ایک طرف کھڑے ہوگئے۔ آپ نے ان سے کہا "تم سب میرے ساتھ رہو گے' باقی نوجوان یہاں سے نکلنے کے بعد اپنے اپنے گھروں کی راہ لیں گے۔" یہ کہہ کر آپ کھڑے کھڑے نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

نوجوانوں کو حیرت ہوئی مگر اس حیرت نے ان کے ایمان کو اور مستحکم کردیا۔

آپ احاطے سے باہر پہنچے وہاں صرف دس فوجی دروازے پر پہرا دے رہے تھے۔ آپ نے ان کے قریب جاکر کہا "اگر تم اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو یہاں سے اپنے مستقر پر لوٹ جاؤ۔"

فوجیوں نے آواز کے تعاقب میں نظریں دوڑائیں مگر کوئی نظر نہ آیا اور آپ کی آواز کو سماعت کا واہمہ سمجھا۔

آپ نے پھر انہیں تنبیہہ کی۔ اس بار ان کے دل خوف سے لرزنے لگے مگر متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہی رہے۔

آپ نے اپنا جملہ دہراتے ہوئے کہا "میں یہ ہدایت تیسری اور آخری بار دے رہا ہوں۔ اب تمہیں مہلت نہیں دی جائے گی۔"

فوجی اس انتباہ پر سرپٹ دوڑ پڑے اور اپنے مستقر پر پہنچنے سے پہلے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔

آپ نے احاطے کا دروازہ کھول کر طلبہ کو آواز دے کر باہر آنے کے لیے کہا۔ جب تمام طلبہ باہر آگئے تو آپ نے فرمایا "جن بیالیس نوجوانوں کو میں نے روکا ہے ان کے سوا سب نوجوان اپنے اپنے گھر روانہ ہوجائیں اور میری ہدایات یاد رکھیں۔"

جب طلبہ چلے گئے تو آپ منتخب طلبہ کے ساتھ کلیسا کی طرف چلے۔ راستے میں ہی آپ نے معلوم کرلیا کہ وہاں بھی فوجی پہرا ہے مگر صرف دروازے پر۔

آپ نے طلبہ سے کہا "تم کلیسا پہنچو میں وہیں ملوں گا۔ اس کے بعد آپ نظروں سے

اوجھل ہوکر کلیسا پہنچے اور وہاں متعین فوجیوں کو بھی اسی طرح بھگادیا جس طرح احاطے کے نگراں فوجیوں کو بھگایا تھا۔ طلبہ جب وہاں پہنچے تو آپ کو دروازے پر موجود پایا۔ آپ نے طلبہ سے کہا "اندر آج لڑکیوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ سفید فام راہب بھی خائف ہوکر کہیں چلے گئے ہیں۔ تم لوگ جاکر لڑکیوں کو لے آؤ۔"

طلبہ حکم کی تعمیل میں جب لڑکیوں کے پاس پہنچے تو وہ سب جاگ رہی تھیں اور سخت پریشان تھیں۔ اسقف کی ہوس کا نشانہ بننے والی مظلوم لڑکی نے فوجیوں کے سامنے تو راہبوں کی موجودگی میں ان کی ایما پر جھوٹ بول دیا تھا لیکن لڑکیوں میں آکر اس نے اپنی مظلومی کی داستان رو رو کر سنائی تھی۔ طلبہ نے انہیں دلاسا دیا اور اپنے ساتھ اسلام قبول کرنے اور آزاد ہونے کا قصہ بھی مختصر طور پر سنادیا۔ ساتھ ہی انہوں نے حامد کے احسانات اور روحانی کمالات سے بھی لڑکیوں کو آگاہ کیا۔ یہ سن کر تمام لڑکیاں تربیت گاہ سے اپنے گھر جانے پر آمادہ ہوگئیں۔ اس وقت آپ بھی وہاں پہنچ گئے۔ تمام لڑکیوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا تو آپ انہیں لے کر کلیسا کی حدود سے باہر آئے۔

آپ نے لڑکیوں کو ان کے رشتے داروں کے سپرد کرتے ہوئے کہا "یہ اللہ کی امانت ہیں' انہیں حفاظت سے گھروں کو پہنچانا تمہاری ذمے داری ہے۔"

طلبہ نے اپنی رشتے دار لڑکیوں کے علاوہ ان لڑکیوں کی ذمے داری بھی قبول کرلی جو ان کے گھروں کے قریب رہتی تھیں۔ صرف پانچ لڑکیاں ایسی رہ گئی تھیں جنھیں ایسی سمتوں میں سفر کرنا تھا جدھر کوئی طالب علم نہیں جارہا تھا۔

جب یہ تمام لڑکے اور لڑکیاں بھی روانہ ہوگئے تو آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا "اے رب کریم! نومسلموں کو اسلام سے حقیقی وابستگی عطا فرما اور انہیں اپنی پناہ میں رکھ۔" دعا کے بعد آپ نے پانچوں لڑکیوں سے کہا "گھر جانے کا ارادہ کرکے آنکھیں بند کرلو اور جب تک میں نہ کہوں ہرگز آنکھیں نہ کھولنا۔"

آپ کے حکم کی تعمیل ہوگئی تو آپ نے کچھ آیات تلاوت کیں' ذرا سی دیر میں پانچوں لڑکیاں اپنے اپنے گھروں کے دروازوں پر پہنچ گئیں۔

اس وقت آپ کی بلند آواز گونجی "اب آنکھیں کھول لو۔"

لڑکیوں نے آنکھیں کھولیں تو خود کو اپنے گھروں کے سامنے پاکر دیوانہ وار گھروں میں گھس گئیں۔

آپ لڑکیوں کی ذمے داری سے فارغ ہوکر سیدھے فوجی مستقر پر پہنچے اور نظروں سے اوجھل ہوکر سب سے بڑے فوجی افسر کے کمرے میں داخل ہوگئے۔ فوجی افسر غصے میں ان فوجیوں پر برس رہا تھا جو ڈر کر بھاگ آئے تھے۔ وہ ان فوجیوں پر بھی برہم ہو رہا تھا جو یہ خبر لائے تھے کہ احاطے سے سارے طلبہ فرار ہوگئے ہیں۔ اچانک اس نے گرج کر ایک افسر

سے سوال کیا "کیا وہ فہرست بھی تم نے ابھی تک حاصل نہیں کی جس میں ان سب بدمعاش قاتلوں کے نام اور پتے لکھے ہوئے ہیں۔"

"جی نہیں، میں ابھی جاکر لاتا ہوں۔"

"تم لوگ بالکل ناکارہ ہو۔ اب صبح ہو رہی ہے، میں خود چلتا ہوں اگر وہ فہرست نہ ملی پھر ہم کسی کو بھی آسانی سے نہ پکڑ سکیں گے۔"

آپ نے فوراً تربیت گاہ تک روحانی پرواز کی اور تربیت گاہ کے دفتر میں تمام کاغذات ایک جگہ جمع کر کے ان میں آگ لگادی۔ شعلے بھڑکنے لگے تو آپ نے بذریعہ کشف معلوم کیا کہ تربیت گاہ کے استاد اور دوسرے راہب کہاں کہاں ہیں۔ معلومات فراہم ہو گئیں تو آپ نے فرداً فرداً ان کے پاس جاکر طلبہ سے متعلق بیاض یادداشت صاف کر دی۔ اس کے بعد آپ نے دریا کے کنارے جاکر وضو کیا اور نماز ادا کی، نماز سے فارغ ہو کر جبل پہنچے۔ خالد حسب معمول ملکہ دامیہ کے محل کے باغ میں صبح کی بہاروں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ آپ اطمینان سے خالد کے بستر پر لیٹے اور سو گئے۔

خالد صبح کی تفریح سے فارغ ہو کر آئے تو حامد کو دیکھ کر لمحاتی خوشی ان کے حصے میں آئی اور پھر فکر مند ہو گئے کیونکہ مقوتش نے اسی وقت ان سے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ خالد نے یہ سوچ کر خواب گاہ کا دروازہ بند کر دیا کہ جب تک مقوتش نہیں آئے گا حامد کو نہیں اٹھائیں گے۔ جب وہ آئے گا تو آپ کو بیدار کر دیں گے تاکہ آپ نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔

مقوتش حسب وعدہ نہیں آیا۔ حامد دوپہر تک سوتے رہے اور خود ہی بیدار ہو گئے۔ علیک سلیک کے بعد آپ نے خالد سے کہا "مقوتش آرہا ہے۔ میں نظروں سے اوجھل ہو کر خواب گاہ میں رہوں گا۔ آج تم کو مقوتش سے بہت اہم خبریں ملیں گی۔"

دروازے پر دستک ہوئی۔

حامد نے کہا "جاؤ دروازہ کھولو۔"

خالد نے دروازہ کھول کر مقوتش کو خوش آمدید کہا اور مقوتش کو اداس دیکھ کر پوچھا "اتنے پریشان کیوں ہو؟"

مقوتش نے قالین پر بیٹھتے ہوئے کہا "آج جب میں یہاں آنے والا تھا تو ملکہ نے مجھے طلب کر لیا۔ میں سیدھا وہیں سے چلا آرہا ہوں۔ ملکہ نے مجھے بتایا کہ رات اس نے جادو کی قوت سے اپنے مستقبل میں جھانکنے کی کوشش کی تو اس پر بہت خوفناک انکشافات ہوئے۔ ملکہ کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا لشکر افریقہ کی سرحد پر آگیا ہے، اس بار ان کی تیاریاں بہت مکمل ہیں۔ مسلمان پورے افریقہ کو روندتے ہوئے جبل تک پہنچ جائیں گے اور ملکہ اس معرکے میں قتل ہو جائیں گی۔ ملکہ کہہ رہی تھیں کہ یہ تقدیر کا اٹل فیصلہ ہے مگر وہ آخری دم تک لڑیں گی۔ مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں تمہارے ہاتھ پر اسلام قبول کر کے پناہ حاصل

کرلوں۔ میں اپنی ماں ملکہ دامیہ کی ساحرانہ پیش گوئی کو نہیں جھٹلا سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ حالات اسی طرح پیش آئیں گے جیسے انہوں نے بتائے ہیں۔ آپ سے اب تک اسلام کی حقانیت کے بارے میں جو گفتگو ہوتی رہی ہے اس کے نتیجے میں اسلام تو میں بہرحال قبول کرتا ہوں مگر اب ماں کا حکم بھی ہو گیا ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ وہ بھی اسلام قبول کرلیں لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے مجھے تنبیہہ کی کہ میں ان معاملات میں انہیں کوئی مشورہ نہ دوں جن کے متعلق میری معلومات محدود ہیں۔"

خالد نے کہا "اٹھو، میں ابھی ملکہ دامیہ سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس ملاقات میں تمہاری موجودگی بہت ضروری ہے۔"

دونوں اسی وقت ملکہ دامیہ کے پاس پہنچے۔ ملکہ نے انہیں دیکھتے ہی کہا "بہت اچھا ہوا تم بھی آگئے۔ میں آج ہی انتظامات جنگ کے لیے جبل سے جا رہی ہوں تمہیں جی بھر کر دیکھ تو لوں گی۔ تم اپنے آنے کا مدعا بیان کرو۔"

خالد نے کہا "مجھے ابھی مقوتش سے وہ سب باتیں معلوم ہوئیں جو آپ نے اسے بتائی تھیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی اسلام قبول کرلیں۔ مسلمان جوع الارض میں مبتلا نہیں ہیں اگر آپ نے اسلام قبول کرلیا تو ان کے پاس آپ پر حملہ کرنے کا کوئی جواز نہیں رہے گا۔"

"نہیں خالد، میں یہ بات تسلیم نہیں کروں گی۔ وہ حملہ آور لالچی ہیں۔ تاج و تخت کی ہوس ہی انہیں یہاں لائی ہے۔ وہ ہماری دولت ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں۔ وہ ہمارے علاقے فتح کریں گے مگر ان کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ ان کی جیت کو بھی میں ہار بنادوں گی۔ تم یہ سن کر میرے پاس آئے ہو کہ میں اس جنگ میں قتل ہو جاؤں گی، کیا تم واقعی یہ نہیں چاہتے؟"

"ہاں میں یہ نہیں چاہتا کہ طرفین کا خون بہے اور تم قتل کر دی جاؤ۔"

"تم میرا قتل کیوں پسند نہیں کرتے؟ ذرا سوچ کر جواب دو۔"

"میرے پاس اس سوال کا کوئی واضح جواب نہیں لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم ہلاک ہو جاؤ۔"

"ارے ظالم، یہ کیوں نہیں کہہ دیتا کہ میری محبت رائگاں نہیں گئی۔ تیرے دل میں بھی میرے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا ہو گیا ہے۔ ایک بار صرف ایک بار میری محبت کا اقرار کرلے تاکہ میں چین سے مر سکوں۔"

"بہی خواہی کے ہزار نام ہیں، ان میں سے کسی ایک کو میرے جذبے کا عنوان سمجھ لو۔ میں تم پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کر رہا ہوں۔"

"تم واقعی بہت ظالم ہو، خیر اس بات کو چھوڑو۔ مجھے کیا کرنا ہے، میں فیصلہ کر چکی ہوں۔

اب تم دونوں جاؤ۔"

دونوں واپسی کے لیے اٹھے ہی تھے کہ ملکہ دامیہ ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ مقوتش نے بڑھ کر اپنی ماں کو سنبھالا۔ کچھ دیر بعد جب وہ ہوش میں آئی تو چیخنے لگی "میں لٹ گئی' میں تباہ ہو گئی۔ میری ساری ساحرانہ قوتیں مجھ سے چھین لی گئیں۔"

کچھ دیر چیختے رہنے کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی پھر یہ کیفیت بھی ختم ہو گئی۔ اس نے اپنے آنسو رومال سے صاف کیے۔ چہرے سے افسردگی اور حزن وملال کے آثار مٹنے لگے اور جلد ہی چہرے پر عزم واستقلال کے رنگ بکھر گئے۔

ملکہ دامیہ نے ان دونوں کو غور سے دیکھتے ہوئے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "میں اب کاہنہ اور ساحرہ نہ سہی لیکن میں ملکہ دامیہ اب بھی ہوں' افریقہ کی سب سے بڑی قوت۔ میں مسلمانوں کو ناکوں چنے چبوا دوں گی۔" پھر اس نے انتہائی درشت لہجے میں کہا "میں نے تم دونوں سے کہا تھا کہ چلے جاؤ' تم ابھی تک یہیں ہو۔"

خالد اور مقوتش واپس ہوئے تو راستے میں مقوتش نے کہا "میں اندر سے بکھر کر رہ گیا ہوں۔ آپ اجازت دیں تو میں کچھ دیر آرام کر لوں۔ رات کو آپ سے ملاقات ہوگی۔"

خالد' مقوتش سے رخصت ہو کر اپنی خواب گاہ میں پہنچے تو حامد کو موجود پایا۔ حامد انہیں دیکھتے ہی بولے "میں نے آج افریقی ناگن کے دانت نکال دیے ہیں۔"

"تو کیا آپ نے ہی اس کی ساحرانہ قوتیں سلب کی ہیں۔"

"ہاں خالد' یہ کام بہت ضروری تھا۔ اب ایک خوش خبری اور سن لو' بربر قبائل میں تیزی سے اسلام پھیل رہا ہے۔ سردار قویہ اور سردار کسیل کو جو تبلیغ اسلام میں میری نیابت کر رہے ہیں' بہت کامیابیاں ہو رہی ہیں۔ وہ اسلام کا حلقہ اثر تیزی سے وسیع کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ قیروان میں اسلام قبول کرنے والے طالبات اور طلبہ نے بھی اسلام کی تبلیغ میں بڑی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ حسان بن نعمان فاتحانہ شان سے افریقہ میں داخل ہو چکے ہیں۔"

خالد نے حیرت سے پوچھا "یہ قویہ اور کسیل کون ہیں؟ قیروان کے طلبہ اور طالبات کا کیا معاملہ ہے؟"

آپ نے خالد کو تمام معاملات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا "وہ دن دور نہیں جب یہاں اسلامی حکومت نہ ختم ہونے کے لیے قائم ہو جائے گی۔ میں اب جا رہا ہوں۔ آج رات ہی مقوتش کو اسلام میں داخل کر لینا۔"

ملکہ دامیہ کی امداد کے لیے حسب سابق رومی فوجیں جبل پہنچ گئیں مگر بربر قبائل نے نہ صرف یہ کہ ملکہ دامیہ کا ساتھ نہیں دیا بلکہ اسلامی لشکر سے بھرپور تعاون کیا۔ ملکہ دامیہ نے ہر وہ چیز تباہ و برباد کر دی جو اس کے خیال میں مسلمانوں کے کسی کام آ سکتی تھی۔ شہر

ویران ہو گئے' بستیاں اجڑ گئیں۔ ملکہ دامیہ کے اس اقدام نے افریقہ کے لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ ان حالات میں حسان بن نعمان فتح کا پرچم لہراتے ہوئے جبل پہنچ گئے۔ آخری خون ریز معرکہ بھی جبل ہی میں ہوا۔ ملکہ دامیہ نے سرمیدان داد شجاعت دی اور آخری دم تک میدان سے نہ ہٹی۔ ایک تیر اس کے سینے میں پیوست ہوا تو وہ گھوڑے سے گر پڑی۔ فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ میدان جنگ میں جب لاشیں گنی جا رہی تھیں تو حامد اپنے ساتھ خالد اور مقوتش کو لے کر پہنچے۔ میدان میں ایک جگہ ملکہ دامیہ آخری سانس پورے کر رہی تھی مگر خالد کا نام اس کی زبان پر تھا۔ خالد نے اس حال میں اسے دیکھا تو اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکے' بے اختیار آنسو ان کی آنکھوں سے جاری ہو گئے۔ مقوتش کا بھی برا حال تھا۔ حامد نے اسے سنبھال رکھا تھا۔ ملکہ دامیہ نے آنکھیں کھول کر خالد کو اپنے پاس بیٹھے آنسو بہاتے ہوئے دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک آسودہ تبسم نمودار ہوا اور اسی لمحے اس کی روح پرواز کر گئی۔

حامد دونوں کو سہارا دے کر امیر عسکر حسان بن نعمان کے پاس لے گئے۔ حسان نے خالد کو دیکھتے ہی اسے گلے سے لگا لیا۔ حسان نے بار بار اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا "تم مل گئے تو فتح کی خوشی مکمل ہو گئی۔" پھر حامد سے مخاطب ہوئے "آپ کو اللہ جزائے خیر دے۔ بربر قبائل کو داخل اسلام کرنے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ قویہ اور کسیل سے مجھے سب حالات معلوم ہو گئے ہیں۔ وہ اسلامی لشکر ہی میں ہیں' ابھی بلواتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد قویہ اور کسیل بھی آ گئے اور آپ سے بڑی گرم جوشی سے معانقہ کیا۔ اپنے نائبین سے معانقے کے بعد آپ نے مقوتش کا ہاتھ تھام کر امیر عسکر سے کہا "یہ ملکہ دامیہ کے بیٹے ہیں مگر پہلے ہی اسلام لا چکے ہیں' ان کا خیال رکھیں۔"

دوسرے دن حسان بن نعمان نے خالد کو جبل کا اور مقوتش کو قیروان کا عامل نامزد کیا۔ ان تقرریوں کے بعد حامد نے مجاہدوں کو فتح کی مبارک باد دیتے ہوئے کہا "افریقہ میں اسلام کے لیے بڑی گنجائش ہے۔ یہاں تبلیغ کا کام بڑے پیمانے پر ہونا چاہیے۔ نومسلموں کی تعلیم کے لیے درس گاہوں کا ایک مربوط نظام رائج کرنے کی ضرورت ہے۔ مجھے امید ہے کہ امیر عسکر اس طرف خصوصی توجہ دیں گے۔ میں نے اپنی بقیہ زندگی بربر قبائل میں رہ کر اسلام کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔" اس اعلان سے بربر قبائل کے سردار بہت خوش ہوئے۔ خالد' مقوتش' کسیل اور قویہ کو بے حد مسرت ہوئی۔

آپ نے رات کو سونے سے پہلے آئندہ کا لائحہ عمل مرتب کر لیا اور صبح کی نماز کے بعد روحانی پرواز کے ذریعے بغداد پہنچ کر مسیب کے گھر پر دستک دی۔ ملازم نے آ کر نام معلوم کیا اور اندر جا کر اطلاع دی۔

مسیب دوڑتا ہوا آیا اور بغلگیر ہوتے ہوئے بولا "خدا کا شکر ہے' آپ کو اپنا وعدہ یاد

رہا۔"

پھر وہ دونوں کمرے میں جا کر بیٹھے تو پس پردہ خولہ کی آواز ابھری "میں اپنے پیارے بھائی حامد بن سعید کو خوش آمدید کہتی ہوں۔"

"آپ اچھی تو ہیں؟"

"الحمدللہ! میں بہت خوش ہوں۔ آپ کے بیوی بچے کس حال میں ہیں۔"

"میری بیوی نبیلہ' میرا بیٹا سعید اصغر اور میری بیٹی خولہ' سب خیریت سے ہیں۔"

"مجھے یہ خبر سن کر بہت ہی مسرت ہوئی۔ نبیلہ کیا کبھی بغداد نہیں آئیں گی۔"

"اس کا امکان مجھے کم نظر آتا ہے۔"

"خیران سے میرا اسلام کہہ دیجئے گا۔ ویسے آپ نے امکان ملاقات قطعاً رد بھی نہیں کیا ہے۔"

حامد نے پورا دن مسیب اور اس کے بیٹے امین کے ساتھ گزارا اور شام کو ان سے رخصت ہو کر بصرہ پہنچے۔ نبیلہ اور بچوں کی عید ہوگئی۔

ایک ہفتے بصرہ میں قیام کے بعد آپ نے نبیلہ سے کہا "میں نے خود کو اسلام کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اب ہم اپنی باقی زندگی افریقہ میں گزاریں گے۔"

نبیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا "بڑا نیک ارادہ ہے۔ میں قدم قدم پر آپ کے ساتھ ہوں۔ میری جنت آپ کے قدموں میں ہے۔ میری بس ایک خواہش ہے' اگر آپ چاہیں تو پوری کر دیں ورنہ وہ بھی آپ پر تصدق۔"

"میں جانتا ہوں کہ تمہاری تمنا کیا ہو سکتی ہے۔ ہم بصرہ سے بغداد ہی جائیں گے' وہاں خولہ سے تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔ کچھ دن اس کے ساتھ تمہیں قیام کا بھی موقع میسر آئے گا کیونکہ تمہیں وہاں چھوڑ کر میں اپنے شیخ حبیب عجمیؒ سے آخری ملاقات کے لیے چلا جاؤں گا۔"

خولہ سے ملاقات کی سبیل نکلی تو نبیلہ بہت خوش ہوئی۔

حامد بن سعید نے چند دن میں تمام اسباب اور مکانات فروخت کر دیے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ بغداد پہنچے۔ نبیلہ اور خولہ کی تمنائیں ملاقات کی صورت میں پوری ہو گئیں۔

آپ حبیب عجمیؒ کی خانقاہ میں پہنچے۔ شیخ نے بڑی محبت سے اپنے روحانی شاہکار کا استقبال کرتے ہوئے کہا "بیٹے' تم صحیح وقت پر آئے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام آ چکا ہے' سفر آخرت مجھے درپیش ہے۔ موت' زندگی کے ایک نئے سفر کے آغاز کا نام ہے۔ آج بدھ ہے' شب جمعہ کو میرا فراق' وصال آشنا ہوگا۔ نماز جمعہ سے قبل مجھے اسی خانقاہ میں دفن کر کے چلے جانا۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تم نے اپنے رب کو راضی کر لیا ہے۔ بربر قبائل میں

تمہاری تبلیغ اسلام کے لیے بہت مفید ثابت ہوگی۔ انہی وحشی قبائل کی نسلیں آگے چل کر اسلام کی عظمت کا نشان بن کر ابھریں گی۔"

آپ ہر وقت اپنے شیخ کی خدمت میں مصروف رہے۔ شب جمعہ کو حبیب عجمیؒ واصل بحق ہوئے۔ ان کی وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین کے بعد آپ بغداد پہنچے۔ اہل و عیال کو ساتھ لیا اور افریقہ روانہ ہوئے۔

صطفورہ میں آپ نے سردار قوبیہ کی بستی میں قیام کیا۔ وہاں آپ نے ایک مسجد بنوائی اور اس سے ملحق ایک بڑا مدرسہ قائم کیا۔ لڑکوں اور بالغ مردوں کی تعلیم کی ذمے داری آپ نے خود قبول کی۔ عورتوں اور لڑکیوں کی تعلیم نبیلہ کے سپرد کر دی۔ آپ کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ آپ تنہا اتنا بڑا کام انجام نہ دے سکیں گے چنانچہ ایک رات حسان بن نعمان کے خواب میں نمودار ہوئے اور کہا "میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ افریقہ کے مقبوضات پر اگر حکومت برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو یہاں دینی مدارس کے قیام پر فوری توجہ دیں۔ میں صطفورہ میں اپنا کام شروع کر چکا ہوں اور مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ آپ ابھی تک غفلت سے کام لے رہے ہیں۔ آپ برقہ میں ہیں۔ وہاں ذوق و تبلیغ رکھنے والے علما کو پہلی فرصت میں بھیج دیجئے۔ اس کے بعد بغداد' کوفہ اور بصرہ سے جس قدر علما دستیاب ہوتے رہیں روانہ کرتے رہیں۔"

آپ نے جتنی باتیں خواب میں حسان بن نعمان سے کہی تھیں' صبح انہوں نے یاد تو رہیں مگر انہوں نے اس حقیقت خواب نما کو خواب ہی سمجھا۔ نے ان کی یہ بے اعتنائی دیکھتے ہوئے فوراً روحانی سفر کیا اور برقہ پہنچ کر ان کا شدت سے محاسبہ کیا تو انہوں نے شرم سے گردن جھکا لی اور کہا "آج کے بعد مجھ سے یہ کوتاہی نہ ہوگی۔ میں ابھی برقہ کے علما کو طلب کرتا ہوں۔ آپ ان سے گفتگو کر لیں۔"

برقہ کے علما آپ کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے۔ اٹھارہ نوجوان عالم اسی دن آپ کے ساتھ ہو لیے۔

صطفورہ پہنچ کر آپ نے سردار کسیل' سردار قوبیہ' سردار واشو عامل جبل خالد' عامل قیروان مقوتش اور دیگر نو مسلم بربر سرداروں کا ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا۔ اس اجلاس میں نظام تعلیم و تبلیغ کے لیے اہم ترین فیصلے ہوئے۔ عاملین اور سرداروں نے اس مد میں معقول مالی اعانت کی۔ حسان بن نعمان نے بھی اپنے وعدے پورے کر دیے۔ آپ نے سالہا سال کی انتھک کوشش سے مختلف علاقوں میں نہ صرف ایک سو ایک مدرسے قائم کیے' مساجد بنوائیں بلکہ شوق عبادت اور ذوق تعلیم کو بیدار کر کے مسجدوں کے لیے نمازی اور مدارس کے لیے طلبہ کثیر تعداد میں فراہم کیے۔ بربر قبائل کی زندگی میں ایسا انقلاب آیا کہ بربریت کے معنی بدل گئے۔ اگر پہلے بربریت کے معنی ظلم اور سفاکی تھے تو آپ کی سعی

مشکور سے بربریت محبت واخوت بن گئی۔

حامد اپنی بیٹی کی شادی سردار کسیل کے عالم بیٹے نعیم سے کر چکے تھے اور بیٹا سعید اصغر افق پر آفتاب بن کر جگمگا رہا تھا۔ آپ کی صحت اب اس بات کی اجازت نہ دیتی تھی کہ سارے تبلیغی نظام کی نگرانی کر سکیں اس لیے سعید اصغر کو اپنی بہت سی ذمے داریاں سونپ دیں۔

ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک قافلہ حجاز مقدس کی طرف جا رہا ہے۔ قافلے کے امیر نے کہا "آپ بھی ہمارے ساتھ چلیے۔ اس قافلے میں صرف وہ لوگ شریک ہیں جن کا خمیر اس ارض کی خاک سے اٹھا ہے۔ یہ وہیں جا کر واصل بحق ہوں گے' وہیں کی مقدس زمین ان کے لیے کشادہ آغوش ہوگی۔ آپ بھی تو اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ چلتے کیوں نہیں؟"

صبح اٹھے تو اپنے بیٹے کو بلا کر پوچھا "آج کیا تاریخ ہے؟"

"آج ذی الحج کی پانچ تاریخ ہے۔ ایک سو سولہ ہجری کا پہلا عشرہ اپنی نصف منزل طے کر چکا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے باپ کی عمر تریسٹھ سال ہو چکی ہے اور اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ......" آپ جملہ مکمل کیے بغیر خاموش ہو گئے۔

بیٹے نے گھبرا کر پوچھا "اس کا کیا مطلب ہوا' بتایئے' خاموش کیوں ہو گئے؟"

آپ نے کہا "بیٹے! مجھے آج ہی حج کے لیے روانہ ہونا پڑے گا۔ میرا انتظار نہ کرنا۔ اپنی ضعیف ماں کا ہر طرح خیال رکھنا۔ جس کام کا میں نے آغاز کیا تھا' وہ کام بربر قبائل میں مکمل ہو جائے تو افریقہ کی وسعتوں میں نور توحید پھیلانے کے لیے نکل کھڑے ہونا۔"

سعید اصغر کی تربیت روحانی کم نہ تھی۔ وہ بات بھی سمجھ لی جو باپ نے چھپائی تھی۔ آپ اسی دن سب سے ملاقات کرنے کے بعد روحانی پرواز کے ذریعے حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

افریقہ میں اس کے بعد مدتوں انتظار ہوتا رہا مگر جنت المعلیٰ کی خاک کسی کا دامن پکڑ لے تو وہ کیسے چھڑا سکتا ہے۔

○☆○

مہران مہر

مغلیہ تاجدار جہانگیر کے عہد میں ظہور کرنے والے اللہ کے ایک برگزیدہ بندے کی سوانح مبارک

قاضی سائیں ڈینو کو دایہ نے پہلے بیٹے کی ولادت کا مژدہ سنایا اور منہ مانگا انعام لے کر رخصت ہو گئی۔ آپ دل کی مسرت خیز دھڑکنوں کی ناہمواری کو قابو کرتے ہوئے دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ چہیتی بیوی کی آنکھیں بند ہیں مگر آنسو رخساروں پر ڈھلک رہے ہیں۔ گمان ہوا کہ کرب تخلیق کا فطری ردعمل اشکوں میں ڈھل گیا ہے۔ بیوی کو مخاطب کرنے کی خود میں جرات نہ پا کر بچے کو اٹھا لیا۔ صورت سے ابھرنے والی شباہتوں پر ایک گہری نظر ڈال کر ایک کان میں اذان اور ایک کان میں اقامت پڑھی۔ اس کے بعد بچے کو واپس بیوی کی آغوش میں لٹا دیا۔ اشکبار آنکھیں کھل گئیں' قاضی سائیں ڈینو کو دیکھا اور اشکوں کی روانی مزید تیز ہو گئی۔

"اب طبیعت کیسی ہے فاطمہ؟" قاضی سائیں ڈینو نے بیوی کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"اچھی ہوں' ہر لحہ درد کی شدت میں کمی آتی جا رہی ہے۔ میرے رونے کا سبب درد نہیں ہے۔ میں نے ایک ناآشنا درد کے طوفان کو ضبط کرنے میں ایک آنسو بھی ضائع نہ ہونے دیا۔ میرے اشکوں کا رشتہ تو اللہ تعالیٰ کی یاد سے رہا ہے اور اس وقت بھی یہ آنسو بارگاہ کریم ہی میں نذر کر رہی ہوں کیونکہ یہ بچہ جو اس وقت بصورت انعام خداوندی میری آغوش میں ہے' ویسا نہیں ہے جیسی میری تمنائیں اور دعائیں تھیں۔ میں دیکھ رہی ہوں' یہ سیدھا سادہ دین دار ہے۔ نہ یہ تمہارے علم و فضل کا وارث ہے نہ میری روحانیت کا امین۔"

قاضی سائیں ڈینو' بی بی فاطمہ کے مقام اور مرتبے سے واقف تھے۔ ان کے علم میں یہ بات تھی کہ بی بی فاطمہ اپنے والد محترم قاضی قادن فاروقی کی روحانی تربیت اور اللہ کے فضل سے مرتبہ ولایت پر فائز ہیں۔

"فاطمہ' کیا تم ظہور رحمت کے مدارج اور تربیت کو نظر انداز کر رہی ہو۔" قاضی

سائیں بولے "دعا تو اب بھی ہماری نیاز مندیوں کا سرمایہ ہے۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاؤ۔ میں تمہاری دعا میں شریک ہوں۔"

"رب کریم ہمیں ایک فرزند صالح بھی عطا فرما جو تجھے محبوب رکھتا اور جسے تو پسند فرماتا ہو۔"

اس دعا کی گونج در و دیوار کی ہمنوائی سے فارغ بھی نہ ہوئی تھی کہ ہاتف غیب کی ندا آئی "سعادت آثار فرزند کی ولادت کا انتظار کرو۔"

اس بشارت کے دو سال بعد ۹۵۷ھ میں اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا فرمایا۔ بی بی فاطمہ کا گھر ان کے دل کی طرح مسرتوں سے جگمگانے لگا۔ نومولود کا نام میر محمد تجویز کیا گیا۔

○☆○

وادی مہران اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں نوجوان سپہ سالار محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح ہوئی۔ سندھ کا آخری طاقتور راجہ مقتول ہوا۔ اسلامی اقتدار کے قدم جم گئے۔ مقامی آبادی جوق در جوق اسلام کی صداقت کبریٰ کو قبول کرنے لگی۔

اسلام کی اشاعتی ضرورتیں بڑھیں تو بلاد اسلامیہ سے ذوق تبلیغ رکھنے والے علما، فضلا اور صوفیا کا وادی مہران میں ورود ہوا۔ کلمہ طیبہ پڑھنے سے دل میں اسلامی انقلاب کی بنیاد پڑتی ہے مگر ایمان کی تکمیل قرآنی تعلیمات کی آگاہی اور ان پر کاربند رہنے کے عزم صمیم سے ہوتی ہے۔ قرآنی علوم کی اشاعت کے لیے آنے والوں میں قاضی سائیں ڈینو کے آباواجداد بھی شامل تھے۔ وہ نسب کے اعتبار سے فاروقی تھے۔ صرف اٹھائیس واسطوں سے ان کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے مل جاتا ہے۔ فاروقی شیوخ منصب قضاۃ پر فائز ہو کر سہون میں آبسے تھے، جو اس وقت سیوستان کا صدر مقام تھا۔

قاضی میر محمد فاروقی ہی کو میاں میرؒ کے اعزازی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ میاں میر کی ابتدائی تعلیم کی ذمے داری ان کی والدہ بی بی فاطمہ نے اپنے ذمے لی۔ چھ سال کی عمر میں قرآن پاک کی ناظرہ تلاوت میں تجوید کے ساتھ روانی پیدا کر لی۔ قاضی سائیں ڈینو نے فارسی اور عربی کے لیے اپنی آغوش تربیت میں لے لیا۔ ذہین طباع، قوی الحافظہ بیٹے نے اپنی خداداد معجزانہ صلاحیتوں سے تفسیر و حدیث میں عمر کے پیش نظر حیرت ناک درک حاصل کر لیا مگر اس سے پہلے کہ نصاب کی تکمیل ہوتی، قاضی سائیں ڈینو ۹۷۱ھ میں چودہ سالہ میاں میر کو خدا کے سپرد کر کے واصل بحق ہو گئے۔

قاضی سائیں ڈینو کی وفات سے خاندانی نظام وقتی طور پر درہم برہم ہو گیا مگر خدا کا دیا گھر میں بہت کچھ تھا۔ مومن ماں بی بی فاطمہ نے اپنے بچوں کو کسی قسم کی محرومی کا احساس نہ ہونے دیا۔ فاطمہ کو صرف ایک فکر تھی کہ میاں میر اپنی تعلیم مکمل کر لیں۔ علما سہون میں

بھی تھے مگر بی بی فاطمہ کے کشف باطن نے سہون کے علما کو اپنے بچے کی تعلیم کے لیے قبول نہ کیا۔ سہون سے جانب شمال تقریباً چالیس کوس کے فاصلے پر ایک شہر پاٹ تھا۔ سندھ میں اسے ہمیشہ علمی مرکز کی حیثیت حاصل رہی تھی۔ پاٹ میں قاضی سائیں ڈینو کے ایک شاگرد علامہ موسیٰ باغبانیؒ اپنے علم و فضل سے تشنہ کامان علم کو سیراب کر رہے تھے۔ بی بی فاطمہ چاہتی تھیں کہ میاں میر علامہ موسیٰ باغبانیؒ سے پڑھیں مگر فاصلہ مانع تھا۔ وہ چودہ سالہ بچے کو خود سے جدا بھی کرنا نہیں چاہتی تھیں اور چالیس کوس کا فاصلہ بھی روزانہ طے کرنا امر دشوار تھا۔ رات اسی اضطراب میں جب آنکھ لگی تو دیکھا کہ ایک بزرگ قاضی قلندر فاروقیؒ جو میاں میر کے دادا تھے، خواب میں تشریف لائے اور فرمایا "بیٹی! اتنی پریشان کیوں ہو۔ میاں میر انشاء اللہ پاٹ ہی میں تعلیم پائے گا۔ کل موسیٰ باغبانیؒ خود سہون پہنچنے والا ہے۔ وہ تم سے بھی آکر ملے گا۔ میاں میر کو اس کے سپرد کر دو۔ اس سے کہہ دینا کہ میاں میر روز پاٹ آئے گا اور درس کے بعد واپس سہون آجایا کرے گا مگر وہ اس بات کو راز رکھے۔ وہ کسی کو یہ نہ بتائے کہ میاں میر کہاں سے تعلیم حاصل کرنے آتا ہے۔"

بی بی فاطمہ نے کہا "مگر آنے جانے کی کیا سبیل ہو گی؟"

قاضی قلندر نے ارشاد فرمایا "ایک گھوڑا تمہیں اپنے گھر کے دروازے پر ملے گا۔ وہی میاں میر کی سواری میں رہے گا۔"

بی بی فاطمہ کی صبح آنکھ کھلی تو خواب اپنی پوری تفصیل کے ساتھ آپ کو یاد تھا۔ وہ گھر کے دروازے پر پہنچیں تو دیکھا کہ ایک بہت خوب صورت مشکی گھوڑا دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ وہ گھوڑے کو دروازے کے اندر لے آئیں اور اسے گھر کے احاطے میں چھوڑ دیا۔ خواب کے ایک حصے کی صحت کا تعین ہونے کے بعد آپ نے علامہ موسیٰ باغبانیؒ کی ضیافت کا بھی اہتمام فرمایا۔

باغبانیؒ آئے، کچھ رقم نذر کر کے خیریت دریافت کی اور اجازت چاہی۔

بی بی فاطمہ نے فرمایا "کھانا کھا کر ہی جاسکو گے۔ کھانا تیار ہے۔ مجھے تمہاری آمد کی اطلاع قاضی قلندر سائیں نے دے دی تھی۔"

علامہ موسیٰ کی آنکھوں میں فرط مسرت سے آنسو بھر آئے۔ وہ کہنے لگے "میری تو قسمت جاگ اٹھی کہ ایسے جلیل القدر بزرگ بھی مجھ ناچیز پر نگاہ کرم رکھتے ہیں۔ کیا انہوں نے میرے متعلق کچھ اور بھی فرمایا؟"

"ہاں ایک بات اور ارشاد فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ میاں میر کو تم پڑھاؤ گے۔"

علامہ موسیٰؒ نے کہا "میں اپنے استاد محترم قاضی سائیں ڈینو کے احسانات کا بدلہ تو نہیں اتار سکتا مگر مجھے خوشی ہو گی کہ ان کا سکھایا ہوا علم انہی کے فرزند ارجمند کو سکھاؤں۔"

تعلیم کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ میاں میر کو اپنے ساتھ میں پاٹ لے جاؤں۔ دوسری صورت یہ کہ پاٹ چھوڑ کر سہون میں خود آبسوں۔"

بی بی فاطمہ نے کہا "میرے خیال میں ایک تیسری تجویز ہے' وہ یہ کہ میاں میر سہون سے روزانہ صبح پاٹ جائے گا اور شام کو لوٹ آئے گا۔ اس مقصد کے لیے ایک گھوڑا فراہم ہوگیا ہے۔ تم سے اس باب میں صرف ایک احتیاط کا مطالبہ ہے۔ تم یہ بات کسی کو نہ بتانا کہ میاں میر سہون سے روزانہ پاٹ آتا جاتا ہے۔"

علامہ موسیٰ باغبانیؒ تصویرِ حیرت بنے ہوئے سب باتیں سنتے رہے۔ وہ بی بی فاطمہ کی عظمت سے واقف تھے۔ رازداری کا وعدہ کرلیا اور کھانا کھا کر رخصت ہوگئے۔

اس معاہدے کے بعد تیسرے دن نمازِ فجر پڑھ کر میاں میر مشکی غازی پر سوار ہو کر پاٹ کی طرف چل پڑے۔ گھوڑے کی صبا رفتاری پر میاں میر حیران تھے۔ ایک گھنٹے میں پاٹ پہنچ گئے۔

استادِ محترم نے پوچھا "کیا رات ہی چل پڑے تھے؟"

میاں میر بولے "میں تو نماز پڑھ کر روانہ ہوا تھا مگر مشکی غازی ہوا سے بھی تیز دوڑتا ہے۔"

علامہ موسیٰ باغبانیؒ نے اسے کرامت پر محمول کرکے سکوت اختیار کرلیا اور پوری توجہ سے اپنے ذہین شاگرد کو پڑھانے لگے۔ میاں میر روز آتے اور واپس ہوجاتے۔ یہ معمول تین سال تک جب جاری رہ چکا تو ایک رات کچھ ڈاکو صبا رفتار مشکی غازی کو چرانے کے لیے آگئے۔

مشکی غازی کی صبا رفتاری کے چرچے دور تک پھیل گئے تھے۔ چور جب مشکی غازی کے پاس پہنچے تو وہ اپنی جگہ سے غائب ہوگیا۔ چور پہلے تو عالمِ حیرت میں ادھر ادھر دیکھتے رہے لیکن جلد ہی حیرت پر خوف غالب ہوگیا۔ وہ شور مچاتے ہوئے بھاگ اٹھے۔ یہ سارا منظر بی بی فاطمہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ ابھی وہ تہجد کے لیے بیدار ہوئی تھیں کہ احاطے میں ہونے والی آہٹوں نے آپ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلی تھی۔ چور بھاگ لیے تو آپ باہر نکلیں' دیکھا کہ مشکی غازی اپنی جگہ موجود ہے۔ آپ مسکراتی ہوئی اس کے پاس پہنچیں اور شفقت سے اس کی کمر تھپکی پھر واپس ہوگئیں۔

صبح حسبِ معمول میاں میر درس گاہ کے لیے چلنے لگے تو آپ نے فرمایا "آج شام واپسی میں اپنے استاد کو ساتھ لے آنا۔"

دن بھر کے درس کے بعد میاں میر واپس ہونے لگے تو موسیٰ باغبانیؒ بھی ان کے ساتھ ہی گھوڑے پر سوار ہوگئے۔ میاں میر نے والدہ کا یہ پیغام صبح جاتے ہی استاد کو دے دیا تھا۔

گھوڑا آبادی سے نکلتے ہی جب اپنی رفتار پر آیا تو موسیٰ باغبانیؒ نے خوف سے آنکھیں بند کرلیں مگر اپنے خوف کو شاگرد پر ظاہر کرنے میں محتاط رہے۔ وہ بخیریت تمام گھر پہنچ گئے۔

مغرب کی نماز کے بعد بی بی فاطمہ نے ان سے کہا "میں بہت خوش ہوں کہ تم بڑی توجہ سے پڑھا رہے ہو۔ کیا تم بھی میاں میر کی تعلیم سے مطمئن ہو؟"

علامہ موسیٰ باغبانیؒ نے کہا "مائی صاحبہ! میں نے جب سے انہیں پڑھانا شروع کیا ہے' روزانہ کوئی کرامت ظہور میں آتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں اس طالب علم کو پڑھا رہا ہوں جو سب کچھ جانتا ہے۔ مجھ سے اگر کہیں سہو ہوجاتی ہے تو یہ اس کی اصلاح کردیتے ہیں۔ میں خود حاضر ہونے کے لیے کئی دن سے سوچ رہا تھا کہ آپ سے عرض کروں کہ میاں میر فقہ' اصولِ فقہ' تفسیر' حدیث اور علومِ عقلیہ میں کمال حاصل کرچکے ہیں۔ انہیں اب مزید تعلیم کی ضرورت نہیں۔"

یہ بات سن کر بی بی فاطمہ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

علامہ موسیٰ باغبانیؒ نے کہا "میں دستار اور سند کل ہی پیش کردوں گا۔"

بی بی فاطمہ بولیں "دستار و سند میری نگاہ میں اتنی اہم نہیں جتنا تمہارا یہ کہنا کہ انہیں اب مزید تعلیم کی ضرورت نہیں ہے اور مروجہ علوم میں یہ کمال حاصل کرچکے ہیں۔" یہ ارشاد فرما کر وہ گھر کے ایک دوسرے کمرے میں گئیں' واپس آئیں تو ان کے ہاتھ میں ایک تھیلی تھی جس میں کلدار روپے تھے۔ آپ نے تھیلی میاں میر کو دیتے ہوئے کہا "یہ اپنے استاد کی خدمت میں نذر کرو!"

علامہ موسیٰ باغبانیؒ نے نذر قبول نہ کرنے کے لیے بہت سی معذرتیں پیش کیں مگر رقم قبول کرنا ہی پڑی۔

بی بی فاطمہ نے نذر قبول ہوجانے کے بعد کہا "اگر تم چاہو تو رات یہیں قیام کرو۔ اگر ابھی واپس جانا چاہو تو گھوڑا موجود ہے' گھر پہنچ کر اسے چھوڑ دینا۔ یہ خود ہی واپس آجائے گا۔"

علامہ باغبانیؒ نے آسمان پر بارہ تاریخ کے چاند کو دیکھتے ہوئے کہا "اگر ہم اسی وقت اجازت مل جائے تو بہتر ہے۔"

بی بی فاطمہ نے "فی امان اللہ" کہہ کر رخصت کیا۔

مشکی غازی نے چند منٹوں میں علامہ کو گھر پہنچا دیا۔ گھو سے علامہ نے کہا "غازی' تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں۔" اتنا کہہ کر گھر میں تشریف لے گئے اور جلد ہی فارغ التحصیل ہونے کی ایک سند لکھی اور ایک دستار صندوق سے نکال کر دونوں چیزیں رومال میں باندھ لیں پھر باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ مشکی غازی غائب ہے۔ قریب ہی ایک

خوش پوش نوجوان کھڑا ہوا تھا۔ علامہ نے اسی نوجوان سے پوچھا "یہاں ابھی مشکی غازی نام کا گھوڑا کھڑا تھا' کیا آپ نے اسے کسی طرف جاتے ہوئے دیکھا ہے؟"

نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا "جی فرمایئے' میں ہی مشکی غازی ہوں۔ میں ہی آپ کو سہون سے یہاں لایا ہوں۔"

علامہ نے کہا "مگر یہ کیسے ممکن ہے' یہ سب کچھ کیا ہے؟"

نوجوان نے کہا "علامہ صاحب' اگر یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی تو میں عرض کرتا ہوں۔ میں جن ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری قوم کو صلاحیت دی ہے کہ جیسی چاہیں صورت اختیار کرلیں۔ میرے مرشد قلندر کے پوتے کی تعلیم کا مسئلہ سامنے آیا تو میں نے اپنی خدمات پیش کردیں اور میری تجویز پر مجھے مشکی گھوڑا بن جانے کی اجازت ملی۔ اس کے دو فائدے مرتب ہوئے۔ پہلا یہ کہ سہون سے پاٹ تک کی مسافت میری تیز رفتاری سے مختصر ہوگئی۔ دوسرا یہ کہ صاحبزادے صاحب کی حفاظت کا بھی انتظام ہوگیا۔ دستار اور سند مجھے دے دیجئے' میں پہنچادوں گا۔"

علامہ موسیٰ باغبانیؒ نے رومال میں بندھی ہوئی دونوں چیزیں نوجوان کو دیتے ہوئے پوچھا "اپنا نام تو بتادو۔"

نوجوان بولا "پہلے میرا نام کیا تھا' میں اسے بھول جانا چاہتا ہوں۔ اب میرا پسندیدہ نام مشکی غازی ہے۔" یہ کہتے ہی غازی وہیں کھڑے کھڑے ہوا میں تحلیل ہوگیا۔

تھوڑی دیر بعد میاں میر کے دولت کدے پر دستک ہوئی تو بی بی فاطمہ نے کہا "جاؤ بیٹے! مشکی غازی تمہاری سند اور دستار لے کر آگیا۔"

میاں میر باہر تشریف لائے تو ایک نوجوان کو اپنا منتظر پایا۔ اس نے بڑھ کر میاں میر کی دست بوسی کی اور امانت آپ کے سپرد کر کے غائب ہوگیا۔ آپ حیران حیران سے والدہ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے پاس بٹھایا' رومال کھولا اور دستار نکال کر بیٹے کے سر پر باندھی اور سند ہاتھ میں دیتے ہوئے بیٹے سے کہا "علم ظاہر کی تکمیل کے بعد ہی علم باطن کا آغاز ہوتا ہے اور میں خوش ہوں کہ اس کا آغاز بھی آج ہی سے ہوگیا ہے۔ میں تمہارے چہرے پر حیرت اور تجسس کو واضح دیکھ رہی ہوں۔ تم مشکی غازی کو گھوڑے کی صورت میں دیکھنے گئے تھے مگر وہ تمہیں اپنی اصلی صورت میں ملا۔ وہ قوم اجنہ میں سے تھا۔ وہ تمہارا دوست ہے اور تمہارا دوست رہے گا۔ ہوا میں اس کا تحلیل ہوجانا اس کے خلقی خواص کا مظاہرہ تھا۔ انسان تو اشرف المخلوق ہے۔ اس کے کمالات جب تمہارے سامنے آئیں گے تو اس وقت تمہارا کچھ اور ہی عالم ہوگا۔"

رات میاں میر جب استراحت کے لیے بستر پر پہنچے تو نیند کا کوسوں تک پتا نہ تھا۔ انہیں

رہ رہ کر خیال آتا رہا کہ وہ تین سال جس مشکی غازی کی سواری کرتے رہے' وہ گھوڑا نہیں جن تھا۔ اجنہ ہر قالب میں خود کو ڈھال سکتے ہیں۔ انسان ایسی قوتوں کا مالک ہے کہ جنوں جیسے طاقت ور گروہ اس کے زیر نگیں ہوجاتے ہیں۔ عناصر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تصرف عطا فرماتا ہے مگر یہ سب کچھ کیسے ہوتا ہے؟ انسان پر اس کے فضائل کا دروازہ کس طرح کھلتا ہے؟ اللہ اور بندے کے درمیان جو حجابات حائل ہیں کس طرح اٹھتے ہیں؟ انسان اور کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ ایک دوسرے سے ان کا کیا رابطہ ہے؟ سوالات ذہن میں ابھر رہے تھے مگر اب تک حاصل کئے ہوئے علم کے پاس ان سوالات میں سے بیشتر کا جواب نہیں تھا۔

آپ تادیر انہی امور پر سنجیدگی سے غور کرتے رہے اور آخر کار یہی نتیجہ اخذ کیا کہ بقول والدہ محترمہ کوئی باقاعدہ علم اور بھی ہے جو رازہائے سربستہ کھولتا ہے۔ آپ نے فیصلہ کرلیا کہ صبح والدہ سے علم باطن کی مبادیات دریافت کریں گے۔ آپ سوچتے سوچتے سو گئے۔ صبح نماز کے بعد والدہ کو حسب معمول تلاوت کلام الٰہی میں مصروف پایا۔ آپ بھی تلاوت میں مصروف ہوگئے۔

تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد ماں نے بیٹے کو اپنے پاس بلایا اور کہا "بیٹے' میں نے اور تمہارے باپ نے تمہیں اللہ تعالیٰ سے اسی لیے مانگا ہے کہ تم جہان ولایت میں ہمیشہ جگمگاتے رہو اور اللہ تمہیں اپنے قرب کے لیے منتخب کرلے۔ رات جتنی باتیں تم نے سوچی ہیں' میں ان سے واقف ہوں۔ میری باتیں توجہ سے سنو! فکری طور پر تم مطمئن ہوجاؤ گے۔" یہ کہہ کر بی بی فاطمہ نے چند لمحے توقف کیا پھر ارشاد فرمایا "تصوف میں بنیادی بات اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت ہے اور محبت الٰہی یہ ہے کہ اس کی آرزو اس طرح قلب پر محیط ہوجائے کہ نہ قلب میں کسی اور کی محبت رہے نہ کسی کی محبت قلب میں سما سکے۔ عشق ایسی آگ ہے جو اللہ تعالیٰ کی آرزو کے علاوہ ہر تمنا کو جلا کر خاک کردیتی ہے۔ یاد رکھو' اپنا انکار حق کا اقرار ہے اور اپنا اقرار حق کا انکار۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہوجاتا ہے تو قلب پر حق کی تجلیات کا ورود ہوتا ہے۔ تمام حواس حق کے ترجمان ہوجاتے ہیں اور یہی وہ منزل ہے جہاں بندے کا ارشاد اللہ ہی کا ارشاد ہوتا ہے' خواہ زبان اسی کی ہو کشف' خرق عادت' کرامت' نظر' خبر اور تسخیر' وہ خصوصیات ہیں جو ضمناً بطور انعام میسر آئی ہیں۔ جو لوگ حق کے اقرار کے لیے اپنی نفی کئے بغیر ان خصوصیات کو اپنی ذات میں دیکھنا چاہتے ہیں' وہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ ان کے دامن گوہر مراد سے خالی رہتے ہیں۔ میں تمہیں اسم ذات کا شغل سکھادوں گی اور انشاء اللہ تعالیٰ محبت الٰہی کی آگ بھڑک اٹھے گی مگر تمہارا حصہ میرے پاس نہیں ہے۔ تمہیں اس راہ میں ضرور کوئی خضر طریق مل

جائے گا اور تمہاری محبت سرخرو ہوگی۔"

میاں میر نے اپنی والدہ محترمہ سے اسم ذات کا شغل سیکھا اور پورے اخلاص سے اس میں مشغول ہوگئے۔ مسلسل روزے، شب زندہ داری، تلاوت قرآن مجید اور ذکر میں چھ ماہ گزر گئے۔ محویت و استغراق کی کیفیت طاری رہنے لگی۔ ایک رات استغراق خروش میں تبدیل ہوگیا۔ اللہ کے فلک شگاف نعروں سے پوری بستی گونج اٹھی۔

صبح بی بی فاطمہ نے بیٹے سے پوچھا "اگر ذکر آہستہ کرو تو کیا قباحت ہے؟؟"

آپ نے کہا "آہستہ آہستہ ذکر کرنے سے میں انقباض محسوس کرتا ہوں۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرا دم گھٹ جائے گا۔"

یہ بات سن کر آپ اس طرح مسکرائیں جیسے باغباں نے اپنے لگائے ہوئے پودے میں پہلا پھل دیکھا ہو۔ آپ نے بیٹے سے کہا "اگر یہ کیفیت ہے تو تمہیں بستی چھوڑنی ہوگی۔ بے خوفی سے کسی بھی ویرانے میں ذکر الٰہی کرو اور جس قدر بلند آہنگی سے ذکر کرسکتے ہو کرو۔"

ایک صبح ماں نے اپنے بیٹے کو خوشی خوشی رخصت کیا۔ نہ زاد سفر تھا، نہ فاضل کپڑے، نہ بستر۔ میاں میر گھر سے روانہ ہوئے تو ماں دروازے پر کھڑی ہوئی دیکھتی رہیں۔ جب لخت جگر نظر سے اوجھل ہوا تو کہا "اللہ حافظ و ناصر ہے۔" یہ کہہ کر گھر میں داخل ہوگئیں۔

میاں میر کی کوئی متعین منزل نہ تھی۔ عالم وارفتگی میں جدھر منہ اٹھا، چل پڑے۔ چلتے چلتے منچھر جھیل کے پاس پہنچ گئے۔ سندھ کی یہ بہت وسیع و عریض جھیل ہے۔ وہاں پہنچ کر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے سمندر کے کنارے آکھڑے ہوئے ہیں۔ جب آپ منچھر جھیل پہنچے تو آدھی رات گزر چکی تھی۔ آپ نے کنارے پر بیٹھ کر ذکر شروع کردیا۔

صبح میربحروں (ملاحوں) کی آمدورفت شروع ہوگئی تو آپ دوسرے اشغال میں مصروف ہوگئے۔ دوپہر کو بھوک محسوس ہوئی مگر آس پاس کھانے کا کوئی آسرا نہ تھا۔ آپ آنکھیں بند کرکے بیٹھ گئے۔ ابھی اس عالم کو زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ کھانے کی تیز خوشبو نے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ آپ نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ گرم گرم چاول ایک برتن میں آپ کے سامنے رکھے ہیں اور ان چاولوں پر بھنی ہوئی مچھلی کے گرم قتلے رکھے ہوئے ہیں۔ ادھر ادھر دیکھا تاحد نظر کوئی نظر نہ آیا۔ آپ نے اس غیبی دعوت کو قبول کرکے کھانا تناول فرمایا اور کھانا کھا کر لیٹے تو نیند آگئی۔

آپ ایک سال تک وہیں عبادت و ریاضت میں مصروف رہے، پھر وحشت شوق نے انگڑائی لی اور وہاں سے چل پڑے۔ آبادیوں سے بچتے بچاتے، یا اللہ کی صداؤں سے دشت و در میں زلزلہ پیدا کرتے ہوئے آج کے تھانہ بولان کے پاس کوہستان کیرتھر کے ایک پہاڑ

"کانبھو" پہنچ گئے۔ وہاں نعرہ ہائے ذکر کی آسودگی کا سامان بہم ہوا۔ کانبھو جبل میں ایک ایسا مقام دریافت ہوا جہاں آواز کی بازگشت پیدا ہوتی تھی۔ آپ جب یا اللہ کا نعرہ مارتے تو آواز کی بازگشت سے ایسا سماں بندھتا جیسے دو ذاکر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے اس طرح ذکر کررہے ہیں کہ ایک جب "یا اللہ" کا نعرہ لگاتا ہے تو فوراً دوسرا بھی "یا اللہ" کا نعرہ لگاتا ہے۔

جب بھوک لگتی کھانا پانی غیب سے فراہم ہوجاتا۔ ایک رات کچھ دیر آنکھ لگی تو سوگئے۔ تھوڑی دیر بعد آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک اژدھا آپ کے قریب ہی مردہ پڑا ہوا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے اس کا سر کچل کر ہلاک کردیا ہے۔ کانبھو جبل کی خلوتوں میں ذکر و فکر اور کیفیات بہت حسین تھے۔ وہاں آپ نے چار سال قیام کیا اور پھر وہاں سے بھی نیچے اتر کر چل پڑے۔ کبھی چانڈکا کی طرف نکل گئے، کبھی ٹلٹی، بوبک، انڑپور اور لکی شاہ کو عزت بخشی اور رنی کوٹ کے تاریخی قلعے کی ویرانیوں کو آباد کیا۔ اس طرح تین سال اور عالم مستی میں گزر گئے۔ شہروں سے گھبرا کر کوہستان کیرتھر کے سب سے بلند پہاڑ ڈھاڑیاں پر چلے گئے جو بہت بلند ہے۔ میاں میر اس پہاڑ کے مختلف حصوں میں قیام کرتے کرتے ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں ایک ہموار جگہ پر ایک تنور سا بنا ہوا تھا۔ قریب گئے تو دیکھا کہ وہ تنور گرم ہے اور اس کے اندر ایک پتھر رکھا ہوا ہے۔ آپ کی فراست مومنانہ نے سمجھ لیا کہ وہاں پہاڑ کی سرد رات بسر کرنے کے لیے کسی درویش نے یہ اہتمام کیا ہے۔ آپ درویش سے ملاقات کا مصمم ارادہ کرکے تنور کے پاس ہی جم کر بیٹھ گئے۔ دو دن تک وہاں کوئی نہ آیا۔ تیسرے دن سورج طلوع ہوا تو دیکھا کہ ایک درویش اسی طرف چلے آرہے ہیں۔ آپ نے کھڑے ہوکر ان کا استقبال کیا اور دست بوسی کی۔

بزرگ نے کہا "میاں میر تم آگئے اچھا ہوا۔ تمہاری امانتیں ہمارے پاس ہی ہیں۔ سلام ہو اس مقدس ماں پر جس نے اپنے بیٹے کی اس طرح تربیت کی ہو۔ آؤ بیٹے، ہم تمہیں بیعت کریں۔"

یہ سنتے ہی میاں میر نے اپنا ہاتھ شیخ خضرؒ کے دست حق پرست میں دے دیا اور داخل اسلام ہوگئے۔

شیخ خضرؒ سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ تھے۔ ترک و تجرید اور توکل میں شہرہ آفاق موسم سرما میں سرد ترین مقام پر تنہائی میں وقت بسر کرتے تھے، خوراک، جنگلی پھل، لباس ناف سے گھٹنے تک۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے آشنائی کے روادار نہ تھے۔ دنیا آپ کے پیچھے پیچھے دوڑتی تھی۔ میاں میر اس وقت تک ترک و تجرید کی تمام منزلیں طے کرچکے تھے۔ ماں نے خالی ہاتھ گھر سے رخصت کرکے پہلے ہی دن دریائے توکل کا شناور بنادیا تھا۔ شیخ خضرؒ نے اس تپے ہوئے نرم لوہے کو آسانی سے ایک مطلوب صورت دے کر کیفیات عشق کو

مستقل کردیا۔

میاں میر نے دو سال تک شیخ خضرؒ کی نگرانی میں روحانیت کے بلند ترین مناصب حاصل کئے۔

ولایت کا تاج سر پر جگمگانے لگا تو انہیں شیخ خضرؒ نے خرقہ خلافت سے سرفراز فرما کر "میرے پاس ایک نعمت اور ہے' وہ بھی تمہاری ہے۔ آج سے تمہاری تربیت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی فرمائیں گے۔"

میاں میر کو غوث الاعظم کی اویسی نسبت بھی حاصل ہو گئی۔ خرقہ خلافت ۹۸۴ھ میں ملا۔

ایک دن نماز فجر کے بعد شیخ خضرؒ نے میاں میر سے فرمایا "اب تم فائز المرام ہو چکے ہو تمہارا مقام اب ویرانہ نہیں آبادی ہے۔ خلق خدا کو خدا آشنا کرنے کے لیے تمہیں ان میں رہنا بسنا ہوگا۔ خلوت و انجمن کی تفریق بھی تم مٹا چکے ہو۔ جاؤ پہلے اپنی والدہ کی قدم بوسی کرو' اس کے بعد اطمینان سے میرے پاس آنا۔"

اسی وقت میاں میر نے قدم بوسی کی اور اپنے شیخ مکرم کی دعاؤں کے سائے میں سہون کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں آپ نے سوچا کہ زندگی کے آٹھ سال چشم زدن میں بیت گئے۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے وہ آج ہی گھر سے چلے تھے اور آج ہی گھر لوٹ رہے تھے۔ ماں کا خیال آیا تو آپ کی روحانی توجہ گھر کی طرف ہوئی۔ دیکھا کہ ماں بستر پر لیٹی ہوئی ہیں۔ آپ نے سلام عرض کیا تو ان کا جواب آپ نے اس طرح سنا جیسے وہ ماں کے بالکل قریب کھڑے ہوئے ہیں۔

ماں نے کہا "بیٹے' تم نے دیکھا کہ تمہاری سماعت اور تمہاری بصارت کے لیے فاصلوں کی طنابیں کھنچ گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک مخفی خزانہ بنایا ہے اور وہ اب تمہارے ہاتھ آچکا ہے' جلد آجاؤ۔"

ماں کی یہ بات سن کر آپ نے دوڑنا شروع کردیا۔ ابھی آپ کچھ دور ہی دوڑے ہوں گے کہ دیکھا کہ مشکی غازی راستے میں کھڑا تھا۔ آپ رک گئے اور اس کے قریب جا کر سلام کیا۔ مشکی غازی نے اپنی اصلی صورت میں آکر جواب دیا اور دست بوسی کی۔

آپ نے کہا "اچھے رفیق! اگر ہمیں یہ بات معلوم ہوتی کہ تم جن ہو تو تم پر کبھی سواری نہ کرتے۔ میں تمہارے اس خلوص کو کبھی فراموش نہیں کروں گا جب تم نے اژدھے کا سر کچلا تھا۔ تم شاید مجھے دوڑتا ہوا دیکھ کر گھوڑا بن گئے تاکہ میں جلد والدہ کے پاس بغیر کسی زحمت کے پہنچ جاؤں۔ تمہارے اس جذبہ خیر خواہی کی اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ حالانکہ والدہ کا حکم سنتے ہی میں اس لیے دوڑ پڑا تھا کہ ان کے احکامات کی تعمیل میری سرشت میں

داخل ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں مادی طور پر بھی اپنے خیال کے ساتھ ہر جگہ پہنچ سکتا ہوں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے خدا حافظ!" دوسرے ہی لمحے آپ اپنی والدہ کی قدم بوسی کر رہے تھے۔

ماں کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو تھے۔ ان کی تمنائیں مجسم ہو کر ان کے سامنے آگئی تھیں۔

انہوں نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "بیٹے' گزشتہ آٹھ سال میں تم میری آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں ہوئے۔ پہلے تم گئے تھے' اب میں اپنے رب کے حضور جا رہی ہوں اور انشاء اللہ اب بھی ہم ایک دوسرے کی نگاہ سے کبھی اوجھل نہیں ہوں گے۔" بی بی فاطمہ نے جب اپنے سفر آخرت کا ذکر کیا تو آپ کے دوسرے لڑکوں اور لڑکیوں نے رونا شروع کردیا۔ آپ نے انہیں چپ ہونے کی تاکید فرماتے ہوئے کہا "میرے پاس وقت کم ہے' عارضی جدائی کے غم میں رو کر اس وقت کو ضائع نہ کرو۔ جاؤ سب تازہ وضو کر کے آؤ اور دو رکعت نماز نفل ادا کرو۔" سب نے حکم کی تعمیل کرلی تو آپ نے کہا "قاضی بولن' قاضی عثمان' قاضی طام اور قاضی محمد تم سب اپنے بھائی میر کے ہاتھ پر بیعت کرلو کہ اسی میں تمہارے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔" چاروں بھائیوں نے فوراً بیعت کرلی پھر بی بی فاطمہ نے اپنی بیٹیوں بی بی جمال خاتون اور بی بی ہادی خاتون کو بھی میاں میر سے بیعت کرایا۔ سب نے بیعت کرلی تو آپ نے اطمینان کا سانس لیا اور کہا "تم سب مل کر کلمہ طیبہ کا ورد کرو۔"

کلمہ طیبہ کے ورد سے فضا گونج اٹھی۔ بی بی فاطمہ بھی شریک ورد ہو گئیں اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہی پڑھتے جان' جان آفریں کے سپرد کردی۔ تجہیز و تکفین کے بعد میاں میر نے بھائیوں اور بہنوں کو قیمتی نصیحتوں سے سرفراز کیا اور بی بی جمال خاتون میں استعداد ولایت دیکھ کر ان کے قلب پر توجہ کی اور قلب جاری کردیا پھر اپنے بڑے بھائی قاضی بولن کو تمام گھریلو ذمے داریاں سونپ کر ہدایت خلق کے لیے نکل پڑے۔

سہون سے روانہ ہو کر پہلے پاٹ کی طرف چلے۔ راستے میں ایک مقام پر آپ نے دیکھا کہ ایک مست کا آستانہ ہے۔ وہ کپڑوں اور مجمعے سے بے نیاز آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے اور بھنگ کا دور چل رہا تھا۔ آپ جب قریب پہنچے تو ایک ہی نظر میں مست کا احوال آپ پر روشن ہو گیا۔ آپ نے مست سے کہا "ادب سے بیٹھو' شریعت کی بے حرمتی بہ ہوش حرام ہے' خواہ ہوش کسی درجے میں بھی ہو۔"

مست نے کھڑے ہو کر مجمعے کے ایک فرد سے چادر لے کر باندھ لی اور ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

آپ نے کہا "شراب معرفت کے ایک ہی گھونٹ کو سب کچھ سمجھ کر تمہیں کیا ملا؟
ساقی کے فیضان سے محروم ہو گئے۔ یاد رکھو سکر سے صحو ہر حال میں افضل ہے کیونکہ اتباع
سنت کے لیے ہوش مشروط ہے۔ آنکھیں کھلی رکھو جو لوگ تمہارے پاس بیٹھ کر فسق و فجور
میں مبتلا ہیں' ان کی اصلاح کرو۔"

اس نصیحت کے بعد آپ نے ایک خاص نگاہ سے مست کو دیکھا۔ وہ ماہی بے آب کی
طرح تڑپتے تڑپتے بے ہوش ہو گیا۔ آپ نے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیے تو ہوش
میں آ کر قدموں پر گر پڑا۔ آپ نے اسے بیعت کر کے کامل بنا دیا۔

پاٹ پہنچے تو علامہ موسیٰ باغبانیؒ کے یہاں گئے۔ وہ بڑی عقیدت و محبت سے پیش آئے
اور اپنے شاگرد کی بیعت کر کے معرفت کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ میاں میر پاٹ سے باغبان کی
طرف چلے تو علامہ نے عرض کیا "باغبان تک مجھے بھی ساتھ چلنے کی اجازت دیجئے۔ خادم
ساتھ بھی رہے گا اور رشتے داروں سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔"

آپ نے رفاقت سفر کی اجازت دے دی۔ باغبان پہنچے تو علامہ کے عزیزوں نے بڑی
عقیدت و محبت کا مظاہرہ کیا۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے بیعت کی۔ باغبان والوں نے
مسجد کے لیے ایک کنواں کھودا تھا مگر پانی اتفاق سے کھارا نکل آیا۔ میاں میر سے لوگوں نے
اس پریشانی کا ذکر کیا تو آپ نے کہا "کنوئیں کا پانی لاؤ۔" ایک کوزے میں کنوئیں کا پانی پیش
کیا گیا۔ آپ نے اس پانی پر کچھ پڑھ کر دم کیا اور کہا "اس پانی کو کنوئیں میں ڈال کر دوبارہ
کنوئیں کے پانی سے کوزہ بھر کر لاؤ۔" ارشاد کی تعمیل ہوئی۔ آپ نے حاضرین سے پانی چکھنے
کے لیے کہا۔ پانی چکھا تو سب حیران رہ گئے۔ کنوئیں کا پانی میٹھا ہو چکا تھا۔

باغبان سے آپ تنہا بھکر پہنچے۔ آپ بستی میں داخل ہوئے تو ایک مکان کے دروازے
پر ایک یتیم لڑکی کو دیکھ کر رک گئے۔ لڑکی دوڑی دوڑی گھر میں اپنی ماں کے پاس گئی اور کہا
"گھر سے باہر ایک درویش کھڑا ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ اگر اس کی نگاہ کرم ہمارے حال پر
ہو گئی تو ہماری ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔"

ماں دوڑ کر باہر آئی۔ نوجوان درویش کو دیکھ کر اس پر لمحے بھر کو بے اعتباری کی ہلکی سی
کیفیت طاری ہوئی اور ختم ہو گئی۔ اس نے رو رو کر اپنی داستان غم سنائی "ہم بلوچ ہیں۔
ہمارے یہاں یہ رسم ہے کہ جب تک کسی کے پاس مال و دولت نہ ہو اور مویشیوں کا گلہ نہ
ہو' اس کی بیٹی کے رشتے کا کوئی خواست گار نہیں ہوتا۔ میرا شوہر بھی صاحب حیثیت تھا مگر
اس کی وفات کے بعد ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ لڑکی جوان ہو گئی ہے۔ میری رات کی نیند
اور دن کا آرام اس فکر نے چھین لیا ہے۔"

آپ نے پوچھا "کیا چاہتی ہے؟"

"حضور میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ عزت و آبرو سے کسی اچھے گھر میں میری بیٹی کا
رشتہ ہو جائے۔"

آپ نے اس سے کہا "میرے ساتھ آؤ۔" آپ اس عورت کو بستی سے کچھ دور لے
گئے۔ وہاں ایک دکان نظر آئی۔ آپ نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا "وہاں چلی جاؤ' جس
قدر چاہو گھوڑے' شتر' کپڑے' غلہ اور نقدی تاجر سے لے لو۔ آج کے بعد بھی جس چیز کی
ضرورت ہو' وہاں سے لے لیا کرو مگر ذخیرہ اندوزی کبھی نہ کرنا۔"

بڑھیا تاجر کے پاس گئی تو اس نے کہا "یہ دکان تمہارے ہی لیے کھلی ہے۔ جو دل
چاہے بلا تکلف لے جایا کرو۔"

بڑھیا نے دکان سے اتنا سامان' مویشی اور کپڑے' زر نقد کے علاوہ لیے کہ بھکر میں اس
سے زیادہ کوئی فارغ البال نہ رہا۔ رشتوں کی بارش ہونے لگی۔ آخر اس نے ایک مناسب
گھر میں اپنی بیٹی کا رشتہ کر دیا۔ شادی کے بعد بڑھیا پھر دکان پر پہنچی اور لالچ میں نصیحت کو
بھول کر بہت سا غلہ ذخیرہ کرنے کے لیے لے آئی۔ دوسرے دن پھر کچھ سامان لینے کے لیے
گئی تو وہاں نہ دکان تھی نہ تاجر۔

بھکر سے میاں میر اپنے مرشد شیخ خضرؒ کی خدمت میں پہنچے۔ ایک ہفتے ان کے ساتھ
قیام کیا پھر شیخ مکرم نے کہا "اب آفتاب سندھ پنجاب کے افق کو جگمگائے گا۔ تم لاہور جا کر
قیام کرو۔"

شیخ کی قدم بوسی کر کے آپ چلے تو سہون کی راہ لی اور چانڈکا (لاڑکانہ) پہنچے۔ ایک مسجد
کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے دیکھا کہ دو گروہ آمادہ فساد تھے۔ دونوں گروہ معتقداتی
اختلافات پر ایک دوسرے پر کفر کے فتوے عائد کر رہے تھے اور ایک دوسرے کو مسجد میں
جانے سے روک رہے تھے۔ آپ نے ان سب کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا
"مسلمانو! میں مسافر ہوں' پہلے میری بات سنو۔" آپ کی آواز میں نہ جانے کیا سحر تھا' شور
ایک دم تھم گیا۔ سب آپ کی طرف متوجہ ہو گئے تو فرمایا "تم لوگ مسجد میں جانے سے
ایک دوسرے کو روک رہے ہو جس کا تمہارے پاس کوئی اخلاقی اور دینی جواز نہیں کیونکہ
مسجد اللہ کا گھر ہے' تمہاری ذاتی ملکیت نہیں ہے۔ ہمارے مکرم رسولؐ نے اہل کتاب
عیسائیوں کو مسجد نبوی میں ان کے اپنے طریقے پر عبادت کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ تم
کلمہ طیبہ پڑھنے والوں پر مسجد کے دروازے بند کر رہے ہو۔ کیا حضورؐ کے اسوہ حسنہ کی
اطاعت کے بغیر تم ایمان کے مدعی ہو سکتے ہو؟ کیا تمہیں یہ بات بھی نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ
نے پوری زمین کو امت مسلمہ کے لیے مسجد بنا دیا ہے؟ بتاؤں کہاں کہاں پہرے لگاؤ گے؟ تم
اگر دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتے ہو تو فساد نہ پھیلاؤ' نفرت' بغض' عناد' عصبیت اور گروہ

بندی کا اسلام سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ جب بھائی بھائی کے خلاف صف آرا ہوتا ہے تو اللہ کی رحمتیں اپنا سایہ سروں سے ہٹا لیتی ہیں۔ رحمتوں سے اپنا رشتہ نہ توڑو ورنہ زحمتیں ہر طرف سے گھیر لیں گی۔" سیدھی سی یہ مختصر گفتگو میاں میر کی زبان پر آکر تاثیر کا شاہکار بن گئی۔ مشتعل مجمعے کی گردنیں ندامت سے جھک گئیں۔ تنے ہوئے تیور لوح جبیں کی ہموار سطح میں تحلیل ہو گئے۔ تقریباً تمام مجمع معتقداتی تشدد سے تائب ہو کر آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو گیا۔

چانڈکا سے آپ سہون پہنچے اور گھر جانے سے پہلے لعل شہباز قلندر (عثمان مروندیؒ) کے آستانے پر حاضر ہوئے۔ وہاں آپ نے فاتحہ خوانی کی اور فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔ گھر پہنچے تو آپ کو دیکھ کر بچھڑے ہوئے بھائی بہنوں کی عید ہو گئی۔ اس مرتبہ آپ نے سہون میں تین دن قیام کیا۔ آپ ہر روز اپنی والدہ کے مزار پر حاضری دیتے۔ تین حاضریوں میں آپ نے قرآن پاک تلاوت کیا۔ ۹ ربیع الاول ۹۸۴ھ کو بعد نماز جمعہ آپ عازم لاہور ہوئے۔ ان کے لیے لاہور کا سفر چند لمحوں کا تھا مگر اب وہ تبلیغی سفر پر نکلے تھے اور چاہتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ افراد سے ملاقات ہو تاکہ رشد و ہدایت کی ذمے داریوں سے عہد برا ہونے کا موقع ملے۔ چھوٹے چھوٹے قریوں میں اللہ کی محبت کے چراغ روشن کرتے ہوئے آپ ایک بستی میں پہنچے جو غالباً اب نواب شاہ کے نام سے موسوم ہے۔ وہاں ایک مسجد میں قیام کیا۔ بستی کے لوگوں نے شکایت کی کہ ایک ملنگ نے ان کی بستی کے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ پہلے مسجد میں کافی نمازی آجاتے تھے مگر ملنگ نے بہت سے لوگوں کو نماز سے بدظن کر دیا ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ اللہ کی طرف دل سے رجوع رہنے کا نام قیام صلوٰۃ ہے۔ مسجد کی پریڈ عبادت نہیں عسکری تربیت ہے۔ بہت سے راسخ العقیدہ مسلمان اس کے کشف و کرامت سے مرعوب ہو کر صراط مستقیم سے ہٹ گئے ہیں۔ اب وہ اس کے ساتھ دم لگاتے ہیں اور اسی کا دم بھرتے ہیں، گاتے ہیں، ناچتے ہیں اور اسی عمل کو حاصل عبادت سمجھتے ہیں۔

ملنگ کا تفصیلی احوال سن کر آپ نے ارشاد فرمایا "کل ہم اس کے ڈیرے پر جائیں گے۔ اللہ ہدایت دینے والا ہے۔"

دوسرے دن آپ حسب وعدہ اس کے ڈیرے پر پہنچے۔ ملنگ نے دیکھتے ہی کہا "آؤ میاں میر! مجھ ایسے گمراہ کو تمہاری ہدایت کی بڑی ضرورت ہے۔ حقیقت پہاڑوں میں اللہ اللہ کرنے سے ہاتھ نہیں آتی۔ تم خود بھٹکے ہوئے ہو، نماز میں الجھ کر رہ گئے ہو۔"

ملنگ کی یہ بات سن کر اس کے ساتھیوں نے خوب قہقہے لگائے۔ شور تھما تو آپ آگے بڑھ کر بالکل اس کے سامنے بیٹھ گئے اور فرمایا "وہ تمام ذرائع جو علم و خبر کے تجھے میسر ہیں،

بحمد اللہ بیک نظر سلب کر سکتا ہوں مگر میں تجھ سے پہلے کچھ گفتگو کر کے یہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا۔ مجھے یہ بتا کہ تو کس خدا کو مانتا ہے؟ خدا کا تصور اقوام عالم میں مختلف ہے، کہیں تثلیث، کہیں تنویت، کہیں توحید کی صورت میں شاخ در شاخ مختلف اقسام میں پھیلا ہوا ہے۔"

ملنگ نے کہا "خدا خدا ہی ہے، میں اسی کو مانتا ہوں اور اسی کی یاد میں مگن رہتا ہوں۔ مجھے اس سے کیا سروکار کے دوسرے کیا سوچتے ہیں۔ میرے خیال میں تو یہ سوال ہی مہمل ہے کہ میں کس خدا کو مانتا ہوں اور اگر یہ سوال مہمل نہیں ہے تو میں تم سے یہی سوال کرتا ہوں؟"

آپ نے برجستہ فرمایا "میں خدائے محمدؐ کو مانتا ہوں۔ محمدؐ کے حوالے سے ہی میں نے خدا کو جانا ہے۔ حضور کریمؐ نے ہی ہمیں اللہ کی صفات کاملہ سے آشنا کیا اور اس کی ذات کے سامنے سر بسجود ہونا سکھایا۔ ہمارے نزدیک صرف وہی راستہ سیدھا ہے۔ جس پر ان کے نقش قدم ہوں۔ ہمارے لیے وہی طریقہ زندگی معتبر ہے جو ان کے اسوہ حسنہ سے مطابقت رکھتا ہو۔ ہمارے لیے وہی فکر اساس شعور ہے جس پر ان کی مہر تصدیق ثبت ہو۔ تم خود سیدھے ہو، سیدھے راستے پر آجاؤ اور اللہ کی مخلوق کو گمراہ نہ کرو۔ نجات کی راہ صرف اللہ کے رسولؐ کی اطاعت ہے۔"

ابھی اس بات کا ملنگ نے جواب بھی نہ دیا تھا کہ اس کے سب ساتھی چیخنے لگے "سائیں جواب دو۔ اگر تمہارے پاس کوئی جواب ہے۔ ہمارے دل کو تو اس اجنبی کی باتیں اچھی لگتی ہیں۔"

ملنگ نے یہ رنگ دیکھا تو اسے غصہ آگیا۔ اس نے آپ کی طرف اپنی سرخ سرخ آنکھیں مرکوز کرتے ہوئے کہا "ابھی جلا کر خاک کر دوں گا۔"

آپ خاموش بیٹھے رہے۔ اس نے آپ کو نقصان پہنچانے کے لیے اپنے سارے کالے پیلے علم آزمائے مگر ناکام رہا۔ آپ نے پوچھا "کوئی اور حربہ باقی ہے تو وہ بھی آزما لے۔"

یہ بات سن کر وہ کھڑا ہو گیا۔ اب وہ چاہتا تھا کہ اپنے چمٹے سے آپ پر وار کرے۔ میاں میر نے ایک خاص نگاہ سے اسے دیکھا۔ دیکھنے والوں نے بھی دیکھا کہ ایک برق کوندتی ہوئی اس کی طرف گئی اور وہ زمین پر گر پڑا۔

برق جلال نے ایک طرف اگر ملنگ سے اس کے ہوش و حواس چھین لیے تو دوسری طرف اس کے تمام فاسد خیالات کو جلا کر خاک کر دیا۔ ملنگ کے معتقدین آپ کے قدموں میں گر گئے۔ وہ رو رو کر اپنی گستاخیوں کی معافی مانگنے لگے۔ آپ نے انہیں معاف کر کے

تسلی دیتے ہوئے چند قیمتی نصیحتوں سے سرفراز کیا۔ سب آپ کے ہاتھ پر تائب ہو شریعت مصطفویؐ کے احترام کا عہد کرنے لگے۔ اصلاح حال کے اس عمل سے آپ فا ہوئے تھے کہ ملنگ کو بھی ہوش آگیا۔ اس نے بھی فاسد عقائد سے توبہ کر کے آپ بیعت کرلی۔ آپ نے ایک پہر اسی جگہ قیام کیا اور نماز ظہر کے لیے ملنگ اور اس کے ساتھیوں کو لے کر مسجد پہنچ گئے۔ گم کردہ راہ بندے جب اپنے آقا کے حضور پہنچ گئے تو ا نے سجدہ شکر ادا کیا۔ آپ نواب شاہ سے چلے تو سکھر پہنچے۔ دریائے سندھ پار کرنے کے کرائے کی کشتیاں کھڑی تھیں' آپ ان میں سے ایک پر سوار ہو گئے۔ کنارے پر ایک عورت اپنے تین بچوں کے ساتھ موجود تھی مگر اس کے پاس کرایہ نہیں تھا۔ ملاح سے اس نے گڑگڑا کر اپنی مجبوری بیان کی مگر اس سنگ دل پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ملاح نے بڑی سختی اسے ڈانٹ دیا۔ شقی القلبی کا یہ منظر آپ نے دیکھا تو کشتی سے اتر آئے اور ساحل پر آ کشتی میں بیٹھے ہوئے مسافروں سے کہا "اس کشتی کو چھوڑ دو' یہ ظلم کی کشتی ہے۔ یہ وسالم دوسرے کنارے پر نہ پہنچے گی۔"

پہلی بار آپ نے یہ بات کہی تو صرف دو آدمی کشتی سے ساحل پر آئے۔ آپ نے مکر لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ کشتی خالی کردیں ورنہ ڈوب جائیں گے۔ اس مرتبہ سب لوگ کشتی سے اتر آئے۔ ملاح بھی بڑا ضدی تھا اس نے آپ سے کہا "میں اکیلا کشتی لے کر دوسرے کنارے پر جا رہا ہوں۔ اگر یہ کشتی ڈوب گئی تو میں تیر کر بھی نہیں آؤں گا بلکہ کشتی کے ساتھ ہی ڈوب مروں گا اور اگر میری کشتی نہ ڈوبی تو دوسرے کنارے پر میں تمہیں ایسا سبق دوں گا کہ ساری زندگی یاد کرو گے۔"

آپ اور دوسرے مسافر دوسری کشتی میں اس شرط پر سوار ہوئے کہ ملاح' بیوہ اور اس کے بچوں کو مفت کشتی میں بٹھائے۔ میاں میر جس کشتی پر سوار تھے' وہ چل پڑی۔ پیچھے پیچھے ظالم ملاح خالی کشتی لے کر چلا۔ کشتیاں دریا کے وسط میں پہنچیں تو ایک طاقتور طوفانی بھنور نے میاں میر کی کشتی سے کتراتے ہوئے نکل کر ظالم ملاح کو جالیا۔ اس کی کشتی اس تیزی سے گھومنے لگی کہ ظالم ملاح کا صرف ہیولا سا نظر آرہا تھا۔ اس کی کشتی گھومتے گھومتے دریا برد ہوگئی۔ کشتی والے آپ کی یہ کرامت دیکھ کر آپ کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ نے فرمایا "لوگو! اس کشتی کی غرقابی میں میرے کسی تصرف کا عمل دخل نہیں ہے۔ یتیموں اور بیواؤں کے افلاس کو دیکھ کر بھی جب ظالم ملاح کو رحم نہ آیا تو اللہ نے اسے سزا دے دی۔ یتیموں اور بیواؤں کے حق میں اللہ سے ڈرتے رہو' مظلوم کی بدعا عرش الٰہی پر ضرور دستک دیتی ہے۔"

دوسرے کنارے پر لوگوں نے بڑا اصرار کیا کہ آپ ان کے یہاں قیام کریں مگر آپ ان سے رخصت ہو کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئے کیونکہ ظہور کرامت کے بعد حد سے بڑھی ہوئی احترام کی فضا میں آپ نے قیام مناسب نہیں سمجھا۔

منزل بہ منزل ہدایت کا نور پھیلاتے ہوئے آپ ملتان پہنچے۔ وہاں آپ نے خواجہ بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ وہاں کے علما و مشائخ سے پر کیف ملاقاتوں کے بعد آپ لاہور پہنچے۔ آپ نے سب سے پہلے شیخ علی ہجویری (داتا گنج بخشؒ) کے مزار اقدس پر حاضری دی جہاں والئی لاہور نے کمال شفقت سے پذیرائی فرمائی اور خوش آمدید کہا۔ آفتاب سندھ کا پنجاب کے افق پر یہ طلوع سعادت کی نوید جاں فزا تھا۔

آپ نے ایک مسجد میں قیام فرمالیا۔ ابھی قیام کو کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا "میرا نام نعمت اللہ ہے اور میں اعلیٰ حضرت مولانا سعد اللہ کے مدرسے کا ایک مدرس ہوں۔ مولانا سعد اللہ نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ اگر ضعیفی حارج نہ ہوتی تو وہ خود ہی تشریف لے آتے۔"

آپ فوراً مولانا نعمت اللہ کی معیت میں مولانا سعد اللہ کی خدمت میں پہنچے۔

مولانا نے بڑی گرم جوشی سے آپ کا استقبال کیا اور اپنے پہلو میں بٹھا کر ارشاد فرمایا "ماشاء اللہ کیا نورانی قلب پایا ہے۔ انشاء اللہ' اللہ کی مخلوق کو آپ سے بڑا فیض پہنچے گا۔ مجھے شیخ مکرم نے روحانی طور پر آپ کے آنے کی اطلاع دی ہے اور ایک فرمائش بھی کی ہے۔ آپ مجھے کچھ حدیثیں سنائیں تاکہ میں ان کی فرمائش پوری کرسکوں۔"

آپ نے بخاری شریف کا پہلا باب سنایا۔ مولانا بہت خوش ہوئے اور حدیث کی سند مرحمت فرمادی۔ مولانا سعد اللہ بڑے جید عالم اور صاحب نسب بزرگ تھے۔ مولانا موصوف عہد اکبری سے مسلسل درس و تدریس میں مشغول تھے۔ میاں میرؒ کو مولانا کے قرب میں بڑی راحت محسوس ہوئی۔ آپ اکثر و بیشتر ان کی خدمت میں حاضر رہتے یا مسجد کی تنہائیوں میں مصروف عبادت رہتے۔ مولانا سعد اللہ کی وفات تک آپ کا یہ معمول برقرار رہا۔ اس کے بعد آپ کے معمولات میں تبدیلی آئی۔ دن میں آپ مشائخ لاہور کے مزارات پر تشریف لے جاتے' رات مسجد میں بسر کرتے۔ ریاضت اس مرتبہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ آپ کی پوری رات صرف ایک سانس میں بسر ہو جاتی تھی۔ آپ کی پرکشش شخصیت نے بہت سے لوگوں کو قریب کیا مگر تصوف کی راہ میں صرف اسی کو چلنے کا مشورہ دیتے جس کی اعلیٰ ہمتی سے آپ مطمئن ہو جاتے۔ ترک و تجرید کے خارزاروں میں سکون کا سانس لینا ہر کس و ناکس کے بس کی بات بھی تو نہیں ہوتی۔ آپ بہت کم لوگوں کو بیعت فرماتے تھے۔ آپ ہدایت عام کے دروازے کھلے رکھتے تھے۔ ہر شخص کو ہر وقت بغرض استفادہ آپ کے پاس حاضر ہونے کی اجازت تھی۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ شہر سے دور اپنے زیر تربیت مریدوں کو لے کر نکل جاتے اور وہاں الگ الگ کافی فاصلے سے بٹھا کر اذکار واشغال میں مصروف کردیتے۔ نماز کا وقت ہوجاتا تو آپ سب کو ایک جگہ جمع کرکے باجماعت نماز ادا کرتے اور پھر سب کو اپنی اپنی جگہ بھیج دیتے۔

ایک مرتبہ ایک ویران مکان کے پاس سے گزر ہوا تو وہ جگہ عبادت کے لیے آپ کو بہت پسند آئی۔ آپ روزانہ وہیں پہنچ جاتے۔ نہ وہاں کسی کا گزر تھا نہ سکون میں خلل انداز ہونے والے دوسرے عوامل۔ دس پندرہ دن بڑے ذوق وشوق سے گزرے۔ ایک دن آپ وہاں عبادت کے لیے بیٹھے تو بڑی بے کیفی محسوس ہوئی۔ آپ اٹھ کھڑے ہوئے واپس ہورہے تھے کہ ایک شخص سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ اس نے واپسی کا سبب پوچھا آپ نے بے کیفی کا تذکرہ کیا۔ اس نے کہا "ٹھیک کہتے ہیں رات یہاں کچھ لوگ آکر ٹھہرے تھے' وہی اس مقام کو نجس کرگئے ہیں۔"

اللہ کی یاد کا کیف اسی وقت پوری رعنائیوں کے ساتھ محسوس ہوتا ہے جب دل پاک ہو' زبان پاک ہو اور وہ جگہ بھی جہاں بیٹھ کر اللہ کو یاد کیا جائے۔

لاہور میں رہتے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا تو آپ سرہند تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچے تو گھٹنے میں درد ہوگیا اور ایسا درد کہ جو ہر روز بڑھتے بڑھتے پورے جسم پر مسلط ہوگیا۔ درد ضبط کی حدود سے باہر ہوگیا تو آپ روح غوث اعظمؒ کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ حضرت خضرؑ کے ہمراہ عیادت کو تشریف لے آئے اور میاں میرؒ کے جسم پر اپنا ہاتھ پھیرا اور ایک کشتی نما برتن دیا جس میں پانی تھا۔ آپ نے پیا تو درد کافور ہوگیا۔

سرہند کے دوران قیام میں آپ علیل تھے تو حاجی نعمت اللہ نے آپ کی بڑی خدمت کی تھی۔ آپ صحت مند ہوگئے تو ان سے کہا "بتاؤ کیا چاہتے ہو؟"

حاجی نعمت اللہ نے معرفت کی دولت لازوال کا مطالبہ کیا۔ آپ انہیں داخل سلسلہ کرکے سرہند سے لاہور لے آئے اور ایک ذکر تعلیم فرما کر مسجد میں معتکف کردیا۔ چند دن کی ریاضت کے بعد عالم ملکوت ان پر منکشف ہوگیا۔ بچوں کی یاد ستائی تو حاجی نعمت اللہ نے میاں میرؒ سے سرہند واپسی کی اجازت طلب کی۔

آپ نے کہا "ابھی یہاں اور رکنا چاہیے۔ اگر رک سکتے ہو تو رکو ورنہ اجازت ہے۔ اپنے شغل کو جاری رکھنا۔"

حاجی نعمت اللہ سیر ملکوت پر قناعت کرکے سرہند روانہ ہوگئے۔ انہوں نے ذکر جاری رکھا اور سیر ملکوت سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ ایک دن شیخ جمیل الدین نامی ایک درویش سے ملاقات ہوئی تو اپنی سیر کی کیفیات ان سے بیان کردیں۔

درویش نے تفصیلات سن کر کہا "تمہارے شیخ نے اس سیر کو سیر ملکوت کا نام غلط دیا ہے۔ یہ تو عالم اجنہ کی سیر ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جن تمہیں اپنے عالم میں مداخلت کی وجہ سے ہلاک کردیں۔"

حاجی یہ بات سن کر ڈر گئے اور ذکر وریاضت کے شغل چھوڑ بیٹھے۔ نتیجے میں ملکوت کا دروازہ ان پر بند ہوگیا۔ زندگی بے کیف ہوکر رہ گئی۔ کیفیات کی بحالی کے لیے حج بیت اللہ کا ارادہ کرکے سرہند سے لاہور پہنچے اور میاں میرؒ کی خدمت میں حاضری دی۔

آپ نے ترک شغل کا شدید محاسبہ کرتے ہوئے کہا "تم نے ہم سے زیادہ اسے معتبر جانا جسے جانتے بھی نہیں۔ ہمارے رشتہ اعتبار کو توڑ کر تم ہماری بیعت سے خارج ہوگئے۔"

حاجی اپنی فروگزاشت کے اس نقصان عظیم پر تلملا اٹھے۔ وہ قدموں پر گر گئے اور زاروقطار رو رو کر عفو کے طالب ہوئے۔

ندامت میں سچائی محسوس فرما کر آپ نے معاف فرمادیا اور کہا "تم حج کے ارادے سے چلے ہو ہم تمہیں یہیں حج کرادیں گے۔" حاجی حیرت زدہ ہوکر آپ کی صورت دیکھنے لگے۔ آپ نے کہا "ہم نے جو کچھ کہا ہے انشاء اللہ ویسا ہی ہوگا۔ تمہاری بے اعتباری کا مکمل علاج اب ہوجائے گا۔"

حاجی نعمت اللہ آپ کے پاس مقیم ہوگئے۔

۸ ذی الحجہ کو میاں میرؒ نے حاجی سے کہا "احرام لے آؤ۔ تمہیں حج کے لیے روانہ ہونا ہے۔"

وہ ہزاروں سوالات ذہن میں لیے بازار گئے اور بادل ناخواستہ احرام خرید لائے۔

آپ نے کہا "غسل کرکے احرام باندھ لو۔"

انہوں نے تعمیل حکم کی۔

احرام باندھ کر حاضر ہوئے تو آپ نے حجرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے کہا "اس میں چلے جاؤ' یہی راستہ مکہ مکرمہ کا ہے۔"

حاجی حجرے میں جیسے ہی داخل ہوئے آپ نے باہر سے دروازہ بند کردیا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر وہ پلٹے مگر دروازے کی طرف نہیں بڑھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ اس حجرے میں حج کیسے ہوگا۔ انہوں نے گردن موڑ کر بند دروازے کی مخالف سمت دیکھا تو وہاں ایک دروازہ اور نظر آیا۔ اس دروازے نے بھی ان کی حیرت میں اضافہ کیا کیونکہ حجرے میں بارہا ان کا آنا جانا ہوا تھا مگر پہلے کبھی اس دوسرے دروازے کو انہوں نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ دھڑکتے دل سے آہستہ آہستہ دروازے کے پاس پہنچے اور دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا تو وہ باہر کی طرف کھل گیا۔ دروازے کے باہر کا منظر دیکھ کر ان پر مسرتوں نے

ایسا ہجوم کیا کہ حیرتیں بھی اس کا راستہ نہ روک سکیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ہزاروں حاجی احرام باندھے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ وہ دوڑ کر ان میں شامل ہو گئے۔ قافلے والوں سے معلوم کیا کہ مکہ مکرمہ کتنی دور ہے تو بتایا گیا کہ ان کی آئندہ منزل مکہ مکرمہ میں ہوگی۔ حاجی نعمت اللہ نے مکہ مکرمہ پہنچ کر تمام ارکان حج ادا کیے' حرم محترم مدینتہ الرسولؐ میں حاضری دی۔ مسجد نبوی میں ان کی سرہند کے دوسرے حاجیوں سے ملاقات ہوئی۔ ان سے تفصیلی گفتگو کے بعد انہیں اس امر کا یقین آیا کہ ان کا حج نہ فریب نظر ہے نہ خواب۔ مدینہ منورہ سے پھر مکہ مکرمہ ان کی واپسی ہوئی۔ حرم میں حاجی کی اپنے ہم سفروں پر نظر پڑی تو انہوں نے پوچھا "کب واپسی ہوگی؟"

جواب ملا "کل بعد نماز فجر۔"

حاجی رات بھر حرم میں مصروف عبادت رہے۔ نماز فجر کے بعد ساتھی چلے تو وہ ساتھ ہو لیے۔ چلتے چلتے ایک پہر گزرا تھا کہ انہیں صحرا میں ایک حجرہ نظر آیا جس کا دروازہ جانا پہچانا تھا۔ وہ ساتھیوں کو چھوڑ کر اسی طرف دوڑ پڑے۔ ساتھیوں نے انہیں آوازیں بھی دیں کہ وہ اس ویرانے کی طرف نہ جائیں' وہ راستہ بھول جائیں گے۔ وہ حاجی کا انتظار نہیں کر سکتے مگر حاجی نے ایک نہ سنی اور دوڑتے رہے۔ حجرے کے پاس پہنچ کر انہوں نے دروازے کو اپنی طرف کھینچا تو دروازہ کھل گیا۔ انہوں نے دروازے میں داخل ہو کر دیکھا۔ وہ میاں میرؒ ہی کا حجرہ تھا۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو حاجیوں کا قافلہ سرگرم سفر تھا۔ ان کے ساتھی ہاتھ کے اشارے سے انہیں بلا رہے تھے۔ انہوں نے اشاروں کو نظر انداز کرتے ہوئے دروازہ بند کر کے اس دروازے کا رخ کیا جس سے حجرے میں داخل ہوئے تھے۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ انہوں نے دستک دے کر پیچھے کے دروازے پر نظر ڈالی مگر وہاں اب کوئی دروازہ نہ تھا۔ جس دروازے پر دستک دی تھی' وہ کھل گیا۔ انہیں سامنے ہی میاں میرؒ بیٹھے نظر آئے۔ وہ دوڑ کر میاں میرؒ کے قدموں میں گر گئے۔ آپ نے انہیں سینے سے لگا لیا اور نور یقین سے معمور ہو جانے والے قلب کو اپنی توجہ سے تجلیات حق کا محمل بنا دیا۔

○☆○

میاں میرؒ کی اساس تجرید و تفرید پر تھی۔ تجرید و تفرید کو خواجگان کندن اور پوستن بھی کہتے ہیں یعنی علائق دنیا کو دل سے کھود پھینکنا اور وابستہ حق ہو جانا۔ علائق دنیا سے لاتعلق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام حواس اور تمام خواس کے سارے مقتضیات محو حق ہو جائیں۔ اگر علائق کی تطہیر میں ذرا بھی نقص رہ جائے تو مراد حاصل نہیں ہو سکتی۔ میاں میرؒ جس طرز پر اپنے مریدوں کی تربیت کرتے تھے وہ ریاضت طلب تو ہوتا تھا مگر اس کے اصول سادہ اور الجھنوں سے پاک ہوتے تھے۔ مریدوں کی تعداد کم تھی مگر جو بھی آپ کے

لسلے سے وابستہ ہوئے اس طرح جگمگائے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ آپ ے رشد و ہدایت کی اثر آفرینی کا شہرہ عام ہو گیا۔ آپ کے گرد خلق خدا کا ہجوم رہنے لگا۔ غل تاجدار نور الدین جہانگیر اپنے باپ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے نقش قدم پر گامزن نا۔ ہندو اور مسلمانوں کے مذہبی تشخص کو مٹا کر وہ ایک ایسے معاشرے کو روبہ کار لانا چاہتا ا جو معاشرتی بنیادوں پر ایک نیا مذہب بن سکے۔ علما نے اکبر کی اس کوشش کے خلاف ؤثر آواز بلند کی تھی۔ جہانگیر کو بھی شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور مجدد الف ثانیؒ جیسے اکابرین کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ مجدد الف ثانیؒ نفاذ شریعت کے لیے کھل کر میدان میں آ گئے تھے۔ وہ بڑے بااثر تھے۔ امرا اور وزرا ان کے معتقد تھے۔ شیخ سلیم چشتیؒ کی اولاد ظیفہ خوار تھی۔ احقاق حق کی جرات ان میں نہ تھی مگر شیخ دانیال چشتیؒ' حضرت مجددؒ کے ہمنوا تھے۔ جہانگیر کے مزاج میں نور جہاں کا بڑا دخل تھا۔ اسی کی شہ پر کشیدگی بڑھتی جا رہی تھی ورنہ جہانگیر اتنا برا بھی نہ تھا کہ وہ بزرگوں کا احترام نہ کرتا کیونکہ وہ خود شیخ سلیم چشتیؒ کی دعاؤں کے فیض سے پیدا ہوا تھا۔ بزرگوں کا احترام اس نے بچپن ہی سے کیا تھا۔ جہانگیر ایک خصوصی سفر پر لاہور گیا مگر اسے وہاں قیام کی مہلت نہ ملی۔ جب وہ دارالحکومت کی طرف سفر کر رہا تھا تو خاص مصاحبین میں سے کسی ایک نے میاں میرؒ کے کمالات باطنی اور مقامات روحانی کا تذکرہ کیا۔

جہانگیر آپ کا احوال سن کر بہت متاثر ہوا اور مصاحب سے کہا "تم نے اگر لاہور میں یہ بات بتائی ہوتی تو میں ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔"

دہلی پہنچنے کے بعد بھی جہانگیر کو میاں میرؒ کی یاد ستاتی رہی۔ جب شوق ملاقات حد سے بڑھ گیا تو اس نے ایک عریضے کے ساتھ قاصد کو روانہ کیا جس میں میاں میر سے درخواست کی گئی تھی "اگر آپ دہلی میں مجھے اپنی میزبانی کی عزت بخشیں تو بڑا کرم ہوگا۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں لاہور آ کر بھی زیارت سے محروم رہا۔"

مکتوب جہانگیر جب آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے دعوت قبول کر لی اور لاہور سے دہلی کے لیے روانہ ہوئے۔ میاں میر خوب جانتے تھے کہ جہانگیر نے انہیں کیوں طلب کیا ہے اور وہ کون سی پریشانیاں ہیں جنھیں رفع کرنے کے لیے آپ سے دعا کا خواستگار ہوگا۔

امرتسر پہنچے تو علما و مشائخ نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ آپ کی صحبت سے استفادے کے لیے پورا شہر ٹوٹ پڑا۔ ایک وفد ان لوگوں کا بھی آپ سے آ کر ملا جو رام رحیم ایک کا قائل تھا۔

وفد کے قائد احمد داس نے آپ سے پوچھا "آپ ہمارے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟

ہم تمام مذاہب کو ایک مانتے ہیں اور ہر مذہب کے بانی کو محترم سمجھتے ہیں۔ نیکی کرنا اور برائی سے بچنا ہمارا دھرم ہے اور دل آزاری کو سب سے بڑا گناہ سمجھتے ہیں۔"

آپ نے کہا "تم نے جو کچھ کہا ہے' اگر تم ایسے ہی ہو تو میری رائے تمہارے متعلق اچھی نہیں ہے' میرے خیال میں تم راہ سے بھٹک گئے ہو۔ میں تمہاری اس بات سے متفق ہوں کہ دل آزاری سب سے بڑا گناہ ہے۔ یہ بات تمہیں معلوم ہوگی کہ خرابیاں جب عادت ثانیہ بن جاتی ہیں تو ان کا ترک اختیاری زحمت اور ترک جبری' دل آزاری ضرور بن جاتا ہے۔ ایسی صورت میں دل آزاری کو مشروط طور پر حرام قرار دینا ایک فتنہ بن جائے گا۔ تم یہ کہتے ہو کہ تمام مذاہب ایک ہیں۔ یہ بات مذاہب عالم کے ان اختلافات کو دور نہیں کرسکتی جو فی الواقع موجود ہیں۔ رام رحیم ایک ہیں' یہ قول بھی فساد سے خالی نہیں ہے۔ رام چندرجی راجہ دشترتھ کے بیٹے تھے مگر رحیم لم یلد ولم یولد ہے۔ نہ وہ کسی کی اولاد ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔ ان تضادات سے قطع نظر تم نے وہ راہ فراموش ہی کردی جو پورے عالم انسانیت کے لیے آسائش وفلاح کی ہے۔ اللہ کے وجود کا وجدان نے کبھی انکار نہیں کیا۔ یہ تو درست ہے کہ اللہ کے ان گنت نام ہیں مگر اسے سب اپنا مالک وخالق مانتے ہیں۔ عالمی اتحاد کی بنیاد اللہ کی ذات ہی بن سکتی ہے۔ اسی کی نسبت ایک کو دوسرے سے سگے بھائیوں کی طرح قریب کرسکتی ہے۔ تم نے دراصل اسلام کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ رحمۃ للعالمین کا امتی تو مجسم رحمت ہوتا ہے اور اس کی رحمتیں مسلمانوں تک محدود نہیں ہوتیں۔ وہ پوری انسانیت کا بہی خواہ اور دوست ہوتا ہے۔"

گفتگو طویل ہوئی مگر وفد لاجواب ہو کر چلا گیا۔

احمد داس نے اپنے ہم خیالوں کا ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا اور کہا "میاں میرؒ کو شہنشاہ جہانگیر نے بزرگ سمجھ کر بلایا ہے۔ یہ جو کچھ کہیں گے' اس کا وہ ضرور اثر قبول کرے گا۔ میاں میرؒ سے میں بات کرچکا ہوں' وہ ہماری تحریک کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہوں گے۔ ان کا بیان سادہ اور استدلال وزنی ہے۔ انسانی فلاح کے لیے جو اصول ہم نئے مذہب کے نام سے پیش کررہے ہیں' وہ انسانی فلاح کے لیے اسلام کو اس سے زیادہ موثر طریقے سے پیش کرتے ہیں۔ اگر وہ بادشاہ تک پہنچے تو ہماری تحریک کی خیر نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر ان کے معاملے میں آہنسا کا اصول برتا گیا تو ہماری موت واقع ہوجائے گی اس لیے دہلی پہنچنے سے پہلے ان کا ختم ہوجانا بہت ضروری ہے۔ صرف چار رضا کار اس کام کے لیے کافی ہوں گے۔ وہ جیسے ہی امرتسر سے آگے بڑھیں' انہیں راستے میں ختم کردیا جائے۔"

اس ہنگامی اجلاس کے فیصلے کی خبر لے کر مشکی غازی فوراً میاں میرؒ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے اسے دیکھتے ہی کہا "مجھے معلوم ہے کہ تم میرے قتل کی سازش سے باخبر

کرنے آئے ہو مگر مجھے میرا خدا پہلے ہی مطلع کرچکا ہے۔ بہرکیف اس جذبہ خیر خواہی کی اللہ تعالیٰ تمہیں بہتر جزا عطا فرمائے۔"

آپ امرتسر سے روانہ ہوئے تو دشمن آپ کے پیچھے لگ گئے۔ دوپہر میں ایک تالاب کے کنارے آپ رکے' گھوڑا ایک درخت سے باندھا اور کچھ کھانا تناول فرما کر لیٹ گئے۔ دشمن موقع کی تاک میں تھے۔ وہ دبے پاؤں ننگی تلواریں ہاتھ میں لیے آپ کی طرف بڑھے مگر جب فاصلہ صرف دس قدم رہ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی سلب کرلی۔ وہ اس اچانک افتاد سے بوکھلا گئے۔ غور کرنے پر ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ وہ جس کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں' وہ اللہ کا محبوب بندہ ہے۔

ایک فیصلے پر پہنچنے کے بعد چاروں نے تلواریں نیام میں رکھیں لیں۔ ارادہ قتل جیسے ہی ان کے قلب سے رخصت ہوا' بینائی لوٹ آئی اور وہ عقیدت کے جذبات لیے ہوئے آپ کے پاس پہنچے۔ آپ نے ایک لطیف مسکراہٹ کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا۔ وہ ہاتھ جوڑ کر بیٹھ گئے تو آپ نے کہا "زندگی و موت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ نہ کوئی کسی کو ہلاک کرسکتا ہے نہ کوئی کسی کو زندگی دینے کی قدرت رکھتا ہے۔"

چاروں فاسد عقائد سے تائب ہو کر واپس چلے گئے۔ آپ نے تالاب پر نماز ظہر ادا کی اور اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔

قاصد نے گزارش کی تھی کہ آپ کے ساتھ سفر کریں۔ معتقدین کی بھی آرزو تھی کہ آپ کی ہمسفری سے مشرف ہوں مگر آپ نے تنہا سفر کیا۔ آپ کا خود بھی یہ معمول تھا اور ارادت مندوں کو بھی یہی سمجھاتے تھے کہ تنہائی بڑی نعمت ہے' انسان اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔ وہ چاہتے تھے کہ چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر جاری وساری رہے۔

امرتسر سے چلنے کے بعد آپ کی دوسری قابل ذکر منزل جالندھر میں ہوئی۔ آپ جب وہاں پہنچے تو چیچک کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ ہندوؤں کے ساتھ توہم زدہ مسلمان بھی کالی دیوی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایک مقررہ دن مندر جانے کی تیاری کررہے تھے۔ علما سے آپ نے پوچھا "تمہارے ہوتے ہوئے یہ توہم پرستی مسلمانوں میں کیسے باقی ہے؟"

جواب میں مہمل باتیں کی گئیں تو آپ کو جلال آگیا۔ آپ نے پورے شہر میں منادی کرادی کہ جو مسلمان اپنے مرض کی شفایابی کے لیے کالی کے مندر جائے گا' نقصان اٹھائے گا۔ اللہ نے اپنی قدرت سے چیچک کی وبا کالی کی طرف منتقل کردی ہے۔ تین دن کے اندر اندر سب مریض شفایاب ہوجائیں گے۔ اس اعلان کا مسلمانوں پر ہلکا سا اثر ہوا مگر جب اپنے اپنے مریضوں کی حالت سنبھلتے دیکھی تو ان کے شکوک یقین میں بدل گئے۔ مقررہ دن ہندو' کالی دیوی کی پوجا کو گئے تو انہوں نے حیرت ناک منظر دیکھا۔ کالی کے سنگین اور سیاہ

مجسّمے پر چیچک جیسے ابھار موجود تھے جن سے خون اور پیپ رس رس کر مکھیوں کو غذا فراہم کر رہے تھے۔ توہم پرست ہندو مندر سے سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ ذرا سی دیر میں یہ خبر شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ مسلمان اللہ اکبر کا نعرے لگاتے ہوئے اس مسجد تک پہنچے جہاں میاں میرؒ کا قیام تھا مگر آپ کو نہیں پایا۔ مخلوق خدا کی حاجت روائی کے بعد آپ ہجوم خلق سے بچنے کے لیے راتوں رات اپنے سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔

جالندھر سے آپ جب لدھیانہ پہنچے تو ایک مسجد میں قیام کیا۔ رات تین بجے کے قریب جب آپ مصروف عبادت تھے' محلے میں کہرام مچ گیا۔ ایک عورت کی چیخیں اجتماعی شور پر غالب تھیں۔ آپ کے دل درد مند میں عورت کی چیخوں سے ایک ٹیس سی اٹھی۔ مسجد سے نکل کر آپ شور کی طرف بڑھے۔ کسی انسان کی مدد کے لیے جانا فرض ہے' فرض کے سامنے نفل عبادات میں مشغول رہنا ویسے بھی نہ شریعت ہے نہ طریقت۔ آپ پہنچے تو لوگوں نے بتایا کہ ایک بیوہ کی تین جوان بیٹیوں کا جہیز ڈاکو لوٹ کر لے گئے اور شادی اسی ہفتے ہونے والی تھی۔ آپ نے لوگوں سے کہا "مجھے اس ضعیفہ کے پاس لے چلو' شاید میں کچھ مدد کر سکوں۔"

لوگ آپ کو وہاں لے گئے۔

آپ نے ضعیفہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا "رو رو کے خود کو ہلکان نہ کرو۔ تمہارے سامنے میں دو صورتیں رکھتا ہوں' ان میں سے ایک قبول کر لو۔ پہلی صورت یہ ہے کہ میں اتنی دولت تمہیں دے دوں کہ تم پہلے سے بھی بہتر اور مقدار سے زیادہ جہیز بنا سکو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تمہارا مسروقہ جہیز تمہیں واپس دلا دوں۔"

ضعیفہ اور حاضرین آپ کی اس پیش کش کو سن کر آپ کو حیرت سے دیکھنے لگے۔ ضعیفہ نے اپنے آنسو دوپٹے کے پلو سے صاف کرتے ہوئے عرض کیا "میاں صاحب' مجھے تو میرا جمع کیا ہوا جہیز اور وہ رقم جو شادی کے لیے لڑکیوں کا باپ رکھ گیا تھا' واپس مل جائے تو میرے لیے بہت ہے۔"

آپ نے فرمایا "میں مسجد جا رہا ہوں۔ نماز فجر کے بعد آکر سامان اور روپے لے جانا۔" آپ واپس ہوئے تو کچھ لوگ آپ کے ساتھ ہی مسجد میں آ گئے۔ آپ نے بلند آواز میں کہا "مشکی غازی! ڈاکوؤں کو مسروقہ مال کے ساتھ حاضر کرو۔"

ساتھ آنے والوں نے آپ کے مخاطب کو دیکھنا چاہا مگر ناکام رہے۔ تھوڑی دیر بعد اذان ہوئی اور پھر جماعت۔ دعا کے بعد آپ مسجد سے باہر آئے تو دیکھا سات ڈاکو بندھے ہوئے مسجد سے باہر پڑے ہیں اور تمام مسروقہ مال رکھا ہوا ہے۔ تمام نمازی حیران رہ گئے۔ ضعیفہ بھی آ گئی۔ اس نے سامان دیکھا تو چیخ چیخ کر کہا "میرا سامان یہی ہے' میرا سامان

یہی ہے۔"

وہ بیوہ بے حد مسرور تھی۔ کچھ دیر پہلے جن لوگوں نے ضعیفہ کے بین سنے تھے اب ان کی آنکھوں میں بھی فرط مسرت سے آنسو جگمگا رہے تھے۔

ضعیفہ نے صندوق کھول کر پہلے زر نقد کو دیکھا پھر زیورات دیکھے اس کے بعد کپڑوں کا شمار کیا اور پھر برتن گن کر اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا "اے فرشتہ رحمت! جہیز بالکل پورا ہے اور نقدی بھی کم نہیں۔"

آپ نے کہا "گھر جا کر نماز شکر ادا کرنا۔" لوگوں سے کہا "بھائیو! ضعیفہ کا یہ سامان اس کے گھر پہنچا کر تم بھی تو ثواب حاصل کرو۔" آپ کے یہ کہتے ہی سامان سروں پر اٹھا لیا گیا۔ آپ نے بڑی بی کو ایک اشرفیوں کی تھیلی دیتے ہوئے کہا "یہ میری طرف سے یتیم بچیوں کے لیے ایک حقیر تحفہ ہے۔"

ضعیفہ کو اپنے محسن کی اس پیش کش کو رد کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ اہل محلّہ نے ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا۔ کوئی ہاتھ چوم رہا تھا' کوئی دامن اور کوئی قدموں کو تھام کر عقیدت کا اظہار کر رہا تھا۔ کچھ لوگ سوالات کا بوجھ اٹھائے کھڑے تھے کہ بھیڑ کم ہو تو دریافت کریں' سامان کی واپسی کیسے ہوئی؟ آپ ہجوم سے بہت گھبراتے تھے۔ آپ نے بلند آواز میں سب کو خود سے الگ کھڑا ہونے کے لیے کہا جس کی تعمیل ہوئی۔

آپ ڈاکوؤں کے قریب جا کر ان سے مخاطب ہوئے "کیا ارادہ ہے' صدق دل سے اس ظالمانہ پیشے سے توبہ کرنے پر آمادہ ہو یا رسوائی اور جیل کی اذیت پسند ہے؟"

سب نے کہا "ہم توبہ کرتے ہیں۔ آئندہ نہ چوری کریں گے نہ ڈاکا ڈالیں گے۔"

آپ نے بغور ان کے چہروں کو دیکھا اور تین ڈاکوؤں کے ہاتھ پیر کھلوائے۔ وہ بندش سے آزاد ہوتے ہی آپ کے قدموں پر آ گرے۔ آپ نے مزید نصیحتیں کر کے توبہ کی استقامت کے لیے دعا فرمائی اور انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ ان کا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ آپ کے پاس سے چلے جائیں مگر وہ مجمعے کی حقارت آمیز نگاہوں کی تاب نہ لا کر روانہ ہو گئے۔ آپ نے باقی ماندہ چار ڈاکوؤں سے کہا "تم اللہ کو اس جھوٹی توبہ سے دھوکا نہیں دے سکتے۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے دلوں میں کھوٹ باقی ہے اور تم یہاں سے رہا ہو کر اپنے کردار کو بدلنے کے لیے آمادہ نہیں ہو۔ یاد رکھو اگر تم نے دل سے ڈاکا زنی کو چھوڑنے کا ارادہ نہیں کیا تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ تم چاروں کی زندگی میرے سامنے آئینہ ہے۔ تم میں سے دو شادی شدہ ہیں۔ ایک کی دو لڑکیاں ہیں اور دوسرا ایک لڑکے کا باپ ہے۔ تم میں سے دو قتل کے بھی مرتکب ہو چکے ہیں۔ میں تمہیں پانچ منٹ کی مہلت دیتا ہوں۔ تم اپنا معاملہ درست کر لو۔ نیکی کا ارادہ کرنے والوں کی اور پھر اس پر ثابت قدم رہنے والوں کی

اللہ ضرور مدد کرتا ہے۔" پانچ منٹ کے بعد اشارہ کرکے آپ نے تین ڈاکوؤں کے ہاتھ پیر کھلوادیے۔ آپ نے ان سے توبہ کرائی اور ان کے حق میں بھی دعا کی پھر رخصت کردیا۔ اب صرف ایک شقی القلب ڈاکو بچا جو اپنے دل اور زبان میں مطابقت پیدا کرنے سے قاصر تھا۔ مصلحت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ اپنی توبہ کا اعلان کرے۔ دل یہ کہتا تھا کہ ڈاکا ڈالنا چھوڑ دیا تو عیش و عشرت کی زندگی کیسے بسر ہوگی؟ آپ نے فکر کے دوراہے پر کھڑے ہوئے ڈاکو کی اصلاح کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ کام آپ بیک نظر بھی کرسکتے تھے مگر آپ یہ چاہتے تھے کہ وہ اپنے ہی ارادے سے توبہ کرے تو اجر عظیم کا مستحق بھی ہوجائے گا۔ آپ نے ایک نگاہ کرم سے اسے دیکھا۔ وہ بے ہوش ہوگیا۔ آپ نے کہا "اسے بھی کھول دو۔"

جب وہ ہوش میں آیا تو اس کی زندگی میں انقلاب آچکا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور زبان پر توبہ جاری تھی۔

آپ نے اسے بھی رخصت کرتے ہوئے کہا "یہ سات رسیاں اٹھا کر اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اگر آسائش معاش درکار ہے تو ان رسیوں کو فروخت کرکے دوسری چیزیں خریدنا۔ اسے بیچ کر کوئی اور چیز خریدنا اور اسی طرح عمل جاری رکھنا' نفع اور اصل رقم بڑھتی ہی جائے گی۔ شمالی گجرات کے شہر کلول میں رسی والا فیملی اپنی پوری خوش حالی کے ساتھ آج بھی موجود ہے اور یہ صدری روایت ان کے خاندان میں معروف ہے۔

لدھیانہ میں عقیدت مندوں کی بھیڑ لگ گئی۔ آپ کو بہت روکا گیا مگر آپ لوگوں کو اشکبار چھوڑ کر انبالہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

انبالہ میں آپ نے یہ بات شدت سے محسوس کی کہ وہاں دینی فضا بہت ستھری تھی۔ اکبر کی خرافات کا وہاں یا تو داخلہ ہوا ہی نہیں تھا یا مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات نے فاسد عقائد کی تطہیر کردی تھی۔ علما و مشائخ سے وہاں آپ کی اچھی صحبتیں رہیں اور وہاں قادری نسبت کا چراغ روشن ہوگیا۔

انبالہ سے اگلی منزل سہارنپور تھی۔ سہارنپور سے قریب ہوئے تو آپ نے بہار چشت کی تازگی محسوس کی۔ جگہ جگہ خانقاہوں میں آپ کا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ مولانا رحمت اللہ سہارنپوری سے مل کر آپ بہت خوش ہوئے۔ مولانا نے اصرار کیا کہ کچھ دن سہارنپور میں قیام کریں۔ آپ نے معذوری کا اظہار کیا مگر یہ وعدہ کرلیا کہ واپسی میں خواہش قیام کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔ جب آپ روانہ ہوئے تو سہارنپور کے مشائخ بہت دور تک آپ کو خدا حافظ کہنے کے لیے ساتھ ساتھ رہے۔

آپ میرٹھ پہنچے تو جہانگیر کے ایک مصاحب نے آپ کا استقبال کیا اور اپنی معیت میں دہلی لے گیا۔ جہانگیر نے بڑی عقیدت و احترام کا مظاہرہ کیا۔ اس نے شاہانہ انداز سے آپ

کے قیام و طعام کا جو اہتمام کیا تھا' آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ بادشاہ نے اصرار کیا تو آپ نے کہہ دیا کہ یہ آسائشیں اللہ سے غافل کردیتی ہیں۔ قناعت کے بستر پر توکل کے تکیے کو راحتوں کا سرمایہ سمجھتا ہے۔ دو دن مسلسل مصاحبت کے بعد جہانگیر حرف مدعا زبان پر لایا۔ اس نے اپنی ایک ایک پریشانی کا آپ سے اظہار کیا۔ آپ نے بڑی توجہ سے اس کی ہر بات سنی۔ جب جہانگیر اپنی بات مکمل کرچکا تو فرمایا "مسلمان بادشاہ کی تین بنیادی ذمے داریاں ہیں۔ پہلی یہ کہ اس کا عدل بلا تخصیص مذہب و ملت جاری ساری رہنا چاہیے۔ دوسری یہ کہ رعایا کا خود کو حاکم نہیں خادم سمجھے۔ تیسری اور آخری ذمے داری یہ کہ اپنی زندگی کو احکام شریعت کا پابند بنائے۔ وہ مسلمانوں کی نگرانی کرے اور انہیں شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی موثر تلقین کرے۔"

نصیحتیں سن کر جہانگیر کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

آپ نے مزید فرمایا "زندگی کی جو مہلت اب میسر ہے اسے غنیمت جانو اور اپنے گناہوں پر نادم ہوکر کثرت سے استغفار پڑھا کرو۔ یہ مال و دولت' تاج و تخت اور حشم و خدم سب یہیں رہ جائیں گے' خالی ہاتھ قبر کی طرف سفر کروگے اور قبر میں ایمان کے سوا کوئی چیز کام نہ آئے گی۔"

ایک مطلق العنان بادشاہ کے سامنے حق گوئی جہاد اکبر تھا۔ آپ نے ان تمام پھوڑوں پر نشتر مار دیا جن میں فساد پروان چڑھ رہا تھا۔ جہانگیر پر آپ کی زبان حق ترجمان نے بڑا گہرا اثر ڈالا۔ اس نے عرض کیا "یہ دنیا اب میرے لیے سنگ و خشت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ مجھے اجازت دیجیے کہ امور سلطنت سے دست کش ہوکر یاد الٰہی میں مصروف ہوجاؤں۔"

میاں میرؒ نے کہا "تاج و تخت کو اگر امانت خداوندی مان لیا جائے مال و دولت خار و خس کی طرح بے وقعت ہوجائیں تو تاج و تخت میں کوئی قباحت ہے نہ مال و دولت میں اندیشہ زیاں۔ تم اپنے کام میں مصروف رہو اور یہ یاد رکھو کہ قیام عدل بھی عبادت ہے۔ خدمت خلق بھی بڑی عبادت ہے۔ تمہیں یہ گمان کیوں ہوگیا ہے کہ خرقہ پوشی اور مصلے پر بیٹھ کر تسبیح گھمانا ہی عبادت ہے۔"

جہانگیر نے عرض کیا "اگر کوئی فرمائش ہو تو بتایئے؟"

آپ نے فرمایا "جو طلب کروں دوگے؟"

جہانگیر نے عرض کیا "بسرو چشم۔"

آپ نے فرمایا "بس میں چاہتا ہوں کہ اب تم مجھے اجازت دے دو۔"

بادشاہ جہانگیر نے اسی وقت آپ کو بڑے احترام سے رخصت کردیا۔ آپ سہارنپور

سے بہت دور نکل آئے تو یاد آیا کہ مولانا رحمت اللہ سے کچھ وعدہ کیا تھا چنانچہ چشم زدن میں روحانی تصرف سے سہارنپور پہنچ کر مولانا سے ملے۔ تادیر رازونیاز کے مرحلے طے ہوتے رہے۔ آپ مولانا کو اپنی خلافت سے سرفراز فرما کر ان سے رخصت ہوگئے۔ واپس پہنچے تو گھوڑا وہاں سے غائب تھا جہاں باندھ کر گئے تھے۔ توجہ فرمائی تو مسکرا کر درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ ابھی آپ کو بیٹھے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ایک ضعیف العمر آدمی دور سے آتا ہوا نظر آیا جس کے ہاتھ میں گھوڑے کی لگام تھی۔ جب وہ قریب آیا تو آپ نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔ اس نے بھی گھوڑے کی لگام چھوڑ کر فرط شوق میں معانقہ کیا۔ اس طرح ملاقات ہوئی جیسے دو بچھڑے ہوئے دوست مدت کے بعد ملے ہوں مگر میاں میرؒ کی نووارد صوفی صالح محمد سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ روحانیت سے حقیقی شغف رکھنے والا گروہ ایک دوسرے کی شناخت کے لیے چہرے کا محتاج نہیں ہوتا' روح' روح کے حوالے ہی سے تعارف کے مراحل طے کرتی ہے۔ صوفی صالح محمد نے آپ کے گھوڑے کو دیکھا تو یہ بات جان لی کہ یہ ایک صاحب روحانیت بزرگ کی سواری میں رہا ہے چنانچہ وہ اسے کھول کر لے گئے' اسے دانا پانی دیا اور واپس لے آئے۔

صوفی صالح محمد نے آپ سے کہا "مجھے معلوم ہے کہ آپ بعجلت لاہور پہنچنا چاہتے ہیں ورنہ میں آپ کو یہاں قیام کے لیے کہتا۔ میرے لیے یہی کافی ہے کہ آپ کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کرلیں اور آپ کے گھوڑے کی میزبانی کی سعادت حاصل کرلی۔ آپ سے صرف اتنی التماس ہے کہ میرے لیے یہ دعا کریں کہ میرا خاتمہ ایمان پر اور مدینے میں ہو۔"

آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ آپ کی عاقبت بخیر فرمائے۔ اگر مدینہ منورہ میں رہنا بسنا چاہتے ہوں تو میں اس کا بندوبست بھی کرسکتا ہوں۔ آپ چاہیں تو ابھی چلے جائیں۔"

صوفی صاحب نے کہا "میں دنیا کی تمام ذمے داریوں سے فارغ ہو چکا ہوں۔ حقوق العباد کا کوئی بوجھ میرے کاندھوں پر نہیں ہے۔ میں الحمدللہ اتنا فارغ ہوں کہ ابھی اور اسی وقت جانے کے لیے تیار ہوں۔ دیار حبیبؐ تک پہنچنے کے امکانات کا دروازہ کھلے اور میں تساہل کروں' محبت میں اس کی گنجائش کہاں ہے۔"

میاں میرؒ نے کہا "آنکھیں بند کرکے کسی طرف بھی تین قدم چلو اور میں کہوں تو آنکھیں کھول لینا۔"

صوفی صالح محمد نے فوراً آپ کی ہدایت پر عمل کیا۔ جب ان کے کانوں میں صدا گونجی کہ وہ آنکھیں کھول لیں' تو انہوں نے آنکھیں کھول لیں۔ پاس ہی میاں میرؒ کھڑے تھے اور سامنے گنبد خضریٰ کی تجلیاں دعوت نظارہ دے رہی تھیں۔

صوفی صالح محمد کی آنکھیں برسنے لگیں۔ وہ "**الصلواۃ والسلام علیک یارسول اللہ**" کا نعرہ مار کر بے ہوش ہوگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو دیکھا کہ میاں میرؒ کے زانوں پر سر ہے اور وہ آہستہ آہستہ درود پڑھ رہے ہیں۔ صوفی صالح محمد اٹھ کے بیٹھ گئے۔

میاں میرؒ نے کہا "اب آپ دیار حبیبؐ میں آگئے' یہیں قیام کیجئے۔ ضروریات زندگی کے لیے آپ کو کبھی پریشانی نہیں ہوگی۔ ہر مہینے آپ کا وظیفہ آپ کو ملتا رہے گا۔ میں اب جارہا ہوں۔ خدا حافظ۔"

میاں میرؒ واپس پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے کے پاس کھڑا ہے اور اسے غور سے دیکھ رہا ہے۔ آپ نے پوچھا "کیا یہ گھوڑا آپ کو بہت پسند آیا؟"

اس نے کہا "کاش اتنا خوب صورت گھوڑا میرے پاس ہوتا۔"

آپ نے فرمایا "گھوڑا آپ کی نذر ہے اسے قبول فرمائیں۔"

سائل اتنا سنتے ہی اچک کر گھوڑے پر سوار ہوا اور اس طرح گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا جیسے اسے یہ خدشہ ہو کہ گھوڑا بخشش کرنے والا اپنی پیش کش واپس لے لے گا۔ وہ کچھ ہی دیر بعد میاں میرؒ کی نگاہ سے اوجھل ہوگیا۔ آپ نے اپنے حجرے کا خیال کیا اور خیال کے ساتھ ہی لاہور پہنچ گئے۔ آپ کی غیر موجودگی میں مشتاقان زیارت کی بیتابی کا یہ احوال تھا کہ پندرہ بیس دن کا فراق رضائے دوست کی طرح قبول کیا۔ اس کے بعد روزانہ صبح سے شام تک حجرے کے باہر بیٹھے رہتے اور راستے پر نگاہیں جمی رہتیں۔ آپ جس وقت اچانک حجرے سے باہر آئے اور بلند آواز سے السلام وعلیکم کہا تو مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ کسی نے اس وقت اس بات پر دھیان نہیں دیا کہ آپ حجرے سے کیسے برآمد ہوئے۔ کوئی آپ کے ہاتھ چوم رہا تھا۔ کوئی دامن اور کوئی قدموں میں سر رکھ کر اپنے جذبہ بیتاب کی تسکین کی غیر شعوری کوشش میں مصروف تھا۔ مخلوق خدا کی اپنے لیے یہ بے قراری دیکھ کر آپ آبدیدہ ہوگئے۔ آپ نے سب کو بیٹھنے کا حکم دے کر سفر کا اجمالی حال بیان کیا۔

لاہور میں اب آپ کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ رجوعیت خلق کا یہ حال تھا کہ آپ کو اپنے معمولات پورے کرنے میں دشواری پیش آتی تھی۔ اطراف واکناف میں آپ کی فیض رسانی کا دریا جاری تھا۔ امیروں' رئیسوں اور وزیروں کی آمدورفت بھی بڑھ گئی تھی مگر وہ آپ کا التفات خصوصی حاصل نہ کرسکے۔ آپ بے طمع اور مال ودولت کے حصول سے بے نیاز تھے۔ "فتوح" اگر قبول کرتے بھی تو فوراً غریبوں میں تقسیم کردیتے۔

ایک دن آپ حلقہ ارادت میں چہرہ راز سے نقاب اٹھا رہے تھے کہ معاً موضوع گفتگو کی نسیم خرام تھم گئی۔ چند گہرے سانس لے کر فرمایا "علم رسول کی خوشبو آرہی ہے' اٹھو نکہت مدینۃ العلم کا استقبال کریں۔"

آپ چلے تو پورا مجمع آپ کے ساتھ ہولیا۔ آپ شہرپناہ کے دروازے پر پہنچے ساتھیوں نے دیکھا کہ چند افراد کا قافلہ چلا آرہا ہے۔ قافلہ قریب تر ہوا تو صورتوں کے تقدس نے مجمعے پر احترام کا جذبہ غالب کردیا۔

آنے والے گھوڑوں سے نیچے اتر آئے۔

میاں میرؒ نے محبت کے ساتھ ایک صاحب سے معانقہ کرتے ہوئے کہا "الحمدللہ ملاقات کی سبیل پیدا ہوگئی۔ جب میں دہلی میں مختصر قیام کے لیے گیا تھا تو آپ اجمیر شریف میں تھے۔"

یہ ان دو بزرگوں کی پہلی ملاقات تھی مگر میاں میرؒ امام الہند شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا اس طرح خیرمقدم کررہے تھے جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ قافلہ میاں میرؒ کی قیام گاہ پر پہنچا۔

خلوت میسر آئی تو شیخ محدثؒ نے اپنی آمد کا سبب بیان کیا "آپ کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ علمائے حق سے شہنشاہ جہانگیر کی نہ آج تک بنی ہے نہ بن سکتی ہے۔ بدنصیبی سے جہانگیر نے یہ سوچ رکھا ہے کہ مغلیہ سلطنت کا استحکام اسی صورت میں برقرار رہ سکتا ہے کہ ہندو اکثریت کو خوش رکھا جائے، خواہ اس مقصد کے لیے شعائر اسلام ہی سے کیوں نہ دست کش ہونا پڑے۔ اللہ شیخ احمد سرہندی کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ پورے ثبات واستقامت سے بدعات کے خلاف میدان میں جم گئے ہیں۔ ابتدا میں میرے اور ان کے درمیان غلط فہمی کی خلیج حائل ہوئی مگر جب ان سے ملاقات ہوئی تو شکوک رفع ہوگئے۔ ہمارا اتحاد عمل، حکومت وقت پر ایک ضرب کاری ثابت ہوا۔ جہانگیر ان دنوں ہمارے خلاف کسی سخت اقدام کے لیے بہانے کی تلاش میں تھا۔ خوئے بدرا بہانہ ہائے بسیار کے مطابق اسے بہانہ ہاتھ آگیا۔ مرزا حسام الدین پنج ہزاری میرا شاگرد اور شیخ احمد سرہندی کا مرید ہے۔ اس پر الزام عائد کیا گیا کہ وہ باغیانہ عزائم رکھتا ہے اور اسے بغاوت پر میں نے اکسایا ہے۔ اس الزام کے تحت مجھے اور مرزا حسام الدین کو دہلی سے کشمیر بلوایا ہے اور میرے بیٹے نورالحق کا دہلی سے کابل تبادلہ کردیا ہے۔ اب یہ سن وسال اور سفر کی غیر ضروری صعوبتیں اعصاب شکن معلوم ہورہی ہیں۔ جہانگیر میرے متعلق کیا فیصلہ کرتا ہے، مجھے اس کی پروا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی زندگی اسی کے نام پر اگر قربان ہوجائے تو یہ سب سے بڑی سعادت ہے۔ مرزا حسام الدین اور نورالحق کی پریشانیاں میرے لیے باعث پریشانی ہیں۔"

میاں میرؒ نے شیخ کی روداد سن کر فرمایا "آپ میری ذمے داری پر واپس دہلی تشریف لے جائیں۔ تمام پریشانیاں وہاں پہنچنے سے پہلے ختم ہوجائیں گی۔"

شہنشاہ جہانگیر کے بعد اس کا بیٹا شہاب الدین محمد شاہجہاں تاج وتخت کا وارث ہوا۔ وہ فقیر منش اور فقیر دوست تھا۔ میاں میرؒ جب دہلی تشریف لے گئے تو شاہجہاں آپ سے مل

کر بہت متاثر ہوا تھا۔ وہ تاج وتخت کی ذمے داریاں سنبھالنے کے باوجود میاں میرؒ کی ملاقات کے لیے بے قرار سا رہتا تھا۔ امور سلطنت پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے بعد وہ اپنے بیٹے داراشکوہ کے ساتھ لاہور پہنچا۔ وہ میاں میرؒ کی خدمت میں حاضری دے کر آپ کی مستجاب دعاؤں اور نصیحتوں سے مستفیض ہوا۔ ارادت وعقیدت پہلے سے موجود تھی اس ملاقات سے تعلق خاطر اور بھی گہرا ہوگیا۔

دوسری مرتبہ شاہجہاں بیمار داراشکوہ کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا "داراشکوہ کی صحت گرتی چلی جارہی ہے۔ شاہی طبیب اس کے مرض کی تشخیص سے عاجز ہیں۔ میں اس کے حق میں آپ کی دعا کا طالب ہوں۔"

داراشکوہ نے اس ملاقات کا حال خود اپنی تصنیف سکینۃ الاولیا میں اس طرح کیا ہے "حضرت نے میرا ہاتھ پکڑا، پھر مٹی کا پیالا جس میں خود پانی پیا کرتے تھے، پانی سے بھر کر ہاتھ میں لیا۔ اس پر دعا پڑھی اور پانی پینے کے لیے پیالہ اس فقیر کو دیا۔ پانی پینے کے ایک ہفتے بعد ہی میری سب بیماریاں افاقہ پذیر ہونے لگیں۔ میں نے پھر ایک شخص کو حضرت کی خدمت میں بھیج کر کامل صحت یابی کی دعا کے لیے التماس کی۔ حضرت نے فرمایا "فلاں وقت اور فلاں ساعت تک انشاء اللہ کامل شفا حاصل ہوجائے گی۔ حضرت کی متعین کی ہوئی تاریخ اور ساعت آئی اور میں کلی طور پر صحت مند ہوگیا۔"

شاہجہاں نے ایک دن میاں میرؒ سے درخواست کی "میرے لیے ایسی دعا فرمائیں کہ دنیا سے دل ہٹ جائے۔"

آپ نے فرمایا "جب آپ کوئی نیک عمل جس سے مسلمانوں کا دل آسودہ ہو، کریں تو اس وقت اپنے لیے خود دعا کریں اور خدا سے خدا کے سوا کچھ نہ مانگیں۔"

شاہجہاں نے میاں میرؒ کی خدمت میں شال کی ایک دستار اور خرمے کی ایک تسبیح پیش کی اور کہا "مال دنیا تو آپ قبول نہیں فرماتے، یہ حقیر نذر تو قبول فرما ہی لیجیے۔"

آپ نے دستار لوٹا دی۔ تسبیح قبول کرکے وہ بھی اسی وقت ایک مرید کو دے دی۔ اس ملاقات میں شاہجہاں بادشاہ نے علوم معرفت سے کافی حظ حاصل کیا مگر داراشکوہ کا روحانی اخلاص آپ کی توجہ سے سرخرو ہوا۔

میاں میرؒ نے لاہور میں اسی سال تک مسند ارشاد جلوہ افروز رہ کر پنجاب میں محبت الٰہی کی شمعیں روشن کیں۔ آپ سے بے شمار کرامتوں کا ظہور ہوا مگر آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ فاسق وفاجر، بیک نگاہ کیمیا اثر، فسق وفجور سے پاک ہوجاتے تھے۔ آپ کی سیدھی سیدھی باتیں جس میں سندھی لہجے کی مٹھاس رچی ہوئی تھی، دلوں میں گداز اور فکر میں پرواز پیدا ہوجاتی تھی۔ خالق ومخلوق کے ٹوٹے ہوئے رشتے جوڑنے میں آپ کو

کمال حاصل تھا۔

آپ نے تمام عمر نہایت سادہ' بے تکلف اور پابند شریعت زندگی بسر کی۔ لباس تک کبھی اس وضع کا استعمال نہ کیا جسے علامت فقر کہا جاسکے۔ آپ مریدوں کو اکثر سمجھاتے تھے "اگر فقیرانہ وضع اللہ کے لیے اختیار کروگے تو یہ عمل بے سود ہے۔ اللہ تو ہمارے دل کے احوال سے خوب واقف ہے۔ اہل دنیا کے لیے اگر درویشانہ سج دھج بناؤ گے تو یہ کھلی ہوئی ریاکاری ہے۔ لباس میں بس ایک ہی اہتمام ضروری ہے اور وہ یہ کہ پاک اور صاف ہو۔"

فقرا کی آپ عزت کرتے تھے' امرا قابل التفات نہ سمجھتے تھے۔ آپ کے مندرجہ ذیل اقوال تاریخ تصوف میں ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے۔

اغنیا صاحب صدقہ ہیں اور فقرا صاحب صادق۔

دیدہ دل صاف ہو تو کسی مشاہدے کے لیے آنکھیں بند کرنے کی حاجت نہیں۔

عارفوں کی نظر میں خدا کے سوا کچھ نہیں سماتا۔

حب جاہ فقیر کی روحانی موت ہے۔

اپنی فنا کے لیے گھڑی بھر سوچنا سال بھر کی عبادت سے افضل ہے۔

آدمی تین چیزوں سے مرکب ہے' نفس' دل اور روح۔ ان کی اصلاح کے بھی تین ضابطے ہیں۔ اصلاح نفس' شریعت کی پیروی سے۔ اصلاح دل طریقت کے فرائض ادا کرنے سے اصلاح روح حقیقت کے مرتبوں کی حفاظت سے۔

سالک کا کام یہی ہے کہ وہ نفس اور جسمانی خواہشات کو شریعت کا تابع بنائے۔

جس کا بدن روح کی طرح لطیف ہوجائے اس کے لیے مرنا اور زندہ رہنا یکساں ہے۔

۷ ربیع الاول ۴۲۵ھ بروز شنبہ جہان گزراں سے دارلقرا کی طرف سفر کیا۔ وصال سے پہلے آپ نے وصیت فرمائی جس میں اخلاص اور للہیت ایک ایک لفظ سے آشکار ہے۔

وفات کے بعد مجھے شورہ زدہ زمین میں دفن کرنا کہ میری ہڈیوں کا نشان تک باقی نہ رہے۔

قبر کی صورت نہ بنانا۔ (پکا مقبرہ)

میری ہڈیاں نہ بیچنا۔

میری قبر کو جنس تجارت نہ بنانا۔

○☆○

سجدۂ سنگ

سچ اور جھوٹ کا معرکہ' جلال و جمال کا تصادم' ہجوم بے خبری میں ایک باخبر شخص کی زندگی کا عکس

الماتا کا ترک فرماں روا چالیس سالہ حکومت کے بعد ۱۹۷۰ء میں بستر مرگ پر آخری سانسیں لے رہا تھا۔ اس نے بطور وصیت اپنے بیٹے سے بڑی نحیف آواز میں کہا "اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تو اور تیرا اقتدار برقرار رہے تو اپنی حدود مملکت میں مسلمانوں پر کوئی ظلم نہ ہونے دینا۔ وہ بے شک یہاں اقلیت میں ہیں مگر یاد رکھ کہ دنیا میں اس وقت مسلمان ہی سب سے بڑی قوت ہیں۔ ان کا جذبہ اخوت یہ برداشت نہ کرسکے گا کہ ان کے بھائیوں پر کہیں بھی ظلم ڈھائے جائیں۔ اگر وہ جان لیں گے کہ مسلمان ستائے جارہے ہیں تو یاد رکھ کہ نہ تو رہے گا' نہ یہ سلطنت۔ تیرے لیے عافیت اسی میں ہے کہ میری داخلی اور خارجی حکمت عملی کو اپنائے رکھنا۔"

سلطان الماتا زمنگی کی موت کے بعد جب اس کے بیٹے آغان نے تاج و تخت سنبھالا تو وہ ذہنی طور پر الجھ کر رہ گیا۔ اپنے باپ کی زندگی میں خود اس نے ایک تحریک خفیہ طور پر مسلمانوں کے خلاف چلائی تھی اور وہ خود ہی اس تحریک کا سرپرست تھا۔ اس نے ارکان تحریک کو بارہا یقین دلایا تھا کہ جب وہ اقتدار میں آئے گا تو مسلمانوں کو اپنی حدود مملکت میں اتنا پریشان کرے گا کہ وہ الماتوی حکومت کی حدود سے نکل جانے پر مجبور ہوجائیں گے۔ اب بے احتیاطی سے کیے ہوئے وہ وعدے اس کے لیے درد سر بن گئے تھے۔ باپ کی وصیت کا ایک ایک لفظ اسے یاد تھا اور وصیت میں جس خطرے کی نشان دہی کی گئی تھی' اس خطرے کی صحت بھی وہ محسوس کرچکا تھا۔ اگر وہ اپنے وعدے پورے کرتا تو تباہی یقینی تھی اور اگر وعدوں سے انحراف کرتا تو ان مخلص دوستوں کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا جنھوں نے اسی کی ایما پر مسلمانوں کو ستا کر سزائیں بھگتی تھیں۔

تحریک کے قائدین کا وفد جب ملاقات کے لیے آیا تو آغان نے بڑی محبت کا مظاہرہ کیا۔ وہ اس ملاقات کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کرچکا تھا۔ اس نے وفد سے کہا "اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم مسلمانوں سے اپنے دیوتاؤں کی توہین کا بدلہ لیں اور وہ لوگ جو ہمارا

مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گئے ہیں' انہیں عبرت ناک سزائیں دیں۔ مجھے آپ مشورہ دیں کہ اس انتقامی کارروائی کا آغاز کس طرح کیا جائے؟"

تحریک کے صدر مینتون نے آغان کی بات کے جواب میں کہا "مسلمانوں کی املاک تباہ کرنے اور ان کو لوٹنے کی ہمیں کھلی اجازت دے دو اور ہم کو ہر محاسبے سے آزاد کر دو۔ چند روز میں ہم مسلمانوں کو یہ ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیں گے۔"

"بہت عمدہ ترکیب ہے مگر ایک بات پر غور کر لو۔ جب مسلمان یہاں سے جائیں گے تو ان کا رخ ضرور فروتر کی طرف ہو گا کیونکہ فروتر ہی اسلامی ریاست کا قریب ترین سرحدی شہر ہے۔ فروتر میں تباہ و برباد ہو کر پہنچنے والے مسلمانوں کی حالت دیکھ کر ان کا احوال سن کر وہاں کے لوگ اور وہاں کا صوبے دار طارق کیا خاموش بیٹھا رہے گا؟ کیا وہ ہم پر حملہ آور نہ ہو گا اور اگر حملہ آور ہوا تو کیا ہم اپنا دفاع کر سکیں گے؟ یاد رکھو کہ مسلمانوں کی حکومت اس وقت دنیا کی سب سے بڑی اور طاقت ور حکومت ہے۔ نہ ہم رہیں گے نہ ہمارے معبد۔"

آغان کی بات سن کر وفد سکتے میں رہ گیا۔ تعصب کی وجہ سے وہ یہ بات سوچ ہی نہ سکتے تھے کہ ان کا پھینکا ہوا تیر خود ان کے سینے میں بھی پیوست ہو سکتا ہے یعنی مسلمانوں کی تباہی ان کی اپنی بربادی کا سبب بھی بن سکتی ہے۔

ایک طویل سکوت کے بعد مینتون نے کہا "کیا ہماری تقدیر میں یہی لکھا ہے کہ ہم اپنی آگ میں خود ہی جلتے رہیں۔"

"نہیں' ہر گز نہیں۔" آغان نے بلند آواز میں کہا اور اپنے اس شدید انکار کی وضاحت کی "مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے جہاں طاقت کا استعمال مفید نظر نہ آئے' وہاں عتاب پر دانائی کی نقاب ڈال لینا چاہیے۔ الماتا میں مسلمانوں کی تبلیغی کامیابی کے دو نمایاں اسباب ہیں۔ پہلا سبب ان کی 'تنظیم' دوسرا سبب ان کے سربراہ ہاشمی کا حسن تدبر۔ تم کو چاہیے کہ پہلے ان کے تنظیمی حصار میں رخنہ پیدا کرو اور ہاشمی کا خاتمہ کر دو۔ ہاشمی کو قتل کرنے والے رضاکار کو یہ اچھی طرح سمجھا دینا کہ اس قتل کے عوض اس کا بھی سر قلم کیا جائے گا۔ میں انصاف کی خانہ پری کرنے کے لیے اسے لازمی طور پر سزا دوں گا اور وہ اس سزا کو اپنے مذہب کے لیے قربانی سمجھ لے۔ اگر ہاشمی کے قتل سے مفید نتیجہ بر آمد نہ ہوا تو ہمارے ترکش میں ابھی تدبیر کے بہت سے تیر ہیں۔ مسلمانوں پر اجتماعی طور پر ہاتھ ڈالنا نقصان دہ ثابت ہو گا۔ ہم ان کے صرف بڑوں کو ایک کے بعد ایک اپنے راستے سے ہٹائیں گے اور جب گلہ بان ہی نہ رہیں گے تو بھیڑیں خود بہ خود تتر بتر ہو جائیں گی۔"

آغان سے یہ مفید ہدایات لے کر وفد کے ارکان مایوسی اور خوشی کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ شاہی محل سے رخصت ہونے لگے تو وفد کے قائد مینتون نے آغان سے کہا "میرے

ذہن میں ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنے کسی رضاکار کی قربانی دیے بغیر بھی ہاشمی کو ٹھکانے لگا سکتے ہیں۔"

یہ بات سن کر سب نے ہی مینتون کی طرف حیرت سے دیکھا۔ مینتون نے سوالیہ انداز نظر کے جواب میں کہا "میں ایسے باکمال پروہتوں سے واقف ہوں جو ہاشمی کو اور ہر اس مسلمان کو جسے ہم اپنے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیں گے' جادو سے ہلاک کر سکتے ہیں۔"

"اگر تمہارے پروہت یہ کام انجام دے سکیں تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔ میں پروہتوں کو اتنا بڑا انعام دوں گا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

مینتون اس اجازت سے مسرور ہو کر ساتھیوں کے ہمراہ شاہی محل سے اپنے گھر پہنچا۔ اس نے چار ارکان کو مختلف سمتوں میں نامور پروہتوں کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ انہیں اپنے ساتھ دارالحکومت الماتا میں لے آئیں پھر خود مینتون ایک گم نام مگر عظیم ساحر کی طرف روانہ ہو گیا جو دنیا سے الگ تھلگ ایک بلند پہاڑ پر مقیم تھا۔

الماتا کی مجموعی آبادی بیالیس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ ان میں مسلمان تین ہزار کے قریب تھے۔ پونے دو ہزار دارالحکومت میں اور باقی ریاست کے دوسرے شہروں میں رہتے تھے۔

چالیس سال قبل عبداللہ ہاشمیؒ تنہا الماتا میں آ کر آباد ہوئے تھے۔ یہ انہی کا فیض تھا کہ تین ہزار بت پرست حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے اور یہ امکان پیدا ہو چلا تھا کہ مقامی آبادی تیزی سے اسلام قبول کرنے لگے گی۔ الماتا میں مسلمانوں کی بڑی اچھی ساکھ تھی۔ ان کی دیانت داری' خوش اخلاقی اور ایفائے عہد کی جمیل عادتوں نے بت پرستوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ بت پرست' مسلمانوں کے ساتھ لین دین اور کاروبار کو ترجیح دینے لگے تھے۔ صناعی میں مسلمانوں کا کوئی جواب نہ تھا اور پر امن شہری ہونے کے علاوہ الماتا کی معیشت میں بھی وہ ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتے تھے۔

الماتا میں عبداللہ ہاشمیؒ نے ایک مسجد اور مدرسہ بنا لیا تھا۔ مدرسے کو الماتا کے مسلمانوں کے لئے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ تعلیم و تبلیغ کے اسی دینی مرکز سے الماتا کے تمام مسلمان مربوط تھے۔

عبداللہ ہاشمیؒ کی عمر اسی سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ تدریس اور تبلیغ میں ان کا عالم و فاضل بیٹا عبدالرحمٰن ان کے لیے قوت بازو بنا ہوا تھا۔ عبدالرحمٰن کی پرکشش شخصیت مسلمانوں اور بت پرستوں میں خاصی مقبولیت رکھتی تھی۔ وہ حسن مجسم تھے۔ صورت حسین' سیرت جمیل۔ الماتا کے نوجوان بلا تخصیص مذہب و ملت ان کو پسند کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن کی مقبولیت نے اسلام کی تبلیغ کو آسان بنا دیا تھا۔ ہر باشعور نوجوان یہ چاہتا تھا کہ

وہ ایسی خصوصیات خود میں بھی پیدا کرے جو عبدالرحمٰن میں تھیں اور عبدالرحمٰن بننے کے لیے پہلی شرط اسلام تھی۔ اسلام کے بغیر محبت کا دائرہ عالم گیر نہیں ہو سکتا تھا۔ بلا تفریق محبت اور خیر خواہی کے چراغ روشن نہیں ہو سکتے تھے۔ صرف متعصب اور محدود فکر رکھنے والے بت پرست اپنی مذہبی اجارہ داری برقرار رکھنے کے لیے مسلمانوں کے دشمن بنے ہوئے تھے۔

مینتون مذہبی تعصب کی آگ ذہن میں دہکائے ہوئے ریاست الماتا کے شہر چولگا پہنچ جو دارالحکومت کے مشرق میں واقع ہے۔ اس کی منزل کوہستان تیان شان کی برف پوش چوٹی تھی مگر اس نے چولگا میں ایک دن قیام ضروری سمجھا تھا۔ اس کی اطلاعات کے مطابق باژنگ جادوگر کوہستان تیان شان سے اتر کر کبھی کبھی چولگا میں بھی آجاتا تھا مگر مینتون کو یہ معلوم کرکے مایوسی ہوئی کہ باژنگ' چولگا میں نہیں تھا۔ مینتون دوسرے دن چولگا سے چلا تو برف باری ہو رہی تھی۔ اگر مینتون آتش انتقام سے نہ سلگ رہا ہوتا تو وہ اتنے سرد موسم میں کبھی سفر نہ کرتا۔ مینتون جب پہاڑ کی ترائی میں پہنچا تو رات ہو چکی تھی۔ اس نے رات بسر کرنے کے لیے ایک غار جلد ہی تلاش کرلیا۔ غار میں بھی درجہ حرارت صفر تھا مگر وہاں پہنچ کر اسے برف باری کی اذیت سے نجات مل گئی۔ وہ ایک کمبل اوڑھ کر دوسرے کمبل پر لیٹا تو اسے جلد ہی محسوس ہو گیا کہ وہ موسم کی شدت کا مقابلہ نہ کرسکے گا' وہ کمبل میں بھی سردی سے کانپ رہا تھا۔ اسے رگوں میں خون منجمد ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ رات نے ابھی اپنا سفر نصف بھی طے نہیں کیا ہوگا کہ مینتون بے ہوش ہو گیا۔

جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک ایسے غار میں ہے جو گرم اور روشن ہے۔ اطراف میں نظر ڈالی تو دیکھا کہ ایک طرف باژنگ بیٹھا ہوا ہے۔ مینتون تیزی سے اٹھا' بڑھ کر باژنگ کے قدموں پر گر پڑا اور اس کے پیر چوم کر کہا "تم نے مجھے بچالیا' میں تو اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔"

"تم ٹھیک سمجھے مینتون' میں نے تمہیں موت کے منہ سے چھین لیا ہے۔ میری یہ عادت ہے کہ سونے سے پہلے یہیں بیٹھے بیٹھے جادو کے عمل سے یہ دیکھ لیتا ہوں کہ کہیں میرا کوئی مہمان کسی پریشانی کا شکار نہ ہو۔ جب میری نظر تم پر پڑی تو میں نے جان لیا کہ سردی سے تمہارے اعصاب جکڑے ہوئے ہیں' تم بے ہوش ہو اور اگر تمہیں فوراً حرارت نہ پہنچائی گئی تو تم مر بھی سکتے ہو' چنانچہ میں تمہیں یہاں اٹھالایا۔ اب اٹھ کر بیٹھو اور بتاؤ کہ وہ کون سی ضرورت ہے جو تمہیں اس موسم میں یہاں تک کھینچ لائی تھی؟"

مینتون نے باژنگ کے قدموں سے سر اٹھا کر پہلے تو اطراف کا جائزہ لیا اور یہ جان کر کہ اس کے حواس کی کارکردگی بحال ہے' اس نے پوچھا "میں اس وقت کہاں ہوں؟ کیا برف

باری بند ہو گئی؟ کیا دھوپ نکل آئی ہے؟"

"نہ برف باری بند ہوئی ہے' نہ دھوپ نکلی ہے۔ اس وقت تم پہاڑ کی چوٹی پر ہو۔ یہاں تم جو حرارت محسوس کر رہے ہو' وہ میرے جادو کا کرشمہ ہے مگر تم نے میرے سوال کے جواب میں یہ نہیں بتایا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟" باژنگ نے مینتون کے سوالات کا جواب دے کر اپنا سوال دہرایا تو مینتون نے بڑے ادب سے کہا "یہ بات آپ سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ الماتا کی حدود میں آئے دن بت پرست' اسلام قبول کرتے چلے جارہے ہیں اور اگر گمراہی کی یہی رفتار برقرار رہی تو وہ دن دور نہیں جب الماتا میں مسلمانوں کی اکثریت ہو جائے گی۔ آغان کی ایما پر ہم نے بت پرستوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کی بہت کوشش کی ہے مگر کوئی عملی اقدام صرف اس لیے نہیں کیا کہ آنجہانی سلطان زمنگی مسلمانوں کا طرف دار تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ جب آغان برسر اقتدار آئے گا تو وہ مسلمانوں کے قتل عام کی اجازت دے دے گا مگر اس نے بادشاہت سنبھالنے کے بعد اپنا انداز فکر بدل لیا ہے۔ اب وہ کہتا ہے کہ اگر مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا تو اسلامی حکومت جو دنیا کی سب سے طاقت ور حکومت ہے اپنے بھائیوں کا انتقام لینے کے لئے ہم پر حملہ کردے گی اور تباہی ہمارا مقدر بن جائے گی۔ اپنی نئی حکمت عملی کے مطابق وہ یہ چاہتا ہے ہم مسلمانوں کی تنظیم درہم برہم کرنے کے واسطے ان ارکان کو اپنے رضاکاروں سے ایک ایک کرکے مروادیں جو نظم و نسق سنبھالے ہوئے ہیں مگر اس میں بھی اس کی ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ قاتل رضاکار اگر پکڑا گیا تو وہ اسے اپنے عدل کا بھرم رکھنے کے لیے سزا ضرور دے گا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے رضاکار مسلمانوں کو قتل کرکے خود بھی ذلت کی موت مریں۔ مجھے آپ کی طاقتوں پر جو اعتماد ہے' وہی مجھے یہاں لایا ہے۔ میں آپ کا پرانا خادم ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ آپ چند مسلمانوں کو آسانی سے ٹھکانے لگا سکتے ہیں۔"

مینتون کی بات سن کر باژنگ کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ اس نے گرج کر کہا "تو جھوٹ بول رہا ہے۔ اگر تجھے مجھ پر اعتماد ہوتا تو چار پروہتوں کو الماتا لانے کے لیے اپنے آدمی نہ بھیجتا۔"

مینتون کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا' وہ پھر قدموں میں گر پڑا اور اپنے اس طرز عمل کی معافی مانگتے ہوئے بطور عذر بولا "میں نے پروہتوں کو بلوانے میں بے شعوری سے کام لیا ہے مگر میرا اعتماد آپ پر تھا اور اسی لیے آپ کی خدمت میں' میں خود حاضر ہوا ہوں۔ دیوتاؤں کے لیے آپ مجھے معاف کردیجئے۔"

"میں اب تمہارا اعتماد ضرور بحال کروں گا۔ جن پروہتوں کو تم نے بلوایا ہے' وہ الماتا کے لیے روانہ ہو گئے ہیں۔ تم بھی الماتا جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا تیر مارتے ہیں۔ اگر وہ تمہارا

مقصد پورا نہ کر سکیں تو میں خود آجاؤں گا۔ تم اسی وقت یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ اب مو تم پر اثر انداز نہ ہو گا' چاہے کتنی ہی برف باری کیوں نہ ہو۔"

مینتون اسی وقت باژنگ سے رخصت ہو کر غار سے نکلا تو برف باری کی شدت دیکھ کر لرز اٹھا مگر یہ محسوس کر کے حوصلہ سفر پیدا ہوا کہ سردی اس پر اثر انداز نہیں ہو رہی تھی وہ بہ آسانی چولگا ہوتا ہوا الماتا پہنچ گیا۔ مندر میں اس کے مطلوبہ پروہت اس کے منتظر تھے انعام کا لالچ انہیں کشاں کشاں لے آیا تھا۔

چاروں پروہت آپس میں ایک دوسرے کے حریف تھے۔ وہ مل کر کوئی کام انجام دینے پر راضی نہ ہوئے تو مینتون نے عبداللہ ہاشمیؒ، عبدالرحمٰن، زید اور قاسم کی ہلاکت کی ذمے داری ایک ایک پروہت پر ڈال دی۔

پروہتوں نے اپنے جادوئی عمل کے لیے مندر کی حدود میں جگہوں کا انتخاب کر کے مینتون کو اس سامان کی ایک ایک فہرست دی جو انہیں اپنا عمل کرنے کے لیے درکار تھا۔ مینتون نے مطلوبہ سامان فراہم کرنے کے لیے اسی وقت آدمی دوڑا دیے۔

○☆○

عشا کی نماز کے بعد عبداللہ ہاشمیؒ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن سے کہا "زید اور قاسم سے کہہ دو کہ وہ آج رات اپنے گھروں کو نہ جائیں' مسجد میں ہی قیام کریں اور تم بھی یہیں رہو گے۔" ہاشمیؒ یہ ہدایت دے کر گھر کی طرف چل دیے جو مسجد سے قریب ہی تھا۔

مسجد سے نمازی چلے گئے تو تینوں دوست عبدالرحمٰن زید اور قاسم سر جوڑ کے بیٹھے۔ انہوں نے پیرو مرشد کا حکم تو بے چون و چرا مان لیا تھا مگر اس حکم کے پس پردہ جو مصلحت تھی' وہ ان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ بے مقصد غور و فکر سے وہ جلد ہی اکتا گئے اور یہ طے کیا کہ رات نوافل میں گزاری جائے تاکہ قیام مسجد کی برکتوں سے استفادہ کیا جا سکے۔

رات اپنے معمول کے مطابق سرگرم سفر تھی۔ الماتا پر سناٹے کی حکمرانی تھی۔ لوگ چین کی نیند سو رہے تھے مگر چند افراد کے لیے یہ رات امید و بیم کی رات تھی۔ جادوگر اپنے عمل میں مصروف تھے۔ وہ اپنے اپنے ہدف کے لیے اس رات کو آخری رات بنا دینا چاہتے تھے۔ دوسری طرف عبداللہ ہاشمیؒ اپنے مصلے پر بیٹھے مصروف عبادت تھے۔ "اے اللہ! یہ آپ ہی کے کرم سے مجھے معلوم ہوا کہ باطل' حق پرستوں کو اپنے کالے علم سے معدوم کرنے کی فکر میں ہے۔ اب آپ ہی ان کی تدبیر' انہی پر لوٹا دیجیے۔ ہم تو اپنے دفاع کی بھی قدرت نہیں رکھتے۔"

مسجد میں ہر خوف اور خطرے سے بے نیاز عبدالرحمٰن' زید اور قاسم نوافل کی پر کیف عبادت میں مصروف تھے اور ادھر مینتون کے دل کی دھڑکنیں عالم انتظار میں تیز سے تیز تر

ہوتی چلی جا رہی تھیں۔

رات کے پچھلے پہر الماتا کے بڑے مندر سے چار شعلے سنسناتے ہوئے تیر کی طرح بلند ہوئے۔ یہ شعلے پیغام اجل تھے۔ ان کی حدت اور تابناکی نگاہوں کو بے نور کر دینے والی تھی۔ چاروں شعلے مسلمانوں کی بستی کی طرف لپکے تھے۔ تین شعلوں نے مسجد کا طواف کیا۔ چوتھے نے عبداللہ ہاشمی کے گھر کے تین پھیرے کیے لیکن پھر جس تیزی سے آئے تھے' اسی تیزی سے مندر کی طرف لپکے اور جادوگروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ چاروں چیخ مار کر اپنی ہی آگ میں جل کر خاک ہو گئے۔

صبح جب مینتون نے جادوگروں کی جگہ خاک کے چار ڈھیر دیکھے تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا لیکن مآل کار ایک تلخ حقیقت کا اعتراف کرنا ہی پڑا۔ مینتون نے کبھی یہ بات سوچی بھی نہ تھی کہ سیدھے سادے' سراپا اخلاق اور بے ضرر مسلمان روحانی قوتوں کے بھی امین ہیں۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے لرز اٹھا تھا مگر باژنگ جادوگر کے خیال نے اسے ناامید ہونے سے بچا لیا۔ اسے یقین تھا کہ باژنگ کا سحر بہت اثر انگیز ہے' وہ ضرور مسلمانوں کے سربراہوں کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ وہ یہ سوچ کر مندر سے نکلا کہ پہلی ناکامی کی اطلاع آغان کو دے دے مگر پھر اس نے آغان کے پاس نہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے واپس مندر میں پہنچ کر مندر کے پجاریوں کو جمع کر کے انہیں ہدایات دیں کہ جادوگروں کی ہلاکت کو راز میں رکھیں اور ان کی خاک کو دریا میں ڈلوا دیں۔

مینتون مندر سے اپنے گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ باژنگ نشست گاہ میں اس کا منتظر ہے۔ مینتون دوڑتا ہوا باژنگ کے پاس پہنچا اور اس کے قدموں پر سر رکھ کر رونے لگا۔ باژنگ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "تمہارے بلائے ہوئے پروہتوں کے انجام سے میں واقف ہوں' اسی لیے میں اپنے وعدے کے مطابق تمہارے پاس آ گیا ہوں۔ رونا دھونا بند کرو اور سیدھے بیٹھ کر میری بات توجہ سے سنو۔"

مینتون نے باژنگ کے قدموں سے سر اٹھا کر آستین میں اپنے آنسو جذب کیے اور کہا "میں ہمہ تن گوش ہوں۔ فرمائیے' اب میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"پروہتوں نے جادو کا جو حربہ استعمال کیا تھا' وہ کبھی ناکام نہ ہوتا اگر مسلمانوں میں کوئی روحانی قوت نہ ہوتی۔ میرے خیال میں جادو سے کام نہ چلے گا۔ ہمیں مسلمانوں کے سرداروں کو راہ سے ہٹانے کے لیے کچھ اور ہی تدبیر کرنا ہو گی۔ میں فوراً تمہارے پاس اس لیے آ گیا ہوں کہ تم مایوس نہ ہو جاؤ۔ میں آج ہی اپنے آئندہ اقدام کے لیے کوئی فیصلہ کر لوں گا۔ یہ بات عام نہ ہونے دینا کہ میں الماتا میں آیا ہوا ہوں۔ تمہاری نشست گاہ بہت آرام دہ ہے' میں یہیں قیام کروں گا۔ اب کل صبح تک نہ تم میرے پاس آنا اور نہ ہی کسی کو

یہاں آنے کی اجازت دینا۔ کھانا پینا میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے' اس کی فکر نہ کرنا۔ اب تم جاکر آرام کرو۔ تمہارے اعصاب' ناکامی کے غم اور چار پروہتوں کی موت کے باعث خاصے تناؤ میں ہیں۔"

مینتون' باڑنگ کے قدموں میں سر جھکا کر نشست گاہ سے نکل گیا۔

○☆○

نماز فجر کے بعد عبداللہ ہاشمیؒ نے عبدالرحمٰن' زید اور قاسم سے کہا "تم لوگ میرے ساتھ چلو۔ ناشتا میرے ساتھ کرو گے۔" دسترخوان پر عبداللہ ہاشمیؒ نے کہا "الحمدللہ' رات خیریت سے گزر گئی۔ دشمنوں کا منصوبہ قتل ناکام ہو گیا۔ ہماری ہلاکت چاہنے والے خود جل کر خاک ہو گئے۔" اس انکشاف پر وہ تینوں حیرت سے پیرومرشد کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ کون ان کی ہلاکت کا خواہاں تھا اور ہلاکت چاہنے والے کس طرح جل کر خاک ہو گئے۔

عبداللہ ہاشمیؒ نے ان کی آنکھوں میں تحیر اور جستجو کے چراغ روشن دیکھے تو کہا "تم مینتون سے اچھی طرح واقف ہو۔ اس سرزمین پر وہ اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن ہے۔ اس نے چار جادوگر الماتا سے ہماری ہلاکت کے لیے بلوائے تھے۔ اللہ کے فضل سے مجھے اس بات کی اطلاع مل گئی تھی اس لیے میں نے تمہیں مسجد میں رات گزارنے کا حکم دیا تھا۔ کیا پچھلی رات تم نے کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں کی؟"

"کی تھی پیرومرشد۔" زید نے بڑے ادب سے کہا "رات کو میں نے چار شعلے دیکھے تھے جو مسجد کے آس پاس کچھ دیر منڈلاتے رہے تھے اور پھر غائب ہو گئے تھے۔ شعلوں کو صرف میں نے دیکھا تھا کیونکہ میں اس وقت وضو کر رہا تھا۔ بھائی عبدالرحمٰن اور بھائی قاسم اس وقت نماز میں مصروف تھے۔ شعلوں کو میں نے کوئی اہمیت نہیں دی تھی اور اسی لیے اپنے ساتھیوں سے ان کا تذکرہ بھی نہیں کیا تھا۔"

"تم نے جن شعلوں کو دیکھا تھا' وہ جادوگروں کی طرف سے آئے تھے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں نہ ہوتے تو اسی طرح جل کر راکھ کا ڈھیر بن جاتے جس طرح ان شعلوں سے جادوگر خاک کا ڈھیر بن گئے۔ میں نے تم لوگوں کو یہ اطلاع صرف اس لیے دی ہے کہ تم اب ہوشیار رہو۔ دشمن اس ناکامی کے بعد خاموش نہیں بیٹھے گا۔ تمہیں چاہیے کہ ہر وقت باوضو رہو اور اللہ سے پناہ چاہتے رہو۔ اللہ تعالیٰ ہر حال میں اہل ایمان کی حفاظت فرماتا ہے۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے معمولات میں کسی قسم کا فرق نہ آنے دینا۔"

○☆○

مینتون نے رات بڑی بے قراری سے گزاری تھی۔ صبح ہوتے ہی وہ باڑنگ کے پاس پہنچا تو اسے اپنا منتظر پایا۔ باڑنگ نے اسے دیکھتے ہی کہا "تم ٹھیک وقت پر آئے۔ میں نے اچھی طرح سوچ سمجھنے کے بعد ایک لائحہ عمل مرتب کر لیا ہے مگر اس میں تمہارے تعاون کی ضرورت ہو گی۔"

"میں تو آپ کا خادم ہوں' آپ حکم دیں۔"

"مجھے تین خوب صورت لڑکیوں کی ضرورت ہے۔ ان لڑکیوں کو اتنا خوب صورت ہونا چاہیے کہ ان کا جواب کوئی نہ ہو۔"

مینتون تھوڑی دیر کے لیے اس مطالبے سے پریشان ہو گیا۔ باڑنگ نے اس کو پریشان دیکھ کر کہا "اپنے مذہب کو بچانے کے لیے قربانیاں تو دینی ہی پڑیں گی۔ تمہاری بیٹی ناکیا بہت خوب صورت ہے۔ آغان کی بہن سمتان کا بھی کوئی جواب نہیں ہے۔ الماتا میں ایک لڑکی اور ہے جسے تم نہیں جانتے مگر ناکیا جانتی ہے۔ اس کا نام نزیان ہے۔ میں نے ان تین لڑکیوں کا انتخاب پورے الماتا کا جائزہ لے کر بڑی احتیاط سے کیا ہے۔ تمہیں یہ کام بظاہر بہت مشکل نظر آتا ہے مگر یہ ہے بہت آسان۔ تم صرف اپنی بیٹی سے کہو کہ وہ ان دونوں لڑکیوں کو اپنے یہاں کھانے پر مدعو کرے' باقی کام میں خود کر لوں گا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تینوں لڑکیوں پر کوئی آنچ نہ آئے گی۔ وہ ہر طرح سے محفوظ رہیں گی اور تمہارے دشمن ہلاک ہو جائیں گے۔"

مینتون کا ذہن الجھ سا گیا تھا۔ باڑنگ نے بھی پہلے قربانی دینے کا مطالبہ کیا تھا اور آخر میں لڑکیوں کے تحفظ کی ضمانت دی تھی مگر اس نے اس تضاد کو ذہن سے جھٹک کر کہا "مجھے تو یہ کام مشکل نظر آتا ہے کہ سمتان اور نزیان اس مقصد کی تکمیل کے لیے آمادہ ہو جائیں گی جو ابھی صرف آپ کے ذہن میں ہے مگر جب آپ کسی کام کو آسان کہتے ہیں تو یقیناً وہ آسان ہی ہو گا۔ میں ابھی جا کر اپنی بیٹی سے بات کرتا ہوں۔"

مینتون چلا گیا تو باڑنگ مسکرانے لگا۔ اس کی مسکراہٹ میں اعتماد سے زیادہ غرور شامل تھا۔

مینتون تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو اس نے کہا "ناکیا کل اپنی دونوں سہیلیوں کو اپنے گھر میں مدعو کرے گی۔ پرسوں دوپہر کی دعوت میں ان کی آمد یقینی سمجھ لیجیے مگر کیا آپ اب بھی مجھے نہیں بتائیں گے کہ یہ لڑکیاں عبدالرحمٰن' زید' قاسم اور ہاشمی کو کس طرح ہلاک کر سکیں گی؟"

باڑنگ نے ایک قہقہہ لگا کر کہا "ہاشمی کو میں نے نظرانداز کر دیا ہے۔ وہ بوڑھا تو اس غم ہی سے مر جائے گا کہ اس کا بیٹا عبدالرحمٰن اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ تین لڑکیاں تو میں نے

تینوں نوجوانوں کو دیوانہ بنانے کے لیے منتخب کی ہیں۔ میں ان لڑکیوں کو ان نوجوانوں کا خواب بنادوں گا اور وہ ان لڑکیوں کو ڈھونڈتے پھریں گے، دردر کی خاک چھانیں گے، نہ تبلیغ کرسکیں گے، نہ اس کی عبادت کرسکیں گے جس کی وہ عبادت کرتے ہیں۔ میں ان تینوں نوجوانوں کو خودکشی پر مجبور کردوں گا۔ وہ اپنے گلے، اپنے ہاتھوں سے کاٹنے پر مجبور ہوجائیں گے۔"

○☆○

الماتا کے فرماں روا کی بہن سمتان اور وزیراعظم مشاف کی بیٹی نزیان سے ناکیا کے مراسم بہت قریبی تھے۔ اس نے جب انہیں اپنے یہاں کھانے پر مدعو کیا تو انہیں آنا ہی پڑا۔ دعوت کا شاندار اہتمام کیا گیا تھا مگر اس دعوت میں الماتا کی تین منتخب دوشیزاؤں کے سوا کوئی شریک نہ تھا۔ باژنگ اور مینتون بھی دسترخوان پر موجود نہ تھے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ناکیا نے جب باژنگ کے کمالات اور بزرگی کا احوال تفصیل سے سنا کر یہ بھی کہا کہ باژنگ اس وقت اس کے گھر پر موجود ہے تو وہ دونوں اس کی زیارت کے لیے بے قرار ہوگئیں۔ ناکیا کا مدعا بھی یہی تھا کہ اس کی سہیلیاں باژنگ سے ملاقات کے لیے خود ہی اپنی خواہش کا اظہار کریں۔ چنانچہ وہ اپنی دونوں سہیلیوں کے ساتھ نشست گاہ میں پہنچی۔ ان تینوں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنی گردنیں جھکالیں۔

باژنگ نے زیرلب کوئی منتر پڑھا اور لڑکیوں کی طرف پھونک مار کر کہا "دیوتا تم کو ہمیشہ خوش رکھیں، تمہارا شباب، تمہاری رعنائی سدا بہار کردیں۔ اٹھو اور اب آرام سے بیٹھ جاؤ۔"

باژنگ کے حکم کی تعمیل میں جب وہ فرش پر بیٹھ گئیں تو باژنگ نے یہ جاننے کے لیے کہ اس کا منتر اثر کرچکا ہے یا نہیں، لڑکیوں سے باری باری ان کے نام دریافت کیے۔ جواب میں لڑکیوں نے خالی خالی نظروں سے باژنگ کی طرف دیکھ کر کہا تھا "معلوم نہیں۔"

باژنگ نے جو منتر پھونکا تھا، اس کے اثر سے لڑکیاں اپنی یادداشت کھوچکی تھیں۔ باژنگ نے سلب کی ہوئی یادداشتوں سے لڑکیوں کے پسندیدہ نوجوانوں کی یاد محو کرکے ان کی یادداشتیں انہیں لوٹادیں اور پھر ان سے ان کے نام پوچھے تو ہر لڑکی نے اپنا نام بتادیا۔ لڑکیاں اب جادو کے اثر سے ذہنی طور پر باژنگ کی معمول بن چکی تھیں۔ اس نے تینوں لڑکیوں کو ایک کے بعد ایک، دیر تک بغور دیکھا۔ ان کے خدوخال اچھی طرح ذہن نشین کیے اور پھر کہا "میری بات توجہ سے سنو، تم خود کو اپنے گھروں تک محدود رکھوں گی۔ اگر تمہیں گھروں سے نکلنے پر مجبور بھی کیا جائے تو بھی گھر سے نہ نکلنا اور یہ بات تو تم بھول ہی جاؤ گی کہ تم سے میری ملاقات ہوئی تھی۔" اپنی بات مکمل کرکے باژنگ نے پھر کوئی منتر پڑھا جس کے اثر

سے نشست گاہ میں ایسی گہری تاریکی چھاگئی کہ وہاں موجود افراد ایک دوسرے کو دیکھ بھی نہ سکتے تھے۔ کچھ دیر بعد تاریکی دور ہوئی تو باژنگ وہاں موجود نہ تھا۔ سمتان اور نزیان جب ناکیا سے رخصت ہوئیں تو وہ سب کچھ بھول چکی تھیں جو ناکیا کے گھر میں انہوں نے دیکھا تھا یا سنا تھا۔

باژنگ کے غائب ہونے کا شدید احساس صرف مینتون کو تھا۔ جب لڑکیاں نشست گاہ میں آئیں تو وہ باژنگ کے اشارے پر باہر چلا گیا تھا اسے سب سے زیادہ تشویش اس بات کی تھی کہ آئندہ کا لائحہ عمل کیا ہوگا۔

باژنگ پندرہ دن تک غائب رہنے کے بعد ایک دن اچانک مینتون کے گھر پہنچ گیا۔ مینتون نے یہ عرصہ بڑی بے قراری میں گزارا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی قدموں میں گرپڑا اور کہا "آپ نے تو مجھے پریشان ہی کردیا تھا۔ آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

"بے کار باتیں مت کرو مینتون۔" باژنگ نے گرج کر کہا اور مینتون کو کھڑے ہونے کا حکم دے کر بولا "میں اس بات کا پابند نہیں ہوں کہ ہر بات تمہیں بتاؤں۔ میں نے مسلمانوں کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اب میں جس طرح چاہوں گا، نمٹاؤں گا۔ آئندہ میرے معاملات کو جاننے کی کبھی جرات نہ کرنا۔ میں آج سے اپنے کام کا آغاز کررہا ہوں۔ پندرہ دن کا وقفہ ہاشمی کو صرف یہ سمجھانے کے لیے دیا گیا تھا کہ ہم مایوس ہوگئے ہیں اور اب کوئی کارروائی نہ کریں گے۔ میں اب اسی گھر میں مقیم ہوں مگر تم مجھ سے کسی نوعیت کا سوال اس معاملے میں ہرگز نہیں کروگے۔"

"میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ آپ اطمینان رکھیں۔" مینتون نے بڑے ادب سے کہا۔

رات ڈھل گئی تو باژنگ نے اپنے ساحرانہ علم سے استفادہ کیا۔ اس نے یہ معلوم کیا کہ عبدالرحمٰن، زید، قاسم، سمتان، نزیان اور ناکیا گہری نیند میں ہیں۔ یہ معلوم ہوجانے کے بعد اس نے ایک جادوئی عمل سے عبدالرحمٰن کے خواب میں سمتان کو، زید کے خواب میں نزیان کو اور قاسم کے خواب میں ناکیا کو بھرپور رعنائیوں کے ساتھ منتقل کردیا۔ اب وہ سب خواب میں وہی کچھ دیکھ رہے تھے، جو باژنگ کی خواہش تھی۔

○☆○

زید اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ رہتے تھے۔ قاسم کے والد اور والدہ بہ قید حیات تھے اور ان کی امیدوں کا مرکز قاسم ہی تھے کیونکہ وہی ان کی نرینہ اولاد میں باقی بچے تھے۔ قاسم اور زید نسلاً ترک تھے۔ انہیں اسلام اپنے نومسلم والدین سے ورثے میں ملا تھا۔

نماز فجر ان تینوں نے جماعت سے ادا کی مگر وہ نماز کے بعد اپنے پیرومرشد سے ملاقات

کئے بغیر تفریح کے لیے نکل گئے۔ انہوں نے شہر سے باہر کھلی فضا میں ایک جگہ کا انتخاب کیا مگر جس طرح وہ راستے میں خاموش اور لاتعلق سے رہے تھے‘ وہی کیفیت ان پر اب بھی طاری تھی۔ عبدالرحمٰن نے آخر اس سکوت کو توڑنے کے لیے زید سے پوچھا ”آج تمہیں چپ کیوں لگ گئی ہے؟“

”اس الزام سے تو آپ اور قاسم بھی بری نہیں ہیں پھر میرا ہی محاسبہ کیوں ضروری سمجھا گیا؟“

زید کے جوابی سوال سے محظوظ ہوتے ہوئے قاسم نے کہا ”دوستو! رات میں نے ایک بہت حسین خواب دیکھا ہے اور وہ خواب میرے حواس پر چھا گیا ہے۔ میں ابھی تک اسی میں گم ہوں ورنہ آپ جانتے ہیں کہ میں خاموش رہنے والوں میں سے نہیں ہوں۔“

”اگر خواب بہت ہی حسین تھا تو سناتے کیوں نہیں‘ عبدالرحمٰن سے بہتر خواب کی تعبیر کون دے سکتا ہے۔“ زید نے مسکراتے ہوئے کہا مگر خود ان کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو گئی تھیں اور عبدالرحمٰن کا حال بھی زید سے مختلف نہ تھا۔

قاسم نے اپنے بے تکلف دوستوں کو اپنا خواب سناتے ہوئے کہا ”رات میرے خواب میں ایک حور آ گئی تھی۔ وہ اتنی حسین تھی کہ میں الفاظ سے اس کی تصویر کشی نہیں کر سکتا۔ میں نے اس سے پوچھا تھا ’کیا تم جنت کی حور ہو؟ میرے اس سوال کے جواب میں اس نے تبسم کی بجلیاں گرا کر جواب دیا تھا کہ میں حور نہیں ہوں‘ میں اسی شہر میں رہتی ہوں اور ایک مدت سے تمہارے انتظار میں ہوں۔ اگر میں تمہیں اچھی لگتی ہوں تو مجھے تلاش کرو۔“

قاسم کا خواب سن کر زید نے بے ساختہ کہا ”خدا کی قسم‘ میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے۔ عبدالرحمٰن تمہارے خواب کی جو تعبیریں دیں گے‘ وہی میرے خواب کی بھی تعبیر ہو گی۔“

”میں خواب کا سن کر اتنا حیران نہیں ہوں جتنا زید کی اس بات سے کہ انہوں نے بھی قاسم جیسا خواب دیکھا ہے۔ دراصل میرا خواب بھی تم دونوں سے ملتا جلتا ہے مگر کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی حور بہ یک وقت ہم تینوں کے خوابوں کو حسین بنا گئی ہے۔ مناسب ہو گا کہ ہم وہ حلیہ اور نقش و نگار بیان کریں جو ہم نے اپنے اپنے خوابوں میں دیکھے ہیں۔“

”میں اس مجسمہ حسن کے متعلق صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس کا قد نکلتا ہوا ہے اور اس کے بائیں گال پر ایک نمایاں تل ہے۔ اگر شناخت کے لیے بیان حسن مفید ہوتا تو مجھ پر شاعری فرض ہو جاتی۔“

زید نے سکون کا سانس لے کر کہا ”میں نے جس سراپا قیامت کو دیکھا ہے‘ اس کا قد

نکلتا ہوا نہیں‘ درمیانہ ہے اور تل گال پر نہیں‘ دونوں ابروؤں کے درمیان میں ہے۔“

”تو اس کا مطلب ہے کہ ہمارے خوابوں کو مہکانے اور جگمگانے والی صورتیں مختلف ہیں مگر ایسا کیوں ہے کہ ہم تینوں نے بہ یک وقت ایک جیسا خواب دیکھا۔“ عبدالرحمٰن نے اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”مگر خواب دیکھنا ہمارا اختیاری فعل تو نہیں ہے کہ ہم کسی تشویش میں مبتلا ہوں۔ میں نے جو دیکھا ہے‘ وہ تمام آلودگیوں سے پاک تھا۔“ زید نے بڑے اعتماد سے کہا۔

”مگر یہ شیطانی چال بھی ہو سکتا ہے۔ ہمیں اس امکان کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔“ عبدالرحمٰن نے مزید اظہار خیال کیا۔

”خواب میں مجھے تو شیطنت کا شائبہ تک نظر نہ آیا۔“ قاسم نے وثوق کے ساتھ کہا۔

”نہیں قاسم! میں اپنے محسوسات کا اگر تم پر بھی اطلاق کروں‘ تو میں یہی کہوں گا کہ وہ خواب جو عبادت کی کیفیات پر اثر انداز ہو اور حواس پر اتنا چھا جائے کہ ذہن سے جھٹکا نہ جا سکے تو میں اس خواب کو شیطان سے ضرور منسوب کروں گا۔ اس مسئلے کا ایک حل ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنے اپنے خواب پیرومرشد کو سنا دیں مگر یہ جرات شاید ہم میں سے کوئی بھی نہ کر سکے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر ان خوابوں کا مسلسل اعادہ ہو تو پھر پیرومرشد سے رجوع کرنا‘ ناگزیر ہو جائے گا۔ فی الحال اس خواب کو زیادہ اہمیت نہیں دینا چاہیے۔ آؤ اب چلیں‘ ہمیں ناشتا کر کے مدرسے بھی پہنچنا ہے۔“

تینوں دوست اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے گھروں کو پہنچے پھر ناشتے سے فارغ ہو کر مدرسے کا رخ کیا اور تدریسی مشاغل میں مصروف ہو گئے۔

○☆○

باژنگ بہت خوش تھا کہ اس کی پہلی کوشش امید افزا تھی۔ دن میں اس نے کچھ دیر آرام کیا اور خواب کے دوسرے مرحلے کے لیے تیاریاں کرتا رہا۔ رات کو اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تینوں نوجوان جلد ہی سو گئے۔ اس کے نزدیک نوجوانوں کا جلد سو جانا اس بات کا غماز تھا کہ وہ پھر کسی حسین خواب کے آرزومند ہیں۔ باژنگ نے خود کلامی کی ”لڑکو! میں تمہیں اتنے خواب دکھاؤں گا کہ تم دنیا کے لیے خیال و خواب بن جاؤ گے۔“

باژنگ نے عالم تصور میں دوشیزاؤں کے خیال کو آراستہ کیا‘ بہترین لباس پہنایا اور اپنی ساحرانہ قوتوں سے ان کو نوجوانوں کے خوابوں میں منتقل کر دیا۔ اس بار بھی ہر لڑکی اسی نوجوان کے خواب میں پہنچی جس کے خواب میں پچھلی رات پہنچی تھی۔

نماز فجر کے بعد تینوں دوست پھر ایک جگہ جمع ہوئے۔ عبدالرحمٰن نے دوستوں سے پوچھا ”کیا آج بھی خواب دیکھا؟“

دونوں نے اثبات میں گردن جھکا کر کہا "وہی آئی تھی۔"

عبدالرحمٰن نے زید کو خاموش کرتے ہوئے قاسم سے کہا "تم اپنا خواب سناؤ۔"

قاسم نے اپنے خواب کے بکھرے ہوئے اجزا مرتب کرکے کہا "رات کو وہ پھر آئی تھی۔ اس کا لباس نہایت باریک تھا۔ میں نے حسن نامحرم کو سامنے دیکھا تو نظریں جھکا لیں۔ میں اس مرحلے پر یہ اعتراف کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کی طرف نہ دیکھنے میں اس بات کا بھی خاصا دخل تھا کہ مجھے اس کی طرف دیکھنے کی تاب ہی نہ تھی۔ میں اس سے یہ بھی نہ کہہ سکا کہ تم میرے پاس سے چلی جاؤ۔ مجھے گردن جھکائے دیکھ کر وہ میرے قریب آگئی اور اتنی قریب کہ اس کے کپڑوں سے اٹھنے والی مہک سے میرے انفاس معطر ہوگئے۔ اس نے مجھ سے بڑے پیارے انداز میں شکوہ کیا کہ تم میری طرف دیکھتے کیوں نہیں، کیا میری صورت اتنی ہی بری ہے کہ تم میرے قرب کو نظرانداز کردو؟ میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے اس کے لہجے میں ملال محسوس کیا تو میں تڑپ اٹھا اور بے ساختہ اس کی طرف نظر اٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر میں تڑپ اٹھا مگر میں نے اس سے یہی کہا کہ تم نامحرم ہو، میں تمہیں کیسے دیکھ سکتا ہوں جب کہ تمہارا لباس، بے لباسی کی حدود کو چھو رہا ہے۔ میری اس بات کے جواب میں اس نے کہا تھا، مجھے نامحرم کہہ کر میرا دل نہ دکھاؤ، میں تو تمہارے لیے ہی پیدا ہوئی ہوں۔ میری شادی تمہارے ساتھ ہی ہوگی۔ ہم ایک دوسرے کے لیے غیر نہیں ہیں۔ اس نے اپنا جملہ پورا کرکے اپنے ہونٹ میرے ہاتھ پر رکھنا چاہے تو میری آنکھ کھل گئی اور میرا دل بہت دیر تک تیزی سے دھڑکتا رہا پھر مجھے نیند بھی نہیں آئی۔"

زید نے آہ بھر کر کہا "حیرت ہے کہ اس رات بھی میرا خواب قاسم سے زیادہ مختلف نہیں رہا۔" پھر وہ عبدالرحمٰن کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "کیا آپ کا خواب بھی ایسا ہی تھا؟"

"ہاں میرا خواب بھی ایسا ہی تھا جیسا تم دونوں نے دیکھا مگر میں اب تیسرے خواب کا بھی انتظار کروں گا اور اس کے بعد ہی کوئی رائے قائم کروں گا۔"

عبدالرحمٰن کا جواب سن کر زید نے کہا "خوابوں کی یکسانیت کم حیرت خیز نہیں ہے مگر خواب میں ہم تینوں کے ردعمل کی وحدت اور بھی زیادہ تعجب کا سبب ہے۔"

عبدالرحمٰن نے جواب دیتے ہوئے کہا "خوابوں کی یکسانیت کے اسباب پر تو کل گفتگو ہوگی کیونکہ خوابوں کا تجزیہ میں نے ابھی کیا ہی نہیں ہے۔ رہ گئی ردعمل میں مطابقت کی بات تو اگر تم بھی غور کرتے تو اس کی وجہ معلوم کرلیتے۔ ہمارا انداز فکر ایک ہے۔ عصمت کے تصور میں ہمارے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہمارا مزاج بھی کسی بڑے فرق کا شکار نہیں۔ اگر مزاج کا فرق ہوتا تو ہم ایک دوسرے سے اتنے قریب نہ ہوتے۔ خیر، ایک رات اور سہی پھر ہم یا تو خوابوں کی حقیقت جان لیں گے ورنہ پیرومرشد کی بصیرت سے استفادہ

کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔"

○☆○

تیسری رات کا خواب جذبات کی آسودگی تک جاری رہا۔ رات کا بیشتر حصہ افکار پریشاں میں کٹ گیا تھا۔ صبح ہونے سے کچھ دیر پہلے تینوں کو ایسی گہری نیند آئی کہ نماز فجر قضا ہوگئی۔

پیرومرشد عبداللہ ہاشمیؒ نے جب ان تینوں کو نماز میں نہیں دیکھا تو انہیں یوں محسوس ہوا جیسے ان کے لگائے ہوئے باغ کے سب پھل دار درخت، تیز آندھی کے باعث جڑوں سے اکھڑ کر زمیں بوس ہوگئے ہیں۔ وہ غم سے نڈھال ہوگئے۔ لوگوں نے انہیں سہارا دے کر گھر پہنچایا۔ گھر کے دروازے پر عبدالرحمٰن کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہا "بیٹے، اللہ حافظ مجھے طلب کرلیا گیا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔"

عبدالرحمٰن نے سہارا دے کر بستر پر لٹایا تو انہوں نے کلمہ طیبہ پڑھ کر اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کردی۔

الماتا کے مسلمانوں کا قائد و مرشد، واصل بحق ہوا تو مسلمان تو مسلمان، بت پرست تک آب دیدہ تھے۔

مدرسے کے صحن میں تدفین ہوئی۔

باژنگ بہت خوش تھا کہ پہلی اور بڑی کامیابی اسے حاصل ہوچکی تھی۔ عبداللہ ہاشمیؒ کی وفات کی خوشی میں اس نے مینتون کے گھر پر جشن منایا۔

جس دن عبدالرحمٰن یتیم ہوئے، ان کا وہ دن بہت ہی مصروف گزرا۔ رات گئے جب وہ سوئے تو سمتان ان کے خواب میں ماتمی لباس پہنے ہوئے نمودار ہوئی۔ وہ دور کھڑی کچھ دیر تک روتی رہی اور کہا "تمہارا غم، میرا غم ہے۔ تین دن تک میں ان اپنے خسر کا سوگ مناؤں گی، اس لیے میرا انتظار نہ کرنا۔"

اس مختصر خواب کو دیکھ کر عبدالرحمٰن خاموش ہی رہے تھے۔ اس رات زید اور قاسم کی نیندیں بے خواب ہی رہی تھیں مگر خواب میں مطلوبہ دوشیزاؤں کو نہ دیکھ کر بھی وہ دلوں میں ایک کسک سی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے تھے۔

عبداللہ ہاشمیؒ کے بعد عبدالرحمٰن اپنے والد کے جانشین بن کر ذمے داریوں کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے۔ تعزیت کے لیے آنے والے لوگ، زخم جدائی کو اور گہرا کر رہے تھے اور مسلمانوں کی بہتری کے لیے بھی، سوچ کی لہریں ان کے ذہن سے اٹھ رہی تھیں۔ تین دن ہوا کی طرح گزر گئے۔ اس اثنا میں سمتان بھی کئی مرتبہ یاد آئی۔ اس کا ماتمی لباس، انداز غم گساری اور اس کے آنسو مجموعی طور پر عبدالرحمٰن کے لیے خوش گوار رفاقت بن گئے

تھے۔

سمتان حسب وعدہ تین دن بعد خواب میں آئی تو عبدالرحمٰن نے یوں محسوس کیا جیسے وہ اسی کے منتظر تھے۔ سمتان نے آتے ہی ادب سے سلام کرنے کے بعد کہا تھا "کیا میں تمہارے خوابوں ہی میں بسی رہوں گی۔ میں ایک زندہ حقیقت ہوں۔ مجھے تلاش کیوں نہیں کرلیتے؟ میرے خوابوں کی تعبیر کیوں نہیں بن جاتے؟"

"مگر میں تمہیں کہاں تلاش کروں؟" عبدالرحمٰن نے تڑپ کر پوچھا۔

"کل شام سنگھی کے دوراہے پر میں آؤں گی، مجھے دیکھ لینا۔ میں خواب نہیں حقیقت ہوں۔" سمتان نے جیسے ہی اپنی بات مکمل کی، خواب کے تار و پود بکھر گئے۔

نماز فجر کے بعد زید اور قاسم کی ملاقات عبدالرحمٰن سے ہوئی تو قاسم نے کہا "کیا آج شام سنگھی کے دوراہے پر ہماری طرح آپ کو بھی بلایا گیا ہے؟"

شام کو تم دونوں آجانا۔ اب خواب کو تعبیر خواب کی طرف سفر کرنا ہی پڑے گا۔" عبدالرحمٰن نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔

○☆○

باڑنگ نے ناکیا کے ذریعے سمتان اور نزیان کو بلوالیا تھا۔ باڑنگ، مینتون کے گھر پر موجود نہ تھا۔ تینوں دوشیزائیں شدت سے اس کی منتظر تھیں اور مینتون انہیں باتوں میں لگائے ہوئے تھا۔ سورج ڈھل گیا تو باڑنگ پہنچا۔ اس کے آتے ہی سب نے کھانا تناول کیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد باڑنگ نے کہا "تم جاکر گھوڑا گاڑی کا انتظام کرو، میں نشست گاہ میں ان لڑکیوں کے ساتھ تبادلہ خیال کروں گا۔"

مینتون چلا گیا تو باڑنگ لڑکیوں کے ساتھ نشست گاہ میں پہنچا اور ان سے کہا "تم نے جو خواب اب تک دیکھے ہیں، وہ میرے دکھائے ہوئے ہیں۔ تم نے وہی کچھ دیکھا جو میں نے چاہا ہے۔ اب تم کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ آج میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے اور تمہیں کہاں جانا ہے مگر ایک بات کان کھول کر سن لو، تم جن کی طرف جارہی ہو، نہ انہیں اپنا نام بتانا اور نہ پتا۔ کم سے کم وقت میں ان سے مل کر لوٹ آنا۔"

"آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔" تینوں لڑکیوں نے بیک وقت یقین دہانی کرائی۔

"تم سیدھی یہیں آؤ گی اور یہاں سے اپنے گھروں کی طرف جاؤ گی۔ ایک بات کی وضاحت میں اور ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ بیداری اور خواب کا کھیلا جانے والا کھیل ایک بڑے مقصد کے لیے کھیلا گیا ہے۔ تم نے مجھ سے تعاون کرکے اپنے مذہب کی بڑی خدمت کی ہے۔ آج کے بعد تم نہ کوئی خواب دیکھو گی، نہ تمہیں میرے پاس آنا ہوگا۔ کام مکمل ہوچکا ہے۔ میں آج رات کو یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

گھوڑا گاڑی آگئی تھی۔ کوچوان کو مینتون نے وہ ہدایات دے دیں جو باڑنگ کا مدعا تھیں۔

سائے پھیل کر دگنے ہوگئے تو تینوں دوشیزائیں باڑنگ کے حکم سے گھوڑا گاڑی میں بیٹھ گئیں اور گھوڑا گاڑی الماتا کے باغ سنگھی کی طرف دوڑ پڑی۔

عصر کی نماز کے بعد عبدالرحمٰن، زید اور قاسم سنگھی باغ سے باہر دوراہے پر آکر کھڑے ہوگئے تھے۔ انہیں انتظار کی زیادہ زحمت نہ اٹھانی پڑی۔ گھوڑا گاڑی کو انہوں نے دور سے ہی دیکھ لیا تھا۔ خواب کے تعبیر آشنا ہونے کی ساعت قریب آئی تو دل کی دھڑکنیں بھی بڑھ گئی تھیں۔ گھوڑا گاڑی قریب آکر رکی تو لڑکیوں نے مسکرا کر سلام کیا۔ ہر لڑکی کی نظر اسی پر جمی ہوئی تھی، جس سے خواب میں ملاقات ہوتی رہی تھی۔ قاسم نے بے قرار ہوکر ناکیا سے پوچھا "تم کون ہو؟ تمہارا نام کیا ہے؟ کہاں رہتی ہو؟" وہ سوال پر سوال کرتا چلا گیا۔

اس سے پہلے کہ ناکیا کوئی جواب دیتی، کوچوان نے گھوڑا گاڑی دوڑا دی۔ سوال تشنہ جواب رہ گیا مگر لڑکیوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر انہیں اس وقت تک الوداع ضرور کہا جب تک راستے کے ایک موڑ نے انہیں آنکھ سے اوجھل نہ کردیا۔

قاسم نے آہ بھری اور زید کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ عبدالرحمٰن کے چہرے پر بھی افسردگی کے رنگ بکھرے ہوئے تھے مگر اس کے باوجود اس نے ان دونوں کو سنبھالا اور انہیں باغ میں لے گیا۔ تھوڑی دیر بعد نماز مغرب ادا کرکے انہوں نے واپسی کے سفر کا آغاز کیا۔ تینوں خاموش تھے اور خاموشی کے پردے میں اپنے غموں کو چھپانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد عبدالرحمٰن بولے "خواب اور بیداری کی سرحدیں مل گئی ہیں اور یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ ہمارے خواب غیرفطری تھے۔ کوئی قوت ان خوابوں کے پیچھے ضرور کارفرما تھی اور آج کی یہ ملاقات بھی کسی سازش کی ہی کڑی لگتی ہے۔ اس تمام تر ذہنی تلذذ کے ذریعے ہمارا دشمن ہمیں کیا نقصان پہنچانا چاہتا ہے، یہ میں بھی نہیں سمجھ سکا ہوں مگر میں اس راز کو جلد ہی نقاب سے محروم کردوں گا۔ تم دونوں اپنے حواس پر قابو رکھو۔ محبت ایک قابل قدر جذبہ ہے مگر مسلمان کی محبت کو بھی مسلمان ہونا چاہیے۔"

عبدالرحمٰن کی نصیحت سن کر بھی وہ دونوں خاموش ہی رہے تھے اور جب گھروں کے قریب ایک دوسرے سے رخصت ہوئے اس وقت بھی افسردہ تھے۔

عبدالرحمٰن عشا کی نماز کے بعد اپنے والد محترم عبداللہ ہاشمیؒ کے مزار پر پہنچے۔ فاتحہ خوانی کے بعد جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو جذبوں کی گھٹن آنسو بن گئی۔ دیر تک روتے رہے اور رو رو کر اتنے نڈھال ہوئے کہ مزار ہی سے ٹیک لگا کر بے ہوش ہوگئے۔ بے

ہوشی کے اثرات ختم ہوئے تو نیند نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ نیند میں خواب دیکھا کہ والد محترم نے آکر آپ کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا اور شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "بیٹے' پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم نے اپنے خوابوں کا صحیح تجزیہ کیا ہے۔ ایک جادوگر جس کا نام باژنگ ہے' مینتون کی طلبی پر الماتا سے آیا ہوا ہے اور اسی نے جادو کے ناکام ہو جانے کے بعد جادو اور نفسیات کے مشترکہ علوم سے تم پر اور تمہارے دونوں ساتھیوں پر حملہ کیا ہے تاکہ تم اپنے حواس سے بیگانہ ہو جاؤ مگر اب باژنگ کا کوئی وار تم پر نہ چلے گا۔ موت نے مجھے مہلت ہی نہ دی کہ میں تمہیں تمہاری وہ امانت دے سکتا جو میرے پاس محفوظ تھی۔ اٹھو اور مجھ سے معانقہ کر کے اپنی روحانی امانت لے لو تاکہ تم باطل کی قوتوں کا دفاع کر سکو اور تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھ سکو۔"

آپ نے جب معانقہ کیا تو والد محترم کی زیر لب دعاؤں کو بھی سنا۔ آنکھ کھلی تو تہجد کا وقت ہو چکا تھا۔ مسجد پہنچ کر وضو کیا اور تہجد سے قبل دوگانہ شکرانہ ادا کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نوازشات کے لیے چن لیا تھا۔ ان کے باطنی حواس' ظاہری حواس کی طرح کام کرنے لگے تھے۔ وہ تہجد کے بعد بھی مسجد میں ہی رہے۔ نماز فجر کے بعد زید اور قاسم کو ساتھ لے کر پھر والد کے مزار پر پہنچے' فاتحہ پڑھی اور دوستوں کو گھر لے گئے۔ ناشتا ساتھ کیا۔ ناشتے کے بعد آپ نے کہا "دوستو! میں نے خوابوں کی حقیقت کو سمجھ لیا ہے مگر اس سے پہلے میں تمہیں تفصیلات سے آگاہ کروں' بطور تحدیث نعمت یہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ گزشتہ رات سے میں اپنے والد محترم کے روحانی کمالات کا امین بن گیا ہوں۔ اب میں واقعی ان کا وارث ہوں۔ تم میرے پہلے بھی دوست تھے' اب بھی دوست ہو مگر اب تمہیں میری باتیں توجہ سے سننی ہوں گی اور ان پر عمل بھی کرنا ہوگا۔ تمہاری روحانی تربیت میرے سپرد کر دی گئی ہے۔"

"میں آپ کو پہلے بھی محترم سمجھتا تھا اور اب بھی آپ میرے لیے محترم ہیں۔"

قاسم کی بات سن کر زید نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "میرے مرشد کا جانشیں بھی میرے لیے مرشد ہی کا درجہ رکھتا ہے۔"

دوستوں کا یہ اعتراف آپ کی توقع کے مطابق تھا مگر اس جانشینی کے مسئلے پر آپ نے گفتگو ضروری سمجھی تھی۔ دونوں مودب ہو کر بیٹھ گئے تو آپ نے باژنگ کی آمد اور اس کی کارستانی کا وہ احوال سنایا جو اپنے والد محترم سے سنا تھا پھر کہا "انشاء اللہ اب باژنگ جاگتی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھے گا جس کی اسے توقع بھی نہ ہوگی۔ آج شام پھر شکھی باغ کے دوراہے پر چلیں گے اور وہ لڑکیاں ہر قیمت پر وہاں پہنچیں گی اور باژنگ انہیں روک نہ سکے گا۔"

○☆○

باژنگ نے لڑکیوں سے کہا تھا کہ وہ اب اپنے استھان پر چلا جائے گا مگر لڑکیوں نے اپنے خوابوں کے شہزادوں کو جب شکھی کے دوراہے پر دیکھا تھا تو ہزار جان سے ان پر فدا ہو گئی تھیں۔ باژنگ نے افسانے میں حقیقت کا رنگ بھرتے ہوئے دیکھا تو تڑپ اٹھا۔ اس نے لڑکیوں کے ذہنوں پر اپنی جو ساحرانہ گرفت قائم کی تھی' وہ اچانک ختم ہو گئی تھی۔

کوچوان کو ہدایت کے مطابق شکھی باغ سے مینتون کے گھر آنا تھا مگر سمتان نے اپنی حیثیت اور اپنے اختیارات کا حوالہ دے کر کوچوان کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ انہیں وزیر اعظم شاف کے گھر پہنچا دے۔ کوچوان' سمتان کے اس حکم کو رد نہ کر سکا تھا۔

نزیان کے گھر پہنچ کر تینوں دوشیزاؤں نے اپنے اپنے دل کا حال ایک دوسرے کو بتایا۔ وہ تینوں اس بات پر متفق تھیں کہ وہ اب ان نوجوانوں کے بغیر زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتیں جن کو وہ خوابوں میں دیکھنے کے بعد بیداری کے عالم میں بھی دیکھ چکی تھیں۔

تبادلہ خیال کے دوران میں نزیان نے بڑے ادب سے کہا "دیوتا باژنگ کو معاف نہ کریں' اس نے ہمیں بڑی مشکل میں پھنسا دیا ہے۔ ہم تو یہ بھی معلوم نہ کر سکے کہ جن کو دل دے دیا ہے' وہ کون ہیں؟ کہاں رہتے ہیں؟"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ محبت دنیا کی سب سے بڑی سچائی اور طاقت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح ہم بے قرار ہیں' دوسری طرف بھی یہی بے قراری ہوگی۔ اصولاً انہیں کل پھر اسی وقت وہاں آنا ہوگا جہاں دیدار اور ملاقات کی حسرتیں تڑپ کر رہ گئی تھیں۔ ہم کل شام پھر وہاں جائیں گے۔"

سمتان کی اس یقین دہانی میں بڑی جان تھی۔ بے قرار دلوں کو مایوسی کے اندھیروں میں روشنی کی کرن محسوس ہوئی۔ ناکیا نے اپنے اداس چہرے پر خوشی کے رنگ بکھیرتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے' بالکل ویسا ہی ہوگا جیسا سمتان نے کہا ہے اور میں یہ خوش خبری بھی سناؤں گی کہ ہم باژنگ کی ساحرانہ قید سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ ہم اس کی مرضی کے خلاف اس وقت یہاں موجود ہیں۔ اگر اب بھی ہمارے ذہن اس کے قابو میں ہوتے تو وہ ہمیں اپنے پاس پہنچنے پر مجبور کر دیتا۔" ناکیا نے ذہنی آزادی کی بڑی مضبوط دلیل پیش کی تھی مگر اب بھی ایک سوال باقی تھا جو نزیان نے کر ہی ڈالا "میری سمجھ میں یہ بات نہیں آسکی کہ ہمارا ذہن باژنگ کی قید سے کیسے آزاد ہو گیا؟"

سمتان نے اس مسئلے پر کچھ دیر غور کرنے کے بعد کہا "اس سوال کے کئی جوابات میرے پاس ہیں۔ ہر چند میں کوئی دلیل اپنے جواب کی صحت کے لیے پیش نہ کر سکوں گی مگر ایک کہاوت ضرور سناؤں گی۔ کہاوتیں موقع محل کے اعتبار سے ہماری زبان پر آجاتی ہیں' ہمیں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ زبان پر آجانے والی کہاوت کب سے ذہنوں میں سفر کر رہی

ہے اور وہ کہاوت کس کے حوالے سے زباں زد ہوئی تھی مگر میں نے یہ بات ایک قدیم چینی مفکر کے حوالے سے سنی ہے کہ محبت پر کسی کا جادو نہیں چلتا۔ ہماری محبت سچی ہے ہمارے جذبے پاک ہیں لہٰذا اب ہم پر بھی کوئی جادو اثر انداز نہیں ہو سکتا۔"

ادھر یہ لڑکیاں اپنا اطمینان بحال کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھیں اور دوسری طرف باژنگ نامرادی کے انگاروں پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ چند ساعتوں میں ہاری ہوئی بازی کو جیت میں بدلنے کے لیے وہ کئی منتر آزما چکا تھا مگر اس کی کوئی تدبیر اب تک کارگر نہیں ہوئی تھی۔ آخر تھک ہار کر اس نے مینتون سے کہا کہ تم ابھی جا کر کوچوان کو تلاش کرو اور اس سے پوچھو کہ لڑکیوں کو کہاں چھوڑ کر آیا ہے۔"

مینتون اسی وقت کوچوان کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ اس دوران میں باژنگ نے مینتون سے ذہنی رابطہ برقرار رکھا اور اسے وہاں پہنچا ہی دیا جہاں کوچوان چھپا ہوا تھا۔ کوچوان نے بازپرس کے جواب میں لرزتے کانپتے ہوئے بتایا کہ وہ ان تینوں لڑکیوں کو وزیراعظم مشکاف کے گھر چھوڑ آیا تھا۔

مینتون پتا معلوم کر کے باژنگ کی مرضی کے مطابق وزیراعظم مشکاف کے گھر پہنچا اور دربانوں سے کہا "میری بیٹی ناکیا یہاں آئی ہے۔ اسے اطلاع دو کہ اس کا باپ دروازے پر اس کا منتظر ہے۔"

دربان نے یہ پیغام نزیان کی کنیز کو پہنچایا اور کنیز یہ پیغام لے کر نزیان کے پاس پہنچی۔ نزیان اس وقت اپنی سہیلیوں کی شب باشی کے انتظامات میں مصروف تھی۔ مینتون کی آمد کا حال سن کر اس نے اس کی آمد کے مقاصد پر غور کیا اور پھر خود محل کے دروازے پر پہنچی۔ اس نے مینتون سے کہا "آپ اس وقت یہاں، خیریت تو ہے؟"

مینتون نے کہا "کیا ناکیا یہیں ہے؟"

"ہاں وہ یہیں ہے اور اس وقت سو چکی ہے۔ ایک دو دن میں ہم اسے آپ کے پاس پہنچا دیں گے۔"

"ناکیا کی اس وقت گھر پر شدید ضرورت ہے۔ اسے جگا کر میرے آنے کی اطلاع دے دو۔" مینتون نے پھر کہا۔

"ناکیا کو یہاں سمتان نے روکا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کے احکام کو ٹالنے کی جرات کسی میں نہیں ہو سکتی۔ وہ الماتا کے فرماں رواں کی چہیتی اور ضدی بہن ہے۔" نزیان نے مینتون کو مایوس کر دینے والا جواب دیا۔

مینتون ناکام و نامراد جب باژنگ کے پاس پہنچا تو نصف رات گزر چکی تھی۔ اس نے روداد سنانا چاہی تو باژنگ نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا "مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ میں اب مسلمانوں کی خبر لیتا ہوں، شاید ان کے ذہن پڑھ کر کوئی بات معلوم

ہو سکے۔"

باژنگ نے عبدالرحمٰن، زید اور قاسم کی طرف توجہ دی تو وہاں ایک حفاظتی حصار حائل پایا۔ باژنگ نے آنکھیں کھول کر مینتون سے کہا "اب راز سے پردے اٹھ گئے۔ عبدالرحمٰن نے ہی لڑکیوں کو میرے سحر کی گرفت سے آزاد کیا ہے۔ اس نے لڑکیوں کے علاوہ اپنے اطراف میں بھی ناقابل شکست حفاظتی حصار قائم کیا ہے مگر مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ کل تک جس عبدالرحمٰن پر میرا جادو کام کر رہا تھا، آج وہ اتنی روحانی قوتوں کا مالک کیسے بن گیا کہ میرا کوئی منتر کارگر نہیں ہو رہا ہے۔ اب میں اس معاملے سے دست بردار ہوتا ہوں۔ تم جانو اور یہ مسلمان، یہ میرا دردِ سر نہیں ہے۔ اگر میں نے ان کو ہلاک کرنے کے لیے کوئی جادو کیا تو وہ مجھ کو بھی اسی طرح ہلاک کر سکتے ہیں جس طرح ان پروہتوں کو ہلاک کیا گیا تھا جن کو تم نے بلوایا تھا۔ وہ بھی معمولی جادوگر نہ تھے۔" اس سے پہلے کہ مینتون اسے روکنے کے لیے اس کے قدموں پر سر رکھ کر گڑگڑاتا، باژنگ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ مینتون شدت غم سے چکرا کر گر پڑا۔ اس کے اعتماد کو شدید ٹھیس پہنچی تھی۔ ملازموں نے اسے اٹھا کر بستر پر ڈال دیا۔ وہ مسلسل روئے جا رہا تھا اور حرف تسلی سے محروم تھا۔

○☆○

دوسرے دن شام کو جب عبدالرحمٰن اپنے دوستوں کے ساتھ شگھی کی طرف جا رہے تھے تو انہوں نے اپنے دوستوں سے کہا "ہمیں اور بے قصور لڑکیوں کو باژنگ نے جذباتی رشتوں میں منسلک کیا تھا۔ ہر چند کے خواب، خواب ہی ہوتے ہیں اور ان کی کوئی اخلاقی اساس نہیں ہوتی مگر اب کچھ دلوں کی دھڑکنیں ہم آہنگ ہو گئی ہیں۔ اگر ہم لڑکیوں سے منہ پھیر لیں تو غم انہیں چاٹ جائے گا اور یہ کھلا ظلم ہو گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلے کا کوئی شرعی حل نکل آئے۔ آج کی ملاقات میں واضح طور پر لڑکیوں کو یہ سمجھا دینا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان مذہب کی خلیج حائل ہے۔ اگر وہ اس خلیج کو پاٹ نہ سکیں تو مقاربت کا کوئی امکان باقی نہ رہے گا۔ ہم نفس پر اپنا مذہب قربان نہیں کر سکیں گے، خواہ اس کے نتائج کچھ بھی ہوں۔ گزشتہ رات باژنگ نے ہر وہ تدبیر کی تھی جو وہ کر سکتا تھا مگر میں نے لڑکیوں کو اس کے سحر سے آزاد کر کے ان کے اطراف حفاظتی حصار قائم کر دیا تھا اور تم دونوں کو بھی اس کے شر سے محفوظ کر لیا تھا۔ اب وہ فرار ہو کر اپنی پہاڑی اقامت گاہ میں پہنچ گیا ہے۔ خیر، ان لڑکیوں سے آج کی ملاقات بہت اہم اور فیصلہ کن ثابت ہو گی۔ تمہیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

جب آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شگھی باغ کے پاس پہنچے تو تینوں لڑکیاں ان کی منتظر تھیں۔ لڑکیوں نے قریب ہو کر گردنیں خم کیں کہ یہی ان کے سلام کا انداز تھا۔ آپ نے

ان سے کہا ''آؤ باغ میں چل کر بیٹھتے ہیں' وہیں گفتگو ہوگی۔''

لڑکیاں ساتھ ہولیں۔ باغ کے ایک گوشے میں آپ نے سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گئے۔ گفتگو کا آغاز ایک نازک صورت اختیار کرگیا تھا۔ حیا اور حجاب نے ان کے ہونٹوں پر مہر لگادی تھی جو کتاب دل کی تفسیر کے لیے بے قرار تھے مگر آپ نے سکوت کے ان لمحات کو طویل نہ ہونے دیا اور کہا ''یہ ایک انوکھا حادثہ ہے کہ ہم ایک دوسرے سے آشنا بھی ہیں اور اجنبی بھی۔ صورت آشنا ہیں اور ناموں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ گزشتہ دنوں جو صورت حال رہی ہے' اس سے ہم سب آگاہ ہیں اس لیے ماضی کو نظرانداز کرکے میں پہلے اپنے ساتھیوں کا تعارف کروانا ضروری سمجھتا ہوں۔ میرے داہنے ہاتھ پر جو صاحب بیٹھے ہیں' ان کا نام قاسم ہے۔ یہ مسلمانوں کے دینی مدرسے کے صدر ہیں اور یہ صاحب جو میرے بائیں ہاتھ کی طرف بیٹھے ہیں' ان کا نام زید ہے۔ الماتا میں ان کا ظروف سازی کا کارخانہ ہے۔ یہ دینی مدرسے کے مہتمم بھی ہیں۔ میرا نام عبدالرحمٰن ہے۔ مجھے مسلمانوں کا خادم اور الماتا کے عوام کا خیر خواہ سمجھ لیجیے۔''

سمتان نے پہلے نزیان کا تعارف کراتے ہوئے کہا ''یہ الماتا کے وزیراعظم مشاف کی بیٹی ہے اور یہ ناکیا ہے' ان کے والد مینتون سے آپ ضرور واقف ہوں گے۔ میرا نام سمتان ہے اور الماتا کے والی' آغان میرے بڑے بھائی ہیں۔''

تعارف کی رسم ختم ہوئی تو آپ نے کہا ''ہمارا اس وقت یہاں جمع ہونا اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے وجہ کشش ہیں۔ اس کشش کو بہت سے نام دیے جاسکتے ہیں۔ ان میں سے ایک نام محبت بھی ہوسکتا ہے۔ محبت' محبوب و محب کے درمیان کوئی فاصلہ گوارا نہیں کرتی مگر کچھ فاصلے ایسے ہیں جو قربانی دیے بغیر عبور نہیں کیے جاسکتے۔ میں اپنی بات اگر آسان لفظوں میں کہوں تو یوں ہوگی کہ ہم خدا پرست ہیں اور تم بت پرست۔ ہمارے مذہب ہمیں ایک ہوجانے کی اجازت ہرگز نہ دیں گے۔ اس صورت میں محبوب و محب میں سے ایک کو محبت کی خاطر اپنا مذہب چھوڑنا پڑے گا مگر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ تبدیلی مذہب اگر شعور کے فیصلے سے ہو تو یہ تبدیلی اپنا ایک اعتبار رکھتی ہے اور اگر کسی جذبے کی تسکین کے لیے کوئی اپنا مذہب بدل ڈالے تو عقل و شعور کی اس سے بڑی کوئی بے حرمتی نہیں ہوسکتی۔ اس سے پہلے کہ کوئی میری وضاحتوں پر تبصرہ کرے' میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ الماتا کے صنم پرستوں کے یہاں ایسا کوئی ضابطہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کو صنم پرست بنالیں جب کہ اسلام کی آغوش ہر عقیدے کے انسان کے لیے کھلی ہے۔ کوئی بھی شخص اپنے عقائد کو چھوڑ کر مسلمان بن سکتا ہے۔''

آپ کی بات سن کر لڑکیاں سوچ میں پڑگئیں۔ آخر سمتان نے آپ سے کہا ''میں آپ کے بغیر زندگی کا کوئی تصور ہی نہیں رکھتی مگر مذہب کے معاملے میں آپ سے متفق ہوں کہ

اسے شعور کی کسوٹی پر پرکھ کر ترک یا قبول کیا جاسکتا ہے۔ میں صرف اپنے مذہب کے متعلق معلومات رکھتی ہوں۔ دو مذہبوں کا موازنہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک میری معلومات آپ کے مذہب کے متعلق بھی مکمل نہ ہوں۔ کیا آپ کوئی ایسی صورت نکال سکتے ہیں کہ میں دونوں مذاہب کا موازنہ کرنے کی استعداد پیدا کرلوں؟''

''میں اسلام سے تمہیں روشناس کرانے کی ذمے داری خوشی سے قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تم جہاں کہو گی' میں پہنچ جاؤں گا۔''

سمتان یہ پیش کش سن کر افسردہ سی ہوگئی تو آپ نے فوراً اس کا ذہن پڑھ کر کہا ''تم اس خوف کو دل سے نکال دو کہ اگر میں تمہارے پاس آیا تو تم پر اعتراض ہوگا کہ ایک مسلمان کو تم نے اپنے پاس آنے کی اجازت کیوں دی۔ میں رازداری سے آؤں گا اور اسی رازداری سے واپس چلا جاؤں گا۔''

آپ کی بات سن کر سمتان نے حیرت سے پوچھا ''مگر کیسے؟''

''تم وقت اور جگہ مقرر کرلو اور باقی کام مجھ پر چھوڑ دو۔''

''تو پھر رات کا وقت اچھا رہے گا۔'' سمتان نے جواب دیا۔

ناکیا جو اب تک خاموش تھی' بولی ''میں بھی اسلام کو سمجھنے کے لیے سمتان کے یہاں قیام کروں گی۔''

ناکیا کا جملہ ختم ہوتے ہی نزیان نے بھی سمتان کے یہاں قیام کا اعلان کردیا۔

اس فیصلے کے بعد آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا ''اچھا' اب تم جاؤ۔ رات کو میں آجاؤں گا۔ تم تینوں ایک ہی کمرے میں میرا انتظار کرنا' جس کمرے میں انتظار کروں گی' وہ کمرا میں خود ہی تلاش کرلوں گا۔''

لڑکیاں سلام کرکے رخصت ہوگئیں تو قاسم نے کہا ''آپ نے ان سے یہ کیسا وعدہ کرلیا ہے؟ اسے کس طرح پورا کریں گے؟''

''انشاء اللہ میں اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گا۔ تم اس سلسلے میں کچھ نہ سوچو۔ آؤ مغرب کا وقت ہوگیا' نماز پڑھ لیں۔''

نماز کے بعد آپ زید اور قاسم کے ساتھ مسلمانوں کی بستی کی طرف روانہ ہوگئے۔

○☆○

لڑکیاں جب سمتان کی خواب گاہ میں پہنچیں تو سمتان نے کہا ''میرے اندازے کے مطابق عبدالرحمٰن ایک سچے آدمی ہیں اور سچائی کی یہ سند میں نے اس لیے دی ہے کہ چہرہ بہت کم جھوٹ بولتا ہے۔ ہرچند کہ انہوں نے جو وعدہ ہم سے کیا ہے' اس کی کوئی منطقی اور عملی اساس نظر نہیں آتی مگر میں اس کے باوجود قبل از وقت اظہار خیال نہیں کروں گی۔ آج کی رات مجھے یا تو ایک بے پایاں خوشی سے ہمکنار کردے گی یا ہمیشہ کے لیے مایوسیوں

کے اندھیروں میں دھکیل دے گی۔"

"میں بھی قبل از وقت کوئی بدگمانی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ بہت سی حیرت ناک باتیں سامنے آچکی ہیں۔ میں نے خود کو ایک اور محیرالعقول صورت حال کے لیے تیار کرلیا ہے۔ میں تو اس وقت بھوک محسوس کر رہی ہوں' کھانا کھلواؤ۔"

ناکیا کی اس فرمائش پر نزیان نے مسکراتے ہوئے کہا "ہمیں جلد کھانے سے فارغ ہوجانا چاہیے۔ نہ جانے کب سمتان کے "وہ" آجائیں۔"

سمتان قہقہہ لگاتی ہوئی خواب گاہ سے چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک کنیز نے آکر کہا "چلیے' شہزادی صاحبہ کھانا پر آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

وہ دونوں کمرا طعام میں پہنچیں تو وہاں سمتان کے ساتھ آغان کو بھی موجود پایا۔ آغان بڑی شفقت سے پیش آیا اور ان کی خیریت معلوم کر کے چلا گیا' کھانے میں شریک نہیں ہوا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سمتان اپنی سہیلیوں کے ساتھ پھر اپنی خواب گاہ میں آگئی اور اندر سے دروازہ بند کرلیا۔

○☆○

آپ نے نماز عشا پڑھانے کے بعد کچھ دیر اپنے دوستوں سے گفتگو کی پھر انہیں رخصت کر کے اپنے گھر پہنچے اور اپنی خواب گاہ میں پہنچ کر دروازہ بند کرلیا۔ اب آپ کو حسب وعدہ سمتان کے پاس پہنچنا تھا اس لیے بڑے اعتماد کے ساتھ مصلے پر کھڑے ہوگئے اور آنکھیں بند کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ انہوں نے دعا کی "میں نے ایک ایسا وعدہ کرلیا ہے جس کا ایفا میرے دائرہ اختیار سے باہر ہے لیکن آپ تو علی کل شی قدیر ہیں' میری دستگیری فرمائیں۔" اس دعا کے بعد جو لمحہ سکوت وارد ہوا تھا' وہ اچانک الہام سے گونج اٹھا۔ آپ سنتے رہے اور جھومتے رہے۔ الہامی ہدایات مکمل ہوئیں تو آپ نے سجدہ شکر ادا کر کے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے پر اللہ تعالیٰ کے ہی ایک اسم مبارک کا ورد شروع کیا جس کے نتیجے میں آپ نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ وجود صرف احساس وجود بن کر رہ گیا۔ اب آپ اپنے خیال کے ساتھ مربوط ہوگئے تھے۔ آپ کا خیال آغان کے محل کی طرف منعطف ہوا تو آپ خود بھی وہیں موجود تھے۔ آپ کے لیے یہ دشوار نہ تھا کہ بند خواب گاہ میں پہنچ جاتے مگر آپ نے سمتان کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔ سمتان نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو آپ کو موجود پایا کیونکہ اب آپ ظاہر ہوچکے تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی سمتان نے دروازے سے ہٹ کر راستہ دیتے ہوئے کہا تھا "آجائیے' ہم آپ ہی کا انتظار کر رہے تھے۔"

آپ اندر پہنچ گئے تو دروازہ پھر بند کردیا گیا۔

سمتان نے آپ سے پوچھا "پہرے داروں نے آپ کو محل میں آنے کی اجازت کیسے دے دی؟"

"پہرے داروں نے مجھے دیکھا ہی نہیں' روکتے کیسے۔ یقین کرو کہ جب میں واپس جاؤں گا' اس وقت بھی وہ مجھے نہ دیکھ پائیں گے۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میرے یہاں آنے جانے کی خبر کسی کو نہ ہوگی۔ آؤ اب ہم اصل موضوع کی طرف آئیں۔"

تینوں لڑکیاں ادب سے آپ کے سامنے بیٹھ کر ہمہ تن گوش ہوگئیں تو آپ نے توحید پر گفتگو شروع کی۔ یہ گفتگو نصف شب سے زیادہ جاری رہی۔ آپ کا انداز بیاں نہایت سادہ اور دل نشیں ہونے کے علاوہ حسین بھی تھا۔ لڑکیوں نے گفتگو میں بڑی دلچسپی لی اور افہام و تفہیم کی منزل کو مفید سوالات سے سر کرنے کی مسلسل کوشش کی۔

آپ نے تین دن تک سمتان کے یہاں پہنچ کر توحید کا درس دیا' اس کے بعد سات دن تک رسالت' قرآن اور اسلامی اخلاق پر گفتگو کی اور گیارھویں دن تینوں لڑکیوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اسلام سے مشرف ہونے کے بعد ناکیا اور نزیان اپنے گھر پہنچ گئیں۔ یہ بات پہلے ہی طے ہوگئی تھی کہ ہفتے میں دو دن آپ سمتان کے یہاں پہنچ کر تینوں کو ارکان اسلام سکھایا کریں گے۔

تین ماہ کے درس کے نتیجے میں لڑکیاں اسلام پر باقاعدہ عمل پیرا ہوگئیں۔ اسلام' خوشبو ہے اور خوشبو ہی کی طرح اپنے اطراف کو مہکاتا ہے چنانچہ تینوں لڑکیوں کی زندگی میں جو انقلاب آیا تھا' وہ ان کے گھروں میں بھی محسوس کیا جانے لگا۔ مینتون نے جب ناکیا سے پوچھا کہ وہ مندر کیوں نہیں جاتی تو اس نے یہ کہہ کر بات ٹال دی تھی کہ پوجا کا مزہ تو جب ہے کہ زبان کے ساتھ دل بھی پوجا میں شریک ہو ورنہ پھر مندر جانے سے کیا فائدہ۔"

مینتون کو اپنی بیٹی سے بہت پیار تھا۔ اس کے لیے کہ صرف وہی' اس کی محبتوں کا اثاثہ تھی۔ وہ بیٹی کا جواب سن کر خاموش ہوگیا مگر ناکیا نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کر کے اس پر عمل بھی شروع کردیا۔ گھر میں ہی ایک مورتی تھی جس کا چہرہ سورج کی طرح گول تھا اور اس گول چہرے پر بڑی خوب صورتی سے آنکھیں' منہ اور ناک کو ابھار کر کسی ماہر کاری گر نے پیتل میں ڈھالا تھا۔ باقی تمام اعضا انسانی تھے۔ کان گولائی کے اندر ابھرے ہوئے تھے۔ اعتقاد کے مطابق یہ سورج دیوتا کی عورت تھی۔ مینتون نے اسے ایک طاق میں سجا رکھا تھا۔ وہ روز صبح نہانے کے بعد اپنے باغ سے تازہ پھول توڑ کر سورج دیوتا کے قدموں میں رکھتا تھا اور دیر تک گردن جھکائے کچھ پڑھتا رہتا تھا۔ مندر میں بھی ہفتے کے دو دن پابندی سے جانا اس کے معمولات میں شامل تھا۔ ناکیا نے رات کو سورج دیوتا کی مورتی کا سر نیچے اور پیر اوپر کردیے۔ صبح مینتون نے جب سورج دیوتا کا یہ حال دیکھا تو پہلے گھر کے نوکروں پر گرجا برسا پھر ناکیا سے پوچھا "یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے؟"

"سبھی ملازم دیوتا کا احترام کرتے ہیں۔ ان کی یہ مجال نہیں ہو سکتی مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ دیوتا نے خود کسی مصلحت نامعلوم کی وجہ سے سر نیچے اور پاؤں اوپر کر لیے ہوں۔"

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔" مینتون نے گرج کر کہا۔

"مگر کیوں، کیا وہ دیوتا جو ہماری مرادیں پوری کرتا ہے، ہماری ہر مشکل میں مدد کرتا ہوں، اپنے اختیار سے......"

"خاموش، ہو جاؤ ناکیا ورنہ تمہاری زبان جل جائے گی۔ دیوتا کی شان میں کوئی گستاخی نہ کرو۔" مینتون نے ناکیا کی بات مکمل ہونے سے پہلے گرج کر کہا۔

ناکیا باپ کے درشت لہجے سے ناآشنا تھی رو پڑی اور اس کے سامنے سے ہٹ کر دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

مینتون کو دیوتاؤں سے بھی محبت تھی اور بیٹی سے بھی وہ اس وقت محبتوں کے دوراہے پر کھڑا سوچ رہا تھا کہ بیٹی نے جو بات کہی ہے، وہ جواب چاہتی ہے۔ کسی سوال کے جواب میں اظہار عتاب کسی کو خاموش تو کر سکتا ہے مگر مطمئن نہیں کر سکتا مگر اس سوال کا جواب خو اس کے پاس بھی نہ تھا۔ اس نے اپنی علمی بے بضاعتی پر غصے کی نقاب ڈال کر اپنے جہل کو چھپا لیا تھا مگر اسے بیٹی کا دل دکھا کر ملال ہو رہا تھا۔ وہ باپ تھا مگر اس نے ماں بن کر اس کی پرورش کی تھی۔ اس نے سوچا کہ بیٹی کی دل دہی کے لیے اس کے کمرے میں جائے مگر بیٹی کا سامنا کرنے کی اسے جرات نہ ہوئی اور وہ اسی وقت گھر سے نکل گیا۔

دوسرے دن صبح جب مینتون سورج دیوتا کی پوجا کے لیے پھول توڑ کر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس پر مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ مکھیوں کو اڑایا تو دیکھا کہ مورتی پر چاشنی لگی ہوئی تھی۔ مینتون سیدھا بیٹی کے کمرے میں پہنچا اور اس سے کہا "آج اگر میں یہ پوچھوں گا کہ دیوتا پر چاشنی کس نے لگائی تو شاید تمہارا جواب یہی ہو گا کہ سورج دیوتا نے پروائی سے چاشنی چاٹی ہو گی۔"

"نہیں میں یہ نہیں کہوں گی۔ میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ سورج دیوتا نے اپنے چہرے پر گندی مکھیوں کو کیوں بیٹھنے دیا؟"

مینتون، بیٹی کا جواب سن کر مسکرانے لگا اور اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر کہا "تم آخر کیا چاہتی ہو ناکیا؟ تمہاری یہ بچکانہ حرکتیں میری سمجھ سے بالا تر ہیں۔"

"تم بہت بھولی ہو بیٹی! سورج دیوتا حقیقت میں وہ ہے جو سورج کے ساتھ رتھ پر سوار ہو کر روزانہ پوری دنیا کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کی شعاعیں ہم سب کو زندگی دیتی ہے۔ پرستش کے لیے کوئی نہ کوئی صورت سامنے ہونا چاہیے تاکہ ہم اسے اپنے خیالوں میں رچا بسا سکیں اسی لیے ہم نے سورج دیوتا کی ایک مورتی بنالی ہے۔ جب ہم مورت کے سامنے سر جھکاتے ہیں تو ہمارے خیال میں وہی سورج دیوتا ہوتا ہے جو آسمان پر ہے۔"

آپ نے یہ بات ابھی تک نہیں بتائی کہ سورج دیوتا کی اصل صورت کیا ہے۔ یہ سورج جو ہم دیکھتے ہیں، وہ تو دیوتا کا رتھ ہے۔"

"سورج دیوتا کو تو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔" اس کے رتھ کی طرف دیکھنے والے اپنی آنکھیں گنوا دیتے ہیں۔"

"آپ کی وضاحتوں سے تو یہ بات ثابت ہوئی کہ سورج دیوتا کا جو مجسمہ ہمارے گھر میں ہے، وہ ایک مفروضہ ہے اور ایک مفروضہ صورت کو ذہن میں محفوظ کرتے ہوئے یہ بات کیسے بھلائی جا سکتی ہے کہ جو صورت ہمارے سامنے ہے، وہ حقیقی نہیں ہے پھر ایک مفروضہ صورت کس طرح پرستش میں یکسوئی اور اطمینان کا سبب بن سکتی ہے؟"

"مجھے حیرت ہے بیٹی کہ تم اتنی گہری باتیں کرنے پر کس طرح قادر ہوئی ہو۔ بہرکیف مجھے خوشی ہے کہ تم سوچنے سمجھنے لگی ہو۔ میں نے ان مسائل پر کبھی غور نہیں کیا۔ مورت اور اس کی پرستش مجھے تمہارے دادا سے ورثے میں ملی ہے اور مجھے اس بات کا کامل یقین ہے کہ ہمارا مذہب دنیا کے تمام مذاہب سے اچھا ہے۔ آج کی گفتگو سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم نے سوچ بچار کرنے کے بعد ہی اصنام پرستی کے خلاف بغاوت کی ہے مگر تم نے اپنی سوچ سے مجھے باخبر رکھنا ضروری نہ سمجھا جب کہ میں تمہاری پسند کا بہت خیال رکھتا ہوں۔"

"مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ آپ نے میری پسند اور ناپسند کو بہت اہمیت دی ہے مگر یہ بھی ہے کہ آپ نے مجھے بے خبر رکھ کر باڈنگ کا آلہ کار بننے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ بات میں نے تذکرتاً کہہ دی ہے ورنہ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ آپ اپنے مذہب کو اسلام کے خطرے سے بچانے کے لیے اپنی بیٹی تو کیا، خود کو بھی قربان کر سکتے ہیں۔ مجھے یہ بات معلوم ہے کہ آپ نے سورج دیوتا کی پرستش کے بارے میں جو توجیہہ کی ہے، وہ آپ کے ذہن کی پیداوار نہیں ہے۔ کل رات پروہتوں سے تبادلہ خیالات کے بعد آپ اس توجیہہ کے قائل ہوئے ہیں۔ مجھ سے یہ نہ پوچھیے گا کہ مجھے یہ بات کیسے معلوم ہوئی۔ میں تو آپ کے اس فیصلے سے بھی باخبر ہوں کہ آپ پہلے نرمی سے پیش آ کر مجھ سے یہ معلوم کرنا چاہیں گے کہ میں اپنے آبائی مذہب کے خلاف کیسے ہو گئی ہوں۔ اس کے بعد آپ مجھے قتل کر کے خود کشی کر لیں گے۔"

مینتون نے بیٹی کو بغور دیکھتے ہوئے سوچا کہ جو بات کوئی نہیں جانتا، اسے کیسے معلوم ہو گئی؟ اور ناکیا سوچ رہی تھی کہ اگر کل کے درس کے بعد عبدالرحمن نے میرے باپ کی مصروفیات اور اس کے انتہائی فیصلے کی خبر نہ دی ہوتی تو صورت حال کتنی مختلف ہو جاتی۔

آخر مینتون نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کہا "جب تم سب باتیں جانتی ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں ہر قیمت پر تم سے عقائد کی تبدیلی کا سبب ضرور معلوم کروں گا۔"

"ہاں' یہ بات بھی مجھے معلوم ہے اور میں یہ جاننے کے باوجود کہ آپ کا ردعمل کیا ہوگا' یہ ضرور بتاؤں گی کہ میں انسانوں کے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش ترک کرچکی ہوں۔ چاند' سورج' ستارے' دریا' آگ اور درندوں کو بھی نہیں پوج سکتی کیونکہ یہ سب مخلوقات سے ہیں اور میں بھی۔ اب اگر مخلوق ہی مخلوق کی پوجا کرے تو عقل سلیم اس کی اجازت کیسے دے گی؟"

"کیا اب تم کسی کو نہیں پوجتیں؟" مینتون نے ایک اور سوال کیا۔

ناکیا نے کہا "پرستش انسانی فطرت میں داخل ہے۔ میں نے بتوں کی اور مظاہر فطرت کی پوجا چھوڑ کر اس عظیم اور برگزیدہ طاقت کو پوجنا شروع کردیا ہے جس نے ہمیں اور کائنات کی ہر شے کو پیدا کیا ہے اور اگر اس کی پوجا جرم ہے تو میں سزا کے لیے تیار ہوں۔"

مینتون کے مذہبی جنون نے اچانک باپ اور بیٹی کے رشتے کو کاٹ دیا۔ اس نے کھڑے ہو کر خنجر نکالتے ہوئے کہا "میں ذلیل ہو جاؤں گا' اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوگیا کہ بت پرستوں کے پیشوا کی بیٹی دیوتاؤں کا مذاق اڑاتی ہے اس لیے اب تم مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

ناکیا' باپ کے ہاتھوں میں خنجر دیکھ کر خائف نہ ہوئی۔ اطمینان سے بیٹھی مسکراتی رہی۔ ناکیا کی ایسے عالم میں مسکراہٹ مینتون کے لیے طنز بن کر رہ گئی تھی۔ تیزی سے اس نے خنجر والا ہاتھ بلند کیا اور بیٹی کے نرخرے پر وار کیا مگر اسے یوں محسوس ہوا کہ ایک غیر مرئی ہاتھ نے اس کے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس کے ہاتھ سے خنجر چھوٹ کر ایک آواز کے ساتھ زمین پر گر پڑا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ خنجر بلند ہو کر فضا میں تیرتا ہوا کمرے کے دریچے سے باہر چلا گیا۔

غصے میں جب شعور کی تازہ لہر ابھری تو وہ خوف سے کانپنے لگا۔ اس کی توہم پرستی اس انہونی کا تجزیہ کرنے سے قاصر رہی تھی۔ مینتون نے خوف کے عالم میں بیٹی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا "میں نے جن بتوں کی آج تک پوجا کی ہے' وہ کبھی اس طرح میرے کام نہ آئے۔ میں نے سالہا سال ان کی پرستش کی ہے مگر تو نے جس کی پوجا ابھی شروع کی ہے' وہ تیری مدد کو فوراً آگیا۔ بیٹی' مجھے معاف کردے۔ میری عقل پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ میں تجھے سمجھ ہی نہیں پایا تھا۔ تیرا معبود بھی سچا ہے۔ میں بھی آج سے بتوں کو نہ پوجوں گا۔ مجھے بتا کہ کائنات کے خالق و مالک کو پوجنے کا طریقہ کیا ہے؟"

ناکیا جو اب تک گم صم بیٹھی تھی' اٹھ کر مینتون سے لپٹ گئی۔ باپ اور بیٹی دیر تک روتے رہے۔ مینتون نے بت پرستی سے اپنی بیزاری کا اعلان تو کردیا تھا مگر اس کے ذہن میں سوالات کی بارش ہو رہی تھی۔ اس نے بیٹی کو سہارا دے کر بٹھایا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے غیر مرتب سوالات کو مرتب کرکے پوچھا "پہلے یہ بتاؤ' تمہیں یہ بات کس نے بتائی کہ میں نے مہتوں سے تمہارے سوالات کے جواب معلوم کئے تھے اور تمہیں یہ کیسے

معلوم ہوا کہ میں نے تمہیں قتل کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ پہلے ان دو سوالوں کے جواب دو' پھر میں کچھ اور سوالات کروں گا۔"

"میری درخواست ہے کہ آپ مجھ سے اس وقت کوئی سوال نہ کریں مگر میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کے ہر سوال کا جواب جلد ہی دے دوں گی۔ پہلے آپ میرا مذہب قبول کرلیں۔"

"میں تیار ہوں مگر مجھے یہ نہیں معلوم کہ تمہارا مذہب کیا ہے اور اسے کس طرح اختیار کیا جاسکتا ہے۔"

ناکیا نے مینتون سے کہا "جو میں کہوں' اسے دہراتے رہیے اور الفاظ کی دل سے تصدیق کرتے رہیے۔" ناکیا نے شرک کا مفہوم سمجھا کر پہلے تو شرک اور بت پرستی سے توبہ کرائی اور پھر کلمہ طیبہ پڑھوا کر باپ سے کہا "آپ اب الحمدللہ مسلمان ہوگئے ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف جو نفرتیں آپ کے دل میں ہیں' انہیں دل سے نکال دیجئے۔"

مینتون یہ بات سن کر حیرت زدہ رہ گیا کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن خود مسلمان ہوگیا ہے مگر اب وہ خوش بھی تھا اور مطمئن بھی۔

ناکیا دوسرے دن جب سہ روزہ درس میں شرکت کے لیے سمتان کے یہاں پہنچی تو وہاں کے ماحول میں اسے کچھ کشیدگی محسوس ہوئی۔ سمتان اسے اپنے کمرے میں ملی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ خوب روئی ہے۔ چہرے پر حزن و ملال کے گہرے آثار موجود تھے۔ ناکیا نے سلام کیا تو اس نے چونک کر دیکھا اور جواب سلام کے بعد کہا "آؤ ناکیا' میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔"

"خیریت تو ہے؟ تم نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ آج بھائی سے شدید جھڑپ ہوگئی ہے۔ میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ میں اسلام قبول کرچکی ہوں۔ اس اطلاع پر ان کی ساری محبتیں' نفرتوں میں بدل گئی ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ دھمکی دے کر یہاں سے گئے ہیں کہ اگر میں نے تین دن کے اندر اسلام ترک کرکے دوبارہ اپنا آبائی مذہب اختیار نہ کیا تو وہ مجھے زندہ جلوا دیں گے۔"

"یہ بات آغان کے اختیار میں کہاں ہے کہ وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکے۔ میرے باپ نے بھی مجھے قتل کرنا چاہا تھا مگر وہ مجھے ہلاک نہ کرسکا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نہ صرف یہ کہ مجھے قتل ہونے سے بچالیا بلکہ میرے باپ کو بھی اسلام میں داخل کردیا۔ تم بالکل فکر نہ کرو' اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و مددگار ہے۔ اس کے کرم نے آگ کو گلزار بنا رکھا ہے۔"

"میں نہ خوف زدہ ہوں' نہ پریشان۔ مجھے تو ملال اس کا ہے کہ وہ بھائی جس نے مجھے سب کچھ دیا' اس نے مجھے فکری آزادی سے کیوں محروم کیا' میں ان کے لیے جو اچھی رائے

رکھتی تھی، وہ خراب ہوگئی ہے۔"

عجلت سے کام نہ لو سمتان۔ مجھے یقین ہے کہ آغان اپنے جذباتی اور عاجلانہ فیصلے پر ضرور نظرثانی کریں گے۔ آج محترم عبدالرحمٰن جب آئیں تو ان سے بھی تبادلہ خیال کرلینا۔ وہ ہر مشکل کا کوئی نہ کوئی حل تلاش کرلیتے ہیں۔"

ابھی دونوں محوِ گفتگو ہی تھیں کہ نزیان بھی آگئی مگر اس کے چہرے پر بھی ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ اس سے جب پریشانی کا سبب دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ میرے بھائی نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس نے والد اور والدہ سے کہہ دیا کہ نزیان مسلمان ہوگئی ہے۔ وہ انہی کی طرح عبادت کرنے لگی ہے۔ اس خبر سے میرے خلاف طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے بھی بازپرس کے جواب میں اپنے مسلمان ہوجانے کا اعلان کردیا۔ گھر والوں نے میری اصلاح کے لیے مجھے ایک کمرے میں بند کردیا تاکہ میں گھر سے باہر نہ نکل سکوں۔ کمرے کے دروازے پر سخت پہرا بھی لگوادیا گیا تھا۔ میں نے کمرے کی قید میں دو دن گزارے اور بڑے سکون سے گزارے مگر آج میں یہ سوچ کر بے قرار ہوگئی کہ قید کی وجہ سے درس میں شرکت نہ کرسکوں گی۔ رو رو کر میرا برا حال ہوگیا۔ ظہر کے بعد میں نے دیکھا کہ دروازہ خود بخود کھل گیا۔ کھلے ہوئے دروازے سے پہرے دار نظر آرہے تھے۔ ان کی پشت میری طرف تھی۔ میں دبے پاؤں کمرے سے نکلی مگر وہ میری طرف متوجہ نہ ہوئے۔ کمرے سے نکلتے ہوئے میری نظر انہی پر جمی ہوئی تھی' اس لیے پیتل کا گلدان میری ٹھوکر میں آگیا اور ایک آواز سے گر گیا۔ پہرے دار اس آواز کو سن کر گلدان کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ان میں سے ایک نے بڑھ کر لڑھکے ہوئے گلدان کو سیدھا کیا اور اپنے ساتھی سے کہا "یہ کیسے لڑھک گیا؟ میں اس وقت گلدان کے پاس ہی کھڑی ہوئی تھی مگر ان کو نظر نہ آئی ورنہ وہ مجھے ضرور پکڑ لیتے۔ میں نے دروازے کی طرف نظر اٹھائی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ دروازہ بند تھا اور اس میں تالا بھی لگا ہوا تھا۔ اللہ کے فضل سے یہ بات میری سمجھ میں فوراً آگئی کہ اللہ تعالیٰ نے میری رہائی کی سبیل پیدا کردی ہے اور میں اس وقت کسی کو نظر نہیں آرہی ہوں پھر اس بات کی یوں بھی مزید تصدیق ہوگئی کہ میں ہر طرف گھومتی پھری مگر نہ کنیزوں نے مجھے دیکھا' نہ غلاموں نے۔ ایک کمرے میں میرے بڑوں کی مجلس مشاورت قائم تھی جس میں والد' والدہ اور میرے بھائی شریک تھے۔ میں ان کے سامنے کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ جب اس بات پر متفق ہوگئے کہ جلد سے جلد میری شادی میری خالہ کے بیٹے سے کردی جائے اور اس وقت تک مجھے قید تنہائی میں رکھا جائے تو میں وہاں سے یہاں آگئی۔ میرا خیال تھا کہ تم بھی مجھے نہ دیکھ سکو گی مگر تم نے مجھے دیکھ لیا۔ شاید میں اب پھر نظر آنے لگی ہوں۔"

تینوں لڑکیوں نے ایک دوسرے کو اپنی تفصیلی روداد سنا کر جیسے ہی مغرب کی نماز سے

فراغت حاصل کی' عبدالرحمٰن آگئے اور سلام کرکے ایک طرف بیٹھتے ہوئے بولے "تم سب کے چہروں پر حیرت کی پرچھائیاں میں صاف طور پر دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے ہر ایک' مجھے اپنی کہانی سنانے کے لیے بے تاب ہے مگر مجھے معلوم ہے کہ کیا واقعات پیش آچکے ہیں۔ تم نے جب سے اسلام قبول کیا ہے' میں روحانی طور پر تمہاری طرف متوجہ رہا ہوں۔ مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ تمہارے گھر والے تمہارے اسلام لانے سے باخبر ہوکر کہیں کوئی انتہائی قدم نہ اٹھا بیٹھیں۔ ناکیا پر جب قاتلانہ حملہ ہوا تو میں وہیں موجود تھا۔ میں نے ہی مینتون کے ہاتھ سے خنجر چھین کر کھڑکی سے باہر پھینک دیا تھا۔ نزیان کو بھی میں نے ہی کمرے کا دروازہ کھول کر نکالا تھا اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل کردیا تھا تاکہ وہ اپنے کانوں سے اس فیصلے کو سن لے جو اس کے ماں باپ نے اس کے متعلق کیا تھا اور پھر وہ یہاں درس میں بھی شریک ہوسکے۔" آپ نے ناکیا اور نزیان کے حالات پر تبصرہ کرنے کے بعد سمتان کو متوجہ کرکے کہا "آپ بھی اپنے ذہن سے تمام اندیشے نکال دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا محافظ ہے۔ ہمیں کوئی بھی کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ اس سے پہلے کہ میں درس کا آغاز کروں' کچھ ضروری باتیں اور سن لو۔ نزیان درس کے بعد بے خوف ہوکر گھر چلی جائیں۔ انہیں راستے میں کوئی نہ دیکھ سکے گا۔ کمرے کا دروازہ بھی ان کے لیے کھل جائے گا اور جب یہ اندر پہنچ جائیں تو بند بھی ہوجائے گا۔ ناکیا اپنے والد کو اسلام کی تعلیمات سے آراستہ کریں۔ سمتان اطمینان سے یہاں رہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر اعتماد ہے کہ حالات بہتر ہوجائیں گے۔"

آپ نے درس شروع کیا تو وہ عشا تک جاری رہا۔ درس کے بعد آپ ان سے رخصت ہوگئے۔

○☆○

نزیان گھر پہنچیں تو اپنے کمرے میں جانے سے پہلے اپنی والدہ کے کمرے میں گئیں تاکہ انہیں ایک نظر دیکھ لیں۔ وہاں ان کا بھائی بھی موجود تھا۔ دونوں سخت پریشان تھے۔ بھائی کہہ رہا تھا "مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ نزیان اس کمرے سے غائب ہوجائے جس کے دروازے پر تالا لگا ہوا ہو اور دو پہرے دار بھی موجود ہوں۔"

"مگر یہ واقعہ ہے میرے بیٹے' میں خود کھانا لے کر گئی تھی۔ میں نے خود کمرے کا تالا اپنے سامنے کھلوایا تھا مگر نزیان وہاں نہ تھی۔ ہائے میری بچی کو کیا ہوگیا' وہ کہاں غائب ہوگئی۔" نزیان کی والدہ کچھ دیر روتی رہیں پھر اپنے دامن میں آنسو جذب کرکے بولیں "میں نے کمرے میں پھر تالا لگوادیا تھا اور پہرے کو بھی برقرار رکھا تھا تاکہ تمہارے والد کو نزیان کے غائب ہونے کی اطلاع فوراً نہ مل سکے۔ میرے بیٹے' اپنی بہن کو آج رات ہی تلاش کرلو ورنہ میں اپنی بیٹی کے غم میں مرہی جاؤں گی۔ تمہارا باپ بھی یہ صدمہ برداشت نہ کرسکے

گا۔"

"آپ نزیان کے کمرے کی چابی مجھے دیجئے۔ میں جائزہ لینا چاہتا ہوں کہ نزیان خود گئی ہے یا اس کا اغوا ہوا ہے۔"

نزیان کی والدہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر نزیان بھی آب دیدہ ہو گئیں۔ وہ فوراً والدہ کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں پہنچ گئیں تاکہ گھر والے ان کی تلاش کی زحمت سے بچ جائیں۔

تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ان کے کمرے کا دروازہ کھلا اور کمرے میں داخل ہونے والا ان کے بھائی کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ وہ نزیان کو دیکھ کر الٹے پاؤں دوڑ گیا اور اپنی بے قرار ماں کو لے کر آیا۔ اس نے ان سے کہا "آپ تو کہہ رہی تھیں کہ نزیان کمرے میں نہیں ہے' دیکھ لیں' یہ یہیں موجود ہے۔"

بوڑھی ماں حیرت زدہ ہو کر بولی "مگر میں نے تم سے ٹھیک ہی کہا تھا۔ پہرے داروں سے بھی پوچھ لو' کمرا خالی تھا۔"

بھائی نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں نزیان سے پوچھا "کیا تم بتا سکتی ہو کہ والدہ اور پہرے داروں نے تمہیں کیوں نہیں دیکھا جب کہ تم یہیں موجود تھیں؟"

"جب والدہ یہاں آئی تھیں' میں اس وقت یہاں نہیں تھی۔ دل گھبرا رہا تھا لہٰذا سمتان کے گھر چلی گئی تھی۔ کچھ وقت اس کے پاس گزار کر میں واپس آ گئی۔ اگر اس بیان پر شک ہو تو سمتان سے جا کر پوچھ آؤ۔"

"میں کوئی جھوٹ برداشت نہیں کر سکتا۔ تم جھوٹ بول رہی ہو' پہرے دار جھوٹ بول رہے ہیں اور میں والدہ کو کیا کہوں' ان کی بصارت بھی اپنا اعتبار کھوتی جا رہی ہے اور اگر میرا خیال غلط ہے تو میں ایک مرتبہ پھر تمہیں تالے میں بند کئے دیتا ہوں۔ تم پہلے کی طرح کمرے سے نکل کر دکھاؤ۔"

نزیان نے اللہ کے بھروسے پر بھائی کا مطالبہ مان لیا تو بھائی نے نزیان کے علاوہ سب کو کمرے سے باہر نکال کر دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔ اب چار افراد بند دروازے کی نگرانی کر رہے تھے۔

نزیان نے بھائی سے وعدہ تو کر لیا تھا کہ وہ کمرے سے غائب ہو کر دکھائیں گی مگر وہ نہیں جانتی تھیں کہ غائب کس طرح ہوا جا سکتا ہے۔ پریشانی سی محسوس ہوئی مگر اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے اعتماد نے سہارا دیا۔ وہ اپنی جگہ سے دروازے کی طرف بڑھیں۔ لکڑی کے دروازے پر ہاتھ رکھا تو ہاتھ پار ہو گیا۔ نزیان نے یوں محسوس کیا جیسے دروازہ فریب نظر ہے اور اس کا کوئی مادی وجود نہیں ہے۔ وہ حیران ہوتیں مگر اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرتوں پر یقین کامل نے انہیں حیران بھی نہ ہونے دیا۔ انہوں نے بسم اللہ کہہ کر دوسرا قدم اٹھایا

دروازے کے باہر تھیں۔ جب یہ یقین ہو گیا کہ سامنے کھڑے ہوئے لوگ انہیں نہیں دیکھ سکے ہیں تو انہوں نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازے پر بدستور تالا پڑا ہوا تھا۔ نزیان نے اللہ کا شکر ادا کیا اور ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئیں۔

تھوڑی دیر بعد نزیان کے بھائی نے دروازہ کھول کر کمرے کا جائزہ لیا تو بہن کو موجود نہ پایا۔ اس نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ کمرے سے نکلنے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے' ایک بار پھر فرار کے راستے کی تلاش کی اور کمرے سے نکل کر دوبارہ اس میں تالا ڈال دیا۔ اس نے تعجب سے اپنی ماں سے کہا "یہ نزیان' دیوتاؤں کی پوجا چھوڑ کر خود دیوی بن گئی ہے۔"

نزیان نے یہ بات سنی تو وہ مسکراتے ہوئے کمرے میں واپس پہنچ گئیں' بالکل اسی طرح جیسے شعاع شیشے سے گزر جاتی ہے۔

نزیان کا بھائی جب کمرے کا دروازہ کھولنے کے لیے بڑھا تو نزیان کے والد مشاف بھی آ گئے اور پوچھا "خیریت تو ہے؟ یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

نزیان کے بھائی موکوک نے اپنے باپ کو پوری تفصیل سنا کر کہا "اب مجھے یہ بھی یقین ہے کہ نزیان اس وقت اپنے کمرے ہی میں ہو گی۔"

دروازہ کھول کر جب سب اندر پہنچے تو نزیان نے مسکرا کر ان کا استقبال کیا مگر باپ بھائی اور ماں ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ موکوک نے کہا "ہمیں معاف کر دو بہن! ہم نے تم کو سمجھنے میں بہت بڑی غلطی کی ہے۔"

"تم نے اپنی بہن کو سمجھنے میں تو غلطی نہیں کی مگر خود کو سمجھنے کی کوشش نہ کر سکے۔ آپ سب میرے بزرگ ہیں لہٰذا اس احترام کے مظاہرے سے مجھے شرمندہ نہ کریں۔ آپ سب آرام سے بیٹھیں اور میری بات سنیں۔"

جب سب بیٹھ گئے تو نزیان نے توحید کا وہ سبق دہرایا جو اس نے اپنے رہبر عبدالرحمٰن سے سنا تھا۔ بات کا وزن' طرز استدلال سے بڑھتا ہے اور حق کا نفوذ' اعتبار شخصیت سے تیز تر ہو جاتا ہے۔ نزیان کی شخصیت منزل اعتبار پر فائز تھی اور ان کی باتیں بھی مدلل تھیں' دل میں اترتی چلی گئیں۔ آنکھوں پر پڑے ہوئے کفر و شرک کے پردے سرکنے لگے اور حقیقتوں پر چھائی ہوئی دھند چھٹ گئی۔

سب سے پہلے موکوک نے پھر مشاف اور نزیان کی والدہ نے اسلام قبول کر لیا مگر اس مجلس میں یہ بھی طے پایا کہ اسلام قبول کرنے کا اعلان کسی مناسب وقت میں نزیان ہی کے مشورے سے کیا جائے گا۔

○☆○

آغان کو اپنی بہن سمتان سے والہانہ محبت تھی۔ اس نے یہ دھمکی تو دے دی تھی اگر بہن نے اسلام ترک نہ کیا تو وہ اسے زندہ جلوا دے گا لیکن وہ تنہائی میں اپنے اس ظالمانہ

فیصلے پر رویا بھی بہت تھا مگر اس مسئلے کا کوئی حل بھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ الماتا کا حکمران تھا جس میں اکثریت بت پرستوں کی تھی۔ اگر وہ بہن کو اس کی پسند کا مذہب اختیار کرنے کی اجازت دے دیتا تو اس کے خلاف بغاوت بھی ہو سکتی تھی اور اس کے اقتدار کا خاتمہ بھی ہو سکتا تھا۔ اس کی فکر کی رو ایک دوراہے پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ ایک طرف بہن کی دل دہی کے تقاضے تھے تو دوسری طرف تخت و تاج سے محرومی تھی۔ وہ بہت دیر تک فیصلے کی میزان کو ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا۔ معاً اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ وہ خود کوئی فیصلہ کیوں کرے؟ کیوں نہ بہن کو صورت حال سے آگاہ کر کے فیصلے کی ذمے داری اس پر ڈال دے چنانچہ وہ سمتان کے پاس پہنچا اور اس یقین کے ساتھ کہ محبت کرنے والی بہن اسے تباہی سے بچا لے گی۔ آغان نے پہلے تو دل آزاری کے لیے معذرت خواہی کی اور پھر اس کے اسلام قبول کر لینے کے نتائج پر روشنی ڈال کر کہا "اب جو چاہو' فیصلہ کر لو۔ مجھے ہر حال میں تمہاری خوشی مطلوب ہے۔"

نزیان نے بھائی کی بات پر غور کیا تو اسے بھائی کی بات میں صداقت محسوس ہوئی۔ اس نے اس امکان کو تسلیم کر لیا کہ اس کے اسلام کی شہرت' بھائی کو اقتدار سے محروم کر سکتی ہے۔ وہ گنگ ہو کر رہ گئی۔ ذہن قوت فیصلہ سے محروم ہو کر رہ گیا۔ آخر طویل سکوت کے بعد اس نے کہا "بہت نازک مسئلے کا فیصلہ آپ نے مجھ پر چھوڑ دیا ہے۔ مجھے سوچنے سمجھنے کے لیے کم از کم دو دن کی مہلت ضرور ملنی چاہیے۔"

"بے شک یہ فیصلہ غور و فکر کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ تم جتنے دن چاہو' غور کر لو۔ میں انتظار کر لوں گا مگر اس وقفہ انتظار میں تمہارے مسلمان ہو جانے کی خبر عام نہ ہونا چاہیے۔" آغان نے بڑی فراخ دلی سے کہا۔

"میں غور و فکر کے لیے دو دن اپنی سہیلی ناکیا کے یہاں گزاروں گی۔"

"میں نے کبھی تمہارے معاملات میں مداخلت نہیں کی ہے۔ بہرکیف اطلاع کا شکریہ۔ میں تمہارے فیصلے کا شدت سے منتظر رہوں گا۔"

سمتان جب ناکیا کے یہاں پہنچیں تو نزیان' ناکیا اور مینتون نماز عصر میں مصروف تھے۔ سمتان نے مینتون جیسے کٹر بت پرست کو نماز میں مصروف دیکھا تو انہیں دلی خوشی ہوئی۔ وہ باوضو تھیں۔ انہوں نے بھی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد نزیان نے کہا "آج محترم عبدالرحمٰن کے تشریف لانے کا دن تو نہیں ہے مگر دل یہ چاہتا ہے کہ وہ آج مغرب کی نماز ہمارے ساتھ ادا کریں۔"

"تم نے میرے دل کی بات کہہ دی۔" ناکیا نے مسرور ہو کر کہا مگر سمتان نے اپنی اس دلی آرزو کا اظہار ضروری نہ سمجھا۔

مینتون نماز کے بعد یہ کہہ کر چلے گئے کہ وہ نماز مغرب تک واپس آجائیں گے۔ ان کی

روانگی کے بعد نزیان نے اپنی داستان سنائی اور سمتان نے اپنی آپ بیتی۔ تینوں کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے فضل سے اور مستحکم کر دیا تھا۔ گفتگو کا سلسلہ جاری تھا کہ کنیز نے آ کر اطلاع دی "عبدالرحمٰن آئے ہیں۔"

ناکیا نے بے قرار ہو کر کہا "ارے' تو انہیں بلا کر لاؤ۔"

کنیز چلی گئی تو تینوں سہیلیاں استقبال کے لیے کھڑی ہو گئیں اور دوپٹوں سے اپنے جسم کو احتیاط کے ساتھ ڈھانپنے لگیں۔ عبدالرحمٰن آئے تو ان کے ساتھ قاسم اور زید بھی تھے۔ عبدالرحمٰن نے مسکراتے ہوئے کہا "آج تک تم لوگوں نے جماعت سے نماز پڑھنے کی سعادت حاصل نہیں کی تھی' اس لیے میں اپنے دوستوں کو بھی ساتھ لے آیا ہوں۔"

لڑکیوں نے ایک مرتبہ ضرور اپنی اپنی آرزوؤں کا چہرہ دیکھا تھا مگر پھر ان کی نظروں سے نظریں نہ ملیں۔ ابھی عبدالرحمٰن کو آئے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ مینتون بھی آ گئے۔ وہ عبدالرحمٰن کے ساتھیوں سے متعارف ہو کر بہت خوش ہوئے کیونکہ ان کی دلی آرزو تھی کہ ان کو دیکھیں' جن کی بدولت ان کو ایمان کی روشنی نصیب ہوئی تھی۔ مغرب کی نماز کی امامت عبدالرحمٰن نے کی۔ پہلی صف میں تین آدمی اور دوسری صف میں تین عورتیں تھیں۔ نماز کے بعد عبدالرحمٰن نے کہا "میں اس وقت سمتان کی وجہ سے آیا ہوں۔ مجھے ان کی ذہنی الجھن معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ناکیا اور نزیان کے مسائل حل کر دیے' ان کے لیے بھی راہ پیدا فرما دے گا۔ آج سے پانچ دن بعد الماتا کے بڑے مندر میں سالانہ پوجا کا عظیم اجتماع ہو گا۔ اس بات کو ذہن میں رکھ کر سمتان اپنے بھائی سے کہیں کہ وہ اپنی بہن پر مسلمان ہو جانے کے جرم میں کھلی عدالت میں مقدمہ چلائیں اور جو سزا بھی ان کا قانون تجویز کر سکتا ہے' کر دیں مگر سزا کا دن وہی مقرر ہونا چاہیے جو سالانہ پوجا کا دن ہے۔ اس کے علاوہ سزا بھی بڑے مندر کے سامنے دی جائے۔" آپ نے سمتان کو بغور دیکھ کر کہا "تم یہ نہ سوچو کہ تمہارا بھائی میری بتائی ہوئی تجویز کو مسترد کر دے گا۔ اپنے بھائی سے یہ بات تمہیں کل ظہر کی نماز کے بعد کرنا ہو گی۔ کھلی عدالت میں تم وہی جوابات دو گی جو اس وقت تمہارے ذہن میں آئیں۔ انشاء اللہ سب مسائل حل ہو جائیں گے۔ بس مجھے یہی بات سمجھانا تھی' اب ہم جا رہے ہیں۔"

مینتون نے درخواست کی "کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ اگر آپ کھانا ہمارے ساتھ کھا لیں تو بڑی نوازش ہو گی۔"

مگر آپ نہیں رکے۔

آپ کی ہدایات سب کے لیے ناقابل فہم تھیں مگر اس امر کا سب کو یقین تھا کہ آپ نے جو تدبیر بتائی ہے' وہ مفید مطلب ضرور ہو گی۔

سمتان نے دوسرے دن جب اپنے بھائی سے کھلی عدالت میں مقدمہ چلا کر سزا دینے کا

مطالبہ کیا تو اس نے بلا عذر مان کر اعلان کروا دیا کہ سمتان اپنے مذہب سے پھر گئی ہے اس لیے کل شکھی میں عوام کے سامنے اس کے مقدمے کی سماعت ہوگی اور مجرم کو سزا سنائی جائے گی۔

اس خبر سے الماتا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف آغان کی مذہب پرستی کے چرچے ہونے لگے۔

شکھی باغ کی وسعتیں اس وقت بہت سمٹی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ الماتا کے بت پرست وہاں فیصلہ سننے کے لیے امڈ آئے تھے۔ تخت عدالت پر بھائی تھا اور بہن مجرم کی حیثیت سے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ تخت عدالت کے پاس مذہبی پیشوا اور عمائدین سلطنت بیٹھے ہوئے تھے۔

آغان نے مقدمے کی کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے سوال کیا ”سمتان! کیا تم اس بات کا اعتراف کرتی ہو کہ تم اپنے مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئی ہو؟“

”یہ بالکل درست ہے۔ الحمدللہ‘ میں مسلمان ہو چکی ہوں مگر الماتا کے قانون میں کسی کا مسلمان ہو جانا جرم نہیں ہے۔ یہاں ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ اگر مسلمان ہونا ہمارے ملکی قانون میں جرم ہوتا تو الماتا میں مسلمان ہو جانے والے ہزاروں بت پرست آج زندہ نہ ہوتے۔“

آغان نے گرج کر کہا ”جس قانونی رعایت کا تم نے حوالہ دیا ہے‘ وہ صرف یہاں کے عوام کے لیے ہے۔ وہ یقیناً مذہبی آزادی رکھتے ہیں مگر تمہارا تعلق شاہی خاندان سے ہے۔ شاہی خاندان کے افراد نہ اپنا مذہب بدل سکتے ہیں‘ نہ شاہی آداب سے تجاوز کر سکتے ہیں۔ کیا تمہیں شاہی خاندان کے اس ضابطے کا علم نہیں ہے۔“

”مجھے اس ضابطے کا علم ہے مگر یہ ضابطہ غلط ہے۔ یہ قانون کی توہین ہے کہ عوام کے لیے کچھ ہو اور شاہی خاندان کے لیے کچھ اور۔“

”شاہی خاندان کے ضابطے پر تنقید خود ایک جرم ہے۔ اس جرم کی پاداش میں اور دیوتاؤں کی توہین کے جرم میں‘ میں تمہیں سزائے موت دیتا ہوں۔ یہ سزائے موت سالانہ پوجا کے بعد دی جائے گی اور اس دن تمہیں بڑے بت کو سجدہ کرنا پڑے گا۔ اگر اس آخری موقع سے بھی تم نے فائدہ نہ اٹھایا تو تمہاری گردن اڑا دی جائے گی۔“

”مجھے یہ سزا بہ خوشی قبول ہے مگر جب تم مجھے سجدہ کرانے کے لیے بڑے بت کے سامنے لے جاؤ گے اگر اس وقت بڑے بت نے ہی مجھے سجدہ کر لیا تو تمہارا ردعمل کیا ہوگا؟“

سمتان کی بات سن کر لوگ مشتعل ہو گئے۔ اس مرحلے پر مذہبی پیشوا مینتون اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور بولنے کے لیے آغان سے اجازت لے کر مجمع کی طرف متوجہ ہوا۔ اس

نے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو سب خاموش ہو گئے کیونکہ الماتا کے بت پرست اس کا بہت احترام کرتے تھے۔ مینتون نے بلند آواز میں کہا ”تمہارا اشتعال اور تمہارا غصہ فطری ہے۔ کوئی بھی اپنے دیوتا کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔ سمتان نے سب کا دل دکھایا ہے مگر یہ بات بالکل غلط ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس کے سامنے بڑا بت سجدے میں گر جائے۔ ہم اس بدزبان لڑکی کا جھوٹ ثابت کر کے اسے ذلت کی موت ماریں گے۔ ہاں‘ اگر بالفرض محال اس کے سامنے بڑے دیوتا نے سجدہ کر لیا تو وہ ہمارا دیوتا نہیں ہو سکتا۔ اس وقت میں بھی مسلمان ہونے کا اعلان کر دوں گا۔“

لوگوں پر یہ بات سن کر سناٹا چھا گیا۔ اس کامل سکوت کو وزیراعظم مشاف نے کھڑے ہو کر توڑتے ہوئے کہا ”اگر دیوتا نے اسے سجدہ کر لیا تو میں ہی نہیں‘ جتنے لوگ یہ ناممکن منظر دیکھیں گے‘ مسلمان ہو جائیں گے۔ بولو‘ کیا تم بھی ایسے کمزور اور پست دیوتا کی پوجا نہ چھوڑ دو گے؟“

وزیراعظم اور مذہبی پیشوا کی ہر طرف تائید ہونے لگی۔ دراصل ان کو یقین تھا کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

پوجا کا دن آیا تو بڑے مندر اور اس کے اطراف میں حد نظر تک انسانوں کا ہجوم تھا۔ لوگ صبح سے ہی وہاں آنا شروع ہو گئے تھے۔ دن چڑھا تو آغان‘ عمائدین کے ساتھ آیا۔ اس کے ساتھ ہی سمتان بھی تھیں۔ وہ بڑے اعتماد سے قدم اٹھا رہی تھیں۔ مندر کے دروازے پر پہنچ کر آغان نے جو مستقلاً ذہنی اعتبار سے عبدالرحمن کے قبضے میں تھا‘ سمتان سے کہا ”مندر میں جا کر بڑے بت کو سجدہ کرو۔“

سمتان مندر میں سر اٹھائے ہوئے داخل ہوئیں اور بڑے بت سے کہا ”اے پتھر کے بت! کب تک اس غرور سے سر اٹھائے کھڑا رہے گا؟ اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں کا احترام کر۔“ ابھی اس جملے کی گونج ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ بڑا بت اپنی مضبوط بنیادوں سے اکھڑ کر سر کے بل سمتان کے سامنے گر پڑا۔ یہ منظر ہزاروں افراد نے دیکھا تھا۔ سیکڑوں نے وہ بات بھی سنی تھی جو سمتان نے بت کو مخاطب کر کے کہی تھی۔ دیوتا کا سارا احترام ایک لمحے میں سمتان کی طرف منتقل ہو گیا۔ عقیدت کے اظہار کے لیے لوگ سمتان کے قدم چومنے کو آگے بڑھے تو آغان کے اشارے پر سپاہیوں نے عمائدین اور سمتان کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اس مرحلے پر بھی مینتون نے جذباتی مجمع کو آسانی سے قابو میں کر کے ایک تقریر کی ”دوستو! بتوں کی خدائی کا دور الماتا میں ختم ہو گیا ہے۔ اب ہم اس خدائے واحد کی پرستش کیا کریں گے جس کی عبادت سمتان کرتی ہیں۔ آپ لوگ خود دیکھ چکے ہیں کہ جس دیوتا کی ہم پوجا کرتے تھے‘ وہ کتنا بے حقیقت تھا۔ سمتان کو اسلام کی روشنی‘ اسلام کے ایک محترم سپوت عبدالرحمن کے ذریعے ملی ہے۔ اب وہ تم سے خطاب کریں گے۔

خاموشی سے ان کی بات سنو۔" اس اعلان کے ختم ہوتے ہی عبدالرحمٰن بت پر کھڑے ہوئے نظر آئے کیونکہ اب تک وہ موجود تو تھے مگر نظروں سے اوجھل تھے۔

مینتون دوڑ کر آپ کے پاس پہنچا اور آپ کی دست بوسی کی تا کہ لوگ پہچان لیں کہ الماتا میں اسلام کی روشنی کے مینار کون ہے۔

آپ کو جاننے والے اور نہ جاننے والے' سبھی اچانک خاموش ہو گئے۔ آپ نے حیرت ناک بلند آواز میں اپنے خطبے کا آغاز سورۃ النصر سے کیا اور پھر کہا "ہدایت وہی پاتے ہیں جن کو اللہ ہدایت کے لیے منتخب فرمالیتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا ایک ناچیز بندہ ہوں اور ہمتان بھی اس کی کنیز ہے۔ تم سب نے اپنی آنکھوں سے بتوں کی بے بضاعتی دیکھ لی ہے اور یہ بات سمجھ لی ہے کہ جسے پوجنا چاہیے' وہ اس ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ جو لوگ خدائے واحد کی پرستش کا فیصلہ کر چکے ہیں' وہ ہاتھ اٹھادیں۔"

سب سے پہلے آغان نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور پھر ہاتھ اٹھتے ہی چلے گئے۔ آپ نے لہراتے ہوئے ہاتھوں پر ایک نظر ڈال کر کہا "صاحب ایمان ہونے کے لیے کلمہ شہادت زبان سے ادا کرنا اور اس کی دل سے تصدیق کرنا ضروری ہے۔ پہلے میری آواز پر توجہ دو اور جو میں کہوں' اسے دہراؤ۔" آپ نے پھر ایک بار مجمع پر نظر ڈال کر کہا "اپنے اٹھے ہوئے ہاتھ نیچے کرلو۔"

ہاتھ نیچے کر لیے گئے تو آپ نے کلمہ طیبہ کے الفاظ جزو اجزو اپڑھے اور مجمع دہراتا رہا۔ کلمہ خوانی کے بعد آپ نے اس کا ترجمہ اور مفہوم سامعین کے ذہن نشین کیا۔ اس مرحلے سے گزر کر آپ نے مجمع کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا "تم لوگ اب ملت اسلامیہ کا جزو لاینفک بن گئے ہو۔ تمہاری دنیا اور آخرت کی فلاح و بہبود لافانی ہو گئی ہے۔ اسلام کیا ہے' اسلام کے تقاضے کیا ہیں' تمہیں یہ ساری باتیں سکھانے کا انتظام میں آج ہی سے کروں گا۔ اب تم لوگ اپنے گھروں کو جاؤ۔"

اس طرح الماتا کی کافر ریاست' اسلامی ریاست بن گئی۔ عبدالرحمٰن نے ان کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام کیا اور کفر و شرک کے اندھیرے چھٹ گئے۔ مینتون کی تحریک پر ہمتان' عبدالرحمٰن کے عقد میں' نزیان زید کے عقد میں اور ناکیا' قاسم کے عقد میں آ گئی تھیں۔

○☆○

خیرخواہ

تاریخ کی درخشاں حقیقتیں ایک ایک حرف [illegible]

سردار موکادو الجزائر کے جنوبی حصے کا سب سے زیادہ طاقت ور اور بہادر سردار تھا۔ اس کے حرم میں اٹھارہ بیویاں تھیں اور ہر بیوی کا تعلق ایک مختلف قبیلے سے تھا۔ یہ ازدواجی رشتے باہمی جذبہ خیرسگالی کا مظہر تھے۔ موکادو اپنے قبیلے کے ساتھ ایڈرار میں مقیم تھا اور اس کے حلیف قبائل جو اسے اپنا حکمران تسلیم کرتے تھے' جنوب میں اکابلی تک' شمال میں بنی ابیس تک' مشرق میں انسالہ تک اور مغرب میں زیمال تک پھیلے ہوئے تھے۔ سردار موکادو کے اقتدار کی بنیاد اس کے گوریلے دستے اور تنخواہ دار جادوگروں پر تھی۔ اس کے خلاف اگر کسی سردار کے ذہن میں بغاوت کے جراثیم بھی پیدا ہوتے تو جادوگر اسے متوقع بغاوت سے باخبر کردیتے اور پھر گوریلا دستے کا کوئی تربیت یافتہ رکن' باغی کو اس طرح ٹھکانے لگادیتا کہ لوگ اسے دیوتاؤں کا عذاب سمجھ کر سہم جاتے کیونکہ لاش دیکھ کر پہلی نظر میں ہی یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ کسی درندے نے مرنے والے کو دانتوں سے نہ صرف یہ بھنبھوڑا ہے بلکہ اس کا گوشت کھایا بھی ہے۔ خون کی بہت معمولی مقدار فرش یا بستر پر پائی جاتی تھی اور اس سے یہ قیاس بھی یقین بن جاتا تھا کہ درندہ خوں آشام بھی تھا۔

سردار موکادو بیک وقت محبت و خوف کی علامت تھا' لوگ اس سے عقیدت کو زندگی اور اس سے نفرت کرنے کو موت سمجھنے لگے تھے۔ موکادو عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اسے زندگی کی ساری آسائشیں میسر تھیں۔ شراب و شباب کے علاوہ اسے کسی مشغلے سے سروکار نہ تھا۔

ایک دن جب وہ داد عیش دے رہا تھا تو جادوگروں کا سردار آنیا اس کے پاس پہنچا اور کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو ناوقت تکلیف دی مگر معاملہ اتنا نازک تھا کہ میں نے آپ کی راحتوں کا بھی خیال نہ کیا۔"

موکادو نے اپنی سرخ سرخ آنکھیں آنیا کی طرف اٹھا کر کرخت لہجے میں کہا "اگر صبح تک میرا انتظار کر لیتے تو آسمان زمین پر نہیں گر پڑتا۔ بتاؤ کیا مصیبت نازل ہو گئی ہے؟"

"سرداروں کے سردار!" آنیا نے بڑی لجاجت سے مخاطب کرتے ہوئے کہا "آپ کا عزیز ترین دوست سردار بلاشا' آپ سے بغاوت پر آمادہ ہوگیا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو آنیا! تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" موکادو نے تڑپ کر کہا۔

"سردار آپ کی حیرت بجا ہے' میں بھی یہ جان کر اتنا ہی حیرت زدہ ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے میری سماعت کا اعتبار بھی مجھ سے چھن گیا تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر سردار کے ذہنی تغیر کا مطالعہ کرنے کے لیے ہم نے ایک ایک جادوگر کو مقرر کر رکھا ہے۔ جب سردار بلاشا کی ذہنی نگرانی کرنے والے نے مجھے یہ اطلاع دی تو میں نے اپنا اعتبار بحال کرنے کے لیے تمام جادوگروں کو بلوایا اور پھر ہم سب نے سردار بلاشا کے ذہن کا مطالعہ کیا اور شکایت کو درست پایا۔ وہ واقعی باغی ہوگیا ہے۔"

موکادو نے بہت دیر تک اس مسئلے پر غور کیا۔ اس کی پیشانی پر سوچ کی لکیریں ابھرابھر کر مٹتی رہیں۔ آخر کار بڑے کرب سے اس نے کہا "اس میں شک نہیں کہ بلاشا کو میں اپنی جان کی طرح عزیز رکھتا ہوں مگر میں اپنے قانون سے بھی انحراف نہیں کرسکتا۔ میں آج ہی اس کے خاتمے کے لیے آدمی روانہ کردوں گا۔ تم اب جاؤ۔" آنیا چلا گیا تو موکادو نے بزم عیش برخاست کی اور ایک خادم سے کہا "گوریلا دستے کے سردار کو بلاؤ۔"

موکادو ایک حتمی فیصلہ کرنے کے باوجود بے قرار تھا۔ وہ اس وقت تک عالم اضطراب میں ٹہلتا ہی رہا جب تک مطلوبہ شخص نہ آگیا۔

سردار نے اسے دیکھتے ہی کہا "موزلے' آج ہی دو آدمی اکابلی روانہ کردو۔ بلاشا کے دن پورے ہوچکے ہیں۔ خود سے بدظنی رکھنے والوں کو میں زندہ رہنے کا حق نہیں دے سکتا' چاہے وہ میرے اچھے دوست ہی رہے ہوں۔"

موزلے نے سر اطاعت خم کیا اور چلا گیا۔

○☆○

اکابلی کی سرحد منتا سے ملی ہوئی تھی اور منتا میں عون بن حمزہؒ کی مساعی جمیلہ سے اسلامی انقلاب رونما ہوچکا تھا۔ منتا' نیدامنتا اور اوو الین میں اسلامی طرز حیات کا فروغ قابل دید تھا۔ عون بن حمزہؒ کی وفات کے بعد چار قبیلوں کا ایک وفاق بن گیا تھا اور عون بن حمزہؒ کے بڑے لڑکے علی بن عون کو پورے وفاق کا سربراہ تسلیم کرلیا گیا تھا۔ علی بن عون اپنے والد کے حقیقی جانشین تھے۔ اسلام کے فروغ کی خاطر انھوں نے خود کو وقف کردیا تھا۔ ان کی خدا ترسی' انسان دوستی اور حسن سلوک نے دلوں کی لازوال مملکت فتح کر رکھی تھی۔ اکابلی سے لوگ منتا آتے رہتے تھے۔ منتا ہر آنے والے کو متاثر کرتا تھا۔ منتا میں جو عوامل کردار سازی کررہے تھے' ان سے صرف نظر کرنا کسی باشعور آدمی کے لیے ممکن نہ تھا۔

ایک بار سردار بلاشا کا نوجوان بیٹا نیدا موکادو' منتا آیا تو اسے یوں لگا جیسے وہ اندھیروں سے اچانک اجالے میں آگیا ہو۔ اس نے جو کچھ دیکھا اس کے لیے ان دیکھا تھا۔ اسے حیرت بھی ہوئی مگر حیرت آئینہ بن کر خاموش نہ ہوئی۔ اس کے دل میں ارتقا کا جذبہ بیدار ہوگیا۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ اکابلی کو بھی شاہراہ ترقی پر گامزن کرے گا۔ جب وہ واپس اکابلی پہنچا تو اپنے باپ بلاشا سے منتا کا تفصیلی حال بتا کر کہا "میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ منتا کی طرز پر اکابلی کو بھی ترقی دوں گا۔"

تجربے کار اور جہاں دیدہ باپ نے بیٹے کے عزائم کو سراہتے ہوئے کہا "منتا میں جو انقلاب آیا ہے' وہ تدریجی طور پر آیا ہے۔ وہاں پہلے فکری انقلاب آیا ہے۔ جو کچھ تم نے دیکھا ہے اسی فکری انقلاب کا ثمرہ ہے۔ اگر تم یہاں تبدیلیاں لانا چاہتے ہو تو پہلے اپنے قبیلے کو اس بات پر آمادہ کرو کہ وہ اپنی قدیم ڈگر سے ہٹ کر نئے راستے پر چلے مگر یہ کام آسان نہیں ہے۔ تم مجھے اچھی طرح سوچ کر بتاؤ' تمہارے ذہن میں کیا لائحہ عمل ہے؟"

نیدا موکادو کئی دن تک غور کرنے کے بعد اپنے باپ سے ملا اور اس سے کہا "میں منتا جارہا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ منتا کا بادشاہ علی بن عون بہت اچھا آدمی ہے۔ میں اپنا مسئلہ اس کے سامنے رکھ کر اس کا حل اس سے دریافت کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے تجربات سے ضرور فائدہ پہنچائے گا۔"

"تمہارا خیال غلط نہیں ہے بیٹے۔" بلاشا نے تائید کرتے ہوئے کہا "مگر تم نے ایک بات پر غور نہیں کیا۔ موکادو میرا دوست ہے اور اتنا گہرا دوست ہے کہ میں نے تمہارا نام بھی اسی کے نام پر رکھا ہے' نیدا موکادو (چھوٹا موکادو) منتا سے رابطہ پیدا کرنا اور اہل منتا کی تہذیب کو اپنانا' موکادو سے بغاوت کے مترادف ہے اور تم یہ جانتے ہو کہ موکادو سے بغاوت کرنا تو بڑی بات ہے' اس کے خلاف اگر دل میں بغاوت کا خیال بھی آجائے تو اسے معلوم ہوجاتا ہے اور پھر جو کچھ ہوتا ہے' وہ تم بھی جانتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم اپنے اس خیال سے باز آجاؤ ورنہ ہم دونوں ہی بے موت مارے جائیں گے۔"

نیدا موکادو باپ کی تنبیہہ سن کر لرز اٹھا اور خاموشی سے اٹھ کر باپ کے پاس سے آگیا۔ اس نے تنہائی میں بیٹھ کر پھر غور و خوض کیا۔ اسے اپنی موت کی کوئی فکر نہ تھی۔ وہ اپنی جان دے کر بھی عوام کی بہتری قبول کرسکتا تھا مگر باپ کی موت بھی اسے گوارا نہ تھی۔ سوچتے سوچتے ایک شعاع شعور سے اس کا ذہن منور ہوگیا۔ اپنے باپ کی وساطت سے یہ بات اس کے علم میں تھی کہ سردار موکادو کا جاسوسی نظام کیا ہے۔ یہ بات یاد آئی تو وہ پر سکون ہوگیا۔ باپ کے ذہن میں سردار موکادو کے خلاف کوئی جذبہ بغاوت موجود نہ تھا۔ نگراں جادوگر یہ بات جان ہی نہیں سکتے تھے کہ میرے کیا عزائم ہیں' جادوگر میری نگرانی نہیں

کررہے ہیں۔ اس نے باپ کو بے خبر رکھ کر اپنے لائحہ عمل پر کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اسی دن شکار کے بہانے سے نکل کھڑا ہوا اور منتا پہنچ گیا۔ منتا میں منتا کے ہر دل عزیز سربراہ علی بن عون سے ملاقات میں اسے کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ علی بن عون روزانہ ہی نماز ظہر کے بعد سے نماز عصر تک مسجد میں دربار عام کیا کرتے تھے۔ اس درویش بادشاہ کا نہ کوئی حاجب تھا' نہ مسلح پہرے دار۔

نیدا موکادو جب علی بن عون کے سامنے آکر بیٹھا اور چاہا کہ اپنا مدعا بیان کرے تو علی بن عون نے کہا" آپ سے گفتگو تخلیئے میں ہوگی۔"

نیدا موکادو ایک طرف بیٹھ گیا اور عدل گستری کے ذہن افروز مناظر سے محظوظ ہوتا رہا۔ عصر کی نماز کا منظر بھی اسے متاثر کئے بغیر نہ رہ سکا۔

نماز کے بعد علی بن عون' نیدا موکادو کو اپنے گھر لے گئے اور کہا" تمہارے والد نے یہ بات درست کہی تھی کہ انقلاب ذہنوں سے سفر کرتا ہوا معاشرے کو بدلتا ہے۔ ذہن جب فکری طور پر کسی انقلاب کو تسلیم کر لیتے ہیں تو زندگی خود بہ خود ہر تغیر کو خوشی سے قبول کر لیتی ہے۔ فکری انقلاب ایک بہت دشوار مرحلہ ہے' اگر کوئی بلند مقصد سامنے نہ ہو۔ مقصد کی بلندی وحدت فکر پیدا کرتی ہے۔ انسانی فطرت یہ ہے کہ فلاح بہبود کے ہر نظام سے صلح کر لیتی ہے۔ میری اس بات کا خلاصہ یہ ہے کہ عوام کے سامنے ایک ایسا بلند مقصد رکھو جس میں اپنی فلاح و بہبود کے پیش نظر سب ایک کشش محسوس کریں اور پھر اس مقصد کی تکمیل اور جدوجہد کے لیے بے قرار ہو جائیں۔"

نیدا موکادو آپ کی ہر بات توجہ سے سن رہا تھا اور حیران تھا کہ اس کے باپ کی رازدارانہ گفتگو کا حوالہ کیسے دیا گیا۔ ہر بات سیدھی اور صاف تھی۔ ہر بات اس کے ذہن نے قبول کر لی تھی مگر وہ سوچ رہا تھا کہ فلاح و بہبود خود ایک پرکشش مقصد ہے۔ فلاح و بہبود کو اور کس مقصد کا تابع بنایا جا سکتا ہے؟

آپ نے نیدا موکادو کے ذہن کو پڑھ کر پھر کہا" فلاح و بہبود سب چاہتے ہیں مگر فلاح و بہبود میں اپنا حصہ سب سے زیادہ رکھنے کا ذوق بھی رکھتے ہیں اس لیے فلاح و بہبود کے ثمرات کو منصفانہ تقسیم کے لیے ایک نظام عدل کا تابع ہونا چاہیے۔ نظام عدل ہمارے دین اسلام کا دوسرا نام ہے۔ اگر تم واقعی اکابلی کو منتا بنانا چاہتے ہو تو پہلے خود اسلام قبول کر لو جس نے منتا کا مقدر درخشاں کر دیا ہے اور ہمیں سرتا سر محبت بنا دیا ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں' اگر تم نے اسلام قبول کر لیا اور تمہارے باپ بلاشا نے بھی اسلام قبول کر لیا تو تم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جاؤ گے۔ اڈرار کا سردار موکادو اور اس کے جادوگر مشیر تم دونوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔"

نیدا موکادو کے دماغ کی رگیں پھٹنے لگیں۔ آج تک اس کی ملاقات کسی ایسے فرد سے نہیں ہوئی تھی جو مخاطب کو بولنے کا موقع بھی نہ دے اور اس کے ذہن میں ابھرنے والے ہر سوال کا جواب دے کر مطمئن کر دے۔ علی بن عون کی شخصی مقناطیسیت' اسلام کی برکات اور اہل منتا کی حسین تہذیب اور ارتقا کے اثرات نے نیدا موکادو کو مسحور کر لیا تھا۔ اس نے سوچا' اگر اسلام ہی تمدن کی ساری بہاروں کا سرچشمہ ہے تو اسلام قبول کرنے میں کیا قباحت ہے؟ اگر اسلام پستی سے بلندی کی طرف دعوت دیتا ہے' دکھی انسانوں کے آنسو اپنے دامن میں جذب کر کے مسکرانے کی جرات فراہم کرتا ہے' تاریکیوں میں ارتقا کے چراغ روشن کرتا ہے تو پھر اسلام ہی زندگی کا عظیم ترین مقصد ہے۔ اس نے تڑپ کر کہا" میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے' اسی میں میری اور میرے قبیلے کی بھلائی ہے۔"

آپ نے اسلام کے لیے اس کی کامل آمادگی دیکھ کر اسے داخل اسلام کر لیا۔ توحید کی فکری اور عملی تصریحات سن کر اسے یوں لگا جیسے ایک بھٹکا ہوا مسافر منزل پر آ گیا۔ وہ رات اس نے آپ کی صحبت میں گزاری۔ صبح نماز فجر کے بعد آپ نے نیدا موکادو کو رخصت کرتے ہوئے کہا" جاؤ اور اپنے والد کو اسلام کے محاسن سے آگاہ کر کے انہیں بھی دعوت اسلام دو اور یقین دلا دو کہ موکادو' اسلام قبول کرنے کے ب کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔"

نیدا موکادو اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر اکابلی کی طرف جا رہا تھا مگر اس کی سوچ کی رفتار گھوڑے کی رفتا بہت تیز تھی۔ اکابلی پہنچتے پہنچتے اس نے بہت سے ایسے فیصلے کر لیے جن کی اصابت پر وہ خود حیران تھا۔ جب سردار بلاشا سے ملا تو اس نے سب سے پہلے یہی کہا "میں اس شخص سے مل کر آیا ہوں جو دلوں کا حال بھی جانتا ہے۔ اس نے ہر وہ بات خود ہی سمجھ لی جو اس سے میں کہنا چاہتا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ اسے وہ بات بھی معلوم تھی جو یہاں تنہائی میں رازدارانہ طریقے پر ہم دونوں نے کہی تھی۔ میں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا ہے' وہ اسلام جو ایک طرف خدائے واحد کا تصور پیش کرتا ہے اور دوسری طرف عالم انسانیت کو ایک ماں باپ کی اولاد قرار دے کر روئے زمین پر پھیلے ہوئے انسانوں کو ایک نقطے پر جمع کرتا ہے۔ میرے مرشد گرامی علی ابن عون نے یقین دلایا ہے کہ اگر آپ نے اسلام قبول کر لیا تو آپ اللہ کی پناہ میں آ جائیں گے۔ سردار موکادو اور اس کے جادوگر آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔"

بیٹے کی بات سن کر سردار بلاشا نے اسلام کے متعلق بہت سے سوالات کئے جن کے جوابات بیٹے نے اطمینان بخش دیئے۔ سردار بلاشا' سردار موکادو کا دوست تھا مگر ان کے خیالات میں مکمل ہم آہنگی نہیں تھی۔ سردار بلاشا خود کو سردار موکادو کا دوست سے زیادہ غلام محسوس کرتا تھا۔ دوستی کے ادعا کے باوجود ہوتا وہی تھا جو سردار موکادو چاہتا تھا۔ اس

معاملے میں وہ بڑا خود سر تھا' اختلاف رائے کا کسی کو حق دینے کے لیے اس کے پاس کوئی نرم گوشہ نہ تھا۔ زبان سے تو سردار بلاشا نے کبھی کسی فیصلے کے خلاف احتجاج نہیں کیا تھا مگر اس کا ذہن کبھی احتجاج سے خالی بھی نہ رہا تھا۔ سردار بلاشا' سردار موکادو کی دوستی پر فخر کرتا تھا مگر یہ فخر اس وقت انفعال میں بدل گیا جب سردار موکادو کے حکم سے اسے اپنی کمسن بہن' اپنے دوست کے حوالے کرنا پڑی تھی۔ اگرچہ حوالگی بہ صورت نکاح ہوئی تھی مگر بلاشا جانتا تھا' موکادو نے دوستی کے اعتبار کو نظرانداز کرکے اس کی بہن کو منکوحہ یرغمال بنایا تھا۔ بیٹے کی باتوں سے اس کے تمام زخم ہرے ہوگئے تھے۔ اس نے بیٹے سے صرف ایک سوال کیا' "کیا تمہیں یقین ہے کہ علی بن عون مجھے دست ظلم سے بچالیں گے؟"

"جی ہاں' میں کامل یقین رکھتا ہوں کہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔" نیدا موکادو نے پورے وثوق سے جواب دیا۔

بیٹے کی یقین دہانی کے بعد سردار بلاشا نے بلا تامل اسلام قبول کرلیا۔

جادوگروں کے سردار آنیا نے قبولیت اسلام کو ہی بغاوت قرار دے کر سردار موکادو کو اطلاع دی تھی کہ سردار بلاشا باغی ہوگیا اور اس خبر کا اعتبار کرکے ہی اس نے تربیت یافتہ قاتل روانہ کئے تھے تاکہ وہ سردار بلاشا کو مخصوص طریقے سے قتل کردیں۔ گوریلا دستے کے سردار موزلے نے اپنے دستے کے سب سے زیادہ معتبر آدمی سردار بلاشا کو قتل کرنے کے لیے روانہ کئے تھے۔ ان میں ایک غنون اور دوسرا مکالا تھا۔ دونوں جب اکابلی کے نواحی علاقے میں پہنچے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ مشاورت کے بعد دونوں نے فیصلہ کیا کہ نصف شب کے بعد اپنا کام مکمل کریں گے' اس وقت سے پہلے اکابلی میں قدم رکھنا خطرے سے خالی نہ ہوگا۔

○☆○

نیدا موکادو سو رہا تھا کہ خواب میں اپنے مرشد علی بن عون کو دیکھا کہ وہ کہہ رہے تھے "اٹھو' تمہارے باپ کو قتل کرنے کے لیے دو قاتل آپہنچے ہیں اور اس وقت دبے پاؤں تمہارے والد کی خواب گاہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ دونوں قاتل کا رنگ بھی سیاہ ہے اور لباس بھی۔ وہ تاریکی کا جزو بنے ہوئے ہیں ابھی وہ کچھ دور ہیں۔ اپنے ساتھیوں کی مدد سے انہیں گرفتار کرلو اور اس بات کا خیال رکھو کہ بہ صورت ناکامی وہ خودکشی نہ کرپائیں۔"

نیدا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اب خواب کی تعبیر پر غور کرنے لگا۔

اچانک بیداری میں بھی اس نے اپنے مرشد کی آواز سنی "اب تم میری بات بیداری میں سن رہے ہو۔ خواب کی تعبیر بھی یہی ہے کہ قاتل تمہارے والد کی خواب گاہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جلد حفاظتی انتظام کرو۔"

نیدا فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اب اس کی رگوں میں بجلیاں دوڑنے لگی تھیں۔ اس نے نیزہ سنبھالا اور تیزی سے نکلا اور چار ساتھیوں کے ساتھ جو مسلح تھے' اپنے باپ کی خواب گاہ کی طرف چل پڑا۔ اکابلی کے سردار کا گھر بستی سے ذرا علیحدہ بنا ہوا تھا۔ تمام قبائل کے سرداروں نے سردار موکادو کے حکم کی تعمیل میں اپنے مکانات آبادی سے کچھ فاصلے پر ہی بنوائے تھے۔ مکان کی اطراف میں ایک بڑا احاطہ تھا اور چوبی احاطے سے ملحق چاروں طرف زیتون کے درخت تھے جن کی شاخیں آپس میں ملی ہوئی تھیں۔ رات کی بے پناہ تاریکی میں درختوں کا شاداب اور سبز رنگ بھی سیاہ تھا۔ نیدا نے اپنے چاروں ساتھیوں کو درختوں پر اس طرح متعین کیا کہ قاتل کسی طرف سے بھی احاطے میں داخل ہونے کی کوشش کریں' ان کی نظر میں آجائیں۔ نیدا خود احاطے میں ایک مناسب جگہ چھپ گیا۔ جہاں سے خواب گاہ کی کھڑکی اور دروازہ اس کے سامنے تھا۔

رات کے سناٹے کی ہر طرف حکمرانی تھی۔ پانچوں اپنے پورے حواس کے ساتھ بیدار تھے۔ ہلکی سے ہلکی آہٹ پر بھی ان کے کان لگے ہوئے تھے۔ جنگل میں رہنے والوں کی بصارت کے لیے اندھیرے زیادہ پریشان کن نہیں ہوتے' وہ اندھیرے میں بھی دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔

آنے والے دونوں قاتلوں نے بھی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے خود کو تقسیم کرلیا۔ ایک مشرق کی طرف سے مکان کی طرف بڑھا اور دوسرا جنوب کی طرف سے۔ دونوں سینے کے بل لیٹ کر بڑھ رہے تھے۔ آگے رینگنے سے پہلے وہ آہستہ سے خشک پتوں کو اپنی راہ سے ہٹاتے جارہے تھے۔ تربیت یافتہ قاتل' محافظوں کی نگاہ میں آئے بغیر چوبی احاطے تک پہنچ گئے۔ اب انہیں اپنے شکار تک پہنچنے کے لیے صرف احاطہ عبور کرنا تھا۔ احاطے کی دیوار پر زقند بھر کر چڑھنے کے لیے قاتلوں میں یہ فیصلہ پہلے ہی ہوچکا تھا کہ دونوں ایک ساتھ زقند لگائیں گے اور اس فیصلے پر عمل کرنے کے لیے غنون نے جو جنوب کی طرف تھا' لہراتی ہوئی سیٹی کی آواز منہ سے نکالی۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ سیٹی کی آواز سن کر' اس وقت فوراً زقند لگائی جائے جب سیٹی کی آواز بند ہو۔ جیسے ہی سیٹی کی آواز بند ہوئی دونوں نے بیک وقت کسی بندر کی طرح زقند بھری۔ وہ قد آدم سے کچھ بلند احاطے کی دیوار پر پہنچے اور بغیر کسی وقفے کے پنجوں کے بل احاطے میں کود گئے۔ کودنے سے بہت ہلکی آواز پیدا ہوئی مگر رات کے سناٹے نے اس خفیف آواز کو منتظر سماعتوں تک پہنچادیا۔ سیٹی کی آواز سے محافظوں کے کان پہلے ہی کھڑے ہوچکے تھے۔ دوسری آواز نے سمت کا تعین بھی کردیا۔ غنون جس طرف سے داخل ہوا تھا' اسی طرف نیدا موکادو کھڑا تھا۔ اس نے غنون کو جالیا۔ چاروں محافظ بھی احاطے میں کود گئے اور انہوں نے جلد ہی دوسرے قاتل مکالا کو گھیر لیا۔ مکالا نے اپنا خنجر

نکال کر پہلے تو یہ چاہا کہ گھیر لینے والوں میں سے کسی ایک پر کھینچ مارے لیکن ان کے ہاتھوں میں نیزے دیکھ کر خنجر اپنی ہی شہ رگ میں پیوست کرلیا۔ غنون' نیدا موکادو کے آہنی شکنجے سے آزاد ہونے کی بھرپور کوشش کررہا تھا۔ اس کی کوشش کامیاب بھی ہوجاتی مگر نیدا موکادو کے ساتھی مکالا کی موت کا یقین کرلینے کے بعد غنون تک پہنچ چکے تھے۔ غنون کو قابو میں کرکے اسے غیر مسلح کردیا گیا اور تلاشی لے کر وہ زہریلے بیج بھی برآمد کرلیے جنہیں چبا کر وہ خود کو ہلاک کرسکتا تھا۔ جب وہ غنون کو باندھ رہے تھے' سردار بلاشا بھی اپنی خواب گاہ سے نکل آیا تھا۔ مکالا کی آخری چیخ اور نیدا موکادو کے ساتھیوں کے شور سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ جب وہ نیدا موکادو کے پاس پہنچا اور صورت حال دریافت کی تو اس نے اپنا خواب تفصیل سے سنایا اور پھر جو حفاظتی تدابیر کیں' ان پر روشنی ڈالی۔ سردار بلاشا نے غنون سے پوچھا "تم کون ہو؟"

غنون نے بڑے اطمینان سے جواب دیا "میرا نام غنون ہے اور میں سردار موکادو کا قاصد ہوں۔"

"اگر تم قاصد ہو تو رات کو چھپ کر میرے مکان میں داخل ہونے کی کیوں کوشش کی؟" سردار بلاشا نے پوچھا۔

غنون نے اس سوال کا بھی بڑے اطمینان سے جواب دیا "مجھے حکم ملا تھا کہ میں خفیہ پیغام خفیہ طور پر پہنچاؤں۔ اگر میں دن کی روشنی میں آتا تو بہت سے لوگ مجھے اور میرے ساتھی کو دیکھ لیتے۔ حکم کے مطابق میں ایسا نہیں کرسکتا تھا۔"

سردار بلاشا نے متفکر ہو کر کہا "اچھا بتاؤ پیغام کیا ہے؟ میں بھی سنوں موکادو نے رازداری کا یہ اہتمام کس لیے کیا تھا؟"

"میرا یہاں آنا راز نہیں رہ سکا اس لیے وہ خفیہ پیغام میں اب نہیں سنا سکتا۔ اگر تم سردار موکادو کا پیغام سننے پر بہ ضد ہو تو ابھی میرے سامنے ان پانچوں افراد کو قتل کردو تاکہ میرے آنے کا راز ان کے مردہ دماغوں میں دفن ہوجائے۔ ہمیں ان کے علاوہ کسی اور نے نہیں دیکھا ہے۔"

غنون کی بات سن کر سردار بلاشا نے ایک قہقہہ لگایا پھر کہا "بہت خوب' تم اپنے اور اپنے ساتھی کے انتقام میں میرے بیٹے اور میرے چار جاں نثاروں کی جان لینا چاہتے ہو۔ تمہارا جھوٹ کھل چکا ہے۔ اگر تم صرف پیغام لے کر آئے ہوتے تو تمہارا ساتھی خودکشی کبھی نہ کرتا۔ وہ آسانی سے خود کو گرفتاری کے لیے پیش کردیتا اور رات کو چھپ کر آنے کے جواز میں یہی کہانی سنا دیتا جو تم نے سنائی ہے۔" پھر سردار بلاشا نے نیدا موکادو سے کہا "اسے حفاظت سے اپنے پاس قید رکھو۔ مجھے یقین ہے کہ اس سے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے'

درست ہے اور منتا کے عالی قدر بادشاہ اس قیدی کے واسطے ضرور کوئی ہدایت دیں گے۔" یہ کہہ کر سردار بلاشا اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔

نیدا موکادو نے اپنے دو ساتھیوں کو حکم دیا "لاش اٹھا کر میری قیام گاہ میں آجاؤ۔" پھر وہ خود قیدی کو اپنے دونوں ساتھیوں کی مدد سے اپنے گھر لے کر پہنچا۔ ایک کوٹھری میں لاش کے ساتھ غنون کو باندھ کر چاروں کو پہرے پر متعین کرتے ہوئے اس نے کہا "زہریلے بیج مردہ قاتل کی جیب میں بھی ہوں گے' انہیں نکال کر محفوظ کرلینا۔"

نیدا موکادو اپنی خواب گاہ میں پہنچا تاکہ کچھ دیر آرام کرلے' ابھی چوتھائی رات باقی تھی۔ وہ جیسے ہی لیٹا' اسے علی بن عون کی آواز سنائی دی "اللہ کا شکر ادا کرو' تمہارے والد کو اللہ نے بچا لیا۔ کل صبح تم غنون سے پوچھ گچھ کرو گے تو وہ ہر بات کا درست جواب دے گا۔ میں نے اس کے ذہن کو روحانی طور پر سچ بولنے کے لیے آمادہ کرلیا ہے۔ تم کل ہی سردار موکادو کے علاوہ تمام سرداروں کو اپنے یہاں مدعو کرلو۔ وہ آجائیں تو غنون کو ان کے سامنے کردینا۔ وہ سردار موکادو کی ریشہ دوانیوں سے انہیں آگاہ کردے گا۔ سردار موکادو کے چہرے سے جیسے ہی نقاب اترے گی اس کا اصلی چہرہ نظر آئے گا تو ان میں سے اکثر سردار اس کے خلاف ہوجائیں گے پھر وہ شاید کسی کو نقصان پہنچانے کے قابل نہ رہے مگر جب تک اس کے مظالم کا خاتمہ نہ ہوجائے اپنے والد کی حفاظت کا معقول انتظام رکھنا۔"

روحانی سرگوشی جیسے ہی ختم ہوئی نیدا موکادو نے کہا "اے عظیم رہنما! میں آپ کی ہدایت پر پوری طرح عمل کروں گا۔ جب مجھے آپ کی رہنمائی حاصل ہے تو مجھے کسی بات کا غم نہیں ہے لیکن میں آپ کی خدمت میں آکر اسلام کو اچھی طرح سمجھنا چاہتا ہوں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کے حصول کا ذوق ابھی تشنۂ تکمیل رہے گا۔"

"نیدا موکادو مجھے خوشی ہے کہ تم دین اسلام کو سمجھنے کے لیے بے قرار ہو اور ہر کام پر تعلیم کو فوقیت دینا چاہتے ہو۔ فکر نہ کرو میں ایک عالم دین کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں' اس کا نام نعمان ہے۔ وہ تمہیں دینی تعلیم دیتے رہیں گے۔"

نیدا موکادو اس خبر سے مطمئن ہوگیا اور اسے نیند آگئی۔ صبح جب نیدا موکادو اپنے باپ کے پاس پہنچا تو وہ اضطراب کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ بیٹے کو دیکھتے ہی اس نے پوچھا "کیا پیر و مرشد کا کوئی پیغام آیا؟"

نیدا موکادو نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے تفصیل سے باپ کو پیغام سنا دیا۔

پیغام کے آخری حصے کو سن کر بلاشا باغ باغ ہوگیا کیونکہ وہ اسلام کے متعلق بہت تشنگی محسوس کررہا تھا اور یہ خبر کہ نعمان بحیثیت معلم پہنچنے والے ہیں' سردار بلاشا کو بہت اہم معلوم ہوئی۔ پیغام کے پہلے حصے کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے بلاشا نے کہا "میرے

بیٹے' تجھے اللہ سلامت رکھے۔ جو حکمت عملی بتائی گئی ہے اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ غنون اقبال جرم کرلے گا۔ حالانکہ بظاہر یہ ناممکنات میں سے ہے مگر مجھے یقین ہے کہ منتا کے عالی قدر درویش بادشاہ کا کہا ہوا' اللہ کے فضل سے ضرور پورا ہوگا۔ ذرا غنون کو بلواؤ میں اسی وقت اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

نیدامو کادو اسی وقت گھر پہنچا اور غنون کو اپنے ساتھ لے کر اپنے باپ کے پاس پہنچ گیا۔

غنون نے اعتراف جرم کرلیا اور اسی کے ساتھ مزید چوالیس سرداروں کے قتل کا اعتراف بھی کرلیا۔ اپنے بیٹے کے مشورے پر سردار بلاشا نے پورے قبیلے کے سامنے غنون سے اعتراف جرم کرایا۔

قبیلہ غنون کا بیان سن کر بے قابو ہوگیا۔ اس نے سردار موکادو کے خلاف سخت ترین نعرے بلند کیے اور سردار بلاشا کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ دوسرے دن سردار بلاشا نے اپنے تمام حلیف قبائل کے سرداروں کو علی بن عون کے مشورے کے مطابق بلانے کے لیے قاصد روانہ کردیے۔

سردار بلاشا کے قاصد جب سرداروں کے پاس سے واپس آئے اور یہ بتایا کہ سردار مقررہ تاریخ تک پہنچ جائیں گے تو اکابلی میں سرداروں کے استقبال کے لیے تیاریاں شروع ہوگئیں۔ قبائلی سرداروں کی آمد سے پہلے نعمان اکابلی پہنچ گئے تھے۔ سردار بلاشا اور نیدامو کادو نے بڑی نیازمندی سے ان کا استقبال کیا۔ ان کی آمد سے دونوں کو بڑی تقویت محسوس ہوئی۔ استقبالیہ مصروفیات بہت بڑھی ہوئی تھیں مگر رات کا نصف اول حصہ دونوں نعمان کے ساتھ گزارتے۔ نعمان کو آئے ہوئے ابھی دو دن ہی گزرے تھے کہ وہ دن آگیا جس دن قبائلی سرداروں کو آنا تھا۔ اٹھارہ سرداروں کو مدعو کیا گیا تھا مگر صرف آٹھ سردار پہنچے۔ آنے والوں کا شاندار استقبال کیا گیا مگر سردار بلاشا اداس اداس تھا۔ اپنے تعلقات کی بنیاد پر اسے یقین تھا کہ سارے سردار اکابلی پہنچ جائیں گے۔ آٹھ سرداروں کی آمد سے اس کا اعتماد بہت مجروح ہوا۔ تمام سردار ایک ہی مقام پر ٹھہرائے گئے تھے۔ سردار بلاشا نے انسالہ کے سردار ہوشو کو اپنی قیام گاہ پر بلوایا اور پرانے دوستانہ رشتوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا "میں تم سے ایک بہت اہم سوال کر رہا ہوں' مجھے امید ہے تم بہت سوچ سمجھ کر جواب دو گے۔"

"پوچھو بلاشا' کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ کوئی بات پوچھنے سے پہلے تم پیش بندیاں کیوں کر رہے ہو؟ کیا تم مجھے اب قابل اعتبار نہیں سمجھتے؟"

"مجھے معاف کرنا ہوشو' حد سے بڑھی ہوئی احتیاط کو بے اعتباری نہ سمجھو۔ مجھے تم

صرف یہ بتاؤ کہ یہاں آنے سے کسی نے تمہیں روکا تھا؟"

"ہاں' سردار موکادو کا قاصد میرے پاس آیا تھا اور اس کے پیغام میں تنبیہہ کی گئی تھی کہ میں تمہاری دعوت رد کردوں اور اگر دعوت رد نہ کروں تو اکابلی سے سیدھا ایڈرار جاکر اس سے ملوں۔"

سردار ہوشو کی بات سن کر بلاشا کا ذہن صاف ہوگیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ نہ آنے والے سرداروں کو سردار موکادو ہی نے روکا ہوگا۔ اس نے اسی دن سرداروں کا ایک اجلاس بلاکر ان کے سامنے تمام صورت حال بیان کردی۔

مہمان سرداروں نے تمام بات سن کر بیک زبان کہا "یہ جھوٹ ہے' تم سردار موکادو پر الزام عائد کر رہے ہو۔ وہ ہمارا محسن ہے۔ ہم اس کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتے۔"

سب ہی مشتعل ہوکر اٹھ کھڑے ہوئے اور مزید کہا "ہم جا رہے ہیں' آئندہ ہم تمہاری صورت دیکھنا بھی پسند نہ کریں گے۔"

مہمان سرداروں کے ذہن مسحور تھے اور سحر ہی کے زیر اثر وہ سردار موکادو کے خلاف کوئی بات سننے کے روادار نہ تھے۔ یہ رنگ دیکھ کر سردار بلاشا نے کہا "میں نے جو بات کہی ہے' اس کے ثبوت میں' میں آپ کے سامنے اس قاتل کو پیش کروں گا جو مجھے قتل کرنے کے لیے آیا تھا۔"

یہ پیش کش بھی غیر موثر ثابت ہوئی۔ سردار اسی وقت گھوڑوں پر سوار ہوکر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہوگئے۔

اس صورت حال سے سردار بلاشا گھبرا اٹھا اور بیٹے سے کہا "اب کیا ہوگا؟ یہ تدبیر بالکل ہی ناکام ہوگئی۔ ہم تمام قبائل کا مقابلہ تنہا تو نہیں کرسکیں گے۔"

نیدامو کادو بھی اداس تھا۔ اس کی سمجھ وقتی طور پر اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ وہ باپ کے سوال کا جواب بھی نہ دے سکا تھا۔ اس مرحلے پر نعمان نے نیدامو کادو سے کہا "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہرچند کے علی بن عون یہاں مادی طور موجود نہیں ہیں مگر میں یقین رکھتا ہوں کہ یہاں جو صورت حال پیدا ہوئی ہے' وہ ان کی روحانی توجہ سے پوشیدہ نہ رہی ہوگی۔ انشاءاللہ حالات قابو میں رہیں گے۔"

ابھی گفتگو جاری تھی کہ علی بن عون کی آواز آئی جو تینوں نے سنی "گھبراؤ نہیں' اللہ تعالیٰ بڑا کارساز ہے۔ جو سردار ابھی چلے گئے ہیں' واپس آجائیں گے اور تمہارے ہم نوا ہوجائیں گے۔ یہ بات میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تم اللہ کی پناہ میں ہو اور اس امر کا آج بھی یقین دلا رہا ہوں۔ تمہیں کسی حال میں اللہ کے فضل سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے باطل کی کثرت کا مقدر شکست اور صرف شکست ہے۔"

علی بن عون' بلاشا اور نیدا موکادو کے حوصلے بلند کر کے ان سرداروں کی طرف متوجہ ہوئے جو اپنے علاقوں کی طرف اڑے چلے جا رہے تھے۔ آپ نے ایک کے بعد ایک سردار کے ذہن کو سحر سے آزاد کیا اور انہیں فیضان توجہ سے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ واپس ہو کر بلاشا سے اس بیان کی صداقت کا ثبوت طلب کریں۔

سرداروں کے ذہن جیسے ہی سحر کی گرفت سے آزاد ہوئے' انہوں نے اپنے طرز عمل کا احتساب کیا جس کے نتیجے میں ان کے سر ندامت سے جھک گئے اور پھر یہی ندامت ان کی مراجعت کا سبب بن گئی۔

سردار بلاشا نے جب مہمانوں کو واپس آتے دیکھا تو مسرت سے اس کا چہرہ کھل اٹھا اور اللہ تعالیٰ کے فضل کا اعتماد اور بڑھ گیا۔ سردار قریب آئے تو بلاشا نے بلند آواز سے خوش آمدید کہتے ہوئے یہ بات بھی برملا کہی "مجھے یقین تھا کہ میرے دوست مجھے مایوس نہیں کریں گے اور بغیر کسی معقول وجہ کے میری گزارشات کو رد نہ کریں گے۔"

سردار ہوشو نے کسی تمہید کے بغیر کہا "ہم اس قاتل سے ملنا چاہتے ہیں جو تمہارے بیان کے مطابق تمہیں قتل کرنے آیا تھا۔"

سردار بلاشا نے قاتل کو بلوا کر ان کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا "اس پر جرح کر کے یہ بات تم خود معلوم کرو کہ حقیقت کیا ہے۔"

غنون پر سوالات کی بوچھار ہونے لگی اور وہ مسلسل سچ بولتا رہا۔ سردار موکادو کا اصلی روپ سامنے آیا تو وہ غصے سے بے قابو ہو گئے۔ ان دوستوں اور عزیزوں کے چہرے ان کی آنکھوں میں پھر گئے جنہیں بڑی بے دردی کے ساتھ زندگی سے محروم کیا گیا تھا۔ آتش انتقام بھڑک اٹھی۔ سب نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر اسی وقت عہد کیا کہ سردار موکادو سے اس کے مظالم کا گن گن کر انتقام لیا جائے گا۔ اس عہد کے بعد تمام سرداروں نے سردار بلاشا کو اپنا سربراہ چن لیا اور طے پایا کہ سردار موکادو کے خلاف لڑی جانے والی جنگ سردار بلاشا کے احکام کے مطابق ہو گی۔ سردار ہوشو نے اچانک خنجر نکال کر غنون کے سینے میں کئی وار کر ڈالے اور نعرہ لگایا "میں نے اپنے باپ کا انتقام لے لیا۔"

یہ ایک بے ضابطہ کارروائی تھی مگر سردار بلاشا نے اس قتل کا احتساب ضروری نہ سمجھا۔

سردار بلاشا نے سرداروں کا سردار بن جانے کے بعد کہا "ہم آٹھ سردار ہم خیال ہو گئے ہیں مگر دس سردار ابھی موکادو کے ساتھ ہیں۔ جب تک دوسرے سرداروں کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش نہ کر لیں' جنگ نہیں کریں گے۔ آپ لوگ اپنے قبیلوں میں لوٹ جائیں اور اپنے قبیلوں کو اعتماد میں لیں اور کسی بھی غیر متوقع حملے کے لیے تیار رہیں۔ ہم

ایک دوسرے کے احوال سے باخبر رہیں گے اور ایک دوسرے کی بروقت مدد کریں گے۔ اپنے ٹھکانوں پر پہنچ کر آپ پہلا کام یہ کریں کہ اپنی اقامت بستی میں منتقل کر لیں اور ان مکانات کو چھوڑ دیں جو موکادو کے حکم پر بستی سے علیحدہ بنوائے گئے تھے' اس کے علاوہ رات کو پہرے کا بھی انتظام فراموش نہ کریں۔ باقی ہدایات میری طرف سے آپ کو ملتی رہیں گی۔ اب آپ سب آرام کریں۔ رات کو ایک اور اہم مسئلے پر میں آپ سے گفتگو کروں گا۔"

مجلس برخاست ہو گئی اور سردار مہمان خانے میں پہنچ گئے جہاں ان کی شاندار ضیافت کا انتظام تھا۔ کھانے کے بعد انہوں نے چند گھنٹے آرام کیا اور پھر اٹھ بیٹھے۔ نئی صورت حال پر تبادلہ خیال کے ساتھ وہ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ سردار بلاشا رات کو کس موضوع پر گفتگو کرنے والا ہے مگر وہ سردار بلاشا کے ذہن میں نہ جھانک سکے۔

رات کا کھانا سردار بلاشا کے ساتھ مہمانوں نے تناول کیا اور پھر محفل جمی۔ ساتوں سرداروں کے علاوہ سردار بلاشا' نیدا موکادو اور نعمان بھی اس مجلس میں شریک تھے۔ سردار بلاشا نے کھڑے ہو کر تقریر کا آغاز کیا "معزز سردارو! میں وعدے کے مطابق کچھ باتیں گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ توجہ سے سنیں گے۔ قاتل کو آپ دیکھ چکے ہیں مگر آپ کو ابھی یہ نہیں معلوم ہے کہ موکادو نے دوستی کے قدیم رشتوں کے باوجود مجھے کیوں قتل کروانا چاہا۔" اس تمہید کے بعد سردار بلاشا نے نیدا موکادو کے اس سفر کا حال بیان کیا جو اس نے اکابلی سے منتا تک کیا تھا اور نیدا موکادو کے مشاہدات پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ اس کے ساتھ ہی نیدا موکادو اور اپنے اسلام قبول کرنے کا ذکر بڑے فخر سے کیا اور علی بن عون نے جو تحفظ فراہم کیا تھا' اس کا حال موثر انداز میں سنایا۔

تمام سردار' سردار بلاشا کے بیان سے مبہوت ہو کر رہ گئے تھے۔ منتا کی خوب صورتی اور اس کے باشندوں کی ترقی اور شائستگی کا حال سن کر علی بن عون کی خصوصیات سے باخبر ہو کر منتا کو دیکھنے کے لیے بے قرار ہو گئے۔ وہ علی بن عون سے ملاقات کی خواہش کو دبا نہ سکے۔ ان میں سے ایک نے بقیہ کی نمائندگی کرتے ہوئے سردار بلاشا سے کہا "ہم پہلی فرصت میں منتا جانا چاہتے ہیں۔"

"بہت خوب۔" سردار بلاشا نے تائید کی اور کہا "میں نے بھی منتا نہیں دیکھا ہم ضرور چلیں گے۔ کل سورج طلوع ہونے سے پہلے ہم منتا کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔"

صبح کی نماز کے بعد ایک مختصر سا قافلہ منتا کے لیے روانہ ہو گیا۔

یہ سفر ان سبھی کی لیے نیک ثابت ہوا۔ منتا میں انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے ترقی اور خوش حالی دیکھی جسے دیکھ کر وہ بے حد متاثر ہوئے پھر جب وہ علی بن عون سے ملے تو ان

کے ذہن قبول اسلام کے لیے پوری طرح آمادہ تھے۔ انہوں نے خود اسلام قبول کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ تمام سردار حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ رات بھر اسلام کے بنیادی ارکان کی افادیت پر علی بن عون نے روشنی ڈالی اور ہر سردار کے لیے ایک عالم دین کو نامزد کیا جو اس کے ساتھ رہے اور دین کی تعلیم دینے کے ساتھ تبلیغ اسلام کی ذمے داری بھی سنبھالے۔

نماز فجر کے بعد آپ نے مہمانوں کو رخصت کرتے ہوئے کہا "تم لوگ جلد سے جلد اپنے ٹھکانوں پر پہنچو۔ اپنے دل سے موکادو کا خوف نکال کر اپنی دفاعی قوت بڑھانے کی کوشش کرو۔ اللہ کی نصرت تمہارے ساتھ ہے۔" مہمان چلے گئے تو آپ نے اپنے بھائی عثمان بن علی کو طلب کرکے کہا "تم یہ بات سن کر خوش ہوگئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے الجزائر کے جنوبی حصے کو اسلام کے فروغ کے لیے مخصوص کرچکا ہے۔ آٹھ بڑے سرداروں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ اب ان کے قبائل میں اسلام کی تبلیغ کی ضرورت ہے چنانچہ تم یہاں امور مملکت سنبھالو' میں آج ہی یہاں سے روانہ ہوجاؤں گا۔ تم سے میرا روحانی رابطہ برقرار رہے گا۔ مجھے یقین ہے کہ عوام کو تم میری غیر موجودگی محسوس نہ ہونے دوگے۔"

آپ نے مزید کہا "میں یہاں سے نیدا منتا جاکر پہلے سردار عبداللہ اور مبلغین اسلام احمد اور سناکا سے ملوں گا' اس کے بعد سردار نھو سے اوو الین میں ملوں گا۔ مبلغین اسلام شعیب اور قاسم سے بھی بعض امور پر میں تبادلہ خیال کروں گا' اس کے بعد اکابلی جاؤں گا۔ وہاں سے بنی ابیس اور زیمال اور دیگر بستیوں کی طرف میرا رخ ہوگا۔ ایڈرار میں موکادو کی جنگی تیاریوں کی بھی نگرانی ضروری ہے' یہ کام سردار جنہ چچا تفریل کے سپرد کردوں گا۔ والدہ صاحبہ شاگی اور نانا جان سردار ننگوئی کو میری غیر حاضری کے مقاصد بتادینا۔ دونوں بزرگ اللہ کی محبت سے سرشار ہیں' میری غیر حاضری کا انہیں ذرا بھی ملال نہ ہوگا۔"

علی بن عون اپنے والد محترم کے تمام روحانی کمالات کے وارث تھے۔ روحانی سفر کے ذریعے وہ پہلے سردار جنہ تفریل کے پاس پہنچے اور انہیں ایڈرار میں موکادو کی نگرانی کی ہدایت دی اور وہاں کے معاملات سے خود کو باخبر رکھنے کے لیے کہا۔ سردار جنہ تفریل نگرانی کی نوعیت کو ذہن نشین کرکے اسی وقت ایڈرار کی طرف اور آپ نیدا منتا کی طرف روانہ ہوگئے۔ نیدا منتا میں اپنے رفقا سے مل کر آپ نے کہا کہ وہ جہاد کے لیے مجاہدین کو تیار کرکے فوراً منتا کی طرف روانہ کردیں۔ جہاد کا مژدہ سن کر ایمانی حمیت انگڑائی لینے لگی۔ آپ نیدا منتا سے اوو الین پہنچے اور سردار نھو کو بھی مجاہدین کی جمعیت کے ساتھ منتا پہنچنے کی ہدایت کی۔ سردار نھو نے اسی وقت اعلان جہاد کروایا۔ عشا کی نماز کی امامت آپ ہی نے کی۔ آپ کی آمد کی خبر عام ہوگئی تھی اس لیے جامع مسجد میں بڑی کثرت سے لوگ جمع

ہوئے۔ نماز کے بعد آپ نے جہاد کے موضوع پر ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس کے نتیجے میں لوگ جہاد کے لیے بے قرار ہوگئے۔ جہاد ایمان کی کسوٹی ہے اور اس کسوٹی پر وہ کھرے اور پکے مسلمان ثابت ہوئے۔ رات آپ نے اوو الین میں ہی قیام کیا۔

جب آپ صبح نماز کے لیے جامع مسجد کی طرف جارہے تھے' تفریل نے آکر اطلاع دی "ایڈرار میں زبردست جنگی تیاریاں جاری ہیں۔ دس حلیف سردار اپنے اپنے قبیلے سے جنگ جو جوان ایڈرار پہنچا رہے ہیں۔ موکادو ابھی تک اکابلی پر حملہ کرچکا ہوتا مگر یہ بات اس کے علم میں آگئی ہے کہ آپ سردار بلاشا کی پشت پر ہیں اس لیے وہ زیادہ سے زیادہ قوت فراہم کرکے ہی اکابلی پر حملہ آور ہوگا۔ وہ اکابلی پر فتح یاب ہوکر منتا پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

"بہت مفید معلومات تم نے فراہم کی ہیں۔ اب جادوگروں کا سردار آنیا اور اس کے ماتحت جادوگروں کی مصروفیات معلوم کرو۔"

آپ کی ہدایت سن کر تفریل ایڈرار کی طرف پرواز کرگئے اور آپ نے مسجد پہنچ کر نماز فجر پڑھائی۔ فجر کی نماز میں عشا سے بھی زیادہ آدمی تھے۔

نماز کے بعد حاضرین نے "اللہ اکبر" کے فلک شگاف نعرے لگا کر اپنے جذبہ جہاد کا اظہار کیا۔ آپ نے ان کے ولولہ جہاد کو اپنی تقریروں سے مزید ابھارا اور کہا "تم لوگ جہاد کی تیاری مکمل کرکے منتا کی طرف روانہ ہوجاؤ۔ نیدا منتا کے مجاہد راستے میں تمہارے ساتھ شامل ہوجائیں گے۔ منتا پہنچ کر تم میرے بھائی عثمان بن علی کے حکم کی تعمیل کرنا۔"

آپ اوو الین سے پرواز کرکے اکابلی پہنچے۔ سردار بلاشا' نیدا موکادو اور نعمان اس طرح خوش ہوئے جیسے دنیا و آخرت کی ساری کامرانیاں انہیں میسر آگئی ہیں۔

جب اطمینان سے مہمان خانے میں جاکر بیٹھے تو آپ نے کہا "پورے قبیلے کے افراد کو فرداً فرداً اسلام کے محاسن سمجھا کر داخل اسلام کرنے میں بہت وقت صرف ہوگا اور ہمارے پاس وقت کی کمی ہے۔ اس سے پہلے کہ موکادو ہم پر حملہ آور ہو' تبلیغ اسلام کا مرحلہ طے ہوجانا چاہیے۔ ہمیں یہ مرحلہ کس طرح طے کرنا ہے' اس کے واسطے میں ایک لائحہ عمل مرتب کرچکا ہوں۔ انشاء اللہ ہم اپنے نیک مقصد میں ضرور کامیابی حاصل کرلیں گے۔ تم تمام قبیلے کو کل جمع کرلو۔ میرے خیال میں قبیلے کی دعوت اس خوشی میں مناسب رہے گی کہ تمہیں دولت اسلام حاصل ہوگئی ہے مگر دعوت کے مقصد کا اعلان صرف مجمع میں ہی کیا جائے' دعوت دیتے ہوئے دعوت کا مقصد بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔"

سردار بلاشا نے اسی وقت یہ کام اپنے سعادت مند بیٹے نیدا موکادو کے سپرد کردیا۔ دعوت عام کا اعلان سن کر قبیلے کے افراد جھوم اٹھے کیونکہ سردار جب بھی دعوت کرتا تھا اپنی

حیثیت کے مطابق اعلیٰ قسم کے کھانے کھلاتا تھا ورنہ وہ اپنی اوقات کے مطابق ہی شکم سیری کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

سردار بلاشا نے دعوت کے انتظامات میں پوری رات گزار دی تھی کیونکہ دعوت کا وقت زوال آفتاب پر موقوف تھا۔ صبح طلوع آفتاب سے قبل کھانا پکانا شروع کر دیا گیا۔ تمام انتظامات مکمل کرنے کے بعد نیدا موکادو اپنے باپ کے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ مہمان خانے میں موجود نہ تھے۔ اس نے صرف نعمان کو وہاں پایا۔ نعمان نے دونوں کو پریشان دیکھ کر کہا "علی بن عون ایک ضروری کام سے کہیں گئے ہیں اور کہہ گئے ہیں کہ دعوت کے آغاز سے پہلے آجائیں گے۔"

دونوں یہ سن کر پھر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

قبیلے کے لوگ اپنا بہترین لباس زیب تن کیے ہوئے سردار بلاشا کے مکان سے ملحق میدان میں جمع ہونے لگے۔ جب سب جمع ہو گئے تو انہوں نے سردار کی تعریف میں ایک گیت گانا شروع کر دیا اور عورتیں ڈھول کی تھاپ پر رقص کرنے لگیں۔ رقص و موسیقی کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک آفتاب سروں پر نہ آگیا۔ سردار بلاشا نے حکم جاری کیا کہ قبیلے کے سامنے کھانا رکھا جائے۔ قبیلے کے لوگ اپنے ساتھ لکڑی کے پیالے اور طباق لائے تھے۔ منتظمین نے کھانا ان کے برتنوں میں ڈالنا شروع کر دیا۔ کھانا سب کے سامنے رکھا جا چکا تھا مگر وہ اس وقت تک ایک لقمہ منہ میں نہ ڈال سکتے تھے جب تک سردار کھانے کی ابتدا خود نہ کردے۔ سردار بلاشا کے سامنے بھی کھانا رکھ دیا گیا تھا مگر وہ علی بن عون کا منتظر تھا۔ ان کے بغیر وہ کیسے کھانا کھانے کا آغاز کر سکتا تھا مگر اسے انتظار کی زحمت زیادہ برداشت نہ کرنا پڑی۔ آپ واپس آگئے۔ سردار بلاشا کی آپ پر نظر پڑی تو وہ استقبال کے لیے بڑھا اور اپنے ساتھ آپ کو تخت پر بٹھایا۔ آپ نے سامنے رکھے ہوئے کھانے کو بغور دیکھ کر کہا "اعلان کر دو کہ کوئی کھانا نہ کھائے' اس کھانے میں زہر ملایا گیا ہے۔ اگر کسی نے اسے چکھ بھی لیا تو وہ مر جائے گا اور قبیلے کو بھی یہ بتا دو کہ اس کھانے میں زہر کی آمیزش موکادو کے کہنے پر جادوگروں کے سردار آنیا نے کی ہے۔"

آپ کی بات سن کر سردار بلاشا لرز اٹھا۔ اس نے سوچا' اگر میں کھانا کھا لیتا تو پورا قبیلہ میرے ساتھ ہلاک ہو جاتا۔ سردار بلاشا آپ کے حکم کی تعمیل میں کھڑا ہوا اور جو کچھ آپ نے کہا تھا قبیلے والوں کو بھی اس سے آگاہ کر دیا۔ قبیلہ یہ اطلاع پا کر کہ کھانے کو موکادو نے زہر آلودہ کیا ہے بھڑک اٹھا۔ کسی شخص نے تلخی سے پوچھا "سردار! آپ نے یہ بات کس بنیاد پر کہی کہ کھانا زہریلا ہے؟ کیا کوئی کھانا کھا کر مر چکا ہے؟"

اس سوال کے جواب میں سردار بلاشا نے کہا "میں تمہارا سردار ہوں مگر یہ میری خوش

قسمتی ہے کہ یہاں میرے عالی مرتبت سردار بھی موجود ہیں۔ یہ انہی کا کارنامہ ہے کہ مجھے اور تمہیں ہلاکت سے بروقت بچا لیا۔ اگر وہ یہاں تاخیر سے پہنچتے تو ہمارا کام تمام ہو چکا ہوتا۔ انہی کو کھانے کے زہریلا ہونے کی اطلاع ملی تھی۔ وہ خود تمہیں بتائیں گے۔ تم اپنے بچوں کو قابو میں رکھو' کہیں وہ کھانا نہ کھا لیں۔ میرے سردار کی بات توجہ سے خاموش ہو کر سنو' یہ ہمارے نجات دہندہ ہیں۔"

سردار بلاشا بیٹھ گیا تو مجمعے سے ایک شور اٹھا۔ وہ چیخ چیخ کر ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے اور بچوں کو گود میں لے کر کھانے سے دور ہو گئے مگر جب آپ خطاب کے لیے کھڑے ہوئے تو مجمع خاموش ہو گیا۔

آپ نے کہا "سوال یہ نہیں ہے کہ مجھے یہ بات کس طرح معلوم ہوئی کہ کھانا زہریلا ہے بلکہ اس وقت یہ تحقیق ضروری ہے کہ جو اطلاع میں نے دی ہے' وہ درست ہے یا نہیں۔ میں اپنے قول کی صداقت ثابت کرنے کے لیے تمہیں ایک تجربے کے ذریعے یقین دلاؤں گا کہ کھانا زہریلا ہے۔" پھر آپ نے نیدا موکادو سے کہا "دو کتے لاؤ۔"

نیدا موکادو اور اس کے کچھ ساتھی فوراً دو کتے بستی سے پکڑ کر لے آئے۔

آپ نے مجمعے سے مخاطب ہو کر کہا "تم میں سے ایک آدمی اپنا کھانا لے کر میرے پاس آئے۔"

آپ کے حکم کی تعمیل میں ایک شخص اپنا پیالہ لے کر آپ کے پاس آگیا۔

آپ نے کہا "کھانے کا پیالہ ایک کتے کے سامنے رکھو اور دوسرے کتے کو کھانے سے دور رکھو۔"

ایک کتے کو الگ ہٹایا گیا اور دوسرے کے سامنے کھانے کا پیالہ رکھ دیا گیا۔ بھوکے کتے نے جیسے ہی کھانے پر منہ مارا گر کر تڑپنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے مر گیا۔ اس تجربے کے نتیجے میں یہ بات ہر شبے سے بالاتر ہو گئی کہ کھانے میں مہلک زہر کی آمیزش تھی۔ مجمع ایک بار پھر چیخنے لگا تھا۔ آپ نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں چپ کرایا تو سب خاموش ہو گئے۔

آپ نے پھر سلسلہ کلام شروع کیا "اب میں تمہیں یہ بات بھی بتاؤں گا کہ مجھے یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ کھانا زہریلا تھا۔ سنو! میں جس کی پوجا کرتا ہوں' وہ اپنی رحمت سے ہر وہ بات مجھے بتا دیتا ہے جس کا علم میرے لیے ضروری ہوتا ہے۔ میرا اللہ واقعی مجھ پر بہت مہربان ہے۔ اس کی مہربانی کا ثبوت تم دیکھ چکے ہو اور ایک ثبوت مزید دیکھ لو۔ میں اپنے رب سے ابھی درخواست کروں گا کہ وہ کھانے کو اپنی رحمت کے ذریعے زہر سے پاک کر دے اور انشاء اللہ کھانا زہر سے پاک ہو جائے گا۔" یہ کہہ کر آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ بندہ مقبول کی دعا نے در کریم پر دستک دی اور دعا قبول ہو گئی۔ آپ نے نیدا موکادو سے کہا

"دوسرے کتے کے سامنے وہی کھانا رکھ دو جسے کھا کر ایک کتا مر چکا ہے۔"

حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ کتا بڑے مزے سے پورا کھانا چٹ کر گیا اور اسے کوئی نقص نہ پہنچا۔ اس تجرباتی مشاہدے کو دیکھ کر قبیلہ دنگ رہ گیا۔

ابھی وہ دریائے حیرت میں ڈوب کر ابھرے بھی نہ تھے کہ آپ نے کہا "جس علیم و نے میری دعا قبول کی ہے' اسی نے مجھے یہ بھی بتا دیا تھا کہ کھانے میں زہر موکادو کے حکم آنیا نے ملایا تھا۔ تم یہ جانتے ہو کہ آنیا ایک بڑا جادوگر ہے۔ وہ نظروں سے پوشیدہ ہو کر بھی آ جا سکتا ہے۔ آنیا نظروں سے پوشیدہ ہو کر یہاں آیا تھا اور کھانے میں زہر ملا کر واپس گیا۔ تم پر اللہ کا شکر لازم ہے کہ اس نے تمہیں حادثاتی موت سے بچا لیا۔ تم پر اللہ تعالیٰ فضل اس لیے ہوا کہ تمہارا سردار بلاشا اور اس کا بیٹا نیدا موکادو اسلام قبول کر کے اللہ فضل کے مستحق ہو گئے ہیں۔ میرا نام علی بن عون ہے۔ مجھے تم منتا کا سردار سمجھ لو۔ اگر بھی یہ چاہتے ہو کہ اللہ کی امان میں آ جاؤ اور کوئی جادوگر یا کوئی بڑا قبیلہ تمہیں نقصان پہنچا سکے تو اسلام قبول کر کے اس اللہ کی پرستش کرو جو زمین و آسمان کا واحد مالک و خا ہے۔ اسلام تمہاری دنیا اور تمہارے عقبیٰ کو سنوار دے گا۔"

مجمعے سے شور اٹھا "ہم اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہم وہی دین اختیار کر چاہتے ہیں جو دین آپ کا ہے' سردار بلاشا کا ہے اور نیدا موکادو کا ہے۔"

مجمعے کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ پا کر آپ نے سب کو اجتماعی طور پر کلمہ پڑھا کر ک "اب تم کھانا کھالو۔ تم مسلمان ہو گئے اور میرے بھائی بن چکے ہو۔"

آپ نے اکابلی کے باشندوں میں تبلیغ اسلام کے لیے کچھ اور ہی سوچا تھا مگر موکادو ک ظالمانہ سازش نے تبلیغ اسلام کے لیے ایک اور بنیاد فراہم کر دی تھی جس سے آپ نے پورا فائدہ اٹھایا۔ ایک ہی کوشش تبلیغ سے اکابلی میں انقلاب آ گیا۔ پورا دن آپ اہل قبیلہ سے ملاقاتیں کرتے رہے۔

رات کو آپ نے نعمان سے کہا "تمہاری ذمے داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ تمہاری مد کے لیے کچھ علما منتا سے بلوا رہا ہوں۔ تن دہی سے کام کرو اور جہاد کے لیے نومسلموں کو آمادہ کرو۔"

اسی رات آپ نے اپنے بھائی عثمان بن علی کو روحانی ہدایت دی کہ پانچ علما فوراً اکابلی روانہ کر دیے جائیں۔

صبح ہوئی تو پہلی بار اکابلی میں آواز اذاں نے فضاؤں کو پرنور کیا۔ نماز فجر میں قبیلے کے اکثر افراد نے شرکت کی۔

سلام پھیر کر آپ نے پہلی دعا یہ کی "اے رب کریم! بلاشا' نیدا موکادو' نعمان اور منتا

ے آنے والے علما کی زبانوں کو ایسی تاثیر عطا کر کہ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر حرف سننے والوں کے دل میں اتر جائے اور حرف ہدایت کو وہ کبھی فراموش نہ کر سکیں۔"

یہ دعا قبول ہو کر دور رس نتائج کی حامل بن گئی۔ اس دعا سے مبلغین کی زبانوں کو تاثیر اور سامعین کو قوت حافظہ مل گئی جو بات سنی' قبیلے کے افراد کو یاد ہو گئی۔ صرف تین دن میں اہل قبیلہ دین کی بنیادی معلومات میں کامل ہو گئے اور ارکان دین کو ادا کرنے کے اہل ہو گئے۔

آپ سردار اجنہ تفریل کے ساتھ ایڈرار پہنچ گئے کیونکہ آنیا اور اس کے ساتھی' قبائل کے سرداروں اور فوج کے سرداروں کو جادو کے ذریعے ناقابل شکست بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ آنیا کا خیال تھا کہ اگر قبائل کو ذہنی طور پر غلام بنا لیا جائے تو وہ موکادو کے حکم پر جان دے دیں گے مگر کسی حال میں بھی میدان جنگ سے فرار نہ ہوں گے۔ آنیا کا یہ خیال بڑی حد تک درست بھی تھا اگر کوئی لشکر واقعی اس عزم سے نکلے کہ "فتح یا موت" تو وہ لشکر ناقابل شکست ہو جاتا ہے۔ مگر اب علی بن عون بھی اس طلسم کدے میں پہنچ گئے تھے جہاں جادوگر ذہنی غلامی کا طوق لوگوں کی گردنوں میں ڈال رہے تھے۔

آپ نے سحر کو باطل کرنے سے پہلے ایک لمحے کے لیے یہ بات سوچی کہ ذہنی انقلاب کے لیے ان کے طریقہ کار میں اور جادوگروں کے اسلوب میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔ ذہنوں کو بدلنے کے لیے دونوں ہی ایسے طریقے استعمال کر رہے ہیں جن سے وہ لوگ بے خبر تھے۔ یہ بات سوچ کر ذہنی طور پر آپ نے ایک کرب سا محسوس کیا۔ آزاد انسان کا یہ جابرانہ استعمال انہیں ایک آنکھ نہ بھایا۔ مگر اچانک ایک اور موج خیال ابھری جو پہلے خیال کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گئی۔ آپ نے سوچا' انسان کو خود اسی کے مفاد میں استعمال کرنا عالم انسانیت کے لیے استعمال کرنا اور آدمی کو کسی ایک شخص کے مفادات میں استعمال کرنا' دو مختلف زاویے ہیں۔ انسان کو انسانیت کی فلاح کے لیے استعمال کرنا بلاشک خیر محض ہے اور انسان کو کسی شخص کے ذاتی اقتدار کے لیے استعمال کرنا سوائے شر کے کچھ نہیں ہے۔ اس خیال کے تحت آپ اپنے طرز عمل پر مطمئن ہو گئے اور اسی مقصد کے پیش نظر کہ انسانی ذہن کا ناجائز استعمال نہ ہو' آپ نے ان لوگوں پر روحانی توجہ ڈالی جو ذہنی طور پر غلام بن چکے تھے اور انہیں ذہنی غلامی سے آزاد کر دیا۔ اب وہ صلح اور جنگ کی صورت میں اپنے ہی نقطہ نظر کے پابند تھے مگر آنیا اور اس کے ساتھی جادوگر یہ محسوس نہ کر سکے کہ ان کی محنت ضائع ہو چکی ہے۔

آپ ضروری کارروائی کے بعد ایڈرار سے روحانی پرواز کے ذریعے انسالہ پہنچے۔ سردار ہوشو آپ کو اپنے دروازے پر دیکھ کر خوشی سے بے قابو ہو گیا۔ وہ دوڑ کر آپ سے لپٹ گیا

اور بولا "زہے نصیب' آپ نے مجھے اور میرے قبیلے کو سرفراز کیا۔"

آپ نے بڑی شفقت سے کہا "سرفرازی اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کا ہے۔ میں تو اللہ کا ایک ناچیز بندہ ہوں' میری نسبت سے سرفرازی کا کوئی تعلق نہیں۔"

سردار ہوشو آپ کو اپنی آرام گاہ میں لے کر پہنچا۔

وہاں اطمینان سے بیٹھ گئے تو آپ نے کہا "ایک خوش خبری سنو! سردار بلاشا کا پورا قبیلہ اسلام قبول کر چکا ہے۔ اور اب موکادو کے خلاف جہاد کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ انہیں ہتھیار فراہم کر دیے جائیں گے۔"

سردار ہوشو نے تڑپ کر کہا "میرا قبیلہ کب اسلام قبول کرے گا؟ میں تو اس کی طرف سے مایوس ہوں۔ میں نے کچھ لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنے مذہب کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔"

"تم فکر نہ کرو ہوشو' ہدایت دینا اللہ کا کام ہے۔ اور وہ ضرور ہدایت پائیں گے۔ تمہارے اطراف میں جو قبیلے آباد ہیں' ان کے سرداروں کو میری آمد کی اطلاع کر دو۔ وہ یقیناً مجھ سے ملنے کے لیے آ جائیں گے۔ ان سے میری ملاقات منتا میں تمہارے ساتھ ہو چکی ہے۔"

سردار ہوشو نے فوراً تین آدمیوں کو بلا کر سردار کلوک' سردار متوکا اور سردار شانیا کے پاس اس اطلاع کے ساتھ روانہ کر دیا کہ منتا کے بادشاہ علی بن عون' انسالہ میں ان کے منتظر ہیں۔ تینوں قبیلے قریب قریب ہی آباد تھے۔ جیسے ہی انہیں پیغام ملا وہ ایک پہر میں انسالہ پہنچ گئے۔

آپ نے عشا کی نماز کے بعد چاروں سرداروں کو خلوت میں اپنے سامنے بٹھا کر کہا "اس میں کوئی شک نہیں کہ تم اسلام قبول کر چکے ہو اور اپنے ساتھ آنے والے علما سے دینی تعلیم حاصل کر رہے ہو مگر تبلیغ اسلام کے لیے روشن ذہن' دل نشین انداز ہدایت اور خوب صورت برتاؤ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک یہ صفات مبلغ میں نہ ہوں' اس کی تبلیغ موثر نہیں ہوتی۔ آؤ ہم اللہ کی بارگاہ میں التجا کریں کہ وہ ان خصوصیات سے ہمیں آراستہ کر دے۔"

اس سے پہلے کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے سردار کلوک نے کہا "حضرت' آپ نے ہمارے ساتھ خود کو کیوں شامل کر لیا؟ اللہ نے آپ کو ان مطلوبہ صفات سے نواز رکھا ہے۔"

آپ نے سردار کلوک سے کہا "دعا کا یہی مسنون طریقہ ہے' یعنی ہمارے آقا محمد رسول ؐ جب دعا کرتے تھے تو خود کو بھی شامل کر لیا کرتے تھے حالانکہ ان کی ذات اقدس کو اللہ

ٰلیٰ نے اپنے فضل کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ خود کو دعا میں شریک نہ کر کے دوسروں کے لیے دعا کرنے والا استکبار نفس سے نہیں بچ سکتا۔ جب بھی کسی فرد یا جماعت کے لیے کرو' خود کو ضرور شامل کر لیا کرو۔ ہاتھ اٹھاؤ تاکہ ہم دعا کریں۔" دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ئے تو آپ نے بارگاہ رب العزت میں التماس کی "ہمیں اپنے دین کی تبلیغ کے لیے منتخب لیجیے۔ ہمارے انداز گفتگو کو دوسروں کے لیے متاع قبول بنا دیجیے۔ ہماری زبانوں پر حق ری کر دیجیے۔ ظلمتوں کو آپ ہی منور کرتے ہیں۔ آپ ہی ہادی ہیں۔ آپ ہی دلوں کو پنے نور ہدایت سے سنوارنے والے ہیں۔ ہماری دعاؤں کو قبول فرمائیے کہ آپ ہی سننے لے ہیں' جاننے والے ہیں۔"

دعا کے اختتام پر آپ کچھ دیر تک آنکھیں بند کیے خاموشی سے بیٹھے رہے مگر جب ھیں کھولیں تو آپ کے لب اقدس پر ایک لطیف تبسم تھا جس سے قبولیت دعا کی رت عیاں تھی۔ آپ نے کھڑے ہو کر چاروں سرداروں کو بھی کھڑا ہونے کا اشارہ کیا اور کے بعد دیگرے سب کو اپنے معانقے سے سرفراز فرمایا۔ اس ہم آغوشی نے سرداروں دلوں میں صدق و اخلاص کے چراغ روشن کر دیے۔ معانقے کے بعد آپ بیٹھے تو وں سردار بھی ادب سے بیٹھ گئے۔

سردار اپنی ذات میں پیدا ہونے والے تغیر کا ابھی جائزہ لے رہے تھے کہ آپ نے ں مخاطب کیا "برادران اسلام' اب تم جا کر اپنے قبیلوں میں اسلام کی تبلیغ کرو اور اللہ کے فضل عظیم کو دیکھو کہ وہ کس طرح تاریک سینوں کو جگمگاتا ہے۔ جب سارے ل کے لوگ اسلام قبول کر لیں تو تم لوگ اپنی حربی قوت کو ایک جگہ مجتمع کر لینا۔ اگر دیا اس کے حلیف قبائل ادھر کا رخ کریں تو انہیں اپنی غلطی کا خمیازہ اچھی طرح بھگتنا گا۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ فتح ہر حال میں حق کی ہوتی ہے اور حق تمہارے ساتھ ہے۔

اب یہاں سے ان ایکار کی طرف جا رہا ہوں اور وہاں ایک بات اور سن لو' موکادو کے حکم کے گوریلا دستے کا سردار موزلے آٹھ تربیت یافتہ قاتل تم سب کی ہلاکت کے لیے کر چکا ہے۔ آج رات کسی وقت وہ تم پر حملہ آور ہوں گے۔ اپنی حفاظت کا انتظام انشاء اللہ وہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔"

مزید کچھ ہدایات دے کر آپ روحانی پرواز کے ذریعے جب ان ایکار کی طرف جا رہے آپ نے سوچا "آٹھ قبائل میں سے پانچ حلیف قبائل میں جو کم سے کم وقت میں تبلیغی ہا جا سکتا تھا' وہ الحمدللہ پورا ہو گیا' اب ان ایکار اور اس سے قریب آباد قبائل میں اسلام بلیغ کا کام باقی رہ گیا ہے۔" آپ نے راستے ہی میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جو طریقہ کار آپ سالہ میں اپنایا تھا' وہی طریقہ کار ان ایکار میں اپنائیں گے۔

آپ نے ان ایکار پہنچ کر سردار ہوشو کی معرفت سردار بزول اور سردار بودولو کو بلا
اور ان کے حق میں دعا کی۔ انہیں شائستہ تبلیغ بنا کر اپنی قوت مجتمع رکھنے کی ہدایت کی ا
واپس منتا پہنچ گئے۔

دو ہفتے کی مسلسل محنت شاقہ سے علی بن عون تھک گئے تھے اس لیے رات کو آرا
کیا۔

صبح نماز فجر کے بعد عثمان بن عون نے روداد بیان کرتے ہوئے آپ سے کہا "اوالیم
اور نید امنتا سے دو ہزار مجاہدین منتا پہنچ گئے ہیں اور سب اسلحے کے استعمال سے واقف ہیں
فوجی تنظیم ان کا مزاج بن چکی ہے۔ میں جنگی مشقوں کے نتیجے میں ان کی طرف سے بالکل
مطمئن ہوں۔ آنے والے مجاہدین منتا کے مجاہدین سے صلاحیت اور جذبے کے اعتبار سے
کسی طرح کم نہیں ہیں۔ منتا میں دفاعی انتظامات بھی بہتر ہیں۔"

یہ سن کر آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا "ہم کل صبح جب اکابلی کی طرف
کوچ کریں گے تو اسلامی لشکر کی تعداد ساڑھے چار ہزار ہوگی۔ اکابلی میں ایک ہزار مجاہد
ہمارا استقبال کریں گے۔ اس طرح مجاہدین کی مجموعی تعداد ساڑھے پانچ ہزار ہو جائے گی
موکادو کی ذاتی فوج اور اس کے حلیف قبائل کے بھیجے ہوئے رضا کاروں کی مجموعی تعدا
پندرہ ہزار ہے مگر اس کثرت کے باوجود ہم انشاء اللہ غالب رہیں گے۔ مجا کے پاس اعلیٰ ق
کے ہتھیار ہیں اور اسے قطع نظر وہ جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر اللہ کے لیے جنگ کریں گے
جذبہ جہاد کے سامنے دشمن نہ ٹھہر سکیں گے۔ میں اگر چاہتا تو انسالہ اور ان ایکار سے رضا کا
بلوا کر اپنے لشکر کی تعداد بھی سولہ ہزار کر لیتا مگر میں نے اللہ پر بھروسا کیا ہے، عددی قوت
نہیں۔ اب تم اعلان کر دو کہ کل صبح اسلامی لشکر منتا سے اکابلی کی طرف روانہ ہوگا۔"

○☆○

ایڈرار میں سردار موکادو پندرہ ہزار کا لشکر جمع کر کے بہت مغرور ہو گیا تھا۔ اکابلی کی
طرف پیش قدمی سے پہلے اس نے آنیا کو طلب کر کے پوچھا "انسالہ کی طرف سے جو گور
سرداروں کو قتل کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے، ان کا حال ابھی تک موزلے نے مجھے نہیں
بتایا۔ کیا تم جادو کی قوت سے معلوم کر سکتے ہو کہ اس مہم کا کیا انجام ہوا؟"

آنیا نے سردار موکادو کی بات سن کر آنکھیں بند کر لیں اور منتروں کا جاپ شرو
کر دیا۔ جاپ کے بعد وہ خاموش ہو گیا اور کافی دیر کے بعد اس نے آنکھیں کھول کر
"سردار، ہماری انسالہ والی مہم بھی ناکام ہو گئی۔ ہمارے آدمی ہر جگہ گھیر لیے گئے تھے
انہوں نے زہریلے بیج چبا کر اپنی جان آپ پر فدا کر دی۔ موزلے بھی انسالہ کی طرف گیا
تاکہ اپنی مسلسل ناکامیوں کا داغ دھو سکے مگر میرا خیال ہے کہ وہ بھی اپنے مقصد میں کامیا

ہو سکے گا کیونکہ تمام حریف سردار اب اپنی حفاظت کا معقول انتظام کر چکے ہیں۔"

اس خبر سے سردار موکادو کو بہت دکھ ہوا۔ اس نے بڑی بے تابی سے کہا "آنیا، تم فوراً
جاؤ اور کسی طرح بھی موزلے کو واپس لے آؤ۔ مجھے ابھی اس سے بہت کام لینے ہیں۔ میں
اپنے ایسے اچھے ساتھی کو ضائع کرنا پسند نہ کروں گا۔"

آنیا نے اسی وقت ایک منتر جاپ کیا جس کے اثر سے وہ ہوا میں تحلیل ہو کر روانہ
ہو گیا۔ وہ پرواز کرتا ہوا تھوڑی دیر بعد انسالہ کے جنگل میں پہنچ گیا جہاں موزلے رات کے
انتظار میں درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپا ہوا تھا۔ جب آنیا دوبارہ متشکل ہوا تو موزلے نے
کہا "تم یہاں کب آئے آنیا؟"

آنیا نے کہا "میں ابھی یہاں پہنچا ہوں۔ تم واپس سردار موکادو کے پاس پہنچو، وہ
تمہارے منتظر ہیں۔"

پیغام سن کر موزلے نے درخت کی شاخ سے گھوڑے کی لگام کھولی اور اس پر سوار
ہو کر آنیا سے کہا "تم بھی میرے پیچھے بیٹھ جاؤ۔"

"نہیں موزلے، تم چلو، میں بھی پہنچ جاؤں گا۔" آنیا نے کہا۔

موزلے نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ایڈرار کی طرف روانہ ہو گیا۔

موزلے جب نظروں سے اوجھل ہو گیا تو آنیا نے بھی غائب ہو کر پرواز شروع کر دی
ر تھوڑی ہی دیر میں سردار موکادو کے سامنے پہنچ کر ظاہر ہو گیا اور کہا "موزلے آپ کی
ی کا حکم سنتے ہی تیز رفتاری کے ساتھ آپ کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ چند گھنٹوں کے بعد
پہنچ جائے گا۔ اب فرمائیے، میرے لیے کیا حکم ہے؟"

سردار موکادو نے اس سوال کے جواب میں ایک سوال کیا "مجھے بتاؤ، اب جب کہ
رکہ کارزار گرم ہونے والا ہے، تم اور تمہارے ساتھی جادوگر میری کیا مدد کریں گے۔"

"ہم آپ کے دشمن سرداروں کو میدان جنگ میں جادو سے مار ڈالیں گے اور علی بن
ن کے لشکر پر اتنی آگ برسائیں گے کہ وہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو جائیں
گے۔"

آنیا کی اس یقین دہانی سے سردار موکادو خوش ہو گیا اور اسے سینے سے لگا کر کہا "جشن
کی خوشی میں، میں تمہیں وہ انعام دوں گا جس کی تمنا ایک عرصے سے تمہیں ہے۔"

سردار موکادو کی یہ بات سن کر آنیا کے تصور میں سردار موکادو کی حسین و جمیل بہن
سکراتا ہوا روشن چہرہ ابھرا۔ اسی کے وصال کی حسرت میں آنیا نے ان گنت بے خواب
توں کا عذاب جھیلا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اپنا سر موکادو کے قدموں میں رکھتے ہوئے کہا
ں اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گا۔ تم بھی اپنا وعدہ یاد رکھنا۔"

سردار موکادو نے آنیا کو اپنے قدموں سے اٹھا کر سینے سے لگایا اور کہا "کل ہم اکابلی پر حملے کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔ جاؤ میری طرف سے اعلان کر دو کہ لشکر آج رات سفر کی تیاریاں مکمل کر لے' کل صبح ہم اکابلی کی طرف پیش قدمی کریں گے۔" آنیا چلا گیا اور سردار موکادو اس وقت تک جنگی حکمت عملی پر غور کرتا رہا جب تک موزلے نہ آ گیا۔

موکادو نے موزلے کو دیکھتے ہی کہا "اچھا ہوا تم آ گئے موزلے' میں تمہارا ہی منتظر تھا۔ اس سے پہلے کہ میں تم سے مستقبل کے بارے میں گفتگو کروں' یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر بلاشا' کلوک' متوکا' شانیا اور ہوشو کو قتل کرنے میں تمہارے تربیت یافتہ گوریلے ناکام ہو کر خود ہی ضائع ہو چکے ہیں تو اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ ہر حکمت عملی پوری ذہانت سے مرتب کی جاتی ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ نتائج ہمیشہ اپنی مرضی کے مطابق ہی نکلیں۔ سابقہ ناکامیوں کے خیال کو ذہن سے جھٹک دو اور مجھے بتاؤ کہ اب نئے اور پرانے گوریلے مجموعی طور پر کتنے ہیں؟"

موزلے نے ادب سے جواب دیا "سردار' اب ہمارے پاس تربیت یافتہ گوریلوں کی مجموعی تعداد ایک سو بیس ہے۔"

"یہ تو بڑی مناسب نفری ہے۔" موکادو نے خوش ہو کر کہا اور ساتھ ہی اپنا مدعا بیان کیا "ہم کل صبح اکابلی کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے گوریلوں کے ساتھ مجھے اپنے حفاظتی حصار میں رکھو۔ میں تمہارے علاوہ کسی اور پر اعتبار نہیں کر سکتا۔"

"یہ میری عزت افزائی ہے کہ آپ میرا اتنا اعتبار کرتے ہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ ہماری زندگی میں آپ بالکل محفوظ رہیں گے۔"

رات بھر اڈیرار میں سامان سفر ہوتا رہا اور صبح ہوتے ہی موکادو بڑے کروفر کے ساتھ اپنا لشکر لے کر اڈیرار سے نکلا۔

علی بن عون جب مجاہدین کے لشکر کے ساتھ اکابلی پہنچے تو سردار بلاشا نے اپنے قبیلے کے ساتھ ان کا شاندار استقبال کیا۔ آپ نے چند روز پہلے ایمان قبول کرنے والے قبیلے کا رنگ ڈھنگ دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ وہ جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے نعرے لگا رہے تھے۔ لشکر کو ایک میدان میں خیمہ زن ہونے کا حکم دیتے ہوئے آپ سردار بلاشا کے ساتھ اس کی قیام گاہ پہنچے اور اسے اطلاع دی "پرسوں صبح تک وہ اکابلی کی سرحد تک پہنچ جائے گا۔ ہم اسے سرحد پر ہی روکیں گے۔ جنگ کے لیے وہاں ایک بڑا مسطح میدان بھی ہے۔ ہم کل شام تک وہاں پہنچ کر خیمہ زن ہو جائیں گے۔ رات کو فوج آرام کر کے تازہ دم ہو جائے گی۔"

"جیسی آپ کی مرضی' میں تو صرف آپ کی اطاعت کروں گا۔" بلاشا نے بڑے خلوص سے کہا اور ساتھ ہی یہ گزارش بھی کی "کیا مجاہدین کے طعام کا اہتمام کرنے کی مجھے سعادت حاصل ہو گی۔"

"اس زحمت کی ضرورت نہیں ہے۔ مجاہدین پوری تیاریوں کے ساتھ آئے ہیں۔ وہ خود پکائیں گے اور کھائیں گے۔ تم کسی آدمی کو بھیج کر امیر عسکر خالد اور نائب امیر عسکر شعیب کو میرے حوالے سے یہاں بلوالو۔"

آپ کے ارشاد کی فوری طور پر تعمیل ہوئی۔ خالد اور شعیب آ گئے تو جنگی حکمت عملی زیر بحث آئی اور باہمی مشورے سے تمام امور جنگ طے پائے گئے۔ یہ بھی طے ہو گیا کہ خالد اور شعیب فوج کے ایک دستے کے ساتھ رات کو ہی سرحد کی طرف روانہ ہو جائیں اور دن میں ہی محاذ جنگ کا نقشہ مرتب کر لیں۔ پھر جب پورا لشکر پہنچے تو اسے محاذ سونپ دیا جائے۔"

خالد اور شعیب چلے گئے تو آپ نے بلاشا سے کہا "تم نیداموکادو اور نعمان میرے ساتھ چلو۔ آج رات تم سب کا قیام میرے خیمے میں ہو گا۔"

تینوں اسی وقت آپ کے ساتھ لشکر گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

لشکر آپ کے حکم کے مطابق ہر خوف اور ہر اندیشے سے بے نیاز آرام سے سو رہا تھا۔ سردار بلاشا' نیداموکادو اور نعمان بھی سو رہے تھے۔ مگر علی بن عون مصروف عبادت تھے۔ رات کا تیسرا پہر شروع ہوا تو آپ نے فضا میں ایک بوجھل پن محسوس کیا۔ آپ فوراً مصلے سے اٹھ کر خیمے سے باہر آئے اور آسمان کی طرف سے آگ کا ایک بہت بڑا شعلہ زمین پر ٹھیک اسی جگہ اترتے ہوئے دیکھا جہاں آپ کا خیمہ تھا۔ آگ کو دیکھ کر آپ کے ہونٹوں پر ایک تبسم پھیل گیا۔ آپ کی نظر آگ پر جمی ہوئی تھی۔ آگ جب بہت قریب آ گئی تو آپ نے شہادت کی انگلی سے آگ کو اشارہ کرتے ہوئے کہا "اگر تو اللہ کی طرف سے نازل نہیں ہو رہی تو واپس ہو جا۔"

خیمے سے بیس ہاتھ فاصلے پر آگ ایک جھٹکا کھا کر رک گئی اور پھر اس نے بلند ہونا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر تک آگ نظر آتی رہی پھر حد نظر سے آگے نکل گئی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے ایک حصار کھینچا جس کے دائرہ تحفظ میں پورا لشکر آ گیا۔ اس عمل کے بعد آپ پھر خیمے میں جا کر مصروف عبادت ہو گئے۔ آگ' آنیا نے ان لوگوں کے لیے بھیجی تھی جو آپ کے خیمے میں موجود تھے۔ آگ جب آپ کی کرامت سے واپس ہوئی تو سیدھی آنیا کی طرف گئی۔

آنیا بہت ہوشیار اور چالاک جادوگر تھا۔ اس نے جادوئی آگ بھیجنے سے پہلے اپنی

حفاظت کا انتظام کرلیا تھا۔ جیسے ہی آگ اس کی طرف لوٹی' اس نے منتر جاپ کر کے آگ کو ان بکریوں پر گرنے کا اشارہ کیا جو ایک بڑے درخت کے نیچے بندھوا دی گئی تھیں۔ آگ گری اور اس نے ایک لمحے میں سرسبز درخت اور بکریوں کو خاک کا ڈھیر بنا دیا۔ آنیا کو اس کا یقین نہیں تھا کہ مسلمانوں میں کوئی ایسا بھی ہو سکتا ہے جو اس کے حربے کا توڑ کر سکے۔ بکریوں کا اہتمام تو اس کی احتیاط پسندی نے کرلیا تھا۔ آگ واپس ہوئی تو وہ فکر مند ہو گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد اس نے صورت حال کا جائزہ لینے کا فیصلہ کیا۔ ایک منتر پڑھ کر وہ پہلے تو نظروں سے اوجھل ہو گیا اور دوسرا منتر جاپ کر کے پرواز کرنے لگا۔ اس کا رخ اسلامی لشکر کی طرف تھا۔ جب وہ پرواز کرتا ہوا' اسلامی لشکر سے قریب ہوا تو علی بن عون کے قائم کردہ حصار نے اس کا راستہ روک لیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی غیر مرئی اور ٹھوس دیوار سے ٹکرا گیا ہو۔ آنیا کی رفتار تیز تھی اس لیے یہ ٹکراؤ اسے مہنگا پڑا۔ تکلیف سے اس کی چیخ نکل گئی مگر اس نے خود کو جلد ہی سنبھال لیا۔ حصار توڑنے کے لیے اس نے کئی منتر آزمائے مگر ناکام ہی رہا۔ اس نے اپنی ایک عمر کی ریاضتوں کو رائگاں محسوس کیا تو تڑپ اٹھا۔ وہ وہاں سے سیدھا اپنے خیمے میں پہنچا اور جاپ کر کے اکانی دیوی کو طلب کیا۔

دیوی نے درشن دیے تو آنیا اس کے قدموں میں گر کر دہائی دینے لگا "میں لٹ گیا دیوی' تمہاری بھگتی میرے کام نہ آئی۔ تم نے مجھے جو شکتی دی تھی' وہ کچے سوت سے بھی زیادہ کمزور نکلی۔"

اکانی دیوی نے دلاسا دیتے ہوئے کہا "آنیا' مجھے معلوم ہے تو اتنا مایوس کیوں ہے تو غیر مرئی حصار سے ٹکرا کر حواس کھو بیٹھا تھا۔ بدحواسی میں جو منتر جاپ کیے جاتے ہیں' وہ کسی کام کے نہیں ہوتے۔ تم لوگ جنگ کے لیے نکلے ہو۔ جب گھمسان کی جنگ ہو تو دونوں لشکر صرف اپنے بچاؤ اور دشمن کو ہلاک کرنے میں منہمک ہوں' اس وقت حاضر دماغی سے منتر جاپ کرنا اور جس کو چاہو ہلاک کر دینا۔ میں بھی وہاں موجود رہوں گی اور دیکھوں گی کہ کون تمہارے حربوں کو ناکام بناتا ہے۔"

آنیا' اکانی دیوی کی یقین دہانی سے خوش ہو گیا تھا۔ اکانی دیوی اس کی مربی تھی اور قدیم بربری روایتوں کے مطابق اس کا شمار اعلیٰ ترین قوت رکھنے والی دیویوں میں ہوتا تھا۔ سورج سے لے کر پتھر میں چھپی ہوئی آتش خاموش تک اس کے تصرف میں مانی جاتی تھی۔ اکانی دیوی میں وہ تمام خصوصیات متصور تھیں جو ہندوستان کی اگنی دیوی کے لیے معروف ہیں۔ آنیا اتنی بڑی شکتی کی پشت پناہی کا خیال لیے ہوئے سو گیا۔

○☆○

مجاہدین کا لشکر علی بن عون کی قیادت میں جب سرحد پر پہنچا تو خالد نے اپنے مرتب کیے

ہوئے نقشہ جنگ کے مطابق فوج کو اسی وقت مورچوں پر متعین کر دیا۔ مجاہدین نے خیمے نصب کر کے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ موکادو صبح کاذب سے کچھ پہلے محاذ جنگ پر پہنچا اور فوج کو خیمہ انداز ہونے کا حکم دے کر خود محاذ جنگ کا نقشہ مرتب کرنے لگا۔

نماز فجر کے بعد مجاہدین صف آرا ہوئے۔ موکادو نے بھی اپنے لشکر کو مرتب کیا۔ دن کی ٹھنڈی روشنی میں موکادو نے جب اسلامی لشکر کو دیکھا تو قہقہہ مار کر کہا "یہ تو بہت کم ہیں' انہیں تو ہم ایک ہی یلغار میں موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔"

ابھی آغاز جنگ نہ ہوا تھا کہ اسلامی لشکر سے نیدا موکادو تنہا گھوڑا دوڑاتا ہوا نکلا۔ سفارتی جھنڈا اس کے ہاتھ میں تھا۔

پیلے رنگ کا جھنڈا اس کے ہاتھ میں دیکھ کر موکادو نے کہا "یہ ایلچی ہے' اس پر تیر نہ چلانا۔"

نیدا موکادو سیدھا سردار موکادو کے پاس پہنچا جو گوریلا دستے کی حفاظت میں کھڑا تھا۔ جب نیدا موکادو قریب پہنچا تو موزلے نے پوچھا "کہو' کیا پیغام لے کر آئے ہو؟"

نیدا موکادو نے کہا "میں بادشاہ منتا علی بن عون اور سردار بلاشا کا قاصد ہوں۔ پیغام صرف اتنا ہے کہ اللہ کے بندوں کو جنگ کی آگ میں نہ جھونکو اور واپس چلے جاؤ۔ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ ہم قتال اور خون ریزی پسند نہیں کرتے۔"

سردار موکادو حصار سے نکل کر موزلے کے پاس آیا اور نیدا موکادو کے بالکل سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور مسکرا کر بولا "لڑکے تو میرے دوست کا بیٹا ہے' میرا ہم نام ہے۔ میں نے ہمیشہ تجھ سے پیار کیا ہے مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ فساد کی جڑ تو ہے۔ تو نے ہی سب سے پہلے مجھ سے اور اپنے مذہب سے بغاوت کی اور اپنے باپ کو باغی کر دیا۔ کیا تو میری طاقت سے واقف نہیں؟ اب جب کہ میں بغاوت کو قوت سے کچلنے آگیا ہوں تو پیغام لے کر آگیا کہ میں واپس چلا جاؤں۔ کان کھول کر سن لو کہ میں باغیوں کو قرار واقعی سزا دیے بغیر واپس نہ جاؤں گا۔"

نیدا موکادو نے سردار موکادو کی بات تحمل سے سن کر بڑے مضبوط لہجے میں کہا "تم نے طاقت کے نشے میں امن و سلامتی کے پیغام کو مسترد کر دیا ہے۔ ابھی وقت ہے' سنجیدگی سے میری بات پر غور کر لو ورنہ پچھتانا بھی سود مند نہ ہو گا۔ تم یہ بات بھول جاؤ کہ ہم تعداد میں کم ہیں۔ میدان جنگ میں آج تمہیں ایسے سورماؤں سے واسطہ پڑے گا جن کی شجاعت کے سامنے تم نہ ٹھہر سکو گے۔"

سردار موکادو نے برہم ہو کر کہا "جا لڑکے' زبان درازی نہ کر۔ تمہاری بچت کی ایک ہی سبیل ہے۔ وہ یہ کہ علی بن عون کو دھکے دے کر اکابلی سے نکال دو اور پہلے کی طرح میرے

اطاعت گزار بن جاؤ ورنہ تھوڑی دیر بعد تمہاری سر بریدہ لاشیں میرے قدموں میں پڑی ہوں گی۔"

نید اموکادو نے مرشد گرامی کی شان میں گستاخانہ کلمات سنے تو برہم ہو کر کہا "اب تم اپنی فوج کے ساتھ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" یہ بات کہہ کر وہ اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا اپنے لشکر میں پہنچ گیا۔

سفارتی ناکامی کے بعد علی بن عون نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ "اللہ اکبر" سے فضا گونج اٹھی مگر کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا کیوں کہ طے شدہ اصول کے مطابق انہیں تیسرے نعرے سے پہلے اپنی جگہ سے نہیں ہلنا تھا۔ موکادو نے اپنا سیاہ پرچم لہرا کر جیسے ہی حملے کا حکم دیا' گھڑسوار فوج نیزے تانے ہوئے اسلامی لشکر کی طرف بڑھی۔ خالد' علی بن عون کے برابر کھڑے ہوئے دشمن کی پیش قدمی دیکھتے رہے۔ دشمنوں نے جب درمیان کا نصف فاصلہ طے کر لیا تو امیر عسکر نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا اور اس نعرے کے ساتھ ہی تیر اندازوں نے دشمنوں پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ سیکڑوں سینے چھد گئے۔ پھر دوسری باڑھ پڑی۔ سچے نشانے ہدف تک پہنچے اور پھر اس وقت تک تیر برستے رہے جب تک درمیانی فاصلہ بہت کم نہ ہو گیا۔ موکادو کا لشکر موت کی اس گرم بازاری میں بھی اپنے ساتھیوں کی لاشوں کو روندتا ہوا بڑھتا ہی رہا تھا۔ خالد نے تیسری بار نعرہ بلند کیا۔ اسلامی لشکر "اللہ اکبر" کہتے ہوئے حرکت میں آ گیا۔ دونوں لشکر ٹکرا گئے تو جسم و جاں کے رشتے تیزی سے منقطع ہونے لگے۔ گھمسان کی جنگ میں مسلمانوں کا تربیت یافتہ لشکر شجاعت کے جوہر دکھا رہا تھا۔

آنیا نے اچانک دیوی اکانی کی خوشبو محسوس کی اور ساتھ ہی سرگوشی بھی سنی "بے وقوف! چپ سادھے کیوں کھڑا ہے' یہی وقت ہے تیرے حملہ کرنے کا۔"

آنیا جو قتل عام کے منظر میں کھویا ہوا تھا' چونک پڑا۔ اس نے فوراً منتر جاپ کر کے لشکر کی طرف ایک ایسی آگ کا رخ کر دیا جس کو عام بصارت نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ذرا سی دیر میں مجاہدین گرمی کی شدت سے بوکھلانے لگے۔ ان کی تیز دستی اضمحلال کا شکار ہونے لگی۔ خالد نے یہ رنگ دیکھ کر علی بن عون سے کہا "حضرت یہ گرمی کی شدت کچھ غیر فطری سی معلوم ہو رہی ہے۔ اس موسم میں صبح کے وقت اور ایسی گرمی۔"

خالد نے متوجہ کیا تو آپ نے مقابل لڑنے والے دشمن کی گردن کاٹ کر کہا "میں جہاد میں ہمہ تن مصروف تھا اور خود گرمی محسوس نہیں کر رہا تھا اس لیے اس جادو پر متوجہ نہ ہو سکا۔ اب میں نے صورت حال سمجھ لی ہے ہمت سے کام لو۔ میں ابھی اس کا تدارک کرتا ہوں۔" اپنی بات مکمل کر کے آپ نظروں سے اوجھل ہو گئے اور روحانی قوتوں سے غیر مرئی آگ کو فضاؤں سے سمیٹ کر یک جا کیا اور آگ کو حکم دیا "جا اسی کی طرف جا جس نے تجھے

بھیجا ہے۔"

گرمی کی شدت جس طرح اچانک بڑھی تھی' اسی طرح ختم بھی ہو گئی مگر اس دوران میں دشمن نے مسلمانوں کی پریشانی سے فائدہ اٹھا کر سیکڑوں مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔ خالد نے نعرہ تکبیر سے مسلمانوں کا حوصلہ بلند کیا اور سنبھل کر دشمنوں پر حملہ آور ہوئے اور اپنی سابقہ برتری کو پھر بحال کر لیا۔

آگ جیسے ہی آنیا کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے بڑھی۔ اکانی دیوی نے اسے اپنی آغوش میں لے کر آگ کی رفتار سے زیادہ تیز پرواز شروع کر دی مگر درمیانی فاصلہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگا کیونکہ آگ کی رفتار بھی تیز تر ہو گئی تھی۔ اکانی دیوی نے پرواز کرتے ہوئے آگ کو حکم دیا "رک جا۔" مگر اس کا حکم نہ چلا۔ اس نے برہم ہو کر آگ کو حرارت سے محروم کرنے کا منتر پڑھ کر پھونکا مگر یہ کوشش بھی ناکام ہو گئی۔

مسلسل ناکامیوں نے دیوی کو یقین دلا دیا کہ تعاقب کرنے والی آگ سے نجات پانا مشکل ہے۔ پرواز کرتے ہوئے اسے ایک کنواں نظر آیا۔ وہ آنیا کو لیے ہوئے کنوئیں کی گہرائی میں اتر گئی۔ اسے گمان تھا کہ وہ پانی میں آگ سے محفوظ رہے گی مگر آگ' بجلی کی طرح کنوئیں کے پانی پر گری اور کنوئیں کا پانی بھاپ بن کر اڑ گیا۔ دیوی اور پجاری جل کر خاک ہو گئے۔

علی بن عون نے روحانی توجہ سے دونوں کا یہ انجام دیکھ لیا تو پرواز کرتے ہوئے ان جادوگروں کے پاس پہنچے جو لشکر اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے منتروں کا جاپ کر رہے تھے اور آنیا کی ماتحتی میں وہاں آئے تھے۔ آپ نے ان کا ذہن پڑھا۔ وہ منتروں کے ذریعے مسلمانوں کا ذہن مفلوج کرنے کا ارادہ رکھتے تھے تاکہ ان کا لشکر انہیں آسانی سے قتل کر سکے۔ آپ نے خطرے کو محسوس کرتے ہی تمام جادوگروں کی یادداشت روحانی تصرف سے سلب کر لی۔ ان کے جاپ نامکمل رہ گئے اور وہ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ کون ہیں اور کس مقصد کے لیے میدان جنگ میں موجود ہیں۔ آپ نے سانپوں کا زہر نکال کر جب انہیں بے ضرر بنا دیا تو واپس آ کر جہاد میں مصروف ہو گئے۔

مسلمانوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ خالد' شعیب اور سردار عبداللہ اور نید اموکادو اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس گوریلا دستے پر حملہ آور ہو چکے تھے جو موزلے کی سرکردگی میں موکادو کی حفاظت کر رہا تھا۔ گوریلا دستے کے جوان مر رہے تھے' کٹ رہے تھے لیکن سردار موکادو تک مسلمانوں کو پہنچنے نہیں دے رہے تھے۔ مجاہدین کا حملہ بھی طوفانی تھا۔ گوریلا دستے کے افراد مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ کٹ کر کم ہو رہے تھے۔ جب صرف دس گوریلے باقی رہ گئے تو موزلے بھی کام آ گیا۔ یہ رنگ دیکھ کر سردار موکادو نے تلوار نکال کر خالد پر

حملہ کیا۔

نیدا موکادو گھوڑا بڑھا کر خالد کے پاس پہنچا اور کہا "اس مغرور اور احمق سردار سے مجھے لڑنے دیجیے۔"

خالد نے فوراً سامنے سے ہٹ کر نیدا موکادو کو تیغ آزمائی کا موقع دے دیا۔

سردار موکادو نے نیدا موکادو پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے مگر نیدا موکادو نے تمام حملوں کو بڑی مہارت سے روکا اور پھر للکارا "سردار موکادو، سنبھل! اب تیرا مغرور سر زمین پر گرنے والا ہے۔" اور پھر نیدا موکادو نے وہی کر دکھایا جو اس نے کہا تھا۔

سردار موکادو کے قتل ہوتے ہی اس کی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ باقی ماندہ فوج بھاگنے لگی۔ علی بن عون نے بلند آواز سے حکم دیا "بھاگنے والوں کو گرفتار کرو اور قتل سے پرہیز کرو۔"

مجاہدین نے دور تک تعاقب کر کے باقی ماندہ دشمنوں کی بڑی تعداد کو گرفتار کر لیا۔

میدان جنگ میں حد نظر تک لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ پندرہ سو مجاہدین نے جام شہادت پیا تھا۔ آٹھ ہزار دشمن ہلاک و زخمی ہوئے تھے۔ پانچ ہزار نے ہتھیار ڈال کر جان بچائی اور باقی دو ہزار فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ قیدیوں کی حفاظت اور زخمیوں کے معالجے کا انتظام کرانے کے بعد آپ نے اذان کا حکم دیا۔ مساجد میں پرسکون نماز ادا کرنے والوں نے جب ایثار و قربانی کی اعلیٰ ترین مثالیں قائم کر کے میدان جنگ میں ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں ادا کیں تو وہ ایک ایسے کیف سے آشنا ہوئے جس سے پہلے نا آشنا تھے۔ نماز فرض کی ادائیگی کے بعد دوگانہ شکر ادا کیا گیا اور پھر اللہ والے تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد عشا کی اذان ہوئی اور پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد علی بن عون نے مجاہدین کو فتح مبین کی مبارک باد دیتے ہوئے کہا "مجھے معلوم ہے کہ تمہیں آرام کی ضرورت ہے، تم بہت تھک چکے ہو مگر ان لاشوں کو اسی حال پر چھوڑ کر ہم نے آرام کیا تو اس سے بڑی انسانیت سوزی کا تصور بھی نہ کیا جا سکے گا۔ قیدیوں سے دشمنوں کی لاشوں کے لیے اجتماعی قبریں کھدواؤ تاکہ ایک ایک قبر میں زیادہ سے زیادہ مردے دفنائے جا سکیں اور شہیدوں کے لیے اجتماعی قبریں ہم خود کھودیں گے۔ یہ ہماری محبت کی ذمے داری ہے۔" آپ کے حکم کے مطابق جب تدفین کے انتظامات شروع ہو گئے تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا "میں کچھ دیر کے لیے جا رہا ہوں، واپسی جلد ہی ہو گی۔"

آپ تاریکی کی طرف بڑھے کیونکہ مشعلوں کی روشنی میں آپ سب کے سامنے نظروں سے اوجھل نہیں ہونا چاہتے تھے۔ ایک تاریک گوشے میں پہنچ کر آپ نے روحانی پرواز کی اور منتا پہنچے۔

آپ نے سب سے پہلے اپنی والدہ محترمہ شاگی اور پھر اپنے بوڑھے نانا سردار شکولی کو فتح کی خبر سنائی اور کہا "میرا بھائی عثمان بن عون اس وقت مصروف عبادت ہے۔ صبح یہ خبر اسے بھی سنا دینا تاکہ اہل منتا کو بھی وہ اس خوشی میں شریک کر لے۔"

آپ منتا سے نیدا منتا اور نیدا منتا سے اوو الین فتح کی خوش خبری سنانے گئے اور وہاں سے ایکار پہنچے۔ سردار بزول اور سردار بودولو، سردار ہوشو کے مہمان تھے۔ فتح کی خوش خبری سن کر وہ سجدے میں گر پڑے۔

وہ جب سجدے سے فارغ ہوئے تو آپ نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ کل جشن فتح میں تم تینوں شرکت کرو۔ تمہیں اسی وقت اکابلی روانہ ہو جانا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ اس سفر کے لیے تم کون سے گھوڑے استعمال کرو گے؟"

سردار ہوشو آپ کو اصطبل میں لے گیا اور تین گھوڑوں کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا "یہ گھوڑے کیسے رہیں گے۔"

آپ نے بڑھ کر ان تینوں گھوڑوں پر تھپکی دی اور کہا "میں چلا، تم بھی جلد ہی روانہ ہو جاؤ۔" آپ روحانی پرواز کے ذریعے انسالہ پہنچے۔ سردار ہوشو، سردار کلوک، سردار متوکا اور سردار شانیا سے فرداً فرداً ملاقات کی اور انہیں اکابلی روانہ ہونے کا حکم دے کر واپس ہوئے مگر آپ نے ان کے گھوڑوں کو صبا رفتار بنانے کے لیے گھوڑوں کو دیکھا بھی تھا اور ایالوں پر تھپکی بھی دی تھی۔

آپ جب واپس اکابلی کے میدان جنگ میں پہنچے تو دشمن گاڑے جا چکے تھے، شہدا کی قبریں تیار تھیں اور ان کی لاشیں قطاروں میں رکھی ہوئی تھیں۔ آپ نے اسی وقت نماز جنازہ پڑھائی اور شہدا کو احترام سے دفن کرایا۔ جب تمام کاموں سے فارغ ہوئے تو رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی۔ آپ نے مجاہدین کو آرام کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے کہا "بے فکر ہو کر سو جاؤ۔ صبح کی اذان سن کر تمہاری آنکھ کھل جائے گی۔"

صبح کی اذان آپ نے خود دی، اذان کی آواز سے سب بیدار ہو گئے۔ نیند پوری نہ ہوئی تھی مگر نماز کے بعد سب چاق و چوبند نظر آ رہے تھے۔ تھوڑی سی نیند نے بھی ان کے تھکے ہوئے اعصاب کو بہت سکون دیا تھا۔ سب نے گنج شہیداں پر جا کر فاتحہ خوانی کی اور پھر لشکر کو اکابلی کی طرف کوچ کرنے کا حکم مل گیا۔

اکابلی کے عوام نے مجاہدین کا شاندار استقبال کیا۔ جشن فتح کی تقریب میں سردار بلاشا نے ایک دعوت عام کا انتظام کیا تھا جو نماز ظہر تک جاری رہی۔ ایک بڑے میدان میں بعد نماز عصر عظیم الشان جلسہ ہوا۔ انسالہ اور ان ایکار کے سردار پہنچ چکے تھے۔ علی بن عون نے اپنے بھائی عثمان بن عون کو اپنے قریب کھڑا دیکھا تو پوچھا "تم یہاں کیسے؟ میں نے تمہیں

یہاں آنے کی دعوت نہیں دی تھی۔"

آپ نے بجا فرمایا۔ مجھے یہاں نہ آنا چاہیے تھا مگر آج نماز ظہر کے بعد جب میں سویا تو والد محترم عون بن حمزہؒ نے خواب میں اپنے دیدار سے سرفراز فرما کر کہا "تم اکابلی کے جشن فتح میں شرکت کے لیے نہیں گئے؟" اس سوال کے جواب میں ابھی میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ انہوں نے حکم دیا "ابھی اکابلی جاؤ' بعد نماز عصر جلسہ ہونے والا ہے۔" میں نے عرض کیا "وقت بہت کم ہے' میں وہاں کیسے پہنچ سکتا ہوں؟" والد یہ سن کر مسکرائے اور پھر مجھے قرآن حکیم کی آیت یاد کرا کے کہا "اس آیت کو تین مرتبہ پڑھو گے تو تخت سلیمان کی طرح پرواز کرنے لگو گے۔" والد چلے گئے تو میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے فوراً والد کی ہدایت پر عمل کیا جس کے نتیجے میں آپ مجھے یہاں دیکھ رہے ہیں۔"

علی بن عون نے بھائی کی پیشانی چوم کر اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا "مبارک ہو' اب تم بھی مجھ جیسے ہو گئے۔"

کچھ دیر بعد آپ نے جلسہ عام سے خطاب کیا۔

آپ نے فرمایا "الحمدللہ کہ الجزائر کا ایک بڑا حصہ اسلام کے زیر اثر آگیا ہے مگر ہمارا فرض ہے کہ اس تاریک براعظم کو اسلام کی روشنی سے منور کریں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ مسلمان سرداروں کی سرداریاں برقرار رہیں گی جب تک وہ خلوص دل سے قبائل پر اسلام کے مطابق حکمرانی کرتے رہیں گے۔ ابھی تک اسلام کی وفاقی حکومت میں منتا' نیدامنتا اور اودالین شامل ہیں اور اپنے داخلی انتظام میں قطعاً آزاد ہیں۔ ہماری خارجہ حکمت عملی مشترک ہے یعنی ہمارے دوست بھی مشترک ہیں اور دشمن بھی۔ میں کسی جبر وا کراہ کے بغیر سرداروں کو اس وفاق میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔ بتاؤ اس وفاق میں کون کون شامل ہونا چاہتا ہے؟"

بیک وقت تمام سرداروں نے کھڑے ہو کر وفاق میں شرکت کا پرجوش اعلان کیا۔ اتحاد و اتفاق کا یہ ایمان افروز مظاہرہ دیکھ کر مجمع دیر تک "اللہ اکبر" کے فلک شگاف نعرے بلند کرتا رہا۔

نعروں کا غلغلہ ختم ہوا تو آپ نے کہا "کل ہم ایڈرار کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ یاد رکھو' راستے میں کسی بستی کو لوٹنا نہ اسے ہلاک کرنا جو تم پر ہتھیار نہ اٹھائے۔ ہم امن و سلامتی کے سفیر ہیں' ظلم و زیادتی کو مٹانے کے لیے نکلے ہیں' ہمارے دامن پر خون ناحق کا ایک چھینٹا بھی نہ پڑنا چاہیے۔"

تمام مجمعے نے آپ کی ہدایات گوش ہوش سے سن کر سر اطاعت جھکا لیا۔

دوسرے دن نماز فجر کے بعد لشکر اسلام ایڈرار کی طرف روانہ ہو گیا۔ اکابلی سے ایڈرار

کا فاصلہ دو سو پچاس فرسخ تھا۔ راستے میں موکادو کے حلیف قبائل کی دس بستیاں ملیں۔ ہر سردار نے مسلمانوں کے حسن سلوک کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیا۔

لشکر اسلام ایڈرار پہنچا تو اہل ایڈرار نے بھی اسلام کی دعوت پر لبیک کہا۔ اس پیش قدمی کے نتیجے میں اسلامی ریاست کی سرحدیں شمالاً جنوباً بنی ابیس سے اودالین تک اور مشرق میں انسالہ سے شروع ہو کر مغرب میں باؤبٹ تک پھیل گئیں۔ فتوحات کے ذریعے اپنی حکومت کی توسیع کسی بھی طاقت ور قوم کے لیے مسئلہ نہیں بنتی لیکن مفتوحہ علاقوں میں افکار و نظریات کی خوب صورت تبلیغ و اشاعت یقیناً ایک دشوار گزار مرحلہ ہوتا ہے۔ علی بن عون اس حقیقت سے آشنا تھے۔ انہوں نے ایک جرات مندانہ فیصلہ کر کے تمام قبائلی سرداروں کو منتا میں طلب کیا اور ایک دل نشیں تقریر میں ضرورت تبلیغ و تعلیم پر روشنی ڈالنے کے بعد کہا "میں بادشاہت کی ذمے داریوں سے آج سبکدوش ہو رہا ہوں۔ میں نے خود کو ان نومسلموں کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے جو ابھی برائے نام مسلمان ہیں۔ میرا دائرہ کار یہ ہو گا کہ مسلمانوں کو تعلیم و تربیت سے پکا اور سچا مسلمان بناؤں اور ان کو اسلام کی دعوت دوں جو ابھی حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے ہیں۔ میں تم میں سے کسی کو بادشاہ نامزد نہیں کروں گا۔ یہ بڑی ذمے داری کا کام ہے۔ میری موجودگی میں ابھی تمہیں وفاقی سربراہ کا انتخاب کرنا ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ تم اسلام کے فروغ اور اپنے مفادات کو اس وقت ہرگز نظرانداز نہیں کرو گے جب کسی کے حق میں اپنی رائے دو گے۔"

آپ کی تقریر کے بعد اس امر کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں تھی کہ کوئی آپ سے یہ درخواست کرتا کہ آپ اپنا فیصلہ بدل دیں اور وفاقی سربراہ بنے رہیں کیونکہ آپ کی اطاعت کا عہد اختلاف سے مانع تھا۔

انتخاب کا مرحلہ سرداروں کے اخلاص نے بڑی آسانی سے طے کر کے عثمان بن عون کو اپنا سربراہ تسلیم کر لیا۔ اس انتخاب پر آپ نے کوئی اظہار خیال نہ کیا۔ دوسرے دن جب سب مہمان رخصت ہوئے تو آپ بھی اپنے اعزا سے رخصت ہو کر ایڈرار کی طرف روانہ ہو گئے۔ مگر یہ سفر آپ نے روحانی پرواز کے ذریعے نہیں کیا۔

اکابلی سے آپ منزل بہ منزل درویشانہ وضع قطع میں چلتے ہوئے ایک بستی میں پہنچے جہاں شمالی قبیلے کے لوگ آباد تھے۔ لشکر اسلام جب اکابلی سے ایڈرار گیا تو یہ بستی لشکر کی گزرگاہ سے تیس فرسخ کے فاصلے پر تھی اور اسی لیے وقت کے اہم انقلاب کے اثرات یہاں مرتب نہ ہو سکے تھے۔ آپ بستی میں داخل ہوئے تو کسی نے آپ کو در خور اعتنا نہ سمجھا مگر جب ایک بوڑھی کاہنہ کی نظر آپ پر پڑی تو اس نے شور مچا دیا "آگیا' ہمیں تباہ و برباد کرنے والا آگیا۔ اسے پکڑ کر زندہ جلا دو۔"

کاہنہ کا بستی پر بڑا اعتبار تھا۔ قبیلے کے نوجوان آپ پر ٹوٹ پڑے اور آپ کو آسانی سے باندھ کر ڈال دیا کیونکہ آپ نے کوئی مزاحمت نہ کی تھی۔ سردار قبیلہ شامل کو ایک اجنبی کی گرفتاری اور کاہنہ کی پیش گوئی کی تفصیلات معلوم ہوئیں تو وہ خود وہاں پہنچ گیا جہاں آپ کو باندھ کر ڈالا گیا تھا۔

سردار شامل نے آکر پہلے کاہنہ سے بات کی اور پھر آپ کے پاس پہنچا اور کہا "اے اجنبی! تیرے متعلق کاہنہ نے بہت کچھ بتا دیا ہے اور اس کی دی ہوئی خبر غلط نہیں ہوتی مگر میں پھر بھی تجھ سے تیرا حال معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ بتا تو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور ہمارے علاقے میں تو نے کیسے قدم رکھا؟"

آپ نے سردار شامل کے سوالات کے جوابات دینے سے پہلے روحانی توجہ کے ساتھ اسے مسکراتی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔ سردار شامل نے آپ کے اطمینان کو دیکھا تو اسے بڑی حیرت ہوئی۔ آپ نے اس کی حیرت کو دوچند کرنے کے لیے کہا "میں اللہ کا بندہ ہوں۔ ساری زمین میرا دھن ہے اور تمہارے قبیلے میں اس لیے آیا ہوں کہ یہاں میری ضرورت تھی۔"

"کیا تم ضرورت پر روشنی ڈال سکتے ہو؟" سردار شامل نے شک اور استعجاب کی ملی جلی کیفیت میں پوچھا۔

آپ نے شامل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "کیا اب تک تمہارے پانچ بیٹے کم سنی میں ایسی موت نہیں مر چکے ہیں کہ سب ان کی اموات کو غیر طبعی کہتے ہیں اور اب تمہارا دل اپنے چھوٹے بچے کے لیے پریشان نہیں ہے؟ کیا تم اس خیال سے بے چین نہیں ہو کہ یہ بچہ بھی کسی وقت تم سے کوئی آسیب چھین لے گا؟ سنو! میں اس بچے کو بچانے آیا ہوں۔ اگر یہ بچہ اسی طرح مر جائے جس طرح اور بچے مرے ہیں تو میں یہاں ہر سزا خوشی سے قبول کر لوں گا۔"

سردار شامل نے ایک اجنبی سے اپنی دکھ بھری داستان ہی نہیں سنی تھی بلکہ اس نے وہ خیالات تک بیان کر دیے تھے جن کا اظہار بھی اس نے نہیں کیا تھا۔ وہ آپ کو جادوگر سمجھ کر مودب ہو گیا اور کہا "مجھے افسوس ہے کہ میرے قبیلے کے لوگوں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ ہمارے قبیلے کی کاہنہ نے آج تک جو پیش گوئی کی ہے' وہ درست ہی ثابت ہوتی رہی ہے۔ اس کے خیال میں تمہارا یہاں آنا قبیلے کے لیے منحوس ہے مگر میں اس کی یہ بات مانتے ہوئے بھی تمہیں زندہ جلانے کا ابھی ارادہ نہیں رکھتا۔ کاہنہ میرے کسی بچے کو آج تک نہیں بچا سکی ہے۔ مگر تم میرے بچے کو بچانے کا وعدہ کر رہے ہو۔ تم میرے ساتھ رہو گے اور قبیلہ تمہاری نگرانی کرے گا۔ اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو وہ تمہیں بے

دریغ مار ڈالیں گے۔ اگر میرا بچہ مر گیا تو میں تمہیں زندہ جلا دوں گا اور بچ گیا تو منہ مانگا انعام دوں گا۔"

آپ نے گرج دار آواز میں کہا "میں مسلمان ہوں' اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گا۔ میں یہاں سے اس وقت جاؤں گا جب تم مجھے خوشی سے رخصت کرو گے۔" سردار شامل نے آپ کی بات سن کر آپ کی بندشیں کھلوائیں اور آپ کو اپنے گھر لے گیا۔

سردار شامل کے طرز عمل سے کاہنہ کو بہت ذلت کا احساس ہوا۔ ایک اجنبی کے مقابلے میں اس کی بات کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اس نے دل ہی دل میں سردار شامل اور علی بن عون سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔

سردار شامل نے آپ کو قریب سے دیکھا اور آپ کی ذہن افروز باتیں سنیں تو اسے اپنے فیصلے پر خوشی ہوئی۔ ایسا بالغ نظر' روشن خیال اور سچا آدمی پہلے اس کی نظر سے نہیں گزرا تھا۔

شامل میں ابھی آپ کے قیام کو پندرہ دن ہوئے تھے کہ قمری مہینے کی ایسی تاریخیں آگئیں جب رات' چاند کے فراق میں اور زیادہ تاریک ہو جاتی ہے۔ آپ نے ایک شام سردار شامل کو آگاہ کیا "آج کی رات تمہارے بیٹے پر بھاری ہے۔"

"اگر واقعی کوئی خطرہ ہے تو اس کی حفاظت تم ہی کرو۔ میں نے اپنے بچوں کو بچانے کے لیے پہلے بھی بہت انتظامات کیے تھے مگر میں انہیں نہیں بچا سکا۔ اب بھی اگر میں نے ہی حفاظتی انتظامات کیے تو ان کا نتیجہ پہلے سے مختلف نہ ہو گا۔" سردار شامل نے کھلے دل سے اپنے اندیشوں کا اظہار کر دیا۔

آپ نے کچھ دیر غور و فکر کے بعد سردار شامل سے کہا "میں نے جس خطرے کی اطلاع دی ہے' اسے اپنی ذات تک محدود رکھنا۔ تم حسب معمول اپنی خواب گاہ میں چلے جاؤ گے مگر جاگتے رہو گے اور میری ہلکی سی آواز پر خواب گاہ سے نکل آؤ گے۔ تمہاری بیویوں کی خواب گاہیں' تمہاری خواب گاہ سے متصل ہیں۔ میں ان کی نگرانی کرتا رہوں گا۔"

شامل میں سورج غروب ہونے کے بعد تھوڑی دیر بعد ہی لوگ اپنے گھروں میں پہنچ جاتے تھے اور نصف شب سے پہلے پوری بستی سناٹوں کی لپیٹ میں آجاتی تھی۔ آپ اپنی روحانی اطلاعات کے مطابق سردار شامل کے گھر کی نگرانی کر رہے تھے۔ رات کا تیسرا پہر شروع ہوا تو آپ نے ایک سائے کو شامل کے گھر کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ آنے والی ہستی گھر سے قریب پہنچ کر زمین پر رینگتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔ احاطے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ آپ سائے کا تعاقب کرتے ہوئے سردار شامل کی منجھلی بیوی مرابی کی خواب گاہ کے

دروازے تک پہنچ گئے تھے۔ خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اسے کھولنے کی جدوجہد میں سائے کو مصروف دیکھ کر آپ سردار شامل کو بلا لائے مگر آپ نے راستے میں اسے کچھ فوری ہدایات بھی دیں تھیں۔

سایہ دروازہ کھول کر اندر پہنچ گیا تھا۔ آپ نے سردار کو رکنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اندر پہنچ گئے اور دیکھا کہ سایہ ایک خنجر آب دار ہاتھ میں لیے بے خبر سوئے ہوئے ماں بیٹے کی طرف احتیاط سے بڑھ رہا تھا۔ آپ نے بڑھ کر اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کر دی اور سردار شامل کو آواز دی ''آجاؤ۔''

شامل نے چراغ کی ہلکی روشنی میں دیکھا کہ کوئی آواز نکالے بغیر آپ کی گرفت سے آزاد ہونے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ آپ نے ہاتھ مروڑ کر خنجر چھین لیا اور اسے سردار شامل کی طرف دھکیل دیا۔ شامل نے ایک گھونسا پوری قوت سے حملہ آور کو مارا جس نے سارے کس بل نکال دیے اور ایک نسوانی چیخ فضا میں بلند ہوئی۔ چیخ سن کر سونے والے بھی بیدار ہو گئے۔ گھونسے کی ضرب کھا کر عورت گر پڑی تھی۔ سردار شامل نے جھک کر اسے دیکھا تو ایک ہی نظر میں پہچان لیا۔ وہ اس کے قبیلے کی کاہنہ تھی۔

بے ہوش کاہنہ کا گلا گھونٹنے کے لیے سردار شامل نے ہاتھ بڑھائے تو آپ نے کہا ''جلدی نہ کرو شامل۔''

یہ حکم سنتے ہی وہ ہاتھ کھینچ کر کھڑا ہو گیا۔ گھر کے لوگ جاگ اٹھے تھے۔ منجھلی بیوی مرالی اپنے لڑکے کو سینے سے لگائے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ سردار شامل کی دوسری بیویاں بھی آ کر شور مچانے لگی تھیں۔ آپ کی ہدایت کے مطابق سردار شامل نے سب کو اپنی اپنی خواب گاہوں میں واپس کر دیا اور مرالی سے کہا ''تم میری خواب گاہ میں چلی جاؤ۔''

جب تخلیہ ہو گیا تو آپ نے کاہنہ کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ چند چھینٹوں کے بعد اس نے آنکھیں کھول کر ماحول کا جائزہ لیا اور بڑی اداکاری سے کہا ''میں کہاں ہوں؟''

آپ نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا ''اے عورت! مکاری تیرے کام نہ آئے گی۔ تیرا حال مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ سردار شامل کے جو بچے پہلے ہلاک ہو چکے ہیں' ان میں تیرا ہاتھ نہیں تھا۔ تو نے مجھے زندہ جلوانے کے لیے اور سردار شامل سے اس بات کا انتقام لینے کے لیے کہ اس نے تیری تجویز کردہ سزا مجھے نہیں دی' تیری بات پر کان نہ دھرے' تو تو نے سردار کے بچے کو ہلاک کرنا چاہا۔''

آپ کی بات سن کر کاہنہ رونے لگی اور بلا تامل اپنے جرم اور سبب جرم کا اعتراف کر لیا۔

سردار شامل نے بے قرار ہو کر پوچھا ''اگر میرے بیٹوں کو کاہنہ نے ہلاک نہیں کیا تو

مجھے بتاؤ' وہ کون ہے جو میری نسل کشی کر رہا ہے؟''

''گھبراؤ نہیں' آج فیصلے کی رات ہے۔ میں ان مجرموں کو بھی بے نقاب کر دوں گا۔ پہلے اس کاہنہ کو اچھی طرح باندھ دو اور اسے ان لوگوں کی حفاظت میں دے دو جو اس کے کاہنہ ہونے کا رعب قبول نہ کریں۔''

سردار نے تھوڑی دیر ہی میں کاہنہ کو مقید رکھنے کا قابل اعتبار انتظام کر دیا۔

آپ نے اسے فارغ دیکھ کر کہا ''اب میرے ساتھ اس شخص کے گھر چلو جس کا تم سب سے زیادہ اعتبار کرتے ہو اور جسے تم اپنا بہترین دوست سمجھتے ہو۔''

''کیا تم شولیو کے گھر چلنا چاہتے ہو؟ وہی میرا دوست ہے مگر کیوں؟''

''اس کیوں کا جواب حالات خود دیں گے۔ میں جیسا کہتا ہوں کرتے رہو۔'' آپ نے بڑے اعتماد سے کہا۔

شامل آپ کو شولیو کے گھر لے گیا۔

وہاں پہنچ کر آپ نے ایک عمل کے ذریعے خود کو اور شامل کو نظروں سے اوجھل کرنے کے بعد کہا ''یہ بند دروازہ ابھی کھلے گا۔ تم داخل ہو کر شولیو کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ جانا۔ اس کی خواب گاہ کا دروازہ بھی تمہیں کھلا ہوا ملے گا۔ خواب گاہ کے کسی گوشے میں جا کر تم خاموش کھڑے ہو جانا اور وہ باتیں سننا جو اس وقت وہاں ہو رہی ہیں۔ تم کسی بات کا خوف نہ کرنا۔ جس طرح تم مجھے اس وقت دیکھ نہیں سکتے' اسی طرح وہاں تمہیں بھی کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ میں بھی شولیو کی خواب گاہ میں موجود رہوں گا۔''

آپ نے روحانی پرواز کی اور پہلے صدر دروازہ کھولا اور پھر شولیو کی خواب گاہ میں ایک روشن دان سے داخل ہو کر خواب گاہ کا دروازہ اس طرح کھولا جیسے دروازہ ہوا کے دباؤ سے کھل گیا ہو۔

شولیو کی خواب گاہ میں شولیو کے علاوہ تین آدمی اور بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا ''یہ دروازہ کیسے کھل گیا؟''

شولیو نے قہقہہ لگا کر کہا ''کیا تم جیسا بہادر آدمی اب ہوا سے بھی ڈرنے لگا ہے؟''

اس جملے کے جواب میں چاروں نے ایک قہقہہ لگایا۔ اب سردار شامل بھی خواب گاہ میں موجود تھا اور سوچ رہا تھا کہ دیکھیں یہاں کیا انکشاف ہوتا ہے۔''

شولیو نے اپنے ساتھیوں سے کہا ''میں تمہاری گفتگو کا اب تک یہی مقصد نکال سکا ہوں کہ میرا طریقہ کار ناقص ہے اور یہ بات عقل میں بھی آتی ہے کہ شامل لڑکے پیدا کرتا رہے اور میں انہیں مرواتا رہوں' یہ سلسلہ کہاں تک چلے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر وہ بے نسل مر گیا تو قبیلے کی سرداری میرے ہی حصے میں آئے گی۔ ہمارا یہ سابقہ خیال غلط

ہی تھا کہ اس کے لڑکوں کو مارتے رہو' وہ غم میں پاگل ہو جائے گا یا مرکھپ جائے گا مگر اس کے اعصاب تو آہنی ہیں وہ ہر غم کو حوصلے سے برداشت کر رہا ہے۔ اگر وہ کم بخت کم زور بھی ہو جاتا تو میں اسے مقابلے کی دعوت دے دیتا۔ اس کی موجودہ صحت کے پیش نظر اس سے مبارزت تو خودکشی کے مترادف ہے۔ اس صورت حال سے قطع نظر میری محبوبہ جو میری خاطر شامل کی لونڈی بنی ہوئی ہے' اب مجھ سے اور اپنی زندگی سے بیزار ہو چکی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ کب تک شامل کے بیٹوں کے بستر پر زہریلا سفوف چھڑک کر اس کے بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتارتی رہے اور اپنی مرضی کے خلاف سردار شامل کی ہر خواہش کے سامنے سر انداز ہوتی رہے۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے تمہارے مشورے پر عمل کرنا ہی پڑے گا۔ اب کے مجھے شامل اور اس کے لڑکے کو ایک ساتھ ہلاک کرانا پڑے گا۔"

"تم ٹھیک سوچ رہے ہو شولیو' تمہارے مسئلے کا یہی واحد حل ہے۔ اچھا ہوا تمہارے ذہن سے یہ بوجھ اتر گیا کہ وہ تمہارا محسن ہے اور اس نے تمہاری زندگی بچائی ہے۔ اقتدار حاصل کرنے والے ایسی احمقانہ باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ شامل تمہارا تایا زاد بھائی ہے۔ لوگ تو اپنے سگے بھائیوں کو اقتدار کے لیے ہاتھوں سے ذبح کر دیتے ہیں۔"

آپ کو شامل نہ دیکھ سکتا تھا مگر آپ اسے دیکھ سکتے تھے۔ آپ اس کے قریب گئے اور اس کا ہاتھ تھام کر آہستہ سے اس کے کان میں کہا "بس اب چلو۔"

شامل کے ذہن میں طوفان اٹھ رہے تھے۔ جو کچھ اس نے دیکھا اور سنا تھا' وہ اس کے قیاس میں بھی نہ تھا۔ قاتلوں کے متعلق کئی فیصلے اس کے ذہن میں آئے مگر اس نے اپنے فیصلوں کو ذہن میں محفوظ رکھ کر آپ سے پوچھا "آپ بتائیں' میں اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک کروں؟"

آپ جواب کے لیے پہلے ہی تیار تھے کیونکہ شامل کا ذہن پڑھتے رہے تھے۔ آپ نے کہا "کل پورے قبیلے کو جمع کر کے کاہنہ کو اس کے جرم کی تفصیلات کے ساتھ اس کے سامنے پیش کر دو اور فیصلہ بھی قبیلے والوں پر چھوڑ دو۔ میں اس کا یقین دلاتا ہوں کہ کاہنہ اپنے جرم کا مجمع عام میں بھی اعتراف کر لے گی۔ اس مقدمے میں عوامی فیصلہ کیا ہوگا' یہ تم بھی سمجھ سکتے ہو۔ اس فیصلے کے بعد اپنی لونڈی' یعنی شولیو کی محبوبہ سے مجمع عام میں پوچھنا کہ اس نے تمہارے بیٹوں کو کیوں ہلاک کیا؟ میں یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ وہ اعتراف جرم کے ساتھ جرم کی غرض وغایت بھی بیان کرے گی۔ اس طرح شولیو اور اس کے ساتھی بھی مجرم ثابت ہو جائیں گے۔"

شامل کے ذہن میں ابھرنے والے شکوک وشبہات آپ کی نظر سے محفوظ نہ تھے۔ آپ نے کہا "تمہارے شبہات جو اعتراف جرم کے بارے میں ہیں' منطقی طور پر درست

سہی مگر میں تمہیں ایک بار یقین دلاتا ہوں کہ وہ اعتراف جرم کر لیں گے۔"

شامل کی فکری رو آپ کی شخصیت کے پراسرار ہونے کی طرف مبذول ہو گئی۔ اس نے سوچا' یہ شخص کتنا پراسرار ہے' خود بھی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور جسے چاہے نظروں سے اوجھل کر دیتا ہے۔ دلوں کی بات اسے معلوم ہو جاتی ہے اور یقیناً اسی نے کاہنہ کو اعتراف جرم پر مجبور کیا تھا۔ یہ مشاہدات ذہن میں تازہ ہوئے تو اس نے آپ کی تجویز مان لی اور قبیلے کو ایک جگہ جمع کرنے کے لیے اسی وقت ڈونڈی پٹوا دی۔ قبیلہ' احکام کے مطابق سردار کے گھر کے سامنے جمع ہو گیا اور آپ کے ارشاد کے مطابق تمام مجرمین نے اعتراف جرم کر لیا۔ عوام بے حد مشتعل تھے۔ جب سردار نے اعلان کیا کہ ان مجرموں کو قبیلے والے خود سزا دیں تو قبیلے والوں نے کاہنہ' شولیو اس کی محبوبہ اور اس کے ساتھیوں کی ذرا سی دیر میں تکا بوٹی کر دی۔

ظالموں کو عوام نے جب کیفر کردار تک پہنچا دیا تو آپ سردار شامل کے ساتھ اس کے گھر پہنچے۔ اب سردار شامل کا رویہ بالکل بدل گیا تھا۔ اس نے آپ سے پوچھا "اب تو بتا دیجئے کہ آپ کون ہیں اور کیوں قریہ قریہ سفر کر رہے ہیں؟"

آپ نے اپنے متعلق اسے تفصیلات بیان کیں۔

وہ بے قرار ہو کر بولا "مجھے بھی اس دین میں داخل کر لیجئے جس دین کو اکناف واطراف کے قبائل قبول کر کے متحد ہو چکے ہیں' اپنی دنیا اور عاقبت سنوار چکے ہیں۔"

آپ نے سردار شامل کو حلقہ بگوش اسلام کر کے اس کی دینی تربیت شروع کر دی۔ آپ نے شاملی میں سات ماہ قیام کیا۔ آپ کی مساعی جمیلہ سے پورا قبیلہ داخل اسلام ہو گیا۔ آپ نے روحانی پیغام کے ذریعے اپنے بھائی عثمان بن عون سے کہہ دیا تھا کہ ایک عالم کو شامل بھیج دیا جائے۔ عالم جس کا نام سالم تھا جب آپ کے پاس پہنچا تو اسے شاملی قبیلے کی تعلیم وتربیت پر مامور کر کے آپ نے سردار شامل سے کہا "اب مجھے اجازت دو' مجھے ابھی بہت سے قبائل میں اسلام کی تبلیغ کے لیے جانا ہے۔"

شامل جدائی کے تصور سے بے قرار ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر اس میں یہ ہمت نہ تھی کہ آپ سے رک جانے کی درخواست کرتا۔ وہ جانتا تھا کہ روشنی کی تاریکیوں میں زیادہ ضرورت تھی۔ آپ نے نو تعمیر مسجد میں نماز فجر کے بعد شاملی قبیلے کو اپنی قیمتی نصیحتوں سے سرفراز فرما کر سب کو خدا حافظ کہا پھر شاملی سے چل کر ایڈرار پہنچے اور مسلمانوں کی تعلیم وتربیت میں مصروف ہو گئے۔

ایڈرار ہی میں آپ نے شادی کی اور ایڈرار ہی کو مرکز تبلیغ بنا کر وہاں سے دور دور جا کر تبلیغی فتوحات حاصل کرنے لگے۔ ایڈرار کے باشندوں کی تربیت میں آپ نے دس سال

صرف کئے تھے جس کے نتیجے میں کئی مسجدیں اور مدارس بھی عالم وجود میں آئے۔ آپ کے یہاں صرف ایک لڑکا احمد اور ایک بیٹی نائلہ پیدا ہوئی۔ مسلمان آپ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے کیونکہ آپ نے اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مسلمانوں کی بڑی خدمت کی تھی۔ آپ کی عمر اٹھاون سال ہوگئی تو آپ نائلہ اور احمد کے سات منتا پہنچے اور اپنے بھتیجے سلمان بن عثمان سے اپنی بیٹی کی شادی کردی۔ احمد کی شادی زینب عثمان سے ہوئی۔ اس فریضے سے فارغ ہو کر آپ بھائی سے رخصت ہوگئے اور حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوگئے اور مکہ مکرمہ میں ہی ساٹھ سال کی عمر پا کر ۶۵۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

الجزائر میں اسلام کی تبلیغ کا عظیم الشان کارنامہ عون بن حمزہؒ اور ان کے نامور فرزند علی بن عون اور عثمان بن عون نے انجام دیا۔ الجزائر آج بھی ایک بڑی اسلامی سلطنت ہے۔ یہ سلطنت شمال میں بحر روم تک شمال مغرب میں مراکش تک، مغرب میں صحرائے باختری تک، جنوب میں مالی اور نائجر تک اور مشرق میں لیبیا تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی مجموعی آبادی اب ایک کروڑ اٹھاون لاکھ ہے جس میں ستانوے فیصدی مسلمان ہیں۔ الجزائر کی مروج زبانیں فرانسیسی، بربری اور عربی ہیں۔

علی بن عونؒ، عثمان بن عونؒ اور ان کے والد محترم عون بن حمزہؒ نے ایمان و آگہی کے جو چراغ جلائے، انہیں وقت کی تیز آندھیاں بھی نہ بجھا سکیں۔

○☆○

پہلی کرن

تاریخ کی روشن حقیقتیں، روشن باب ایک بزرگ کی سوانح مبارک

طوفان گردباد کی رفتار قیامت خیز تھی۔ ریت کے بلند و پست ٹیلے جان داروں کی طرح ادھر سے ادھر متحرک تھے۔ بصارتیں دھندلا گئی تھیں۔ ہر شے ہوا کے رحم و کرم پر تھی۔ اس بے وزنی کی فضا میں تین اونٹ سر سے سر جوڑے ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سوار کاٹھیوں سے چمٹے ہوئے تھے اور گرد و غبار سے ان کا دم گھٹ رہا تھا۔ ان کے اطراف میں ریت کی سطح لمحہ بہ لمحہ بلند ہو رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ لوگ جلد ہی ریت کے ٹیلے میں دفن ہو جائیں گے مگر اس سے پہلے کہ موسم کے بے رحم ہاتھ ان کی تدفین مکمل کرتے، طوفان کے عقب میں آنے والی سیاہ بدلی برس پڑی اور اتنی کھل کر برسی کہ صحرائے عرب کے بے اماں ذروں کے قدم جم گئے۔ مسافروں کے نظام تنفس پر گرد و غبار کا جو دباؤ تھا، ختم ہوگیا۔ دو مسافروں نے کمر سیدھی کر کے گہرے گہرے سانس لیے مگر تیسرے مسافر نے کوئی حرکت نہیں کی۔

اویس بن عدیلؓ نے اپنے ساتھی سعید بن وقاصؓ کو متوجہ کیا کہ ذرا دیکھے کہ قیس بن حنظلؓ کو کیا ہوا۔ سعید بن وقاص نے اپنی آنکھیں صاف کر کے جن میں گرد پہنچ گئی تھی، قیسؓ کو دیکھا۔ وہ پہلی ہی نظر میں صورت حال کو سمجھ کر اپنی جگہ سے اٹھے پھر قیسؓ کو کاٹھی سے اتار کر زمین پر لٹایا اور جلدی جلدی ان کے سینے پر اپنے ہاتھوں کا دباؤ ڈال کر دونوں ہاتھ اٹھانے لگے۔ اویسؓ بھی ان کی مدد کو آگئے۔ تھوڑی دیر کی کوشش میں رکا ہوا سانس چلنے لگا اور قیسؓ نے آنکھیں کھول دیں۔

قیسؓ کی طرف سے دل کو اطمینان ہوا تو سعیدؓ بن وقاص نے کہا ”طوفان کی شدت نے کئی بار ہمارا رخ بدلا تھا، اب ہمیں اپنے سفر کی سمت بھی معلوم نہیں ہے۔ اب ہمیں اونٹ سے خیمہ اتار کر نصب کرلینا چاہیے کیونکہ جب تک ستارے آسمان پر نظر نہ آئیں، یہاں قیام کرنا ہی ہوگا۔“

تجویز معقول تھی۔ ساتھیوں نے تائید میں فوراً ہی خیمہ نصب کیا اور اونٹوں سے اپنا

سامان اتار کر خیمے میں منتقل کر دیا پھر تھیلوں سے خشک لباس نکال کر پہنے اور گیلے کپڑے نچوڑ کر خیمے کی رسیوں سے باندھ دیے۔ اس کے بعد وہ تینوں اپنی کاٹھی پر بیٹھ گئے۔ بارش اب بھی ہو رہی تھی اور ہوا بھی بہت سرد تھی مگر خیمے میں آکر انہیں بڑا سکون ملا تھا۔ تینوں اپنی اپنی سوچ میں گم تھے۔

قیسؓ نے جب دیکھا کہ خیمے کی فضا سکوت سے بوجھل ہے تو بعض تشنہ جواب سوالات دوستوں کے سامنے پیش کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے بولے "میں اسی دن سفر تجارت سے لوٹا تھا جس دن حضور اکرمؐ نے غزوہ بنی مصطلق کے لیے مجھے طلب فرمایا تھا۔ میں جہاد میں شریک ہونے کے باوجود یہ بات ابھی تک نہیں جان سکا کہ ہم نے بنی مصطلق پر کیوں حملہ کیا تھا۔"

اویسؓ نے اس استفسار کے جواب میں کہا "تم یہ جانتے ہو کہ قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنی مصطلق، مریسیع میں اجتماعی طور پر ایک مدت سے آباد تھی۔ مدینے سے قریب ہونے کے سبب بنی مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار بظاہر تو مسلمانوں سے خوش گوار تعلق رکھتا تھا مگر اندرونی طور پر اس کی ساری ہمدردیاں کفار مکہ کے ساتھ تھیں۔ کفار مکہ کی مدد سے وہ مدینے پر شب خون مارنے کی تیاریوں میں مصروف تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ رسول کو بنی مصطلق کی سازش سے قبل از وقت آگاہ کر دیا اور آپ بہ مجبوری مریسیع پر حملہ آور ہو گئے۔"

جواب مکمل ہوا تو قیسؓ نے مزید سوال کیا "ضرار بن حارث شجاع بھی ہے اور باشعور بھی، جنگ شروع ہونے کے بعد اس نے ایسی حالت میں راہ فرار کیوں اختیار کی جب کہ کسی کا بھی پلا بھاری نہ تھا؟"

"تم نے خود اسے ذہین تسلیم کیا ہے۔ یہ اس کی ذہانت ہی تھی کہ اس نے آغاز ہی میں انجام کا اندازہ لگا لیا تھا۔ مسلمانوں کا جذبہ جہاد ایسی چیز نہیں ہے جسے میدان جنگ میں آسانی سے محسوس نہ کر لیا جائے۔"

اویسؓ کے خیال کی تائید کرتے ہوئے قیسؓ نے پھر پوچھا "حارث بن ضرار جب اپنی قوم کو مصیبت میں چھوڑ کر فرار ہوا تو سعید بن وقاصؓ نے اس کا تعاقب کیوں ضروری سمجھا؟ حالانکہ اس وقت میدان جنگ میں ان کی زیادہ ضرورت تھی۔"

سعید بن وقاصؓ نے سوال کا رخ اپنی طرف دیکھا تو کہا "جو سوال تمہارے ذہن میں ابھرا ہے، میں خود سے بھی یہی سوال کئی بار کر چکا ہوں اور اپنی اس کیفیت کا تجزیہ کر کے صرف یہی نتیجہ اخذ کر سکا ہوں کہ بس اللہ تعالیٰ نے مجھے حارث کے تعاقب پر راغب کیا تھا۔ اگر میرا یہ تجزیہ اپنے متعلق درست نہیں ہے تو پھر تم دونوں مجھے بتاؤ کہ میرے صرف

ایک اشارے پر تم میرے ساتھ کیوں ہو لیے حالانکہ میدان جنگ میں تمہاری بھی اتنی ہی ضرورت تھی جتنی میری۔ مجھے یقین ہے کہ اب تم نے میری بات سمجھ لی ہوگی کیونکہ میری ہمراہی کے لیے تمہیں بھی اللہ تعالیٰ نے ہی آمادہ کیا تھا۔ اگر ہم اس تعاقب کے نتائج پر غور کریں تو میرے موقف کی مزید تائید ہوتی ہے۔ ہم نے کئی فرسخ کے تعاقب کے بعد حارث کو پکڑا تو اس نے اپنی مدافعت میں تلوار کا استعمال نہیں کیا۔ صرف اسلام کے متعلق سوالات کیے اور میں جواب دیتا رہا، یہاں تک کہ اسلام کی حقانیت اس پر آشکار ہو گئی اور وہ بہ خوشی مسلمان ہو گیا۔ جب ہم اسے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کے پاس لے گئے جہاں بنی مصطلق کا قبیلہ عبرت ناک شکست کے بعد سر جھکائے کھڑا تھا تو آپؐ نے حارث کے ایمان کی توثیق فرما کر اسے آزاد کر دیا اور ہماری تبلیغ کو سراہتے ہوئے ہمیں ملک چین میں اسلام کی تبلیغ کے لیے منتخب کر لیا۔ اگر ہم حارث کا تعاقب نہ کرتے تو آج اتنے بڑے مقصد کے لیے چین کی طرف نہ جا رہے ہوتے۔"

قیسؓ اور اویسؓ نے بیک زبان کہا "بے شک اللہ تعالیٰ ہی نے ہمارے لیے سعادت دارین کے لیے دروازے کھولے ہیں۔ پانچ شوال، پانچ ہجری میں وقوع پذیر ہونے والا غزوہ بنی مصطلق ہمارے لیے بہت انقلاب آفریں ثابت ہوا ہے۔ ہم اس دن کو کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔"

بارش تھم گئی تو وہ تینوں خیمے سے باہر نکلے اور دیکھا کہ مشرقی افق پر بادل اپنی چادر لپیٹ رہے تھے۔ جب وہ نماز عشا سے فارغ ہوئے تو آسمان کھل چکا تھا۔ دھلی ہوئی فضا میں ستارے کچھ زیادہ ہی تابناک نظر آ رہے تھے۔

عشا کے بعد ستاروں کی راہ نمائی میں قافلہ اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔ صبح صادق طلوع ہوئی تو غمرہ کی بستی ان کے سامنے تھی۔ بستی میں داخل ہونے سے پہلے نماز فجر ادا کی، بستی میں پہنچے تو لوگوں نے گھروں سے نکل کر تینوں کو گھیر لیا اور انہیں شیخ غمرہ واسط کے پاس لے گئے۔

واسط نے مہمانوں کی آمد کا حال سن کر اپنے غلاموں کو حکم دیا "مہمانوں کو مہمان خانے میں لے جاؤ، میں وہیں ان سے ملاقات کروں گا۔"

مہمان خانہ کافی کشادہ تھا۔ غلاموں نے ایک بڑے کمرے میں مہمانوں کو ٹھہرایا اور ان کا سامان بھی اونٹوں سے اتار لائے۔ رات بھر کے سفر نے بے حد تھکا دیا تھا۔ آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی بھی خواہش تھی کہ آرام کریں مگر شیخ غمرہ سے ملاقات ضروری تھی۔ ملاقات سے قبل سو جانے کو وہ بداخلاقی تصور کر رہے تھے۔ شیخ غمرہ بھی جانتا تھا کہ مہمانوں پر انتظار گراں ہوگا اس لیے وہ جلد ہی مہمان خانے پہنچ گیا۔

شیخ غمرہ واسط کی عمر پچاس سال سے زیادہ نہ تھی۔ وہ جتنا صحت مند تھا' اتنا ہی خوش اخلاق۔ اس نے مہمانوں سے مسکراتے ہوئے کہا "اگر آپ مناسب سمجھیں تو اپنے مقصد سفر پر روشنی ڈالیں حالانکہ مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے مہمانوں سے ذاتی نوعیت کے سوالات کروں۔"

سعید بن وقاصؓ نے بلا تکلف مختصر الفاظ میں اپنا مقصد سفر بیان کیا۔

واسط نے کہا "میں اب آپ کو اس وقت تک یہاں سے نہ جانے دوں گا جب تک اسلام کے متعلق اپنی معلومات مکمل نہ کرلوں۔ اسلام کے متعلق اس وقت پورے عرب میں گفتگو جاری ہے مگر افواہوں کو بنیاد بنا کر کوئی فیصلہ کرنا دانش مندی تو نہیں ہے اور اسی لیے میں نے اب تک اگر اسلام قبول نہیں کیا ہے تو رد بھی نہیں کیا۔ مجھے امید ہے کہ آپ مایوس نہیں کریں گے۔"

سعید بن وقاصؓ شیخ غمرہ کے ذوق تجسس سے بہت متاثر ہوئے۔ آپ نے وعدہ کرلیا کہ اسلام کے متعلق اس کے ہر ممکن سوال کا جواب ضرور دیں گے۔ آپ کے اس فیصلے میں قیسؓ کو یہ امکان بری طرح کھٹکا کہ غمرہ میں ایک رات اور ایک دن کا غیر ضروری قیام کرنا ہوگا مگر وہ خاموش ہی رہے۔

شیخ غمرہ کی واپسی کے بعد انہوں نے جب اپنے خیال کا اظہار کیا تو سعید بن وقاصؓ نے کہا "مجھے خوشی ہے کہ تم نے مقصد سفر پر نظر رکھتے ہوئے یہاں کے ایک روزہ قیام پر میرا احتساب کیا مگر تم نے ایک بات پر غور نہیں کیا' وہ یہ کہ ہمارا سفر تبلیغی ہے جس کی آخری منزل چین ہے۔ سفر اور چین کی منزل میں بنیادی چیز تبلیغ ہے۔ تبلیغی ضرورت ہمیں ہر جگہ روک سکتی ہے اور ہم اسلام کی تبلیغ سے صرف نظر نہیں کرسکتے۔ شیخ غمرہ نے اگر اسلام کی رعنائیوں کو محسوس کرکے اسلام قبول کرلیا تو یہ نیکی ہمارے نامہ اعمال کے لیے سرمایہ نجات بن سکتی ہے۔ اگر کوئی اسلام میں اپنی دلچسپی کا اظہار کرے تو ہمیں کوشش کرنا چاہیے کہ وہ جلد از جلد کفر کے اندھیروں سے نکل آئے۔ کسی انسان کا کفر کے اندھیروں میں ایک لمحے کے لیے بھی سانس لینا' ناقابل تلافی خسارہ ہے۔ ہمیں کسی ایسے عظیم خسارے کی ذمے داری قبول نہیں کرنا چاہیے۔"

"بے شک میں نے اس مسئلے کا سطحی جائزہ لیا ہے۔" قیسؓ نے کھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

شیخ غمرہ کھانا لے کر آئے تھے۔ آپ رفقا کے ساتھ کھانا تناول کرکے آرام کے لیے لیٹ گئے۔ ساتھیوں نے بھی آپ کی تقلید کی۔

عصر کی نماز کے بعد آپ شیخ کے غلاموں کے ساتھ اس کی اقامت گاہ پر پہنچے تو وہ بڑی

تواضع سے پیش آیا اور مہمانوں کو لے جاکر نشست گاہ میں بٹھایا اور خود بھی ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بلا تمہید کہا "بت پرستی دراصل مظاہر پرستی ہے۔ ہم بتوں کے سامنے سجدہ کرکے بھی اسی کو سجدہ کرتے ہیں جو کائنات کا خالق ہے اور سب سے بڑی اور باشعور قوت ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارا دین ہمارے اس طریق عبادت کو شرک کہتا ہے اور ایک نظام توحید پیش کرتا ہے۔ جس میں براہ راست اسی کو سجدہ کرنا روا ہے جو نظر نہیں آتا' جسے ہم محسوس نہیں کرسکتے۔ بندگی اگر محسوسات کے دائرے سے خارج ہوجائے تو انسان کیسے اپنے ذوق بندگی کی تسکین کرسکتا ہے؟"

"آپ کے سوالات میں کچھ تضادات ہیں' جب تک انہیں دور نہ کرلیا جائے' میرا جواب دینا مشکل ہوگا۔ میں پہلے آپ کو ان تضادات کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ نے کہا بت پرستی مظاہر پرستی ہے۔ کائنات کی ہر شے اپنے خالق کا مظہر ہے مگر اس کے باوجود ان گنت مظاہر کو نظرانداز کرکے بت پرستوں نے اپنے ہاتھوں سے کچھ بت بنائے اور ان میں خالق کائنات کی بعض صفات کو تسلیم کرلیا۔ تسلیم کا یہ عمل مفروضہ ہے۔ جن صفات خالق کو آپ بتوں میں مانتے ہیں' وہ آپ کو نظر نہیں آتیں پھر آپ کے ذوق بندگی کی تسکین کیسے ہوجاتی ہے؟ بت بلاشبہ ایک پیکر محسوس ہوتا ہے مگر جن صفات کا آپ اسے مظہر مانتے ہیں' وہ تو قطعاً غیر مشہود ہوتی ہیں چنانچہ آپ کا یہ اعتراض درست نہیں کہ بندگی اپنی تسکین کے لیے پیکر محسوس کی محتاج ہے۔ آپ نے یہ بات بھی تسلیم کی ہے کہ سب سے بڑی قوت یعنی اللہ تعالیٰ ایک باشعور قوت ہے۔ اس تسلیم شدہ حقیقت کی روشنی میں اگر ہم بندگی کے بارے میں غور کریں تو بندگی کے دو پہلو نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں۔ ایک پہلو کا ادراک آپ کو بھی ہے' وہ یہ کہ انسان اپنے ذوق بندگی کی تسکین کے لیے سجدہ کرتا ہے مگر آپ نے یہ پہلو بالکل نظرانداز کردیا کہ ہمارے سجدے حقیقی کے لیے ہوتے ہیں اور مسجود و معبود کو یہ اختیار ہے کہ چاہے وہ ہمارے سجدے قبول کرے یا نہ کرے۔ ایسی صورت میں ذوق بندگی کی تسکین صرف اسی صورت م ہوسکتی ہے کہ سجدہ گزار کے محسوسات قبولیت سجدہ کی گواہی دیں۔ اللہ کو اس کی جمیع صفات کے ساتھ ہی پوجنا بندگی ہے۔ ان گنت مظاہر میں سے کسی مظہر میں بھی اللہ تعالیٰ کی تمام صفات جمع نہیں ہیں' نہ ہوسکتی ہیں اس لیے اسے پوجنا ہے تو اسی کو براہ راست پوجو' وہی تو ہے' جو ہر جگہ اپنی تمام صفات کے ساتھ موجود ہے۔ اللہ واحد ہے' نہ اس کی صفات میں کوئی شریک ہے نہ اس کی ذات میں۔ آئینے میں ہمارا عکس ہم جیسا نظر آتا ہے مگر وہ ہماری صفت کے علاوہ تمام صفات سے عاری ہوتا ہے۔ یہ مثال بھی میں نے بلا تمثیل دی ہے کیونکہ اس کی کوئی مثال نہیں ہے۔ مظاہر فطرت کو پوجا جائے یا بتوں کو' یہ گمراہی ہے' شرک ہے اور ذوق

بندگی کے ساتھ ناانصافی ہے۔"

شیخ غمرہ آپ کی بات پوری توجہ سے سنتا رہا تھا۔ آپ اپنی بات مکمل کرکے خاموش ہوگئے مگر وہ اپنی سوچ میں ڈوبا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنی سوچ کی گہرائیوں سے ابھرا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز گلوگیر۔ اس نے رقت آمیز لہجے میں کہا "عرب جتنا بھی فخر کریں کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو آگہی کی روشنی فراہم کرنے کے لیے ایک عرب کا ہی انتخاب کیا ہے۔ میں حیران ہوں کہ جس کے ماننے والوں کے پاس عرفان کی روشنی ہے' وہ خود کیا ہوگا۔ میں آج اور ابھی مدینے کی طرف روانہ ہو رہا ہوں۔ میں خود اس کے حضور میں پہنچ کر اس کے برحق ہونے کی گواہی دوں گا اور توحید کے نام پر جو شرک کا فریب کھاتا رہا ہوں' اس کا ازالہ کروں گا۔"

شیخ غمرہ کی شخصیت میں یہ انقلاب دیکھ کر آپ نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اسلام فہمی پر شیخ کو مبارکباد دینے کے بعد نماز مغرب کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نماز مغرب کی امامت کرتے ہوئے آپ نے پہلی رکعت میں سورہ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص تلاوت کی۔ شیخ غمرہ نے پہلی مرتبہ مسلمانوں کے انداز عبادت کا وقار دیکھا تھا' اللہ کا کلام سنا تھا۔ اس منظر ایمان افروز سے زیارت رسولؐ کا شوق اور تیز ہوگیا۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے تو شیخ غمرہ کو بھی سر بہ سجود پایا۔

شیخ غمرہ سجدے سے فارغ ہوا تو اس نے کہا "ابھی مجھے سجدے کے آداب بھی نہیں معلوم مگر میرا یہ ناتمام سجدہ بھی آج تک کے تمام سجدوں پر بھاری ہے۔ میں اب آپ کو نہیں روکوں گا۔ آیئے' پہلے کھانا کھالیں اور پھر اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوجائیں۔"

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بہ عجلت تمام سفر کی تیاری ہوئی۔ شیخ نے پہلے مہمانوں کو بڑی محبت سے رخصت کیا پھر خود بھی اپنے قبیلے کے چند ممتاز افراد کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

آپ غمرہ سے عمیق کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں اویسؓ نے آپ سے پوچھا "کیا واسط واقعی اسلام کے لیے مخلص ہے؟ کیا وہ مدینے پہنچ کر اسلام قبول کرلے گا۔"

"بے شک' اسلام اس کا مقدر ہوچکا ہے۔ ہدایت کے ساتھ ہادی کی محبت بھی جب دل کا تقاضا بن جاتی ہے تو گمراہی کے تمام تر امکانات خود بہ خود ختم ہوجاتے ہیں۔ بارگاہ رسالتؐ میں باریابی کے بعد اسے فکر و نظر کی طہارت دائمی مل جائے گی۔"

قیسؓ جو اللہ کے ذکر میں مصروف تھے' آپ کا جواب سن کر بولے "شیخ غمرہ جس کیفیت میں مدینۃ النبی کی طرف گئے ہیں' اس کے پیش نظر تو ان کے ارادوں کا استحکام ہی ثابت ہوتا ہے۔ آخر بھائی اویسؓ نے اپنے شک کی بنیاد کس خیال پر رکھی ہے؟"

سوال کا رخ اویسؓ کی طرف ہوا تو وہ بولے "میری نظر سے اب تک دو قسم کے کافر گزرے ہیں' ایک وہ جنھوں نے آنکھیں بند کرکے کفر قبول کر رکھا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا کفران کے نزدیک مدلل ہے۔ شیخ غمرہ کا تعلق دوسرے گروہ سے ہے۔ مدلل کفر' بے دلیل کفر کے مقابلے میں زیادہ سخت ہوتا ہے۔"

آپ نے اس مرحلے پر فرمایا "جو شخص اپنے موقف کے لیے استدلال پیش کرتا ہے' اس کے پاس استدلال کی قوت ضرور ہوتی ہے۔ اگر اس کے استدلال کی رد میں کوئی معقول اور خوب صورت استدلال پیش کیا جائے تو وہ اسے ضرور قبول کرلیتا ہے۔ جو لوگ بے دلیل کفر پر جمے ہوتے ہیں' ان کی اصلاح ذرا مشکل ہوتی ہے۔ تمہارے سامنے قریب کی دو مثالیں ہیں اور تم نے دیکھا ہے کہ حارث بن ضرار اور واسط کس آسانی کے ساتھ کفر کے اندھیروں سے نکل آئے۔ جو کچھ میں نے کہا ہے' یہ بھی ایک ضمنی بات ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دیتا ہے' وہی ہدایت پاتا ہے۔"

آپ کی بات کی دونوں ساتھیوں نے تائید کی اور اللہ کے ذکر میں مصروف ہوگئے کیونکہ اللہ کے ذکر سے بہتر کوئی مشغلہ بھی تو نہیں ہوتا۔ سفر بہ خیروخوبی جاری رہا۔ نماز فجر عمیق میں ادا کی اور وہیں دن میں قیام کیا' پھر رات کو عمیق سے افیعیہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ روز کا یہی معمول تھا' رات کو سفر اور دن کو آرام۔ منزل بہ منزل سفر کرتے ہوئے وہ دسویں دن توز پہنچے۔ توز میں بدوی قبیلے کے کچھ افراد نے ان پر حملہ کرکے اونٹ چھین لیے اور سارا سامان لوٹ لیا۔ آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کے ساتھیوں نے کوئی مدافعت نہیں کی تھی اس لیے بدویوں نے انہیں کوئی گزند نہ پہنچائی۔

بے سروسامان ہوکر قیسؓ اور اویسؓ بہت ملول تھے۔ آپ نے ان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا "ہمیں پریشان نہ ہونا چاہیے' ہم اللہ کے رسولؐ کے نمائندے ہیں' مصائب ہمارے راستے کی دیوار نہیں بن سکتے۔ ہم پیدل سفر کریں گے جب تک ہماری توانائیاں ہمیں سفر کی اجازت دیں گی۔ یہ بات بھی ذہن سے نکال دو کہ ہمارے پاس غذا نہیں ہے' پانی کے مشکیزے نہیں ہیں کیونکہ رازق تو اللہ ہے' جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ اگر تمہارا ذہن اپنی بے سروسامانی کے خیال سے نہیں ہٹتا تو یہ سوچو کہ اللہ کے مکرم رسولؐ نے کیسے کیسے حالات سے گزر کر اسلام کی تبلیغ کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اسوہ رسولؐ پر غوروخوض کے نتیجے میں تمہارے حوصلے تم سے تعاون کریں گے۔"

آپ کی اس نصیحت سے آپ کے ساتھیوں کو بڑا حوصلہ ملا۔ آپ کھجور کے ایک جھنڈ کے سائے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ جاکر بیٹھ گئے۔ جہاں سے توز کی آبادی نظر آرہی تھی۔ موسم شدید ہوا تو پیاس نے مسافروں کو ستایا۔ گرم ہواؤں نے بھی ان کے ساتھ کوئی

رعایت نہیں کی تھی۔

ساتھیوں کی حالت خراب ہونے لگی تو آپ نے کہا "اٹھو، ہم بستی کی طرف چلتے ہیں۔" آپ کے ارشاد کی تعمیل میں دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب وہ جھلستے ہوئے موسم میں تپتی ہوئی ریت پر چلتے ہوئے بستی میں پہنچے تو بستی والے اپنے گھروں کے دروازے بند کیے آرام کر رہے تھے۔

بستی کا ایک چکر لگا کر آپ نے ایک گھر کا انتخاب کیا اور دستک دی۔ دروازہ کھلا اور ایک معمر آدمی نے پوچھا "تم کون ہو؟"

"مہمان، مسافر۔"

ان دو لفظوں نے معمر آدمی کے مرجھائے ہوئے چہرے پر خوشی کے کئی رنگ بکھیر دیے۔ اس نے دروازے کے سامنے سے ہٹتے ہوئے کہا "خوش آمدید معزز مہمانوں۔"

پہلے آپ اور پھر آپ کے ساتھی گھر میں داخل ہوئے۔ گھر کھجور کی چٹائیوں اور گارے سے پتھر چن کر بنایا گیا تھا۔ معمر آدمی نے ایک چٹائی پر مہمانوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود دوسرے کمرے میں پانی لینے چلا گیا کیونکہ اس کی تیز نظریں مہمانوں کے خشک ہونٹوں کو دیکھ کر ان کی پیاس کی شدت کا اندازہ کر چکی تھیں۔ پانی پیش کرنے کے بعد اس نے مہمانوں کے سامنے کھجوریں اور بھیڑوں کا دودھ لا کر رکھ دیا اور خود بھی ان کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے اصرار کر کے مہمانوں کو کھانا کھلایا اور خود بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک رہا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اس نے پوچھا "یہاں تک کیسے پہنچے؟ ریگستان میں پیدل سفر تمہارے لیے کیسے ممکن ہوا؟"

"ہم مدینے سے آ رہے ہیں اور یہاں تک کا سفر ہم نے اپنے اونٹوں پر ہی کیا ہے مگر جب آپ کی بستی کے قریب پہنچے تو کچھ لوگوں نے ہمارا سب سامان لوٹ لیا اور ہمارے اونٹ بھی ہم سے چھین لیے۔"

"کیا تم بتا سکو گے کہ تمہیں اس بستی سے کتنے فاصلے پر لوٹا گیا تھا؟"

"جہاں ہمیں لوٹا گیا تھا وہ جگہ یہاں سے ربع فرسخ سے زیادہ دور نہ ہوگی۔"

آپ کا یہ جواب سن کر معمر شخص کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور اس نے گرج دار آواز میں کہا "تم لوگ مطمئن رہو، تمہاری کوئی چیز ضائع نہیں ہوگی۔ میں ان شریروں کو بھی سزا دوں گا جنھوں نے میرے چہرے پر کالک لگادی ہے اور اس بستی کی روایات کو پامال کیا ہے۔ تم لوگ یہاں آرام کرو، میں تھوڑی دیر کے بعد آجاؤں گا۔ اس گھر میں میرے علاوہ صرف میری بیوی رہتی ہے۔ اگر کسی شے کی تمہیں ضرورت ہو تو بلا تکلف طلب کر لینا۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں اس لیے میری واپسی جلدی نہ ہو سکے گی۔"

بوڑھا تیز قدمی کے ساتھ دروازے سے نکل گیا تو قیسؓ نے کہا "ہمارے میزبان کی گفتگو سے ایسا اندازہ ہوتا ہے جیسے وہ نہ صرف یہ کہ لٹیروں سے واقف ہے بلکہ وہ اس کی دسترس سے باہر بھی نہیں ہیں۔"

اویسؓ نے قیسؓ کی تائید کرتے ہوئے کہا "بھائی سعیدؓ نے پوری بستی کا چکر لگا کر یقیناً یہاں کے کسی اہم آدمی کے گھر کو ہی قیام کے لیے منتخب کیا ہوگا۔"

"قیاس کی راہوں پر سفر نہ کرو، جو بات تمہیں یقینی طور پر معلوم ہونے والی ہے، اس کے لیے دماغ سوزی اچھی عادت نہیں ہوتی۔ ظہر کا وقت ہونے والا ہے، پہلے نماز ادا کرو اور اس کے بعد آرام۔ کیا ظہور میں آنے والا ہے، اسے اللہ پر چھوڑ دو۔"

نماز ادا کر کے آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ لیٹے تو جلد ہی نیند آگئی اور پھر ایسے وقت آنکھ کھلی کہ اگر ذرا بھی تاخیر ہو جاتی تو عصر کا قضا ہونا لازمی تھا۔ آپ عصر سے فارغ ہوئے تو گھر سے باہر بہت سے آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز آئی۔

قیسؓ نے دروازہ کھول کر دیکھا تو کہا "ہمارے تینوں اونٹ باہر کھڑے ہیں اور ہمارا سامان بھی موجود ہے۔"

یہ خوش خبری سن کر آپ بھی باہر آگئے۔ آپ نے میزبان کو دیکھا وہ کہہ رہا تھا "تو زکی پوری آبادی کو چند لمحوں میں، میں یہاں دیکھنا چاہتا ہوں۔" کچھ نوجوان بستی کے لوگوں کو بلانے چلے گئے تو کچھ لوگوں سے میزبان نے کہا "جاؤ قیدیوں کو لے آؤ۔ میں بستی والوں کے سامنے سرپھرے لڑکوں کا فیصلہ سناؤں گا۔"

تھوڑی دیر ہی میں بستی کے لوگ جمع ہو گئے اور قیدی بھی پہنچ گئے۔ آپ کے میزبان نے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اشارے کے ساتھ ہی لوگ خاموش ہو گئے مگر مجمع میں سے ایک شخص نے بلند آواز میں کہا "سردار ضحاک، تم نے میرے بیٹوں اور ان کے ساتھیوں کو لوٹے ہوئے مال کے ساتھ یہاں اٹھوالیا ہے اور ان کی مشکیں بھی کسوا کر انہیں ذلیل کیا ہے۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ لوٹ مار کو کب اور کس نے جرم قرار دیا ہے جب کہ راہ زنی ہمارا پیشہ ہے۔"

سردار ضحاک نے اعتراض سن کر پہلے تو غضب ناک نظروں سے معترض کو دیکھا اور پھر کرخت لہجے میں کہا "منبہ اپنے لہجے کو شائستگی کی حد سے باہر نہ نکال۔ تجھے یہ حق تو پہنچتا ہے کہ جو بات تیری سمجھ میں نہیں آئی ہے، مجھ سے پوچھ لے لیکن میں یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ ہمارے قبیلے کی روایات سے کوئی بغاوت کرے۔ تو نے جس لہجے میں مجھ سے گفتگو کی ہے، یہ خلاف ادب ہے۔ میں اس گستاخی کی تجھے سزا بھی دے سکتا ہوں۔"

"میں معذرت خواہ ہوں سردار۔" منبہ نے لرزتے ہوئے کہا۔

سردار اضحاک نے منبہ کو نظرانداز کرکے مجمع سے کہا "ہم راہ زنی کرتے ہیں اور صدیوں سے یہی ہمارا پیشہ ہے مگر ہم نے راہ زنی کے بھی کچھ اصول بنا رکھے ہیں جن کی رو سے ہم ان مسافروں کو نہیں لوٹ سکتے' ان قافلوں پر حملہ نہیں کرسکتے جو ہماری بستی کی حدود میں داخل ہوچکے ہوں۔ بتاؤ کیا یہ ہمارا اصول نہیں ہے؟"

"بے شک' ہمارا یہی اصول ہے۔" مجمع نے ہم آواز ہوکر جواب دیا۔

سردار اضحاک نے اس تائید کے بعد اپنی آواز بلند تر کرکے کہا "میں اپنے قبیلے کے اصولوں کا پورا پورا احترام کرتا ہوں۔ آج دوپہر تین مسافروں نے مہمان کی حیثیت سے میرے دروازے پر دستک دی اور میں نے انہیں اپنا مہمان بنالیا۔ میں رہ زنوں کا سردار سہی مگر عرب بھی ہوں۔ تم نے یہ بات اپنے بزرگوں سے ضرور سنی ہوگی کہ جو مہمان نواز نہیں' وہ عرب نہیں۔ میں نے مسافروں کو اپنے گھر میں ٹھہرا کر جب ان سے معلوم کیا کہ انہیں کہاں لوٹا گیا تو ان کے جواب سے بہ آسانی اندازہ ہوگیا کہ وہ ہماری بستی سے بہت قریب لوٹے گئے تھے۔ میں لوٹنے والوں کا کھوج لگانے نکلا تو مجھے ایک نوجوان مل گیا جو اس لوٹ میں شریک تھا پھر دوسرے مجرموں تک پہنچنا میرے لیے مشکل نہیں رہا۔ بتاؤ' کیا ان سرپھروں کو معاف کیا جاسکتا ہے۔"

"نہیں' نہیں۔" قبیلے والوں نے بیک آواز اپنا فیصلہ سنادیا۔

سردار اضحاک نے لوگوں سے کہا "مجرموں کی مشکیں کھول دو۔ میں حکم دیتا ہوں کہ یہ اسی وقت اسی بستی کو چھوڑ دیں اور دو سال سے پہلے ادھر نہ آئیں اور ہاں منبہ بھی دو سال تک بستی سے باہر رہے گا۔"

سردار اضحاک کے حکم کی اسی وقت تعمیل ہوئی مگر بستی سے نکالے جانے والوں کے رشتے دار بے قرار ہوگئے۔ خواتین بین کرنے لگیں۔ پورا ماحول سوگوار ہوگیا۔ یہ عالم دیکھ کر آپ بھی ملول ہوگئے اور آپ کے ساتھی بھی لیکن اس معاملے میں مداخلت ضروری نہ سمجھی۔ مجرم روانہ ہوگئے تو آپ نے بھی سردار اضحاک سے سفر کی اجازت چاہی۔

سردار اضحاک نے تیکھی نظروں سے آپ کو دیکھتے ہوئے کہا "اگر تم اس وقت روانہ ہوئے تو سرکش نوجوان جو ابھی یہاں سے نکالے گئے ہیں' راستے میں تمہیں پھر لوٹ لیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جوش انتقام میں تمہیں وہ ہلاک بھی کردیں۔"

"آپ ہماری فکر نہ کریں' ہم یہاں مزید قیام نہیں کرسکیں گے۔ اللہ نے ہمیں یہاں بھی بچالیا ہے اور آئندہ بھی وہی حافظ وناصر ہوگا۔"

سعید بن وقاصؓ کا یہ جواب سن کر اضحاک نے کہا "تم جاسکتے ہو' لات وعزیٰ کی قسم' اب تمہیں تباہی سے کوئی نہیں بچاسکتا۔"

آپ نے اپنا سامان اونٹوں پر لدوایا پھر نماز عشا ادا کی اور میزبان سے رخصتی مصافحہ کرکے روانہ ہوگئے۔ ابھی کچھ دور پہنچے تھے کہ قیسؓ نے کہا "شاید ہمارا تعاقب ہورہا ہے۔"

"فکر نہ کرو' اللہ بڑا کارساز ہے۔" آپ نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ آٹھ فرسخ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد آپ نے ساتھیوں سے کہا "رک جاؤ' اب مخالف سمت سے بھی کچھ لوگ آرہے ہیں۔ اگر ہم پر حملہ ہوا تو ہمیں اپنا دفاع کرنا ہوگا۔"

آپ کا خیال بالکل درست ثابت ہوا۔ قبیلے سے نکالے جانے والے' منبہ کی سرکردگی میں حملہ آور ہوگئے۔ حملہ آوروں کی مجموعی تعداد بارہ تھی۔ نیزے چلنے لگے۔ آپ اور آپ کے دونوں ساتھی بڑے مشاق نیزہ باز تھے۔ وہ بڑی چابک دستی سے دفاع بھی کررہے تھے اور حملہ بھی۔ منبہ کا سینہ' اویسؓ کا نیزہ چھید چکا تھا۔ چار دشمن بھی اونٹوں سے گر کر تڑپ رہے تھے۔ باقی ماندہ سات دشمن اب بہت سنبھل سنبھل کر لڑ رہے تھے۔ انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ بے احتیاطی موت کا دوسرا نام ہے۔

ابھی لڑائی جاری تھی کہ سردار اضحاک کی آواز گونجی "لڑائی بند کرو ورنہ میرے مہمانوں پر حملہ کرنے کی سزا موت کے سوا کچھ نہ ہوگی۔"

سردار اضحاک کی للکار سن کر دشمن بھاگ کھڑے ہوئے اور انہیں جلد ہی اندھیرے نے نگل لیا۔

سردار اضحاک نے اونٹ سے اتر کر مرنے والوں کے چہرے دیکھے اور پھر آپ سے کہا "مجھے خوشی ہے کہ میں نے بہادر مہمانوں کی میزبانی کی تھی۔ میں جانتا تھا کہ تم پر ضرور حملہ ہوگا اس لیے دس آدمیوں کے ساتھ میں تمہارے ساتھ چل پڑا تھا۔ میں نے یہ کہہ تو دیا تھا کہ تمہیں کوئی نہیں بچاسکتا مگر تمہارے روانہ ہونے کے بعد مجھے اپنی ذمے داری کے احساس نے چین نہیں لینے دیا۔ اب تم اپنی راہ لو' اب وہ تمہارا راستہ روکنے کی جرات نہ کرسکیں گے۔ مرنے والوں کے اونٹ اور ان کا سامان اب اصولی طور پر تمہارا ہے' اس سامان کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

"ہمارے پاس جو سامان ہے' ہماری ضروریات کے لیے بہت کافی ہے۔ مقتولین کا سامان تم لے جاؤ اور مقتولین کے وارثوں کو پہنچادو۔"

آپ کی اس بے نیازی کو اس نے بڑی حیرت سے دیکھا اور کہا "میری نظروں سے آج تک تم جیسے لوگ نہیں گزرے۔ نہ تم پر خوف اثر انداز ہوتا ہے نہ دنیا کی محبت۔ میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پھر اپنی منزل کی طرف چل پڑے اور کسی خاص واقعے

سے دوچار ہوئے بغیر فید' خزیمہ' شقوق' عقبہ' واقصہ' قادسیہ اور انبار ہوتے ہوئے سرزمین
عراق میں پہنچے اور وہاں سے نیشاپور تک بڑھتے چلے گئے۔ نیشاپور سے جب ابیور کی طرف
سفر جاری تھا' آتش پرستوں کی ایک بستی میں آپ کا قیام ہوا۔ وہاں کے لوگوں نے مسافروں
کی نرالی سج دھج دیکھ کر ان میں بڑی دلچسپی لی اور پوچھا کہ ان لوگوں کا کیا عقیدہ ہے؟ آپ نے
بلا تکلف توحید پر ایمان افروز روشنی ڈالی۔ آپ کی تقریر کے نتیجے میں لوگ مشتعل ہو گئے
کیونکہ آپ نے بت پرستی کے ساتھ نار پرستی کی بھی مذمت کی تھی۔ ہر طرف سے ایک ہی
شور برپا تھا "ان گم راہوں کو زندہ جلا دو۔"

کچھ آتش پرستوں نے پتھر اٹھا لیے اور پھینکنا شروع کر دیے۔ غرور عقائد سے پیدا
ہونے والا اشتعال اس سے پہلے کہ کسی کی ہلاکت کا سبب بنتا' بستی کے ایک سردار نے
مداخلت کی۔ اس نے بلند آواز میں کہا "قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لو ورنہ میں تمہاری
شکایت حکام سے کروں گا۔ مقدس آگ کو پوجنے والو' مقدس آگ کی توہین میرے لیے
ناقابل برداشت ہے مگر تم نے جو سزا کا طریقہ اختیار کیا ہے' وہ غلط ہے۔ ان لوگوں پر عدالت
میں مقدمہ چلے گا اور عدالت میں جو کچھ فیصلہ ہوگا' وہ تم بھی جانتے ہو۔ اس وقت انہیں قید
کر کے میرے گھر پہنچا دو۔"

تینوں کو اسی وقت باندھ دیا گیا اور سردار مانی شا کے گھر پہنچا دیا گیا جہاں وہ ایک کوٹھری
میں بند کر دیے گئے۔ پتھراؤ سے وہ تینوں زخمی تھے۔ خون سے لباس تر ہو چکے تھے۔ آپ کو
نہ اپنے زخموں کی پروا تھی نہ قید ہو جانے کا غم مگر قیسؒ کی طرف سے بہت فکر مند تھے۔ ان
کے سر کا زخم بہت گہرا تھا۔ خون زیادہ نکل جانے کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو چکے تھے۔ اویسؒ
ہوش میں تھے مگر ضبط ان کے لیے بھی سخت مرحلہ بنا ہوا تھا۔ آپ نے انہی سے کہا "اویس
گھبرانا نہیں' اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت بہت بڑا اعزاز ہے جو قربانیوں کے بغیر حاصل
نہیں ہوا کرتا۔ توحید کے عقائد کا پرچار کرتے ہوئے یہ بات مجھے محسوس ہو گئی تھی کہ اگر
میں نے آتش پرستی کی مذمت کی تو کیا نتائج برآمد ہو سکتے ہیں مگر میں نے مصلحت کے آستاں
پر صداقت کو قربان نہیں ہونے دیا۔ قیسؒ پر اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔ ہمارے ہاتھ پیر
بندھے ہوئے ہیں' ہم ان کے کسی کام بھی نہیں آسکتے۔"

اویسؒ نے آپ کی بات سن تو لی مگر وہ کچھ بول نہ سکے اور پھر سکوت گہرا ہوتا چلا گیا
کیونکہ پہلے اویسؒ اور پھر آپ بھی بے ہوش ہو گئے۔ خون کی مسلسل ریزش کا یہی فطری
نتیجہ تھا۔

رات نے ابھی اپنا دوسرا پہر بھی مکمل نہیں کیا تھا کہ اس کوٹھری کا دروازہ کھلا جس میں
تینوں بزرگ اب تک بے ہوش پڑے تھے۔ کوٹھری میں تین عورتیں داخل ہوئیں' ایک

کے ہاتھ میں شمع تھی۔ ایک عورت نے تینوں کا جائزہ لے کر کہا "خانم' یہ تو بے ہوش
ہیں۔"

"ان کا بے ہوش ہو جانا فطری امر ہے کیونکہ پتھراؤ سے تینوں ہی شدید طور پر زخمی
ہوئے تھے۔ نوشیری' تم جا کر پانی لاؤ اور ساتھ ہی مرہم اور کپڑا بھی لے آنا۔"

نوشیری تیزی سے گئی اور جلد ہی مطلوبہ اشیا لے کر واپس آگئی۔ تینوں خواتین نے
پہلے زخمیوں کی مرہم پٹی کی اس کے بعد پانی کے چھینٹے مار مار کر تینوں زخمیوں کو ہوش میں
لائیں' پھر ان میں سے ایک نے کہا "اگر تم سفر کر سکتے ہو تو میں تمہیں یہاں سے رہا کر سکتی
ہوں۔"

آپ نے ان غیر متوقع نوازشات پر کسی حیرانی کا اظہار کیے بغیر اپنے ساتھیوں سے پوچھا
"کیا تم چل سکتے ہو؟"

اویسؒ نے اثبات میں جواب دیا تو قیسؒ بولے "میں بہت کمزوری محسوس کر رہا ہوں مگر
کمزوری میرے راستے کی دیوار نہ بن سکے گی۔ مجھے پہلے کھلواؤ تاکہ میں دیکھ سکوں کہ زخم
سر کے علاوہ اور کہاں کہاں ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے۔"

خانم نے ایک کنیز کی مدد سے ہاتھ پیر کھولنا شروع کیے اور نوشیری سے کہا "جاؤ دودھ
میں شہد اور زعفران ڈال کر جلد لاؤ' مجھے یقین ہے کہ یہ مشروب بہت جلد ان کی توانائیاں
بحال کر دے گا۔"

جب آپ اور آپ کے ساتھی آزاد ہو گئے تو آپ نے خانم سے پوچھا "تم کون ہو اور
ہماری آزادی کے لیے یہ سب زحمت کیوں اٹھا رہی ہو؟"

"میرا نام خانم ہے اور میرے والد کا نام مانی شا ہے۔ وہ یہاں کے باحیثیت آدمی ہیں۔
تمہیں قید کروا کے شام ہی ہو کو ابیور چلے گئے ہیں تاکہ والیِ ابیور کو یہاں پیدا ہونے والی
صورت حال سے آگاہ کر دیں اور گشتی مذہبی عدالت کے ارکان کو لے کر یہاں آجائیں۔
میں جانتی ہوں کہ مذہبی عدالت بڑی ظالم ہے' اس کا ہر قیمت پر یہی فیصلہ ہوگا کہ تم لوگوں کو
زندہ جلا دیا جائے۔ میری ہمدردیاں تمہارے ساتھ صرف اس بنیاد پر ہیں کہ تم نے کھلے عام
آتش پرستوں کے مذہب کو باطل کہا اور آتش پرستی کو حماقت قرار دیا۔ میں مدت سے آتش
پرستی کو حماقت سمجھتی ہوں مگر مجھ میں یہ جرات کبھی نہ ہوئی کہ آتش پرستی کی کھلے عام
مذمت کر سکوں۔ تم نے میرے خیالات کی ترجمانی کر کے مجھے روحانی آسودگی فراہم کی ہے۔
مجھے اپنے مذہب سے نفرت ہے۔ اپنے مذہب کے جن پیشواؤں سے اب تک میرا واسطہ
پڑا ہے' میں نے انہیں اول درجے کا ریاکار اور مکار ہی پایا ہے۔ میں نے ان کی آنکھوں میں
ہوس کے شعلے ہی دہکتے دیکھے ہیں۔ میں اپنی بوڑھی ماں کی وجہ سے مجبور ہوں ورنہ

تمہارے ساتھ یہاں سے نکل جاتی۔ میری ماں میرے بغیر ایک دن بھی زندہ نہ رہ سکے گی۔"
نوشیری آئی تو وہ کافی مقدار میں مطلوبہ مشروب لے کر آئی جو تینوں نے سیر ہو کر پیا۔ مشروب گرم تھا اور اس کے خواص بھی گرم تھے۔ کوٹھری کی بند فضا میں جلد ہی پسینا آ گیا اور انہوں نے اپنے جسموں میں حیرت انگیز طور پر توانائی محسوس کی۔
آپ نے قیسؓ کے ہونٹوں پر تبسم دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ وہ اب پہلے سے بہت بہتر ہے اس لیے خانم سے پوچھا "ہماری سواریاں تو ہم سے چھینی جا چکی ہیں' سفر کی صورت کیا ہوگی؟"
"اونٹ ریگستان کے سفر کے لیے موزوں ہیں۔ اگر تم یہاں سے ریگستان کی طرف سفر کا قصد رکھتے ہو تو تمہاری سواریاں بھی تمہیں مل جائیں گی اور اگر کسی اور سمت میں سفر کا ارادہ ہے تو میں سواری کے لیے بہت عمدہ گھوڑے اور اسلحہ بھی تمہیں فراہم کر دوں گی۔"
"ہم چین کا قصد رکھتے ہیں۔ تمہارے خیال میں سفر کے لیے کون سی سواری موزوں رہے گی۔"
"اگر چین جا رہے ہو تو گھوڑے لے جاؤ۔"
"ہم آپ کے مشورے پر عمل کریں گے مگر میں یہ بات ضرور دریافت کروں گا کہ ہمارے فرار کے نتیجے میں آپ پر تو کوئی مصیبت نہیں آپڑے گی؟"
"یہ دونوں میری کنیزیں ہیں مگر میں انہیں بہنوں کی طرح چاہتی ہوں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ یہ میرے باپ کو بتا دیں کہ میں نے تمہیں فرار کرایا ہے۔ ویسے بھی میرا باپ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب تم لوگ اٹھو' میں یہاں آنے سے پہلے سارے انتظامات کر آئی تھی۔"
تینوں بزرگ' خانم کے ساتھ ایک کمرے میں پہنچے جہاں بہت سے لباس موجود تھے۔
خانم نے کہا "جو لباس پسند آئے پہن لو اور ساتھ والے کمرے میں سے اپنے لیے اسلحے کا بھی انتخاب کر لو۔ ہم کچھ دیر بعد واپس آ جائیں گے۔"
خواتین چلی گئیں تو سب نے لباس تبدیل کئے۔ اسلحے میں سے انہوں نے صرف خنجر اور تیر کمان لیے۔ وہ ابھی تیار ہی ہوئے تھے کہ دروازے کے باہر سے آواز آئی "اگر آپ تیار ہو گئے ہیں تو باہر آ جائیں' مگر اپنے اتارے ہوئے کپڑے اٹھاتے لائیں۔"
آپ دروازہ کھول کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلے تو نوشیری کو موجود پایا' اس نے اپنے عقب میں آنے کا اشارہ کرتے ہوئے ایک راہداری میں بڑھنا شروع کیا جو انہیں مکان کے عقبی دروازے تک لے گئی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ آپ باہر نکلے تو خانم کو موجود پایا۔"
خانم نے کہا "اب تم لوگ فوراً روانہ ہو جاؤ۔ میں چاہتی ہوں کہ صبح ہونے سے پہلے

یہاں سے دور نکل جاؤ۔ تم یقیناً ابیور کی طرف جاؤ گے مگر تمہارا سفر عام راستے سے ہٹ کر ہونا چاہیے۔ ابیور میں تم ہرگز قیام نہ کرنا' گھوڑوں پر جو تھیلے بندھے ہیں' ان میں وہ چیزیں موجود ہیں جو سفر میں کام آتی رہیں گی۔ اب تم روانہ ہو جاؤ۔ تمہارے یہاں آنے سے میری اداسیاں ختم ہو گئی ہیں۔ مجھے یہ سوچ کر ہمیشہ خوشی ہوتی رہے گی کہ میں دنیا میں تنہا نہیں ہوں' میری طرح سوچنے والے اس زمین پر اور بھی موجود ہیں۔"
آپ اور آپ کے ساتھی گھوڑوں پر سوار ہو گئے تو آپ نے خانم سے کہا "اب ایک آخری بات اور سن لو۔ ہم عرب ہیں اور اسلام ہمارا دین ہے۔ اسلام ہی نے ہمیں یہ عزت دی ہے کہ ہم خالق کائنات کے سوا کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتے' اس کے سوا کسی کو نہیں پوجتے۔ اسلام ہمارے ذریعے چین پہنچ رہا ہے تو کسی دن یہاں بھی پہنچے گا۔ اگر تم اپنی مسرتوں کو جاوداں بنانا چاہتی ہو تو جب یہاں تک اسلام پہنچے تو اسے ضرور قبول کر لینا۔"
خانم کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔ اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا "میں تمہاری نصیحت پر ضرور عمل کروں گی۔" خانم اپنا جملہ مکمل کر کے پلٹی اور دروازے میں داخل ہو گئی۔ اس کی کنیزیں بھی وہاں نہیں رکیں۔
آپ نے بسم اللہ پڑھ کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ کچھ دور چل کر آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا "اگر رفتار کی تیزی زخموں میں ٹیس پیدا کر رہی ہو تو رفتار سست کر لو۔"
اویسؓ نے آپ کے قریب اپنا گھوڑا لاتے ہوئے کہا "گھوڑے کی سست رفتاری زیادہ تکلیف دہ بن جائے گی۔ آپ تیزی سے سفر جاری رکھیں۔"
صبح طلوع ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ عام شاہراہ کے مساوی ایک پہاڑی وادی ہے۔ آپ نے شاہراہ کو چھوڑ کر وادی میں سفر کو ترجیح دی۔ وادی' ابیور کے مضافات تک پھیلی ہوئی تھی۔ آپ نے وادی سے نکل کر دیکھا تو سامنے ابیور کا شہر نظر آیا۔ کچھ دیر رک کر آپ جائزہ لیتے رہے اور پھر ابیور کے جنوب مشرق کی طرف سفر شروع کیا۔ آپ ابیور شہر سے کترا کر آسانی سے گزر گئے۔ ابیور سے بارہ فرسخ دور چھوٹے سے گاؤں میں جا کر ایک کنوئیں کے قریب رکے جہاں ایک تناور درخت کا سایہ اجنبی مسافروں کے خیر مقدم کے لیے کھڑا ہوا تھا۔
آپ رکے تو ساتھیوں نے سوالیہ انداز میں آپ کی طرف دیکھا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے کہا "دوستو' تمہاری ہمتیں قابل داد ہیں' زخمی ہونے کے باوجود تم اچھا خاصا فاصلہ طے کر چکے ہو' اب آرام کر لو۔ میرا اندازہ ہے کہ ہم اب متوقع خطرے سے محفوظ ہیں۔ ہمارے لباس اب اس علاقے میں اجنبی نگاہوں سے نہیں دیکھے جائیں گے۔ کوئی خصوصیت سے ہماری طرف متوجہ نہیں ہوگا۔"

آپ کے ساتھی دعوت استراحت کو رد نہ کرسکے کیونکہ اب ان کے لیے سفر جاری رکھنا بہت تکلیف دہ ہو چکا تھا۔ تینوں نے گھوڑوں سے اتر کر انہیں درخت سے باندھا اور اپنی چادر بچھا کر لیٹ گئے۔ فرحت انگیز ہواؤں نے جلد ہی تھکے ماندے مسافروں کو تھپک تھپک کر سلا دیا۔ زوال آفتاب کے بعد ان کی آنکھ پھر اس وقت کھلی جب کچھ لوگوں کی تیز آوازیں ان کی سماعتوں سے ٹکرائیں۔ وہ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ کئی عجمی ان کے اطراف میں جمع تھے اور اس بات پر بحث کر رہے تھے کہ مسافر دوست ہیں یا دشمن۔ آپ اٹھ کر بیٹھ گئے' شور تھم گیا۔ سب آپ کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک خوب رو نوجوان نے بڑی نرمی سے سوال کیا" آپ لوگ کون ہیں اور یہاں کس ارادے سے آئے ہیں؟"

"ہم مسافر ہیں اور یہاں کچھ آرام کے لیے رک گئے تھے۔ اب ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔" آپ نے بھی خوش گوار لہجے میں کہا۔

"اگر تم مسافر تھے تو ہماری بستی میں آکر ہمارے مہمان بنتے۔ ہم اتنے بد اخلاق نہیں ہیں کہ صرف تین آدمی ہم پر بوجھ بن جاتے۔"

"ہم تمہاری بستی میں ضرور آتے مگر ہم عجلت میں ہیں۔ چند ساعتوں کے لیے ہم بستی والوں کو کیا زحمت دیتے۔"

نوجوان اور آپ میں مکالمہ جاری تھا کہ ایک نوجوان نے مداخلت کرتے ہوئے کہا" یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے۔ پرویز' یہ آسانی سے اس بات کو قبول نہیں کرے گا کہ یہاں رات ہونے کا انتظار کر رہا تھا تاکہ بستی کے کچھ گھروں کو لوٹ کر فرار ہو جائے۔"

"چپ رہو۔ تم عقل کے اندھے تو تھے ہی آج تم اپنی بصارت سے بھی محروم ہو گئے۔ دیکھتے نہیں تینوں زخمی ہیں اور کس قدر کمزور ہیں۔ اگر انہیں گاؤں کو لوٹنا ہوتا تو یہ اس جگہ نہ ٹھہرتے جہاں ہر وقت لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ تم ہمیشہ ہی ہر معاملے میں مداخلت کرتے ہو' یہ اچھی عادت نہیں ہے۔ یہاں سے فوراً چلے جاؤ' اپنے دوستوں کو لے کر ورنہ میں تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہ کروں گا۔"

پرویز کے تیور دیکھ کر فراسپ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلے جانے میں ہی عافیت سمجھی کیونکہ پرویز جتنا خوش خلق تھا اتنا ہی بہادر بھی۔ پوری بستی اس کی عزت کرتی تھی۔

پرویز بولا "فراسپ نے جو ناروا باتیں کی ہیں' میں اس کے لیے آپ سے معذرت خواہ ہوں۔"

آپ نے مسکراتے ہوئے کہا "زخم کو فوراً مرہم میسر آجائے تو جلد مندمل ہو جاتا ہے۔"

"کیا خوب صورت بات کی ہے آپ نے۔" پرویز نے آپ کی بات سے لطف لیتے

ہوئے مزید کہا" مرہم تو میں اب آپ کے زخموں پر لگاؤں گا۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ میں آپ کو نہیں جانے دوں گا' خواہ جانا کتنا ہی ضروری ہو۔ میرے والد بہت اچھے طبیب ہیں' زخموں کے علاج میں تو وہ اپنا جواب ہی نہیں رکھتے۔" آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ آپ نہیں رک سکیں گے مگر پرویز نے آپ کے لب کشا ہوتے ہی کہا" میں کوئی عذر کسی عنوان قبول نہیں کروں گا' میرے ساتھ چلئے۔"

آپ اپنے ساتھیوں سمیت پرویز کے ساتھ ہو لیے۔ پرویز کا گھر بستی کے وسط میں بڑا اور نمایاں تھا۔

پرویز نے اپنے والد بہمن سے آپ کا تعارف کرایا تو کہا" یہ کون ہیں؟ ان کا نام کیا ہے؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کہاں جا رہے ہیں؟ یہ میں نہیں جانتا مگر ان کے چہروں پر شرافت کا نور ہے' ان کی آنکھوں میں محبت کے چراغ روشن ہیں۔ میں انہیں علاج کے لیے آپ کے پاس لایا ہوں اور جب تک یہ تندرست نہیں ہو جائیں گے' ہمارے مہمان رہیں گے۔"

بہمن نے اپنی تجربہ کار اور جہاں دیدہ نظروں سے نوواردوں کے سراپا کا ایک محتاط اور شریفانہ جائزہ لے کر کہا" مجھے میرے بیٹے کی مردم شناسی پر ناز ہے۔ واقعی یہ لوگ شریف النفس ہیں۔ میں ان کی چارہ گری اچھی طرح کروں گا۔ آؤ تم بھی میری مدد کرو' احتیاط سے ان کے زخموں سے پٹیاں اتارو اور زخموں کو صاف کرو۔ میں اتنی دیر میں کچھ اور بیماروں کو دیکھ لیتا ہوں' تم آبان کو اپنی مدد کے لیے بلا لو۔"

بہمن دوسرے بیماروں کو دیکھنے چلا گیا تو پرویز نے آبان کو آواز دے کر بلا لیا۔ جب بہمن واپس آیا تو پرویز اور آبان زخموں سے پٹیاں اتار کر زخم صاف کر چکے تھے۔

زخموں کا معائنہ کرنے کے بعد بہمن نے کہا" انہیں تو شاید سنگسار کرنے کی کوشش کی گئی تھی' زخم تین دن میں اچھے ہو جائیں گے اور خون زیادہ مقدار میں بہہ جانے سے جو کمزوری پیدا ہو گئی ہے' وہ بھی دور ہو جائے گی۔ دوا پابندی سے کھلانا اور پرندوں کی یخنی صبح و شام پلانا تمہاری ذمے داری ہے۔"

مرہم پٹی کے بعد آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ایک آرام دہ کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ پرویز نے آرام کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا" میں پرندوں کی یخنی کا اہتمام کرنے جا رہا ہوں۔ آبان تھوڑی دیر میں آکر دوا پلا جائے گا۔"

پرویز جانے لگا تو آپ نے اسے روکتے ہوئے کہا" اول تو یخنی کے بغیر بھی ہم ٹھیک ہو جائیں گے اور اگر ضروری سمجھو تو پرندوں کو ہم سے ذبح کرانا۔"

"بہتر ہے' میں پرندے آپ کے پاس ہی لے آؤں گا۔"

پرویز چلا گیا تو قیسؓ نے کہا" یہ یک طرفہ تعارف کی گاڑی کب تک چلتی رہے گی۔"

"یہ ہمارے میزبان کی اعلیٰ ظرفی کی نادر مثال ہے کہ اس نے ہمارے متعلق کوئی تفصیل جانے بغیر آشناؤں جیسا سلوک کیا ہے' مگر آج وہ ہمارے متعلق بہت کچھ جان لے گا۔"

تھوڑی دیر بعد آبان آ گیا۔ اس نے تینوں کو ایک سفوف دے کر کہا "اسے منہ میں ڈال کر دودھ پی لو' یہ سفوف بدمزہ تو ہے مگر زخموں کے اندمال میں تریاق کا حکم رکھتا ہے۔"

پرویز آیا تو چار پرندے اور ایک مرغ اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس نے کہا "انہیں ذبح کر دیجئے تاکہ یخنی تیار کی جائے۔"

آپ نے کمرے سے باہر نکل کر کچے صحن میں اپنے خنجر سے پرندے اور مرغ ذبح کر دیے۔ پرویز آپ کا بغور جائزہ لے رہا تھا کہ آپ کس طرح ذبح کرتے ہیں۔

ذبح کا سادہ سا طریقہ کار دیکھ کر اس نے کہا "یہ کام تو میں بھی کر لیتا' آپ نے یہ کام خود انجام دینا کیوں ضروری سمجھا؟"

"ہم مسلمان ہیں' صرف اس ذبح کو اپنے لیے حلال سمجھتے ہیں جو اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور ظاہر ہے کہ تم یہ کام نہیں کر سکتے تھے۔"

"اللہ سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"اللہ' ہم اس زمین اور آسمان کے مالک اور ہر چیز کے خالق کو کہتے ہیں۔"

"بہت خوب' آپ نے کہا ہے کہ آپ مسلمان ہیں۔ یہ لفظ وطنیت کے اظہار کے لیے یا مذہب کے تعارف کے لیے؟"

"ہم وطنیت کے اعتبار سے عرب ہیں اور مذہب کے لحاظ سے مسلمان۔"

"آئیے کمرے میں چلتے ہیں' آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ یہاں کا باقی کام آبان کر لے گا۔" کمرے میں پہنچے تو پرویز نے آواز دے کر آبان کو بلایا اور اسے یخنی کی تیاری کا حکم دیا۔ آبان چلا گیا تو پرویز نے کہا "آپ کہتے ہیں کہ آپ عرب ہیں مگر اپنے لباس سے اور اپنی عادتوں سے عرب نہیں معلوم ہوتے کیونکہ میں نے جہاں تک عربوں کے متعلق سنا ہے' عربوں کا کوئی خاص مذہب نہیں۔ وہ بہت جھگڑالو' کینہ پرور اور لٹیرے ہوتے ہیں۔"

"تم نے عربوں کے متعلق جو کچھ سنا تھا' وہ درست تھا مگر اب صورت حال بدل چکی ہے۔ ہماری اخلاقی پستیوں اور خوں ریزیوں پر اللہ کو رحم آ گیا اور اس نے ہمی میں سے ایک فخر عرب کو اپنا رسولؐ یعنی پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اس برگزیدہ رسولؐ نے اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت سے ہماری زندگیاں بدل دیں۔ ہمارے اخلاق و کردار میں عظیم انقلاب آ گیا اور ہمارا مذہب اسلام تیزی سے جزیرۃ العرب میں پھیل رہا ہے۔ میں اپنے رسولؐ کا نمائندہ بن کر ہی چین جا رہا ہوں تاکہ وہاں کے باشندوں کو اسلام سے آشنا کروں۔"

"کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ آپ کے مذہب کے بنیادی اصول کیا ہیں؟"

آپ نے بڑے دل نشیں انداز میں توحید' رسالت' آخرت' ارتقاء' اخوت' خدمت خلق اور اسلام کی بہت سی خصوصیات پر روشنی ڈالی۔ پرویز بہت ذہین اور فہیم تھا۔ جب تک آپ بولتے رہے' وہ خاموشی سے سنتا رہا مگر پھر اس نے پے در پے بہت سے سوالات کیے اور آپ ان کے شافی جواب دیتے رہے۔

اب تک کے سوال و جواب کے دوران میں پرویز کا رویہ خالصتاً طالب علمانہ تھا' نہ اس نے کسی بات پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا' نہ ناپسندیدگی کا۔ بات ختم ہوئی تو اس نے کہا "سورج غروب ہونے والا ہے' مجھے کچھ کام ہے اس لیے جانا ضروری ہے۔ اب کل صبح آپ سے ملاقات ہو گی۔"

پرویز چلا گیا تو آپ نے نماز مغرب کے لیے تازہ وضو کیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا کی۔ نماز کے بعد آبان کھانا لے کر آ گیا اور کھانا دسترخوان پر رکھ کر کہا "آپ کے میزبان نے اس امر پر معذرت پیش کی ہے کہ وہ کھانے میں آپ کے ساتھ شریک نہ ہو سکیں گے۔"

عشا پڑھنے کے بعد جب آپ آرام کرنے کے لیے لیٹ رہے تھے تو آبان نے یخنی پیش کی اور ایک سفوف دے کر کہا "سفوف' یخنی کے ساتھ استعمال کریں' صبح اس سفوف کی شفا بخشی پر آپ ضرور حیران ہوں گے۔ یہ وہ سفوف نہیں ہے جو آپ نے پہلے استعمال کیا تھا۔"

دوا کھا کر لیٹے تو صبح سے پہلے تینوں دوستوں کی آنکھ نہ کھلی۔ نماز فجر ادا کر کے ایک دوسرے کو وہ قرآن سنانے لگے۔ تینوں اس اعتبار سے حافظ قرآن تھے کہ اٹھارہ سال میں جتنا قرآن نازل ہوا تھا' وہ انہیں یاد تھا۔ قرآن خوانی ان کا معمول تھا۔

اچھی طرح دن نکل آیا تو آبان نے دودھ اور سفوف لا کر دیتے ہوئے پوچھا "اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟"

"طبیعت تو بہت بہتر ہے۔" اویسؓ نے جواب دیا۔

آبان دودھ کا پیالہ لے کر جانے لگا تو اس نے کہا "ابھی تھوڑی دیر میں پرویز اور بہمن آپ کے زخموں پر مرہم لگانے آئیں گے۔"

بہمن آیا تو پرویز اور آبان بھی اس کے ساتھ تھے۔ پٹیاں کھول کر زخم دیکھے تو بہمن نے کہا "میری توقع سے بڑھ کر زخموں کو آرام پہنچا ہے' پرسوں تک یہ بالکل مندمل ہو جائیں گے۔"

بہمن مرہم پٹی کر کے گیا تو نوکر اور بیٹے کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ دوپہر سے کچھ پہلے

پرویز آیا۔ اسلام پھر موضوع فکر بن گیا۔ دیر تک گفتگو ہوتی رہی پھر سب نے مل کر دوپہر کا کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پرویز نے کہا ”آپ اپنی عبادت کب کریں گے۔ دوپہر میں بھی تو آپ لوگ عبادت کرتے ہیں۔ مجھے آپ کی عبادت کا طریقہ اچھا لگتا ہے۔ میری موجودگی کہیں آپ کی عبادت میں حارج تو نہیں ہوگی؟“

”تم یہیں بیٹھو‘ کل بھی ہماری عبادت کا مشاہدہ کر چکے ہو“ آپ نے بڑی شفقت سے فرمایا۔

نماز کے بعد پرویز نے کہا ”اگر آپ پسند کریں تو ہم دونوں ایک باغ دیکھ آئیں‘ وہ ہمارا باغ ہے۔ اگر آپ کے ساتھی اس کی اجازت دے دیں۔“

قیسؓ اور اویسؓ نے بیک زبان کہا ”آپ محترم سعید بن وقاصؓ کو ضرور ساتھ لے جائیں۔ یہ بھی ہماری وجہ سے کمرے کے حبس کو گوارا کئے ہوئے ہیں۔“

آپ پرویز کے ساتھ باغ میں پہنچے جو زیادہ دور نہ تھا۔ باغ میں ایک درخت کے نیچے آپ نے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پرویز نے کہا ”آپ کو میں یہاں ایک خاص مقصد کے تحت لایا ہوں۔“

”کہو کیا بات ہے جس کے لیے اتنی رازداری برتی گئی ہے۔“

”میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ میرا اب یہی فیصلہ ہے کہ اسلام سے بہتر نظام زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میں اپنے مذہب سے پہلے ہی بیزار تھا مگر کوئی متبادل صورت میرے سامنے نہیں تھی۔ آپ سے اسلام کے موضوع پر گفتگو کے بعد مجھے روحانی خوشی ہوئی ہے۔ آپ مجھے داخل اسلام کر لیں تاکہ میرے بے قرار تجسس کو اپنی منزل مل جائے۔ میں آپ کو اسی لیے یہاں لایا ہوں۔ میری خواہش یہ ہے کہ میں سردست اپنے مذہب کی تبدیلی کو راز رکھوں اور کسی مناسب موقع پر اس کا اظہار کروں۔ اگر اسلام کو چھپانا اسلام میں جائز نہیں ہے تو میں ہر صورت حال کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی بھی ہمت رکھتا ہوں۔ میری راہ میں صرف میرے والد دیوار ہیں۔ انہیں تبدیلی مذہب کی اطلاع ملے گی تو وہ اس غم سے مر بھی سکتے ہیں اور مجھے بھی ہلاک کر سکتے ہیں۔“

اسلام ہرچند کہ اظہار و اعلان کا تقاضا کرتا ہے مگر بعض صورتوں میں اسلام کا اخفا بھی جائز ہے۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد اسلام کی کامل واقفیت بھی ضروری ہے۔ میں یہاں سے لازمی طور پر روانہ ہو جاؤں گا۔ ایسی صورت میں تمہاری دینی تعلیم و تربیت کے لیے دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں‘ ایک یہ کہ تم میرے ساتھ سفر کرو اور دین سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد لوٹ آؤ۔ ایک صورت یہ ہے جو پہلی سے بہتر ہے‘ وہ یہ کہ تم یہاں سے مدینے چلے جاؤ۔ حضور اکرمؐ کی زیارت کی سعادت حاصل کرو اور وہیں اپنی تکمیل ...... کرو۔“

پرویز نے کچھ دیر غور و فکر کے بعد کہا ”آپ کی دوسری تجویز جو بہ قول آپ کے بہتر ہے‘ میرے لیے قابل عمل ہوگی۔ میں کسی نہ کسی طرح والد سے سیاحت کی اجازت لے کر اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں پہنچ جاؤں گا۔“

آپ نے پرویز کو کلمہ طیبہ پڑھا کر اسے مشرف بہ اسلام کیا اور سینے سے لگا کر اس کے حق میں دعا کی۔ باغ سے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں پرویز نے کہا ”یہاں میرے ایک دوست کے پاس چینی غلام ہے جس کا نام ہوشی ہے‘ بڑا ذہین اور بہت سمجھ دار ہے۔ اگر آپ اسے اپنے ساتھ لے جائیں تو وہ آپ کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا۔“

”مگر تمہارا دوست اتنے اچھے غلام کو ہمارے ساتھ کیسے بھیج دے گا؟“ آپ نے حیرت سے پوچھا۔

”مردان میرا بہت ہی قریبی دوست ہے۔ ہمارے درمیان کوئی راز‘ راز نہیں ہے۔ اب تک اسلام سے متعلق جو معلومات آپ سے میں نے حاصل کی ہیں‘ وہ اس تک منتقل ہو چکی ہیں اور اس کا دل بھی میری طرح اسلام کے لیے کشادہ ہو گیا ہے۔ آج شام وہ بھی اسلام قبول کر لے گا۔ آپ کے لیے اس کے دل میں بڑی گنجائش پیدا ہو چکی ہے۔ اگر میں چینی غلام کو آپ کے لیے طلب کروں گا تو وہ انکار نہ کر سکے گا۔“

شام کو پرویز کے ساتھ آپ مردان کے گھر گئے تو اس نے بھی اسلام قبول کر لیا اور کہا ”پرویز نے مجھے بتایا ہے کہ آپ میرے چینی غلام کو اپنے ساتھ چین لے جانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اگر آپ چینی غلام کو اپنے ساتھ لے جائیں گے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔“

”اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ پرویز کی تجویز اور تمہاری پیش کش بہت دقیع ہے۔ یہ غلام ہمارے بہت کام آئے گا۔“

مردان نشست گاہ سے اٹھ کر چلا گیا اور جب واپس آیا تو اس کے ساتھ چینی غلام بھی تھا۔ اس نے آ کر ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر ادب سے کمر خم کی اور پھر اس نے کمر سیدھی کر کے کہا۔

”غلام ہر حال میں غلام ہوتا ہے‘ آقا کے بدل جانے سے اس کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ اپنے نئے آقا کا بھی ہمیشہ وفادار رہوں گا۔“

آپ نے کہا ”تم مردان کی غلامی سے آزاد ہو کر میری غلامی میں آ گئے ہو مگر میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ تم اپنے وطن کی طرف میرے ساتھ ایک دوست کی طرح سفر کرو گے اور چین پہنچ کر یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہوگا کہ ہمارے ساتھ رہو یا کہیں چلے جاؤ۔“

آپ کے اس فیصلے پر پرویز اور مردان کو حیرت ہوئی مگر ہوشی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اس کا عہد غلامی اس آسانی سے ختم ہو جائے گا۔ اس نے

اپنی رقت پر قابو پانے کے بعد کہا "میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ آپ نے مجھے آزاد کر کے اپنا بندہ بے دام بنالیا ہے اور مجھے دوست کہہ کر میری اتنی بڑی عزت افزائی کی ہے جو میرے خواب وخیال میں بھی نہ تھی۔"

○☆○

پرویز کے یہاں تین دن قیام کے بعد آپ پرویز اور مردان سے رخصت ہو کر اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔ اویسؓ اور قیسؓ بالکل تازہ دم نظر آ رہے تھے۔ ہوشی کی مسرتوں کا بھی کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ وہ بیس سال کے بعد اپنے وطن کی طرف جا رہا تھا۔ مضافات ابیور سے مرو تک کا فاصلہ چھ دن میں بہ خیریت عبور کیا۔ دوران سفر میں آپ اور آپ کے رفقا ہوشی سے چینی زبان سیکھتے رہتے۔ معلم اور متعلم کے ذوق وشوق کے بہت بہتر نتائج بر آمد ہو رہے تھے۔ ہوشی نے کئی بار آپ کی یادداشت کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا "چینی زبان آسان نہیں ہے مگر آپ کا حافظہ بہت قوی ہے اور زبان کی ساخت اتنی نرم ہے کہ مشکل سے مشکل تلفظ بھی آپ آسانی سے ادا کر لیتے ہیں۔"

مرو میں ایک روز قیام کے بعد جب بخارا کی طرف روانگی ہوئی تو موسم بہت سرد تھا اور ژالہ باری کے امکانات موجود تھے مگر آپ نے سفر جاری رکھا۔ آپ کا چار رکنی قافلہ سہ پہر کے قریب ایک چٹیل میدان سے گزر رہا تھا کہ طوفان آ گیا اور شدت سے ژالہ باری شروع ہو گئی۔ اولے، سواروں اور گھوڑوں پر ستم ڈھا رہے تھے اور کوئی جائے اماں نہ تھی۔ آپ نے گھوڑے سے اتر کر زین کھولی اور سر پر رکھ لی تو ساتھیوں نے بھی اس حکمت عملی کو اپنایا۔ گھوڑوں کی لگامیں ہاتھوں میں تھیں اور گھوڑے آفت ناگہانی کی وجہ سے مچل رہے تھے، انہیں سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا مگر اس تدبیر سے وہ ضرور محفوظ ہو گئے تھے۔ طوفان جس تیزی سے آیا تھا، اسی تیزی سے گزر گیا مگر فضا ناقابل برداشت حد تک سرد ہو چکی تھی۔ ہر طرف برف ہی برف نظر آ رہی تھی۔ گھوڑوں پر دوبارہ زینیں کس کر اسلام کے مبلغ سوار ہوئے اور چل پڑے۔ غروب آفتاب سے کچھ پہلے انہیں ایک چھوٹی سی بستی نظر آئی تو اسی طرف بڑھے مگر بستی ویران پڑی تھی۔ کوئی متنفس وہاں موجود نہ تھا۔ انہوں نے قیام کے لیے ایک ایسی جھونپڑی منتخب کی جس کی چھت محفوظ تھی۔ تمام سامان جھونپڑی میں منتقل کر کے جب جھونپڑی کا دروازہ بند کیا تو جسموں سے پار ہو جانے والی سرد ہواؤں سے انہیں کچھ تحفظ ملا لیکن برف کی طرف سرد جسموں پر بھیگے ہوئے سرد لباس اب بھی کپکپی پیدا کر رہے تھے۔

آپ نے کہا "تھیلوں میں جو لباس ہیں، گیلے تو وہ بھی ہوں گے مگر کم۔ اس لیے فوراً لباس تبدیل کرو" آپ کے ارشاد کی تعمیل سے کچھ اور سکون ملا۔ چاروں میں سب سے

زیادہ خراب حالت اویسؓ کی تھی۔ ان کے ہاتھ اور ہونٹ نیلے پڑ گئے تھے، چہرے پر بھی آڑی ترچھی نیلی لکیریں سی پڑ گئی تھیں، سانس پر دباؤ تھا اور کھانسی رہ رہ کر ان کی اذیتوں کو بڑھا رہی تھی۔ آپ نے اپنا کمبل بچھا کر انہیں لٹا دیا تھا اور ان کا کمبل اوپر ڈال دیا تھا۔ یہ تدبیر بھی ان کے جسم کی لرزش دور نہ کر سکی تو قیسؓ نے بھی اپنا کمبل ان پر ڈال دیا۔ آپ جھونپڑے سے باہر نکل گئے اور تھوڑی دیر بعد واپس آئے تو ٹوٹے ہوئے جھونپڑوں کی خشک لکڑیاں لائے جن کی سطح تر تھی۔ ہوشی نے چقماق سے خاکستر پر چنگاری منتقل کی اور پھر حسن تدبیر سے جلد ہی لکڑیاں جلا لیں۔ آگ کی حرارت جلد ہی اندر کی فضا کو گرم کرنے لگی۔ اویسؓ کی حالت اتنی دیر میں اور سقیم ہو گئی تھی۔

آپ ان کے جسم کو دبا دبا کر حرارت پیدا کرنے کی مسلسل کوشش کر رہے تھے کہ اچانک اویسؓ نے آنکھیں کھول دیں اور اپنی بکھری ہوئی اور ٹوٹتی ہوئی توانائیوں کو سمیٹ کر کہا "سعیدؒ" فی امان اللہ' میں جا رہا ہوں۔ اپنے رب کے حضور۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے مقاصد میں کامیاب فرمائے۔" اس دعا کے بعد سانس اکھڑ گئی مگر اکھڑے ہوئے سانس بھی کلمہ طیبہ مکمل پڑھ کر راہی ملک عدم ہوئے۔

اویسؓ کی موت کا غم مومنانہ انداز سے آپ نے اور قیسؓ نے برداشت کیا۔ آپ نے سرد ترین موسم کی پروا کیے بغیر جھونپڑی سے باہر قبر کھودی اور نماز جنازہ پڑھ کر انہیں دفن کیا پھر جھونپڑی میں آ کر پوری رات قرآن حکیم کی تلاوت میں گزاری۔ نماز فجر کے بعد آپ جھونپڑی سے باہر آئے تو دیکھا، ہوشی کا گھوڑا بھی مردہ پڑا تھا۔ ہوشی کو اویسؓ کا گھوڑا دے دیا گیا اور اپنے رفیق کے مزار پر فاتحہ خوانی کر کے چل پڑے۔ چوتھے دن وہ بخارا پہنچے اور کارواں سرائے میں قیام کیا۔ سرائے میں کچھ سرکش ترک نوجوان بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہیں آپ کے گھوڑے بہت پسند آئے اور انہوں نے کہا "گھوڑے ہمیں فروخت کر دو۔"

ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ آپ کیسے پورا کر سکتے تھے۔ آپ نے انکار کر دیا۔

ترک نوجوان آپ کے انکار سے برافروختہ ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا "تم نے اپنا نقصان کر لیا، اگر گھوڑے بیچ دیتے تو کچھ رقم تمہارے ہاتھ لگ جاتی۔ اب تم یہ گھوڑے یہاں سے کہیں نہیں لے جا سکتے۔ میرا نام قوموق ہے۔ میں ترکوں کے بڑے سردار کا بیٹا ہوں اور اپنے حکم سے سرتابی کرنے والے کا سر بھی ضرور کاٹ لیا کرتا ہوں۔"

"کیا یہاں کا یہی قانون ہے کہ مسافروں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے۔"

"میں جو کچھ کہتا ہوں، وہی قانون بن جاتا ہے۔ قانون کی باتیں کمزور اور بزدل کیا کرتے ہیں۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ یہ گھوڑے تمہارے پاس رہیں تو تمہیں میرے مقابلے پر

تیغ زنی کے جوہر دکھانے ہوں گے۔ اگر تم زندہ رہے تو گھوڑے تمہارے اور میں زندہ رہا تو یہ گھوڑے میری ملکیت ہو جائیں گے۔ بولو کیا تم مقابلے کے لیے تیار ہو۔"

"میں مقابلے کے لیے تیار ہوں لیکن میرے پاس تلوار نہیں ہے۔" آپ نے بڑی نرمی سے کہا۔

"تلوار ان کے پاس ضرور ہوتی ہے‘ جو تلوار چلانا جانتے ہیں۔" اس نے حقارت سے یہ بات کہتے ہوئے اپنے ایک ساتھی سے کہا "اسے اپنی تلوار دے دو۔"

اس نے تلوار نیام سے نکال کر اس کی نوک آپ کی طرف حملہ کرنے کے انداز میں بڑھائی۔ یہ چھچھوری حرکت آپ کے لیے قطعی غیر متوقع تھی۔ آپ ایک دم سے پیچھے ہٹے تو زمین پر گر پڑے۔ ترکوں نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ قوموق کے ساتھی نے پھر تلوار اس طرح پھینکی کہ وہ آپ کے بالکل قریب زمین پر گر گئی۔ آپ نے اٹھ کر تلوار کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کی اور اسے زمین سے نکال کر اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "میں ایک بار تمہیں یہ بات سمجھانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ سے مقابلہ نہ کرو اور عزت کے ساتھ یہاں سے چلے جاؤ۔"

آپ نے یہ بات بڑی سنجیدگی سے کہی تھی مگر قوموق بھڑک اٹھا۔ اس نے کہا "زبان مت چلاؤ‘ تمہارے ہاتھ میں تلوار آچکی ہے۔"

قوموق نے بھی تلوار نکال کر لہرائی اور بڑھ کر وار کیا۔ آپ نے پینترا بدل کر وار خالی کر دیا۔ قوموق پے در پے آپ پر وار کرنے لگا۔ آپ کبھی تلوار کا وار تلوار پر روکتے‘ کبھی پینترا بدل کر تلوار کی زد سے نکل جاتے۔ قوموق اپنے علاقے کا نامور تیغ زن تھا۔ اس نے اپنا ہر داؤ آزما لیا مگر آپ کے جسم پر خراش بھی نہ لگا سکا۔ وہ وار پر وار کر رہا تھا اور آپ صرف دفاع۔ قوموق بہت دیر تک مقابلے کو فیصلہ کن بنانے کی کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ اس کا سانس پھول گیا اور ہاتھ شل سے ہو گئے پھر ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ اس میں وار کرنے کی سکت نہ رہی۔

آپ نے قوموق سے کہا "کیا اب میں حملہ کروں تو تم اپنی مدافعت کر سکو گے؟"

آپ کے سوال کے جواب میں قوموق نے تلوار زمین پر ڈالتے ہوئے کہا "میری نظر سے آج تک تم جیسا مستقل مزاج تیغ زن نہیں گزرا۔ تمہارے ہاتھوں سے مر کر مجھے زیادہ افسوس نہ ہوگا۔ تلوار اٹھاؤ اور میری بے غیرت زندگی کا خاتمہ کر دو۔"

آپ نے قوموق کو زیادہ جذباتی دیکھا تو تلوار خود بھی زمین پر پھینکتے ہوئے کہا "تم بھی بہادر ہو۔ تم نے جس انداز سے میرا مقابلہ کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تیغ زنی کے فن میں تم ماہر ہو۔ کیا دو بہادر انسان ایک دوسرے کے دوست نہیں بن سکتے۔"

آپ نے دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ قوموق اسے نظرانداز نہ کر سکا۔ ہاتھ ملے اور بڑی گرم جوشی سے ملے۔ قوموق کی طرف سے دوستی کی خوشی میں ضیافت ہوئی۔ فرصت سے بیٹھے تو قوموق نے پوچھا "میرے بہادر دوست‘ تم کہاں کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"میں چین جا رہا ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں سے آگے چل کر تمہیں ازبکستان سے گزرنا ہوگا اس کے بعد کاشغر پہنچو گے۔ کاشغر کے ترک سرداروں سے ہمارے تعلقات اچھے نہیں لیکن ازبکستان کے ترک سردار ہمارے حلیف ہیں۔ میرے آدمی تمہیں کاشغر تک چھوڑ آئیں گے۔ اگر تم نے اپنے ان دو ساتھیوں کے ساتھ سفر کیا تو راستے میں مجھ جیسے بہت سے سرکش ترک ملیں گے اور تمہیں قدم قدم پر پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

آپ نے قوموق کی یہ پیش کش قبول کر لی اور قوموق کے بے پناہ اصرار پر مجبوراً دو دن قیام کر کے بخارا سے روانہ ہوئے۔ قوموق نے دس آدمی آپ کی حفاظت کے لیے ساتھ کر دیے تھے۔ بخارا سے کاشغر تک کا سفر بہت آرام دہ رہا کیونکہ جگہ جگہ ترکوں نے قوموق کے دوستوں کی خوب خاطر مدارات کی تھی۔ کاشغر جب کچھ فرسخ رہ گیا تو قوموق کے آدمی آپ سے رخصت ہو کر لوٹ گئے۔

آپ بسم اللہ پڑھ کر کاشغر کی طرف بڑھے۔ کاشغر میں بت پرست ترک آباد تھے۔ شہر کے اطراف میں ایک فصیل تھی۔ شہر میں صرف شہر پناہ کے دروازے سے ہی داخل ہوا جا سکتا تھا۔ آپ جب شہر کے دروازے سے کچھ قریب پہنچے تو شام ہو چکی تھی۔ آپ نے پہلے نماز مغرب ادا کی‘ پھر کھانا کھایا مگر اتنی دیر میں شہر کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ آپ نے قیسؒ سے کہا "رات ہم یہیں بسر کریں گے اور صبح شہر سے کترا کر نکل جائیں گے۔ ہمارے لیے ضروری نہیں کہ شہر میں جائیں۔"

قیسؒ نے آپ کی تائید کرتے ہوئے کہا "اگر ہم شہر کے دروازے سے اور دور ہو کر قیام کریں تو بہتر ہوگا۔"

ہوشی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "ہمیں دور نہیں جانا چاہیے بلکہ فصیل شہر سے قریب تر رات بسر کرنا چاہیے تاکہ محفوظ رہیں۔ فصیل پر متعین نگہداروں کی یہاں یہ بھی ذمے داری ہے کہ وہ مسافروں کی بھی حفاظت کا خیال رکھیں۔"

ہوشی کے مشورے کے مطابق ہی عمل کیا گیا۔ رات میں اور کئی مسافروں نے بھی آکر فصیل کے پاس ہی رات بسر کی۔

صبح ہوئی تو آپ کی امامت میں قیسؒ نے نماز ادا کی۔ نماز کا منظر فصیل کے پاسبانوں نے بھی دیکھا اور ان مسافروں نے بھی جنھوں نے آپ کے آس پاس رات بسر کی تھی۔ اس

انداز عبادت نے سب کو چونکا دیا۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپ کو گھیر کر سوالات کی بوچھار کر دی۔

آپ مختصر اور محتاط جواب دے ہی رہے تھے کہ شہر پناہ کا دروازہ کھلا اور کچھ مسلح ترک آپ کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا "تم لوگوں کو قلعے دار نے بلوایا ہے۔ تمہیں ان کے پاس چلنا ہوگا۔"

سپاہیوں کو دیکھ کر وہ بھیڑ چھٹ گئی جو آپ کو سوالات سے پریشان کر رہی تھی۔ سپاہی آپ کو شہر میں لے گئے اور مختلف راستوں سے گزارتے ہوئے ایک بڑی سی عمارت میں پہنچے۔

قلعے دار نے آپ کو دیکھ کر کہا "آج طلوع آفتاب سے پہلے تم لوگ جب عبادت میں مصروف تھے۔ ہمارے شہر کے سب سے باعزت پجاری نے تمہیں فصیل پر سے دیکھ لیا تھا۔ انہی کی خواہش کے مطابق تمہیں یہاں بلایا گیا ہے۔ وہ جلد ہی آکر تم سے یہاں ملیں گے۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ تمہیں اس بات سے آگاہ کردوں کہ یہاں پجاری کو بادشاہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے ساتھ ادب سے گفتگو کرنا۔ اگر تم نے اسے ناراض کر دیا تو آسمان کے نیچے تمہارے لیے کہیں پناہ نہ ہوگی۔" قلعے دار نے اپنی بات مکمل کر کے سپاہیوں سے کہا "ان تینوں مسافروں کو ملاقات کے کمرے میں بٹھاؤ۔"

پجاری آیا تو ہر وہ شخص جس نے اسے دیکھا' سر جھکا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ملاقات کے کمرے میں اس نے قدم رکھا تو آپ اپنی جگہ ہی بیٹھے رہے۔ پجاری کے ساتھ اس کے دو نائب بھی تھے۔

ایک نائب ڈانٹ کر بولا "بے ادب مسافرو' کھڑے ہو جاؤ اور گردنیں خم کر کے تعظیم دو۔"

پجاری نے اپنے نائبوں کو اشارے سے خاموش رہنے کے لیے کہا اور آگے بڑھ کر آپ سے ہاتھ ملانے کے لیے پہل کی تو آپ نے کھڑے ہو کر اس سے ہاتھ ملایا۔ آپ کے دونوں ساتھی بھی آپ کی تقلید میں کھڑے ہو چکے تھے۔ پجاری نے ان سے بھی ہاتھ ملاتے ہوئے آپ سے کہا "میں کاشغر کے مندروں کا سب سے بڑا پجاری ہوں بلکہ خود بھی ایک دیوتا ہوں۔ یہاں میری پوجا کی جاتی ہے۔ یہ تمہارا بہت بڑا اعزاز ہے کہ میں نے تم سے ہاتھ ملایا ہے اور خود تم سے ملنے یہاں آیا ہوں۔ اب آرام سے بیٹھ کر مجھے بتاؤ کہ تم کہاں سے آئے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے؟" آپ بیٹھے تو پجاری نے بیٹھتے ہوئے اپنے نائبوں سے کہا "باہر جا کر دروازے کے پاس کھڑے ہو جاؤ۔" حکم کی تعمیل میں وہ چلے گئے تو اس نے آپ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

آپ نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "ہم جزیرۃ العرب سے آئے ہیں اور ہمارا مذہب اسلام ہے۔"

آپ کا جواب سن کر پجاری کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہوئی۔ چہرے پر بھی ایک رنگ آکر گزر گیا۔ اس نے کچھ تامل کے بعد کہا "میں جزیرۃ العرب کے متعلق بہت کچھ جانتا ہوں مگر وہاں کا مذہب تو اصنام پرستی ہے۔ تم اپنے مذہب کا نام اسلام کیوں بتا رہے ہو؟"

"تمہارا علم غلط نہیں ہے' لیکن وہاں اللہ کا ایک رسولؐ مبعوث ہو چکا ہے۔ اسؐ نے بت پرستی کا خاتمہ کرنے کی جدوجہد کے ساتھ خدائے واحد کی پرستش کا سبق دیا ہے۔ ہم اسی رسولؐ کے ماننے والے ہیں اور جو دین ہم نے قبول کیا ہے' اسی کا نام اسلام ہے۔"

"مجھے اپنے دین کی تعلیمات کی قدرے تفصیل سے بتاؤ!"

آپ نے اسلام کے اصولوں پر مختصر اور جامع روشنی ڈالی اور پجاری توجہ سے سنتا رہا۔ آپ نے بات مکمل کی تو اس نے مزید سوال کیا "تمہارا مذہب وہاں تیزی سے پھیل رہا ہے؟"

"بے شک! ہمارا دین' دین فطرت ہے۔ ہر صاحب شعور اسے آسانی سے قبول کر رہا ہے۔ میرے اندازے کے مطابق ہمارا دین پورے عرب کا احاطہ جلد ہی کر لے گا اور پھر تمام ادیان پر غلبہ حاصل کر لے گا۔"

"کیا تم یہاں اپنا دین پھیلانے کے لیے آئے ہو؟"

"ہم یہاں اپنا دین پھیلانے کے لیے نہیں آئے ہیں۔ اگر تم ہمیں شہر میں خود نہ بلواتے تو ہم کاشغر میں داخل ہوئے بغیر گزر جاتے۔ ہماری منزل چین ہے۔"

"تم نے اسلام کے متعلق جو باتیں بیان کی ہیں' ان میں بڑی کشش ہے۔ تمہارا انداز عبادت بھی بڑا باوقار ہے۔ میرے خیال میں مذہبی پیشواؤں کے مظالم سے بچنے کے لیے دکھی انسانیت اسلام کو جلد ہی قبول کر لے گی مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے اقتدار کے دن پورے ہو جائیں۔ تم لوگ یہاں کسی سے نہیں ملو گے' کسی پر اپنے مذہب کی خصوصیات کا اظہار نہیں کرو گے۔"

"ہم یہاں قیام نہیں کرنا چاہتے۔ تم ہمیں اجازت دو' ہم اسی وقت یہاں سے چلے جائیں گے مگر میں یہ ضرور دریافت کروں گا کہ تم نے ہماری باتوں کو اس آسانی سے کیسے قبول کر لیا؟"

"میں سچے چہروں کی شناخت رکھتا ہوں۔ اس کے علاوہ میں علم نجوم کا بھی ماہر ہوں۔ تقریباً اٹھاون سال پہلے ایک نئے ستارے کو میں نے آسمان پر دیکھا تھا' اس کے بعد سے وہ

اب تک میرے مشاہدے میں ہے۔ اس ستارے کی بڑھتی ہوئی تابناکی کسی برگزیدہ شخصیت کے روزافزوں ارتقا کی ایک واضح علامت ہے۔ میرے حساب نے مجھے گمراہ نہیں کیا تھا۔ تم سے گفتگو کرکے میرا وثوق اور بڑھ گیا ہے۔ تمہارے دمکتے ہوئے چہروں پر' تمہاری روشن اور سمندر کی طرح عمیق آنکھوں میں' میں نے اس برگزیدہ شخصیت کا پرتو دیکھ لیا ہے جس کا نام تم نے محمد رسول اللہؐ بتایا ہے۔ میں تمہارے دین کی سچائی کو تسلیم کرنے کے باوجود اسے قبول نہیں کرسکتا کیونکہ میں خودغرض ہوں۔ میں اپنے اس منصب وعزت سے دست بردار نہیں ہوسکتا جو مجھے حاصل ہے۔ اب تم لوگ اپنے سفر پر روانہ ہوجاؤ۔ دل تو یہ چاہتا ہے کہ کچھ دن تمہاری میزبانی کروں مگر میں اپنے اقتدار کے خلاف کسی خطرے کو قبول نہیں کرسکتا اور یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میرے ہاتھوں سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔" پجاری نے کھڑے ہوکر رخصتی مصافحہ کیا اور کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد سپاہی آئے اور ان میں سے ایک نے کہا "آپ چلیں' ہم آپ کو کاشغر کے مغربی دروازے تک پہنچا دیں گے۔"

آپ کو مغربی دروازے تک پہنچا کر سپاہی واپس چلے گئے اور آپ نے اپنی راہ لی۔ کاشغر سے چند فرسخ دور پہنچے تھے کہ صحرائے تکلہ راہ میں حائل ہوگیا۔ ہوشی نے آپ سے کہا "یہ بڑا اور وقت گزار صحرا ہے۔ ہم اسے دس دن میں عبور کرسکیں گے' اگر راستے میں کوئی افتاد پیش نہ آئی۔ اس صحرا میں کئی مقامات پر پانی ہے۔ اگر ہم ایک چشمے سے سفر کرکے دوسرے چشمے تک پہنچتے ہوئے راستہ بھول گئے تو زندگی نہ بچائی جاسکے گی۔"

"ہم راستہ نہیں بھولیں گے۔ ہم ہادی برحق کے حکم سے سفر کررہے ہیں۔ اللہ ہر قدم ہماری رہنمائی فرمائے گا۔ آج موسم بھی گرم نہیں ہے' آؤ اللہ کے پاک نام سے سفر کا آغاز کریں۔ ہمارے مشکیزے پانی سے لبریز ہیں اور غذا بھی کافی مقدار میں ہے۔"

صحرائے تکلہ میں جب آپ نے گھوڑے ڈالے تو سورج ڈھل چکا تھا۔ صرف نماز کے اوقات میں کچھ دیر رکنے کے سوا سفر مسلسل جاری رہا۔ صبح کی نماز آپ نے ایک پایاب چشمے کے کنارے تازہ وضو کے ساتھ ادا کی۔ چشمے کے اطراف میں کچھ درخت تھے' انہی کے سائے میں نماز مغرب تک قیام کیا اور تازہ دم ہوکر پھر سفر کا آغاز کیا۔ صحرائے تکلہ مقررہ منزلوں پر قیام کرتے ہوئے متعینہ وقت میں طے کرکے آپ یازقند پہنچے۔ یازقند میں صرف ایک دن قیام کا خیال تھا مگر قیسؒ کو شدید بخار ہوگیا اس لیے ان کے صحت مند ہونے کے انتظار میں آپ کے قیام نے طول کھینچا۔ علاج کے باوجود قیسؒ کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی اور وہ چار دن بیمار رہ کر انتقال کرگئے۔

اب صرف ہوشی آپ کے ساتھ رہ گیا جس سے آپ نے چینی زبان اچھی طرح سیکھ لی

تھی۔ یازقند میں قیسؒ کا گھوڑا اور ان کا اسباب فروخت کرکے آپ نے رقم کو غربا میں تقسیم کردیا اور ختن کی طرف روانہ ہوگئے' مگر راستے میں ڈاکوؤں نے آپ کو لوٹ لیا چنانچہ پیدل ہی سفر شروع کردیا۔ دس دن میں ختن پہنچے تو آپ نے ہوشی سے کہا "اب ہم چین کی سرحد تک آگئے ہیں۔ اب اگر تم چاہو تو اپنی مرضی کی سمت سفر اختیار کرسکتے ہو۔"

ہوشی آپ کی بات سن کر آب دیدہ ہوگیا اور اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا "اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ بھولی بسری یادیں مجھے ایک خاص سمت میں سفر کے لیے اکسا رہی ہیں مگر میں آپ کی جدائی برداشت نہ کرسکوں گا۔ مجھے آپ مل گئے اور آپ کے صدقے میں اسلام مل گیا۔ اب مجھے کیا چاہیے۔ میں اب آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا' جہاں آپ وہاں میں!"

آپ نے ہوشی کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا "قیسؒ اور اویسؒ کی جدائی کے بعد تم نے ہی تو مجھے تنہائی کا احساس نہ ہونے دیا ورنہ میرا کرب دوچند ہوجاتا۔ اب تم ہی مشورہ دو کہ تبلیغ اسلام کا آغاز کہاں سے کیا جائے؟"

"میں چینی ہوں اور چین کے مزاج سے واقف ہوں۔ چین کے باشندے چین کو چین کہنے سے زیادہ وسطی سلطنت کہنا پسند کرتے ہیں۔ چن زمانہ قدیم میں ایک عادل بادشاہ کا نام تھا۔ اسی کے نام کی وجہ سے وسطی سلطنت کے لوگ چین کہنے لگے۔ چین کے شمال اور جنوب میں دنیا کا سب سے بڑا سمندر ہے۔ چین کا شمالی حصہ خشک ہے' بارشوں کے زمانے میں صرف چار ماہ تھوڑی بہت کاشت ہوجاتی ہے۔ آبادی بھی کم ہے اور بہت غریب! مگر اس سخت آب وہوا میں ذہن بڑے توانا ہوتے ہیں۔ چین کے بڑے بڑے مفکر شمالی چین ہی میں پیدا ہوئے۔ چین کا شہر پیکنگ علم وفضل کا گہوارہ ہے۔ شمالی چینیوں کی فکر تیز اور قویٰ ست ہیں۔ اس کے برعکس جنوبی چین بہت ہی سرسبز وشاداب ہے۔ وہاں زمین کی زرخیزی اور پانی کی افراط کی وجہ سے چپہ چپہ کاشت میں آتا ہے۔ جنوب میں بہت سے قدرتی ساحل بھی ہیں۔ وہاں ماہی گیری اور جہازرانی بھی ہوتی ہے۔ ہم اس وقت شمال مغرب کے آخری سرے پر ہیں۔ ہمیں جنوبی چین پہنچ کر ہی دعوت اسلام کا آغاز کرنا چاہیے۔ اگر ہمیں وہاں کامیابی ہوئی تو چین کے دوسرے علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کے لیے خود بخود راہ ہموار ہوجائے گی۔"

"تم نے بہت مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ ہم اب جنوب کی طرف سفر کریں گے مگر اسلام کی تبلیغ دوران سفر میں بھی کرتے رہیں گے۔" آپ نے ہوشی کے بیان کی روشنی میں فوراً فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

ختن سے آپ موجودہ چین کے صوبے سن کیانگ سے گزر کر ۱۰ مہینے میں چنگ ہائی

کے صوبے میں داخل ہوئے۔ یہاں بدھسٹوں کی اکثریت تھی۔ ہر چھوٹے بڑے شہر میں پگوڈے موجود تھے۔ آپ ہوا نگھو پہنچے۔ وہاں ایک چینی رئیس نے آپ کی اور ہوشی کی حالت دیکھی تو گداگر سمجھ کر اپنے گھر کھانے پر مدعو کیا۔ کپڑے گل گئے تھے اور اتنے بوسیدہ تھے کہ دھوئے بھی نہیں جاسکتے تھے۔

راستے میں چینی رئیس نے ہوشی سے پوچھا "تم کتنے دن کے فاقے سے ہو۔ میں مہاتما بدھ کا ماننے والا ہوں' میرے عقیدے کے مطابق ایک دن کے بھوکے کو کھانا کھلانے اور دو دن کے بھوکے کو کھانا کھلانے میں ترتیب وار دگنے ثواب کا فرق ہے۔ اگر تین دن کا بھوکا سائل ہو تو پھر اس کی خدمت سے نروان کا امکان روشن ہو جاتا ہے۔ اگر تم بتادو گے کہ کتنے دن سے بھوکے ہو تو تمہارا کچھ نقصان نہ ہوگا مگر میرا اطمینان ہو جائے گا کہ میں نے کتنی نیکی کمائی ہے۔"

ہوشی نے بلا ارادہ کہہ دیا "ہم تین دن کے بھوکے ہیں اور کئی مہینوں سے کپڑے تبدیل نہیں کرسکے ہیں۔"

چینی رئیس کو افلاس اور پریشانی کی اس اطلاع سے بڑی خوشی ہوئی۔

جب آپ رئیس کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے کہا "جب تم نے ہمیں کھانے پر مدعو کیا تو ہم سمجھے تھے کہ ازراہ مسافر نوازی تم نے دعوت کی ہے مگر اب معلوم ہوا کہ تم ہمیں گداگر یا سائل سمجھ کر یہاں لائے ہو۔ ہم نے تم سے کچھ طلب نہیں کیا تھا اس لیے ہمیں سائل سمجھنا یا گداگر سمجھنا بنیادی طور پر غلط ہے۔ ہم تمہارے یہاں کھانا نہیں کھائیں گے۔ اگر تم ہم سے اپنی کوئی خدمت لو اور اس کا معاوضہ ہمیں دو تو قبول کرلیں گے۔ ہم بہت دور سے پیدل آرہے ہیں۔ راستے میں جب بھی بھوک نے ہمیں نڈھال کیا تو ہم نے مزدوری ہی کی ہے۔"

چینی رئیس کو آپ کی اس صاف گوئی سے بہت دکھ ہوا کیونکہ ثواب کا جو خواب وہ دیکھ رہا تھا' بکھر گیا مگر اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "بقول تمہارے ساتھی کے' تم تین دن سے فاقے کر رہے ہو' اس حالت میں محنت مزدوری کیسے کرسکو گے۔ پہلے کھانا کھالو' پھر میں تمہیں کام پر بھی لگا دوں گا۔"

"نہیں!" آپ نے تلخ لہجے میں کہا "پہلے مزدوری اور پھر اجرت!"

"اچھا تم لوگ جاسکتے ہو' میں نے فضول ہی اپنا وقت تم پر ضائع کیا۔"

آپ نے اس کے لہجے کی تلخی کو نظرانداز کردیا اور چینی انداز میں مسکرا کر آداب پیش کیا' پھر ہوشی کا ہاتھ تھام کر چل پڑے۔

ابھی آپ کچھ قدم ہی چلے ہوں گے کہ چینی رئیس نے آواز دی "ٹھہرو مسافرو!"

آپ رک گئے۔

چینی نے قریب آکر کہا "تم بڑے ضدی ہو۔ میرے ساتھ آؤ' میں تم سے ایک کام لینا چاہتا ہوں جس کے عوض معقول اجرت بھی دوں گا۔"

چینی رئیس آپ کو اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا کر کے خود گھر میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد واپس آکر اس نے کہا "آؤ' میرے ساتھ آؤ۔"

آپ ساتھ ہولیے۔ چینی رئیس دونوں کو اپنے پھلوں کے ایک بڑے باغ میں لے گیا اور کہا "درختوں پر جو سوکھے پتے ہیں' انہیں جھاڑو اور پھر باغ کی صفائی کرو مگر کوئی پھل ٹوٹ کر نہ گرے ورنہ مزدوری میں سے نقصان وضع کرلوں گا۔"

چینی رئیس آپ کو باغ میں چھوڑ کر چلا گیا تو آپ ہوشی کے ساتھ باغ کی صفائی میں مصروف ہوگئے۔ دن بھر آپ نے بڑی جاں فشانی سے باغ کی صفائی کی۔

شام کو چینی رئیس باغ میں آیا تو آپ ہوشی کے ساتھ نماز مغرب میں مصروف تھے۔ اس نے آتے ہی سوال کیا "باغ کی کتنی صفائی باقی رہ گئی ہے؟"

آپ مصروف عبادت تھے اس لیے اس کے سوال کا جواب نہ دیا۔ اس نے اپنا سوال دو مرتبہ اور دہرایا' پھر بھی جواب نہ ملا تو خود ہی باغ کا جائزہ لینے چلا گیا۔

جب رئیس واپس آیا تو آپ نماز سے فارغ ہوچکے تھے۔ آپ نے اس سے معذرت چاہتے ہوئے کہا "ہم عبادت میں مصروف تھے اور جب ہم عبادت کرتے ہیں تو نہ کسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں نہ کسی سے بات کرتے ہیں۔ سوال میں نے سن لیا تھا۔ تم اب باغ کا وہ حصہ دیکھ چکے ہو جس کی صفائی ہم نے کی ہے۔ صفائی کتنے حصے کی باقی رہ گئی ہے' اس کا بھی تمہیں اندازہ ہوگیا ہوگا۔"

"میں خوش ہوں کہ تم نے بڑی محنت سے کام کیا ہے۔ میں تمہیں کام کی اجرت بھی اچھی دوں گا' مگر پہلے یہ بتاؤ کہ صفائی کے دوران میں پھل کتنے ٹوٹے؟"

"ہم نے تمہاری ہدایت کے مطابق بڑی احتیاط سے صفائی کی تھی مگر پھر بھی کچھ پھل جھڑ گئے۔ تم انہیں دیکھ لو اور شرط کے مطابق اپنا نقصان وضع کر کے ہماری اجرت دے لو۔" پھر آپ نے ہوشی سے کہا "ٹوٹے ہوئے پھل لے آؤ۔"

ہوشی نے ٹوٹے ہوئے پھل جو حفاظت سے ایک جگہ رکھے ہوئے تھے' لاکر رئیس کے سامنے ڈال دیے۔

چینی رئیس یہ عمل دیکھ کر بے ساختہ آپ کے قدموں میں گر پڑا اور گڑگڑا کر بولا "ہم سب مہاتما بدھ کے ماننے والے نروان کی تلاش میں ہیں اور ہمیں نروان نہیں ملتا' مگر تم کون ہو؟ تم ہر خواہش سے بلند اور ہوس سے پاک کس طرح ہوگئے؟"

آپ نے چینی رئیس کو قدموں سے اٹھا کر کہا ''یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو!''

''مجھے یقین ہے کہ آپ سچے ہیں۔ آپ واقعی تین دن کے فاقے سے تھے جب میں آپ سے ملا تھا۔ آپ نے خیرات کے ٹکڑوں کو اس عالم میں ٹھکرا کر اپنی بڑائی کا ثبوت دیا تھا۔ میں نے اس باغ میں آپ کو چھوڑ کر آپ کی سچائی اور شرافت وغیرت کا امتحان لیا تھا۔ اگر آپ باغ سے پھل توڑ کر کھا لیتے یا وہ پھل کھا لیتے جو درختوں سے جھڑ گئے تھے تو یہ بات کسی کو بھی نہ معلوم ہوتی۔ مجھے آپ معاف کر دیں کہ میں نے آپ کا امتحان لیا اور دن بھر اپنے ملازمین کے ساتھ چھپ کر آپ کی نگرانی کرتا رہا۔ آپ بے شک مہاتما ہیں۔ آپ اس دنیا کی غلاظتوں سے بھی بالکل پاک صاف ہیں۔ آپ کے کپڑے جتنے میلے ہیں، اس سے کہیں زیادہ آپ کا باطن صاف ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ مجھے اپنے جیسا بنا لیں۔''

''ہر وہ شخص اچھا بن سکتا ہے جو اچھا بننا چاہتا ہو، جس کے پاس اچھائی کا شعور ہو۔ تم میں یہ دونوں اوصاف موجود ہیں۔''

''میرے ذہن میں سوالات کا ایک خار زار ہے جو ایک مدت سے میرے سکون کو زخمی کر رہا ہے مگر اب یہاں سے چلیں، اندھیرا ہو چکا ہے، گفتگو اب میرے غریب خانے پر ہوگی۔ باغ سے چلے تو راستے میں چینی رئیس، جس کا نام شنگ شان تھا، کہنے لگا ''اب صورت حال بدل چکی ہے، صبح میری اندھی آنکھوں نے آپ کو گداگر اور بے کس سمجھا تھا مگر اب میرا شعور آپ کے عرفان و آگہی کے خزانے سے بھیک مانگ رہا ہے۔ کیا میں اب آپ کی میزبانی کی عزت حاصل کر سکتا ہوں یا آپ اب بھی اپنے پہلے خیال پر قائم ہیں؟''

''اگر کوئی خلوص کے ساتھ ہمیں مہمان بنائے تو ہمارے لیے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ فکر نہ کرو، ہم کھانا تمہارے دسترخوان پر ہی کھائیں گے۔''

شنگ شان آپ کے جواب سے خوش ہو گیا اور راستے ہی میں اس نے زمین پر اپنے گھٹنے ٹیک کر آپ کا ہاتھ چوم لیا۔

شنگ شان کے گھر پہنچ کر پہلے آپ نے نماز عشاء ادا کی، اس کے بعد کھانا تناول کیا۔ خواب گاہ میں آپ اور ہوشی آرام کے لیے لیٹ گئے تو شنگ شان آپ کے بستر کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور کہا ''دل تو یہ چاہتا ہے کہ آپ سے باتیں کروں مگر میں اتنا خود غرض نہیں ہوں کہ اپنے اضطراب کو رفع کرنے کے لیے آپ کو بے آرام کروں جب کہ آپ کو واقعی آرام کی ضرورت ہے۔ ہاں، میں ایک بات ضرور دریافت کروں گا وہ یہ کہ آپ نے کھانا بہت کم کھایا۔ میں نے اصرار بھی کیا تو آپ نے اسے وقعت نہ دی اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ میرے اندازے سے بہت کم کھانا آپ نے کھایا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کھانا آپ

کے معیار ذائقہ پر پورا نہ اترا ہو؟''

''ہمارے ہادی برحقؐ کا حکم ہے کہ اس وقت کھانا کھاؤ جب بھوک شدت سے لگے اور اس وقت کھانے سے ہاتھ کھینچ لو جب بھوک باقی ہو۔ میں نے اسی حکم پر عمل کیا ہے۔ طویل فاقے کے بعد ویسے بھی بسیار خوری صحت پر اچھا اثر نہیں ڈالتی۔''

شنگ شان آپ کی توجیہہ کی تعریف کرتا ہوا کھڑا ہو گیا اور شب بخیر کہہ کر تیزی کے ساتھ خواب گاہ سے نکل گیا۔ آپ کو بھی جلد ہی نیند آ گئی۔

صبح جب آپ نماز کے بعد قرآن حکیم کی تلاوت میں مصروف تھے، آپ کا میزبان خاموشی سے آ کر بیٹھ گیا۔ آپ تلاوت سے فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے کہا ''میں نے نائی کو بلایا ہے، اگر اجازت ہو تو اسے آپ کی خدمت میں پیش کروں۔''

''بلالو، بال واقعی بہت ہی بڑھ گئے ہیں۔''

نائی نے آ کر دونوں کا خط بنایا۔ نائی کو خط بناتے ہوئے آپ کی ہدایات پر ہی عمل کرنا پڑا تھا۔ نائی چلا گیا تو شنگ شان کی درخواست پر دونوں نے غسل کیا اور غسل خانے میں موجود نیا لباس زیب تن کیا۔ غسل سے فارغ ہو کر جب آپ نشست گاہ میں پہنچے تو ناشتا دسترخوان پر موجود تھا۔

ناشتے کے بعد آپ نے شنگ شان سے کہا ''طہارت ہمارے پیارے رسولؐ کو بہت پسند ہے۔ میں جب بھی غسل کے بعد فرحت محسوس کرتا ہوں تو ان پر درود ضرور پڑھتا ہوں مگر تم درود کا مطلب نہیں سمجھ سکو گے۔''

شنگ شان نے مسکراتے ہوئے کہا ''آپ کو سمجھ لوں گا تو سب کچھ میری سمجھ میں آجائے گا۔ اب آپ مجھے بتائیے کہ آپ جتنے بلند ہیں، کیا میں بھی اخلاق و کردار کی اتنی بلندی کو چھو سکتا ہوں۔ اگر میرے لیے یہ بات ممکن ہے تو اس کی کیا ضرورت ہوگی؟''

آپ شنگ شان کی ذات کے اندھیروں میں صبح صادق کے آثار محسوس کر چکے تھے اس لیے آپ نے بدھ مت، عیسائیت اور کنفیوشس کے افکار و نظریات کا تفصیل کے ساتھ ذکر کر کے ان سے اسلامی تعلیمات کا موازنہ کیا اور رسول اکرمؐ کی سیرت کی روشنی سے اسے منور کیا۔ اسلامی معتقدات، عبادات، اخلاقیات اور توحید کے عالم گیر نظام پر سیر حاصل گفتگو سے شنگ شان پر حقیقت کبریٰ منکشف ہو گئی اور اس نے بڑے ذوق و شوق سے اسلام قبول کر لیا۔

قبول اسلام کے بعد آپ نے شنگ شان کا نام ابراہیم تجویز کیا۔ ابراہیم جھومتا ہوا اپنے بیوی بچوں کے پاس پہنچا۔ اس کا خاندان، ایک بیوی، ایک جوان بیٹے اور ایک جوان بیٹی پر مشتمل تھا۔ ابراہیم نے ان سے کہا ''میں اسلام قبول کر چکا ہوں۔'' پھر اس نے اسلام کی

اچھائیوں سے انہیں آشنا کیا۔ ابراہیم کا خاندان اسی کی طرح بالغ نظر اور حقیقت کا شیدائی تھا اور اپنے سربراہ خاندان کی فکری اصابت کا بھی قائل تھا۔ ان سب نے بھی اسلام قبول کرلیا۔

ان سب کو کلمہ پڑھا کر آپ کو بڑی روحانی مسرت ہوئی۔ آپ نے دو دن ابراہیم کے یہاں قیام فرمانے کے بعد ہوشی سے کہا ”الحمدللہ کہ تم دین کا کافی علم حاصل کرچکے ہو۔ تم ابراہیم کے پاس رک جاؤ اور ان کی تربیت کرو۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری اور ابراہیم کی مشترکہ تبلیغی کاوشیں بہتر نتائج پیدا کریں گی۔“

ہوشی یہ حکم سن کر تھوڑی دیر کے لیے آزردہ ہوگیا مگر پھر اپنی حالت سنبھال کر کہا ”اگر میرے قیام میں دینی مقاصد شامل نہ ہوتے تو میں آپ کے ساتھ ہی چلتا مگر آپ مجھے بھول نہ جائیے گا۔ جب بھی میری ضرورت ہو، مجھے طلب کر لیجیے گا۔“

آپ ہوا کھو سے روانہ ہوئے تو گھوڑا سواری میں تھا اور اخراجات سفر کی بھی کمی نہ تھی۔ دس دن میں آپ ہان چیونگ پہنچے۔ ایک دن ہان چیونگ میں قیام کر کے جب آپ اسکیان کی طرف جارہے تھے، راستے میں ایک گھنا جنگل پڑا۔ جنگل سے کترا کر گزرنے کی کوئی سبیل نہ تھی اس لیے جنگل کا سفر ناگزیر ہوگیا۔ قدم قدم رکاوٹوں کو ہٹاتے ہوئے جب آپ جنگل کے وسط میں ایک کشادہ جگہ پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک آدمی کو چار آدمی قتل کرنے کے درپے ہیں اور تلواریں چل رہی ہیں۔ آپ سوچنے لگے کہ ان میں کون حق پر ہے؟ ابھی آپ سوچ ہی رہے تھے کہ چار میں سے ایک کی تلوار نے اپنے حریف کا بازو زخمی کردیا۔

زخم کھانے والے نے کراہ کر کہا ”تم مجھے بڑے شوق سے قتل کردو مگر تمہاری یہ بدمعاشی حکومت کی نظر سے چھپی نہ رہ سکے گی۔“

اس کے ایک جملے نے آپ پر ساری حقیقت آشکار کردی۔ آپ نے کمان کندھے سے اتاری اور تیر جوڑ کر اس شخص کو نشانہ بنایا جو زخمی پر ایک بے خطا زاویے سے حملہ کررہا تھا۔ فضا میں چیخ بلند ہوئی۔ اپنے ساتھی کا یہ انجام دیکھ کر ایک لمحے کے لیے تینوں سراسیمہ ہوئے تھے کہ ان میں سے ایک کو آپ نے اور ختم کردیا۔ زخمی بھی سنبھل چکا تھا۔ اس نے بھی ایک دشمن پر بڑھ کر کاری وار کیا۔ چوتھا گھوڑے کو ایڑ لگا کر بھاگ نکلا۔ آپ زخمی کے پاس پہنچے تو اس نے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا ”اجنبی دوست! تم نے میری زندگی بچائی ہے، میں تمہارا احسان کبھی نہ بھلا سکوں گا۔ میرا نام تنگ تائی ہے اور میں اسکیان کی انتظامیہ کا سربراہ ہوں۔“ اس نے تین لاشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ”یہ میرے نائب ہیں۔ یہاں ہم شکار کے لیے آئے تھے۔ یہ آج معلوم ہوا کہ یہ مجھے ناپسند کرتے تھے اور مجھے ہلاک کر کے اس شخص کو میری جگہ لانا چاہتے تھے جو جان بچا کر بھاگ گیا

میں کامیاب ہوگیا ہے۔ تم بتاؤ، کہاں کا قصد رکھتے ہو؟“

”میں بھی اسکیان ہی کا قصد رکھتا ہوں، وہاں سے کانتن جاؤں گا۔“ آپ نے اختصار سے جواب دیا۔

تنگ تائی نے خوش ہو کر آپ کو اپنے ساتھ سفر کی دعوت دی اور آپ اس کے ساتھ ہولیے۔ اسکیان میں آپ اسی کے مہمان ہوئے۔ راستے میں جو گفتگو رہی، اس نے تنگ تائی کو بہت متاثر کیا۔ وہ آپ کے مقاصد سفر سے آگاہ ہو کر کامل تعاون پر آمادہ ہوگیا۔

آپ اسکیان سے روانہ ہوئے تو تنگ تائی نے اپنے ایک عزیز کا پتا دیا اور کہا ”آپ یہاں سے چن چانگ آن جائیے، وہ مرکزی شہر ہے۔ میرا عزیز ہوفانگ وہاں آپ کی بھرپور مدد کرے گا۔ وہ عالم بھی ہے اور صاحب رسوخ بھی۔ آپ میرا حوالہ دے کر جب اس سے ملاقات کریں گے تو وہ آپ کے لیے اپنی آنکھیں بچھا دے گا۔“

آپ رخصت ہو کر تین ماہ سفر کرتے ہوئے چن چانگ آن میں پہنچ کر ہوفانگ سے ملے۔ تنگ تائی کا حوالہ سن کر اس نے آپ کو بڑی عزت دی مگر جب آپ سے علمی موضوعات پر گفتگو ہوئی تو وہ آپ کی عظمت کا دل سے قائل ہوگیا اور چند دن کی مصاحبت میں اس نے اسلام قبول کرلیا۔ ہوفانگ نے اسلام قبول کر کے اپنے حلقہ اثر کے علما اور فضلا کو آپ سے استفادے کے لیے اپنے گھر مدعو کیا۔ رات رات بھر گفتگو کا سلسلہ رہتا۔ آپ کی رشد و ہدایت کا تحمل، توہم اور حقیقت کے فرق کو واضح کر کے فکر کا رخ موڑ دیا کرتا۔ جلد ہی بہت سے قابل ذکر افراد حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ اسلام قبول کرنے والے بھی جذبہ تبلیغ سے سرشار ہوگئے۔ انہیں جو روشنی آپ سے ملتی، دوسروں تک پہنچانا اپنا فریضہ سمجھتے۔ اسلام دلوں کو مسخر کرنے کی ایک فطری صلاحیت رکھتا ہی ہے، آپ کی پروقار شخصیت نے تبلیغ کو اور بھی موثر بنا دیا۔ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد دو سو گیارہ تک پہنچ گئی تو مذہبی اجارہ داروں نے اسلام کی تبلیغ کو روکنے کے لیے بادشاہ چین، چنگ کوان سے جا کر کہا کہ تیان فان (ملک عرب) سے آئے ہوئے ایک نووارد نے ملک میں بڑی بے چینی پیدا کردی ہے۔ وہ چین میں مروج تمام مذاہب کا مذاق اڑا کر ہماری دل آزاری کررہا ہے۔ اس کا منہ بند کیا جائے ورنہ بادشاہ کے خلاف بغاوت ہوجائے گی۔

بادشاہ بڑا زیرک اور معاملہ فہم تھا۔ اس نے مذہبی پیشواؤں کو یہ کہہ کر رخصت کردیا ”میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ مجھے ایک متوقع شورش سے قبل از وقت آگاہ کردیا۔ میں اس معاملے کو ذاتی طور پر دیکھ لوں گا۔“ جب وہ لوگ چلے گئے تو چنگ کوان نے اپنے وزیر سے پوچھا ”کیا یہ درست ہے کہ ملک میں بدامنی کا کوئی خطرہ پیدا ہوگیا ہے؟“

وزیر نے بڑے ادب سے کہا ”اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میرے علم میں ضرور آتی۔

جہاں تک اسلام کے مبلغ سعید بن وقاصؓ کا تعلق ہے' وہ بہت اچھا آدمی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے ہاتھ پر نیا مذہب قبول کیا ہے' ہمارے ملک کے شریف شہری ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ خدمت خلق میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ عوام ان کی قدر کرتے ہیں۔ صرف یہی ان کے دشمن ہیں جو ان کی شکایت لے کر آئے تھے کیونکہ رفعتوں کو دیکھ کر انہیں اپنی پستی کا احساس ہو رہا ہے۔ حضور والا اگر پسند کریں تو میں سعید بن وقاصؓ کو آپ سے ملاقات کے لیے طلب کرلوں۔"

"ضرور بلاؤ' میں ان سے کل ہی ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔" بادشاہ نے کہا۔

وزیر نے حسب الحکم ملاقات کا اہتمام کر دیا۔

آپ جب بادشاہ کے روبرو پہنچے تو وہ آپ کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا۔ جب وہ دریائے حیرت سے نکلا تو اس نے پوچھا "تمہارے مذہب کی تعلیمات کیا ہیں؟"

آپ نے اسلام کے اصول بیان کیے۔

جب اسے یہ معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں آسمان سے نازل ہوئی ہیں اور محفوظ ہیں تو اس نے کہا "جس کتاب کو تم آسمانی کتاب کہتے ہو' اگر وہ تمہیں یاد ہو تو سناؤ۔"

آپ نے سورہ رحمٰن کی تلاوت کی جو صوتی آہنگ کے اعتبار سے اہل چین کے لیے بہت موزوں تھی۔

آپ نے تلاوت ختم کی تو بادشاہ نے کہا "تم نے جو کچھ پڑھا' اس کا ایک لفظ بھی میری سمجھ میں نہیں آیا لیکن میں نے اپنے دل میں اس کلام کی اثر آفرینی کو محسوس کیا ہے۔ اس کلام میں جو ہدایات ہیں' اس کا اجمالی خاکہ تمہاری گفتگو سے میرے ذہن میں مرتب ہو گیا ہے۔ یہ تعلیمات انسان کی فلاح کی ضمانت ہیں' امن اور سلامتی کا سرچشمہ ہیں۔ تم سے مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے' تم بڑے شوق سے اپنے دین کی چین میں تبلیغ کرو۔ چین کے باشندوں کا یہ حق کوئی نہیں چھین سکتا کہ وہ آزاد فکر کے ساتھ جو مذہب چاہیں' اختیار کریں۔ اگر لوگ دلیل کو دلیل سے رد نہیں کر سکتے تو انہیں یہ حق بھی نہیں ہے کہ شریف اور ذی علم افراد پر اتہام تراشی کریں۔ میں نے آپ کو جب دیکھا تھا تو حیرت زدہ ہو گیا تھا اور شاید میری حیرت کو سب نے محسوس بھی کیا ہو گا۔ میری حیرت بے بنیاد نہ تھی۔ گزشتہ رات میں نے ایک بھیانک خواب دیکھا تھا۔ میں ایک جنگل میں تھا جہاں مجھ پر ایک عجیب الخلقت خوف ناک اور بہت بڑے درندے نے حملہ کر دیا تھا اور میرے لیے کوئی بچاؤ کا راستہ نہ تھا۔ جب مجھ پر یہ بے کسی کا عالم طاری تھا' ایک شخص نے آ کر اس درندے پر نیزے سے حملہ کیا اور اس کے چند واروں ہی کے نتیجے میں وہ درندہ چیختا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ درندے سے مجھے بچانے والے آپ تھے مگر اس نے آپ جیسا ہی لباس

پہن رکھا تھا۔ آپ کو دیکھ کر مجھے اپنے خواب کی تعبیر مل گئی ہے۔ آپ ضرور میرے لیے اور میری حکومت کے استحکام کے لیے کوئی نمایاں کام انجام دیں گے۔"

بادشاہ نے عزت و تکریم کے ساتھ آپ کو رخصت کیا۔ آپ کے رفقا کو ملاقات کا احوال معلوم ہوا تو ان کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ آپ کا بیشتر وقت نومسلموں کی تربیت میں صرف ہوتا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ مبلغ بنا کر چین میں مختلف مقامات پر روانہ کرتے رہیں۔

سات ہجری سے نو ہجری تک آپ جنوبی چین کے دارالحکومت چین چنگ آن میں ہی قیام پذیر رہے اور بادشاہ کی اجازت سے وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ چین چانگ آن میں ایک مضبوط اور مربوط نظام تبلیغ قائم ہو گیا تو ہوفانگ کو اپنا نائب مقرر کر کے آپ کانتن پہنچ گئے۔ کانتن جنوبی چین کا ساحلی شہر ہے۔ کانتن میں آپ سے پہلے آپ کی شہرت پہنچ چکی تھی۔ وہاں بھی رشد و ہدایت کے چراغ دلوں کو روشن کرنے لگے۔

کانتن کے دوران قیام میں آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جس میں حکم ملا "قرآن حکیم کی تنزیل مکمل ہو چکی ہے اور ہم اب رفیق اعلیٰ کی طرف سفر کرنے والے ہیں۔ قرآن کا وہ حصہ جو تمہارے جانے کے بعد نازل ہوا ہے' اسے بھی آ کر لے جاؤ تاکہ اہل چین مکمل کتاب ہدایت سے فیض حاصل کر سکیں۔"

خواب بہت واضح تھا۔ آپ بیدار ہوئے تو اپنے ہادی برحقؐ کے فراق میں بہت دیر تک روتے رہے۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ مدینے جائیں گے اور حضور اکرمؐ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ آپ نے کانتن میں نظام تبلیغ کو مرکزیت دینے کے لیے ایک مسجد تعمیر کرائی اور ہوشی کو وہاں اپنا نائب مقرر کر کے رخت سفر باندھا۔ ہوشی' ہوا گھو سے آپ کو تلاش کرتا ہوا آ گیا تھا۔ ایک بحری جہاز میں سوار ہو کر پہلے بحر الکاہل پار کیا' پھر آپ بحر ہند اور خلیج فارس کو عبور کر کے جزیرۃ العرب پہنچے۔

مدینے پہنچے تو آپ نے حضور اکرمؐ کے مزار اقدس پر حاضری دی اور اتنا روئے کہ بے ہوش ہو گئے۔ کچھ لوگوں نے آپ کو پہچان لیا تھا۔ وہ آپ کو اٹھا کر آپ کے بھائی سعد بن ابی وقاصؓ کے گھر لے گئے۔

آپ ہوش میں آئے تو کہا "کسی حافظ قرآن کو بلاؤ۔"

سعد بن ابی وقاصؓ بولے "کہو کیا بات ہے؟ میں خود حافظ قرآن ہوں۔"

یہ جواب سن کر آپ نے "الحمد للہ" کہا' پھر انہی سے قرآن کا وہ حصہ بھی یاد کر لیا جو آپ کے جانے کے بعد نازل ہوا تھا۔ جب تک قرآن کے حفظ کی تکمیل نہ کی' آپ گھر سے نہ نکلے۔ حفظ قرآن کی تکمیل ہو گئی تو ایک رات آپ' روضہ رسول کریمؐ پر حاضری دے کر

اپنے بھائی کو اطلاع دیے بغیر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ عمرہ ادا کرنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

سعد بن ابی وقاصؓ کو جب صبح آپ کے گھر واپس نہ آنے کی اطلاع ملی تو سمجھ گئے کہ بھائی کہاں جا سکتا ہے۔ وہ خود بھی مکہ مکرمہ کی طرف چل پڑے۔ انہوں نے بھائی کو بیت اللہ کے طواف میں مصروف دیکھا تو خود بھی طواف کعبہ کرنے لگے۔ طواف کے بعد انہوں نے بھائی سے شکایتاً کہا "اگر مجھے اطلاع دے کر آتے تو کیا میں روک لیتا؟"

آپ نے بھائی کے کرب کو محسوس کرتے ہوئے کہا "میں اپنی اس عجلت پر معذرت خواہ ہوں مگر میری عجلت میری مجبوری ہے۔ آپ خود شاہد ہیں کہ میں نے مدینے کے دوران قیام میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ مدینے میں کیسی کیسی محترم شخصیتیں موجود ہیں جن کی زیارت کے لیے میں بھی تڑپا ہوں مگر میں ان سے کبھی نہیں ملا۔ حضور اکرمؐ نے مجھے چین روانہ کیا مگر میری اور میرے ساتھیوں کی روانگی کی خبر کو عام نہیں کیا۔ اب میں یہ کیسے پسند کروں گا کہ وہ بات میرے ذریعے عام ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ میں خاموشی سے پہنچا اور خاموشی کے ساتھ وہاں سے آ گیا۔ میرے کاندھوں پر بڑا بوجھ ہے۔ یہاں اتنے آفتاب روشن ہیں کہ نظر خیرہ ہو جاتی ہے اور میں وہاں تنہا ہوں۔ میں حضورؐ کی طلبی پر آیا تھا ورنہ میں چین چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ الحمدللہ کہ چین میں اسلام مقبول ہوتا جارہا ہے۔ سیکڑوں چینی حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔ اچھا ہوا کہ آپ سے ایک ملاقات اور ہو گئی مگر میری اس ملاقات کو بھی اسی طرح فراموش کر دیں جس طرح میری پہلی جدائی کو فراموش کیا تھا۔ اب آپ مجھے اجازت دیں' وقت کا خنجر' شجر عمر کی شاخیں کاٹتا چلا جارہا ہے۔ ہم پھر ایک ایسے عالم میں ملیں گے جہاں ملنے والوں کو جدائی کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم واپس آنے کے لیے روانہ نہیں ہوئے۔ میں زاد سفر کے لیے کچھ رقم لیتا آیا ہوں' اسے قبول کر لو۔ اللہ کے فضل سے میری مالی حالت بہت بہتر ہے۔"

آپ نے بڑے ادب سے کہا "مجھے ضرورت ہوتی تو آپ سے کچھ لینے میں مجھے عار نہ ہوتا۔"

سعد بن ابی وقاصؓ نے دینار سرخ کی تھیلی اپنے تھیلے میں ڈالی اور ایک گٹھری نکال کر کہا "یہ رسول اکرمؐ کا جبہ مبارک ہے جو مجھے عطا ہوا تھا۔ مجھ سے زیادہ تم اس کے مستحق ہو۔"

آپ نے بے تابی سے جبہ مبارک دونوں ہاتھوں سے تھام کر سر پر رکھ لیا اور کہا "آپ نے مجھے دولت کونین دے دی ہے۔ اللہ ہی آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے گا۔"

آپ تیرہ ہجری میں اپنے بھائی سے رخصت ہو کر بحرین پہنچے اور وہاں سے جہاز میں

سوار ہو کر خلیج فارس پار کر کے بحر ہند میں آئے اور پھر آٹھ ماہ میں مختلف بندرگاہوں پر رکتے ہوئے کانتن پہنچے۔

آپ کی واپسی سے مسلمان بہت خوش ہوئے۔ کانتن اور چن چانگ آن کے اسلامی مراکز تبلیغ کی کارگزاری کو دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ کی غیر موجودگی میں مسلمانوں نے نانکین میں ایک مسجد اور تعمیر کر لی تھی اور وہاں بھی تبلیغی کام بڑے سلیقے سے ہو رہا تھا۔

آپ نے شبانہ روز آٹھ سال تک تبلیغی دورے بھی کیے اور تبلیغ کے تینوں مراکز کا بھی انتظام سنبھالا۔ سفر و حضر میں حفاظ آپ کے ساتھ رہتے۔ آپ نے ان مصروفیات کے باوجود ستر چینی مسلمانوں کو حافظ قرآن بنایا۔ اکیس ہجری میں چین میں مسلمانوں کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

ایک دن آپ کانتن کی مسجد میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کو خیال آیا کہ چین میں احادیث نبویؐ کا ذخیرہ بہت کم ہے کیوں نہ مدینے سے کسی حافظ حدیث کو چین لے آؤں۔ یہ خیال آہستہ آہستہ قوی ہوتا چلا گیا۔ ایک دن آپ نے اعلان کر دیا "میں مدینے جارہا ہوں۔"

یہ اعلان سن کر مسلمانوں نے کہا کہ آپ کی صحت اچھی نہیں ہے' کمزوری بہت بڑھ گئی ہے آپ یہ سفر نہ کریں مگر آپ نے سفر کی اہمیت کے پیش نظر کوئی مشورہ ترک سفر قبول نہ کیا۔ ہاں' آپ نے لوگوں کی یہ بات مان لی کہ ایک نوجوان کو اپنے ساتھ لے جائیں' چنانچہ طلحہ نامی ایک نوجوان کے ساتھ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

آپ کا جہاز اٹھارہ دن میں جب چن شی کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا تو آپ نے طلحہ سے کہا "جہاز سے اترو' ہم واپس کانتن کی طرف سفر کریں گے۔"

طلحہ نے پہلے حکم کی تعمیل کی اور ساحل پر آپ کو بہ حفاظت اتار کر پوچھا "واپسی کس لیے ہو رہی ہے؟"

آپ نے طلحہ کو مطمئن کرنا ضروری سمجھتے ہوئے اسے حقیقت حال سے آگاہ کیا "رات حضور اکرمؐ نے خواب میں واپسی کا حکم دیا تھا۔"

کانتن جانے والا جہاز اسی دن مل گیا اور واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ واپسی کے سفر کا چوتھا دن تھا' طلحہ صبح کی نماز کے لیے جاگا تو دیکھا کہ آپ بستر اضطراب کے عالم میں کروٹیں بدل رہے تھے۔ طلحہ تیزی سے آپ کے پاس پہنچا۔ اس نے آپ کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو معلوم ہوا کہ بہت ہی شدید بخار ہے۔

ہاتھ کا لمس آپ نے اپنی پیشانی پر محسوس کیا تو آنکھیں کھول کر طلحہ سے کہا "جلدی

اٹھاؤ، نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے۔"

طلحہ نے ہاتھ کا سہارا دے کر اٹھایا اور پھر وضو کرایا۔

آپ نے نماز کے لیے کھڑے ہو کر کہا "جلد تکبیر پڑھو طلحہ!"

طلحہ نے عجلت سے تکبیر پڑھی۔ آپ نے ارکان نماز میں بھی عجلت سے کام لیا۔ نماز مکمل کر کے آپ نے ایک سلام پھیرا۔ طلحہ نے پہلے سلام کی آواز سنی مگر دوسرے سلام کی آواز دیر تک نہ آئی۔ طلحہ نے گھبرا کر آپ کی طرف دیکھا تو آپ واصل بہ حق ہو چکے تھے۔ طلحہ نے آپ کو اٹھا کر بستر پر ڈالا' ہاتھ پیر سیدھے کیے' قبلے کی طرف رخ کیا اور آپ پر چادر ڈال کر دیر تک روتا رہا۔ اسے معلوم تھا کہ جہاز میں مرجانے والوں کی لاشیں جہاز کا عملہ سمندر برد کر دیتا ہے۔ اگر عرشے پر سفر کر رہے ہوتے تو اب تک جہاز کے تمام مسافروں کو بھی آپ کے انتقال کی خبر ہو چکی ہوتی۔ آپ کی صحت کے پیش نظر طلحہ نے جہاز پر علیحدہ کمرا لیا تھا۔ جہاز پر آپ کی موت کو راز تو رکھا جاسکتا تھا مگر لاش کا چودہ دن تک رکھنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ طلحہ کا ذہن الجھ کر رہ گیا۔ یہ اس کی ذمے داری تھی کہ چین کے ہزاروں فرزندان توحید کو ان کی امانت لوٹاتا۔ تمام دن وہ سوچ میں گم رہا۔ رات کو اس کی آنکھ جھپکی تو خواب میں آپ نے فرمایا "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے' اللہ تعالیٰ میری لاش کو محفوظ رکھے گا۔"

طلحہ خواب دیکھنے کے بعد مطمئن ہو گیا اور پھر کسی کو بھی آپ کے وصال کی اطلاع نہ مل سکی۔ جہاز کا تن کی بندرگاہ پر پہنچ گیا تو طلحہ نے لوگوں کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ ساحل پر بھی کئی مسلمان موجود تھے۔ انہیں اطلاع ملی تو کچھ جہاز کی طرف اور کچھ مسجد کی طرف دوڑ پڑے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہجوم ہو گیا۔ لوگ آپ کے جسد اطہر کو تبلیغی مرکز میں لے گئے اور غسل دیا گیا۔ نماز جنازہ ادا کر کے آپ کو کاتن کی مسجد کے قریب سپرد خاک کیا گیا۔ چین میں ساڑھے چار ہزار تابعین کا محترم گروہ چھوڑ کر آپ نے چین میں تبلیغ اسلام کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کر دی تھی۔

کاتن کی جامع مسجد جو آپ نے تعمیر کروائی تھی' اس کا نام آپ ہی نے "وائی شیں زی" (جامع الذکری للنبیؐ) تجویز کیا تھا اور یہ جامع مسجد آج بھی اسی نام سے چین میں شہرت رکھتی ہے۔ اس جامع مسجد پر جو کتبہ تعمیر ہے' اس پر تعمیر کرنے والے کا نام سعد وقاص تحریر ہے۔ کتبہ اپنے رسم الخط کے اعتبار سے اتنا پرانا نہیں ہے' جتنا ہونا چاہیے تھا۔ غالب گمان یہی ہے کہ رسم الخط کی پیچیدگیوں اور تلفظ کی شکست و ریخت کے دیرینہ عمل نے سعید وقاص کو سعد وقاص بنا دیا ہوگا۔ جہاں تک حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا تعلق ہے' وہ چین کبھی نہیں گئے۔

○☆○

عہدِ سعید

تاریک براعظم افریقہ میں روشنی بن کر طلوع ہونے والے ایک بزرگ کی سوانح مبارک

مراکش کے خوب صورت شہر الاصنام کو شمالی افریقہ کے لیے علوم و معارف کا مرکز مانا جاتا تھا۔ وہاں مساجد اور مدارس کی بہتات تھی۔ خوش حالی اور بحر روم کی پروردہ صحت بخش آب و ہوا سب کے لیے وجہ کشش تھی۔ مدرستہ الفرقان کے سالانہ امتحانات کے بعد جلسہ تقسیم اسناد ہوا تو خلقت کا ہجوم دیدنی تھا۔ تقسیم اسناد کا جلسہ تو ہر سال ہی ہوا کرتا تھا مگر اس سال منعقد ہونے والا جلسہ الاصنام والوں کے لیے ناقابل فراموش بن گیا۔

صدر مدرس علامہ عبداللہ عامری اسناد تقسیم کر رہے تھے۔ طالب علم آتے اور سند لے کر اپنی نشست پر بیٹھ جاتے۔ جب سعید بن سلام کو آواز دی گئی تو وہ اپنی جگہ سے اٹھے۔ ابھی وہ استاد محترم کی طرف ایک قدم ہی بڑھے تھے کہ مجمعے پر نکہت و انوار کی بارش ہونے لگی۔ حاضرین نے ایک ایسی لطیف خوشبو محسوس کی جو ان کی قوت شامہ کے لیے اجنبی تھی۔ شام کا سانولا ماحول دوپہر کی طرح روشن ہو گیا۔ فضا میں نکہت و انوار کا یہ عالم سب کے لیے حیرت کا سبب بنا ہوا تھا کہ عبداللہ عامری نے نعرہ صلوٰۃ لگا کر محسوسات کے لیے سفر کی سمت متعین کر دی۔ درود پاک کی صدا سے فضا گونج اٹھی۔

سعید بن سلام کو جب علامہ عامری نے اپنے دونوں ہاتھوں پر سند رکھ کر نذر گزارنے کے انداز میں پیش کرنا چاہی تو ایک نادیدہ ہاتھ نے سند اٹھا کر سعید بن سلام کو دے دی۔ یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر ایک بار پھر غلغلہ درود سے فضا معمور ہو گئی۔ علامہ نے شاگرد کو سینے سے لگا لیا اور پیشانی چوم کر کہا "مبارک ہو' مدینۃ العلمؐ کی بارگاہ سے بھی تمہارے علم کی توثیق ہو گئی۔"

سعید بن سلام کی دست بوسی کے لیے ہجوم ٹوٹ پڑا۔ جلسے کا نظم و ضبط درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ سعید بن سلام احترام کی اس صورت حال سے نہ جانے کب تک دوچار رہتے کہ اذان مغرب نے اظہار عقیدت کا رخ مسجد کی طرف موڑ دیا۔

نماز مغرب کے بعد ہجوم پھر سعید بن سلام کی طرف بڑھا تو استاد محترم کی ایما پر طلبا نے

سعید بن سلام کو اپنے حلقے میں لے لیا اور انہیں مسجد سے مدرسے میں لے آئے۔ عشا کے بعد فراغت میسر آئی۔ علامہ عبداللہ عامری ظاہری اور باطنی علوم میں جامع تھے۔ انہوں نے سعید بن سلام سے کہا "تم رفتہ رفتہ اپنے مقصد زندگی سے واقف ہو جاؤ گے۔ تحصیل علم کے بعد اب ریاضت نفس' مجاہدات' اور عبادت کے لیے کمر ہمت باندھ لو' روحانیت کی مبادیات سے تم آگاہ ہو' ان پر کاربند ہونے کے واسطے الاصنام سے آج رات ہی رخصت ہو جاؤ اور کسی ویرانے میں قیام کرو۔ اگر یہاں رہے تو یہاں کی فضائے احترام تمہیں ہلاک کر دے گی۔"

سعید بن سلام نے استاد محترم کی دست بوسی کی اور کھڑے ہو کر بولے "میں اپنے حجرے سے سفر کا ضروری سامان لے کر تعمیل ارشاد میں آج رات ہی روانہ ہو جاؤں گا۔ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے۔"

علامہ عامری نے فرمایا "متوکل کو اسباب سفر سے بے نیاز ہونا چاہیے۔ تم خالی ہاتھ ہی اس کی طرف جاؤ جس کے پاس سب کچھ ہے۔"

سعید بن سلام نے سلام عرض کیا اور مدرسے کی عمارت سے باہر آ کر سوچنے لگے کہ اب کدھر کا رخ کیا جائے؟ ابھی کوئی فیصلہ نہ کر پائے تھے کہ قرآن کریم کی آیت زبان پر جاری ہو گئی "جس طرف بھی رخ کر لو' اللہ اسی طرف ہے۔" اس شرح صدر کے بعد وہ ایک منزل بے نام کی طرف چل پڑے۔ جب آپ رات بھر چلتے چلتے تھک گئے تو نماز فجر ایک نخلستان میں ادا کی اور تھکے ہوئے اعصاب کو سکون فراہم کرنے کے لیے لیٹے تو نیند آ گئی۔

جب آنکھ کھلی تو سورج سر پر تھا۔ موسم ناقابل برداشت حد تک گرم اور پریشان کن تھا۔ پیاس کی شدت بھوک پر غالب تھی۔ آپ نے سیر ہو کر پانی پیا اور پیڑ کے سائے میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مصروف ہو گئے۔ ظہر کے بعد عصر کی نماز بھی وہیں ادا کی مگر گرمی کی شدت میں ابھی کمی نہیں آئی تھی۔ آپ نے موسم کی آتش فشانی کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنے سفر کا پھر آغاز کر دیا۔ راستے میں مغرب کی نماز کے لیے ٹھہرے پھر عشا کے لیے ایک جگہ رکے مگر عشا کے بعد بھوک اور پیاس سے پیدا ہونے والی فطری کمزوری نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ آپ نڈھال ہو کر لیٹ گئے۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ اٹھارہ اونٹوں پر مشتمل ایک قافلہ آپ کے قریب آیا۔ آپ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اہل قافلہ کی نظر آپ پر پڑی تو آپ کے گرد جمع ہو گئے۔

امیر قافلہ نے آپ سے پوچھا "کدھر جانے کا ارادہ ہے؟"

آپ نے جواب دیا "جدھر خدا لے جائے۔"

امیر قافلہ نے آپ کو بغور دیکھتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا "یہ جوان بھی ہے اور صحت مند بھی۔ ہمارے گروہ میں یہ ایک مفید اضافہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اسے ساتھ لے چلو۔"

امیر قافلہ کے ساتھیوں نے اپنے امیر کی تائید کرتے ہوئے آپ سے ساتھ چلنے کو کہا۔

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔" آپ نے کہا "میں تم سے کسی اعانت کا طالب نہیں ہوں۔ میں تمہارے گروہ میں اس لیے شامل نہیں ہو سکتا کہ تمہارے مقاصد سے بے خبر ہوں۔ اگر میں یہ جان لیتا کہ تمہارے مقاصد بلند ہیں تو بھی تمہاری رفاقت قبول نہ کرتا۔ میری منزل بہر حال تمہاری منزل سے مختلف ہے۔"

امیر قافلہ آپ کا جواب سن کر برہم ہو گیا اور بولا "اے نوجوان! میں انکار سننے کا عادی نہیں ہوں۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔"

آپ نے بھی برجستہ جواب دیا "اگر تم انکار سننے کے عادی نہیں ہو تو انکار سننے کا آغاز آج ہی سے کر لو۔"

امیر قافلہ نے اپنے ساتھیوں کو ایک مخصوص اشارہ کیا اور وہ سب آپ پر ٹوٹ پڑے۔ ذرا سی دیر میں انہوں نے آپ کے ہاتھ پیر باندھ کر آپ کو ایک اونٹ پر باندھ لیا اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

طلوع سحر سے قبل وہ قافلہ ایک پہاڑی سلسلے میں داخل ہو گیا۔ وہاں ایک بہت بڑے غار میں ان کی اقامت تھی۔ غار میں پہنچنے کے بعد آپ کے ہاتھ پیر کھول دیے گئے اور ایک شخص نے کہا "یہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہ کرنا' غار کے دہانے پر سخت پہرا ہے۔ خود ہم بھی یہاں سے امیر کے ساتھ ہی باہر جا سکتے ہیں۔ اگر ہم تنہا غار سے نکلنے کی کوشش کریں تو پہریدار بلا تامل ہمیں قتل کر دیں۔ ہمارا سردار غنیم تم پر مہربان ہو گیا ہے۔ تم اس کی بات مان لو گے تو عیش کرو گے اور اگر اس کی بات نہ مانی تو وہ ایسی سزائیں دے گا جس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ غنیم اس علاقے کا بے تاج بادشاہ ہے۔ یہ سچ ہے کہ دنیا ہمیں ڈاکو کہتی ہے مگر اس سے بڑی سچائی یہ ہے کہ غریبوں کا خون چوسنے والوں کے لیے ہم برق اجل ہیں۔ غریبوں کو ہمارے ہاتھ سے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ ان کی مدد کر کے ہمیں روحانی خوشی محسوس ہوتی ہے۔"

آپ نے یہ بات سن کر مسکراتے ہوئے کہا "اگر تم امیروں کے دشمن ہو اور غریبوں کے غمگسار ہو تو مجھے یہاں کیوں پکڑ لائے ہو؟ مجھ جیسا غریب دنیا میں شاید ہی ہو۔ نہ میرے پاس رہنے کو مکان ہے' نہ ان کپڑوں کے علاوہ کپڑے ہیں جو اس وقت میرے بدن پر ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ میں گزشتہ چھتیس گھنٹوں سے بھوکا ہوں۔"

"ہم تمہیں یہاں اس لیے نہیں لائے کہ تم پر ظلم کریں۔" ایک ڈاکو نے جواباً کہا "ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنی زندگی عیش میں بسر کرو۔ اگر اس دعوت عیش کو ٹھکرا کر تم خود ہی اذیتوں کے غار میں کود جاؤ تو اس کی ذمے داری صرف تم پر عائد ہوگی۔"

ابھی گفتگو اور بھی ہوتی مگر دف بجنے کی آواز سنتے ہی ڈاکو یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ انہیں ان کے سردار غنیم نے طلب کیا ہے اور وہ پھر آئیں گے۔

سردار غنیم پہاڑ میں تراشے ہوئے ایک سنگین چبوترے پر بیٹھا تھا۔ دف پر اکتالیسویں ضرب' آخری ضرب تھی۔ ڈاکو سر جھکائے ہوئے کھڑے تھے۔ معاً سردار کی آواز گونجی "اسواد' تم شمار کرو کہ سب آگئے یا کسی کو موت نے روک لیا ہے۔"

اسواد نے صف باصف کھڑے ہوئے ساتھیوں کو شمار کرنے کے بعد کہا "سردار' آپ کے سارے خادم حاضر ہیں اور ان کی مجموعی تعداد ایک سو ایک ہے۔"

جواب سن کر غنیم کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ جس کا نام سن کر لوگ کانپ اٹھتے تھے' اس کے جسم پر خوف کی لرزش دیکھ کر سبھی حیران ہوئے مگر وجہ دریافت کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ وہ دم سادھے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جب غنیم نے اپنی حالت پر قابو پالیا تو بولا "جاں نثار ساتھیو! آج تم نے ایک آہنی دیوار کو لرزتے ہوئے دیکھا۔ تم نے اس شخص کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں دیکھی ہیں جو موت سے بھی نہیں ڈرتا۔ میری بات غور سے سنو' تم میری اس کیفیت کا سبب سمجھ جاؤ گے۔" یہ کہہ کر غنیم نے ایک طویل سانس لیا پھر بتانے لگا "آج سے پورے بارہ سال پہلے کرزاز میں میری ملاقات ایک خدا رسیدہ بزرگ سے ہوئی تھی۔ میں نے ان کی بے سروسامانی دیکھ کر ان کی خدمت میں ایک معقول رقم پیش کرنا چاہی تو انہوں نے اس رقم کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ اگر میں انہیں کچھ نذر کرنا ہی چاہتا ہوں تو ان کا سوال پورا کردوں۔ میں ان کی یہ بات سمجھنے سے قاصر رہا کیونکہ جو رقم میں نے پیش کی تھی' وہ کافی تھی اور ان کی ہر ضرورت پوری ہوسکتی تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ میں ان کا سوال ضرور پورا کروں گا' وہ سوال کریں۔ بزرگ میری یقین دہانی کے بعد بولے کہ وہ مجھے نصیحت کرنا چاہتے ہیں۔ نصیحت کا لفظ سنتے ہی مزید کچھ سنے بغیر میں نے کہا کہ سوال اور نصیحت میں بڑا فرق ہے۔ میں نے سوال پورا کرنے کا وعدہ کیا ہے' نصیحت قبول کرنے کا نہیں مگر اس کے باوجود میں ان کی ہر نصیحت بھی قبول کرلوں گا' اگر وہ نصیحت میرے پیشے سے متعلق نہ ہو۔ بزرگ میری بات سن کر کچھ دیر میری طرف بغور دیکھتے رہے پھر فرمایا کہ وہ یہ نہیں کہہ رہے کہ میں اپنا پیشہ بدل لوں۔ وہ تو صرف یہ نصیحت کر رہے ہیں کہ میں اپنے پیشے میں تھوڑی سی ترمیم کرلوں اور وہ بھی صرف یہ کہ اب سے غریبوں کا مال خود پر حرام کرلوں اور ان کے جان و مال کا محافظ بن جاؤں۔ میں

نے ان کی یہ نصیحت قبول کرلی تو انہوں نے مزید کہا کہ میری زندگی میں ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ میرے گروہ میں اس دن ایک سو ایک آدمی ہوں گے اور میں ایک شخص کو اس کی مرضی کے خلاف اپنے گروہ میں شامل کرنا چاہوں گا۔ وہ بولے کہ اس دن تک ضمانت دیتے ہیں کہ مجھ پر کوئی آفت نہیں آئے گی مگر اس کے بعد مجھے خطرات گھیر لیں گے۔ میں نووارد کے ساتھ جو سلوک کروں گا' اس پر میرے مستقبل کی بہتری اور ابتری کا انحصار ہوگا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ میں نووارد پر جبر کی وجہ سے ہی نقصان اٹھاؤں گا؟ مگر میرا یہ سوال صدا بہ صحرا ثابت ہوا کیونکہ وہ بزرگ بیٹھے بیٹھے ہی اچانک غائب ہوگئے تھے۔ ان کے اس طرح غائب ہونے سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ میں واقعی ایک کامل بزرگ سے ملا ہوں۔ مجھے ان کی نصیحت اور پیش گوئی کا اعتبار کرلینا چاہیے چنانچہ اسی دن میں نے غریب آزاری کو چھوڑ کر غریب پروری کو اپنا شعار بنالیا۔ اسی دن سے مہینے میں ایک دو بار اپنے ساتھیوں کو شمار کرالینا میرا معمول بن گیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ میرے گروہ میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ آج تم اس پیش گوئی کی صداقت دیکھ رہے ہو۔ ہماری تعداد ایک سو ایک ہے اور ایک نووارد کو ہم اس کی مرضی کے خلاف یہاں اٹھالائے ہیں۔ غالباً تم اب میرے خوف کی وجہ سمجھ چکے ہو۔ تم لوگ مجھے مشورہ دو کہ نووارد کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"

اسواد نے کہا "سردار' نووارد کے متعلق ہمارا طرز عمل نہایت دوستانہ ہونا چاہیے۔ آپ نے جو واقعہ سنایا ہے' اس سے واضح تاثر یہی ملتا ہے کہ نووارد کے ساتھ اگر ناروا سلوک کیا گیا تو ہمارے حق میں برا ہوگا۔"

اسواد کی بات سن کر ایک اور ڈاکو سلیم بولا "میں سمجھتا ہوں کہ اسواد نے صورت حال کو سمجھنے میں غور و فکر سے کام نہیں لیا۔ اگر بزرگ کی گفتگو پر غور کیا جائے تو چند نتائج واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔ اگر وہ بزرگ وارد کے ساتھ بدسلوکی یا جبر کو سردار کے حق میں برا سمجھتے تو سردار کو نصیحت ضرور کرتے کہ نووارد کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے کیونکہ وہ ہمارے سردار کے بہی خواہ تھے۔ نووارد کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے' اس معاملے کو بزرگ نے سردار کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے کیونکہ ایک بزرگ اپنی زبان سے کسی پر جبر کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتے تھے۔ آپ سب غور فرمائیں کہ نووارد نے ہمیں قبول نہیں کیا بلکہ ناپسند کیا ہے اور اب تو اس پر ہماری مصروفیات بھی عیاں ہوگئی ہیں۔ اگر ہم اسے چھوڑ دیں تو ہماری کمیں گاہ غیر محفوظ ہو جائے گی اور کسی وقت بھی سلطان مراکش کی فوجیں ہمیں گھیر کر ہمارا خاتمہ کردیں گی۔"

سردار نے اسواد اور سلیم کی گفتگو غور سے سنی تھی۔ اس کا ذہن الجھن کر رہ گیا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر مجلس برخواست کرنے کا اشارہ دیا' پھر اسواد اور سلیم کو قریب لا کر کہا "نووارد

کا تفصیلی احوال شام تک مجھے معلوم ہو جانا چاہیے مگر تحقیق میں کسی قسم کی زیادتی نہ کرنا۔"

سردار اپنی خواب گاہ میں چلا گیا تو اسواد اور سلیم نے نووارد سے گفتگو کے لیے ایک لائحہ عمل مرتب کیا۔ کچھ دیر بعد ہی وہ کھانا لیے ہوئے سعید بن سلام کے پاس پہنچ گئے۔ آپ اس وقت لیٹے ہوئے تھے' آہٹ سن کر اٹھ بیٹھے۔ دونوں نے آپ کو سلام کیا اور ادب سے کھانا سامنے رکھ کر بیٹھ گئے۔ اسواد نے آپ کو مخاطب کیا "کھانا حاضر ہے' ہماری بڑی عزت ہوگی اگر ہمیں بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرلیں۔"

"تم لوگ کھانا کھاؤ' میں یہ کھانا نہ کھاسکوں گا۔" آپ نے فرمایا۔

"یہ کھانا زہر آلود نہیں ہے۔ آپ ڈریں نہیں ہم بھی تو آپ کے ساتھ کھائیں گے۔" اسواد بولا۔

"بے شک اس کھانے میں وہ زہر نہیں جو انسانی جسم کے نظام کو معطل کردیتا ہے مگر اس میں وہ زہر ضرور موجود ہے جو روح کو پرواز سے محروم کردیتا ہے۔ یہ لوٹا ہوا مال حرام ہے اور اہل ایمان حرام نہیں کھایا کرتے۔" آپ نے پرسکون لہجے میں کہا۔

سلیم نے کھانا سامنے سے اٹھا کر الگ رکھ دیا۔ آپ کی گفتگو سے دونوں ڈاکو برافروختہ تو بہت ہوئے مگر ضبط کرگئے۔ اسواد نے کہا "رزق حلال ہمارے پاس نہیں ہے۔ بہرکیف ہم آپ پر جبر نہیں کریں گے۔ ہمیں آپ کی حق گوئی نے بہت متاثر کیا ہے۔ کیا آپ اپنا نام بتانا پسند فرمائیں گے؟ میا نام اسواد اور میرے ساتھی کا نام سلیم ہے۔"

"مجھے سعد بن سلام کہتے ہیں۔" آپ نے جواب دیا "کچھ دن پہلے میں طالب علم تھا اور اب مدرستہ الفرقان سے فارغ التحصیل ہو کر الاصنام سے نکلا ہوں کہ کہیں بیٹھ کر اللہ کو سکون اور اطمینان سے یاد کروں۔"

"آپ نوجوان ہو کر یاد الٰہی کا شوق رکھتے ہیں' یہ آپ کی خوش نصیبی ہے۔ اگر آپ کو ہم لوگ آپ کے حال پر چھوڑ دیں تو بتائیے یہاں سے کس طرف جائیں گے؟" اسواد نے سوال کیا۔

سعید بن سلام نے بڑی متانت سے جواب دیا "پہلے میں تمہارے سردار غنیم سے ملوں گا اور اسے قائل کروں گا کہ وہ فلاح کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے۔ میں اسے خیر کی راہ پر چلنے کی دعوت دوں گا۔ اگر اس نے حق کو قبول کرلیا تو دنیا و آخرت میں سرخروئی اس کا مقدر بن جائے گی' بصورت دیگر میں یہاں سے سیدھا سلطان مراکش کے پاس جاکر تمہارے ٹھکانے کی نشاندہی کروں گا تاکہ تمہارے شر سے اللہ کی مخلوق کو نجات ملے۔"

اسواد اور سلیم کو آپ کی بے باکی نے گنگ کردیا تھا۔ ان کا دل چاہتا تھا کہ آپ کے

ٹکڑے ٹکڑے کردیں مگر سردار غنیم کی ہدایت کے پیش نظر وہ ارادہ قتل سے باز رہے اور خاموشی سے اٹھ کر چلے گئے۔

ان کے جاتے ہی آپ کے دل نے فتویٰ دیا کہ اب بھوک اور پیاس کا وہ مرحلہ شروع ہو چکا ہے جب جان بچانے کے لیے حرام بھی حلال ہو جاتا ہے مگر آپ نے دل کے اس فتوے کو قبول نہ کیا۔ آپ نے طے کرلیا کہ کھائیں گے تو رزق حلال ہی کھائیں گے ورنہ جان دے دیں گے۔ ثابت قدمی کے یہ کڑے تیور دیکھ کر دریائے رحمت میں جوش آگیا۔ سعید بن سلام پر غشی طاری ہوگئی تو حضرت خضرؑ نے آکر ان کا سر اپنے زانو پر رکھا اور پیشانی پر بوسہ دیا پھر فرمایا "اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود میں رہنے کے لیے جو کوشش تم نے کی ہے قبول کرلی گئی ہے۔"

سعید بن سلام نے یہ سخن دل نواز سن کر آنکھیں کھول دیں اور نحیف آواز میں پوچھا "آپ کون ہیں؟"

جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ ان کے مخاطب حضرت خضرؑ ہیں تو اٹھ کر بیٹھ گئے۔ حضرت خضرؑ نے انہیں ایک پیالہ دیا جس میں ایک محلول تھا' دودھ سے زیادہ سفید۔ آپ نے اسے پیا تو وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا۔ آپ پیتے رہے مگر پیالہ خالی ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔ آپ سیر ہوگئے تو "الحمد للہ" کہہ کر پیالہ زمین پر رکھ دیا۔ آپ کی تمام کمزوریاں یکلخت دور ہوگئیں اور توانائی رگوں میں انگڑائیاں لینے لگی۔

حضرت خضرؑ نے فرمایا "تمہیں یہ معلوم ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اسرار و رموز کا خصوصی علم عطا فرمایا ہے' تکوینی علوم میں دسترس عطا فرمائی ہے اور یہ علوم اسی کے حکم سے میں اس کے مقرب بندوں کو سکھاتا ہوں۔ مجھے حکم ملا ہے کہ ایک راز سے تمہیں بھی آگاہ کردوں۔ کائنات میں جتنی چیزیں ہیں اور ان چیزوں کی جتنی صورتیں ہیں' انہیں امرالٰہی نے عناصر اربعہ سے متشکل کیا ہے۔ مٹی' پانی' ہوا اور حرارت منتشر ہوں تو ان کی صورتیں فنا ہو جاتی ہیں۔ مجتمع ہوں تو منشائے مشیت کے مطابق صورت قبول کرلیتی ہے۔ عناصر اربعہ کو مجتمع اور منتشر کرنے والا اسم **یابدیع السموات والارض** اور **یامصور** ہے۔ جب کسی شے کو یا شخص کو یا خود کو منتشر کرنا ہو تو **یابدیع السموات والارض** کہو اور جب دوبارہ کسی شے کو یا شخص کو یا خود کو متشکل کرنا ہو تو **یامصور** کہو'۔ ان اسمائے حسنیٰ کے خواص اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کئے ہیں جو تمہارے کام آئیں گے۔ اب تم پہلے خود پر میری نگرانی میں تجربہ کرو **یابدیع السموات والارض** کہہ کر منتشر ہو جاؤ۔ تمہاری روح امرالٰہی کے ساتھ باقی ہے۔ مٹی' مٹی میں مل جائے گی' ہوا' ہوا میں' پانی' پانی میں اور حرارت' حرارت میں تحلیل ہو جائے گی۔ یہی حال تمہارے لباس کا ہوگا۔ تمہیں تمہارے سوا نہ کوئی دیکھ سکے گا' نہ

محسوس کر سکے گا۔"

حضرت خضرؑ کی تعلیم کے مطابق جیسے ہی سعید بن سلام نے امر الٰہی کا نفاذ کیا' ان کے تمام اجزا منتشر ہو گئے۔

حضرت خضرؑ نے پوچھا "کیا تم میری بات سن رہے ہو؟"

سعید بن سلام کی روح نے جواب دیا "میں آپ کی بات سن رہا ہوں۔ میں واقعی منتشر ہوں۔ مجھے اپنے ہونے کا صرف احساس باقی ہے۔ میں کسی معین صورت میں موجود نہیں ہوں۔ اب میں دوسرے مرحلے کا تجربہ کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر آپ نے دوسرا عمل نافذ کیا تو تمام اجزا پھر مجتمع ہو گئے اور سعید بن سلام اپنی صورت میں لوٹ آئے مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضرت خضرؑ موجود نہیں تھے۔

شام کو اسواد اور سلیم نے اپنے سردار کو سعید بن سلام سے ہونے والی گفتگو کا تفصیلی حال سنایا پھر اسواد نے کہا "ہمارے خیال میں سعید بن سلام کو فوراً قتل کر کے اپنی تباہی کے خطرات کا سد باب کرنا چاہیے۔ اگر وہ نکل گیا تو ہم اپنی جان نہ بچا سکیں گے۔"

غنیم کچھ سوچنے کے بعد بولا "تمہارے بیان کے مطابق سعید بن سلام تین دن کی مسلسل بھوک پیاس سے نڈھال ہو چکا ہے اور اس میں اتنی سکت بھی باقی نہیں کہ اپنے پیروں پر چل کر کہیں جا سکے۔ میرے خیال میں وہ دو تین دن اگر اسی حال میں رہا تو مر جائے گا۔ اس موت کی ہم پر ذمے داری بھی عائد نہ ہوگی۔ کھانا صبح شام اسے ضرور پہنچاتے رہو' کھائے نہ کھائے' یہ اس کی مرضی۔"

دونوں ساتھیوں نے اپنے سردار کی اس تدبیر کو بہت سراہا۔

روزانہ صبح و شام وہ کھانا پہنچاتے رہے۔ وہ جب جاتے انہیں لیٹا ہوا پاتے۔ صبح پہنچایا ہوا کھانا جوں کا توں' وہ شام کو واپس لے آتے اور شام کا کھانا جوں کا توں صبح لے آتے۔ چار دن مزید گزر جانے کے بعد تمام ڈاکو سعید بن سلام کی موت کے منتظر رہنے لگے۔ آپ مومنانہ فراست سے ڈاکوؤں کی حکمت عملی سمجھ گئے تھے۔ جب بھی آپ کو بھوک لگتی یا پیاس ستاتی' فضا میں تحلیل ہو کر کسی بھی باغ میں یا کسی بھی دریا پر پہنچتے اور اپنی صورت اختیار کر لیتے پھر کھا پی کر واپس غار میں پہنچ جاتے۔

آپ کو قید ہوئے چوبیس دن گزر گئے تو غنیم پریشان ہو گیا۔ اس کے لیے یہ بات ناقابل یقین تھی کہ کوئی شخص کھائے پیئے بغیر چوبیس دن زندہ رہ سکتا ہے۔ اس نے حکم دیا کہ سعید بن سلام کو زنجیروں سے باندھ کر اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ ڈاکوؤں نے جب آپ کو زنجیروں سے جکڑا تو آپ نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ جب وہ غنیم کے سامنے پہنچے تو وہ آپ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ آپ اسے اتنے ہی صحت مند نظر آئے جتنا کوئی نوجوان ہو سکتا تھا۔

آپ سے جب غنیم کی آنکھیں ملیں تو وہ لرز کر رہ گیا۔ اس نے آنکھیں جھکا کر اپنی بگڑی ہوئی حالت کو سنبھالا اور کہا۔ سعید' میری براہ راست تم سے کوئی عداوت نہیں ہے۔ میں تمہیں یہاں اس مقصد کے لیے لایا تھا کہ صحرا بہ صحرا بھٹکنے سے بچو اور ایک بہتر زندگی گزار سکو مگر تمہیں یہاں لانے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ بہتری کے تصورات ہمارے مابین مشترک نہیں ہیں۔ ان اختلاف کے بعد اصولاً مجھے تمہیں چھوڑ دینا چاہیے تھا مگر میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں جن کے پیش نظر میں تمہیں رہا نہ کر سکا۔ مجھے پتا چلا ہے کہ تم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ یہاں سے جانے کے بعد سلطان مراکش کو ہمارے اڈے کا پتا بتا کر ہمارا خاتمہ کرادو گے۔ ہم دیدہ و دانستہ تباہ نہیں ہونا چاہتے۔ ہم تمہیں زنجیروں سے باندھے رکھیں گے اور دیکھیں گے کہ وہ کون شخص ہے جو تمہیں کھلا پلا جاتا ہے۔"

آپ نے غنیم کی بات سن کر زیر لب تبسم فرما کر کہا "یہ زنجیریں اور پہرے مجھے نہیں روک سکتے۔ میں خود ہی یہاں ٹھہرا ہوں اور اس وقت تک یہاں قیام کروں گا جب تک تمہاری اصلاح نہ ہو جائے۔"

غنیم کو سعید بن سلام کے اس جواب پر غصہ آ گیا۔ وہ سخت لہجے میں بولا "تمہیں یہاں سے فرار ہونے کے لیے پہلے ان آہنی زنجیروں کو توڑنا ہوگا اور پھر میرے پہریداروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنی ہوگی اور یہ دونوں کام ناممکن ہیں۔"

"اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی کام ناممکن نہیں۔" آپ نے فرمایا "دیکھو اور غور سے دیکھو کہ تم جن کاموں کو ناممکن سمجھتے ہو کتنے آسان ہیں۔" یہ کہہ کر آپ نے زنجیروں کے اجزا کو منتشر کرنے کا خیال کر کے اسم پڑھا تو زنجیریں غائب ہو گئیں۔ آپ کو آزاد دیکھ کر ڈاکو حواس باختہ ہو گئے۔ وہ ہمہ تن نظر بنے ہوئے آپ کو دیکھ رہے تھے۔ آپ نے خود کو بھی تحلیل کر لیا اور آپ ڈاکوؤں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

سعید بن سلام یقیناً خدا رسیدہ بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔" غنیم نے کہا "ان سے الجھنا بیکار ہے۔ ان کی اطاعت ہی ہمارے لیے مفید ثابت ہوگی۔"

"مگر اب وہ ہیں کہاں کہ ان کی اطاعت کی جائے۔" ایک ڈاکو بولا۔

یہ سن کر آپ نمودار ہو گئے۔ غنیم دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا اور قدموں میں گر پڑا۔ آپ نے اسے اٹھا کر سینے سے لگاتے ہوئے کہا "توبہ کرو غنیم' اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بہت ہی مہربان ہے۔"

غنیم نے توبہ کی تو سارے ڈاکو بھی تائب ہو گئے اور آپ سے شریفانہ زندگی بسر کرنے کا عہد کر لیا۔ اس مرحلے پر اسواد نے کہا "اللہ کا شکر ہے کہ آپ کی وجہ سے ہماری اصلاح ہو گئی مگر سلطان مراکش اور اہل مراکش تو ہمیں معاف نہیں کریں گے۔ جیسے ہی ہم اپنی پناہ

گاہ سے نکل کر شہر میں جائیں گے 'ہمیں گرفتار کرلیا جائے گا۔"

آپ نے اسواد کے اندیشے کو دور کرنے کے لیے دو تجویزیں پیش کیں "پہلی تجویز یہ ہے کہ میرے ساتھ سلطان مراکش کے پاس چلو' میں تمہارے تمام قصور اس سے معاف کروادوں گا۔ دوسری تجویز یہ کہ میں تمہیں یہاں سے دور کسی شہر میں پہنچادوں جہاں تم اپنی نئی زندگی کا باعزت آغاز کرسکو۔"

غنیم نے دوسری تجویز قبول کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا "تم بھی دونوں تجویزوں میں سے ایک کا انتخاب کرنے کے لیے میری طرف سے آزاد ہو۔"

سلیم نے غنیم کی تجویز کو بہترین قرار دیتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سعید بن سلام جیسے صاحب روحانیت بزرگ کو یہ طاقت بھی دی ہوگی کہ اگر یہ ہماری معافی کے لیے سلطان مراکش سے کہیں تو وہ ان کی بات نہ ٹال سکیں گے مگر عوام ہمارے چہروں کی سیاہی دیکھ کر ہم سے ہمیشہ نفرت کرتے رہیں گے۔ ہمیں کسی اجنبی شہر ہی میں جاکر بودوباش اختیار کرنی چاہیے جہاں ہمارے ماضی کو جاننے والے نہ ہوں اور ہم بہتر زندگی گزار کے معاشرے میں ایک باعزت مقام حاصل کرسکیں۔" سلیم کی وضاحت کے بعد سب کسی دوسرے شہر میں بسنے کے لیے آمادہ ہوگئے۔

سعید بن سلام نے سب کو ایک ہی منزل کے تعین پر مبارک باد دیتے ہوئے کہا "تو اب تم چلنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔ تم جتنا سامان اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو' اونٹوں پر لاد کر غار سے باہر آجاؤ۔ یہ کہہ کر آپ غار سے نکل گئے اور پہاڑی وادی میں ان کا انتظار کرنے لگے۔

غنیم اور اس کے ساتھیوں نے جلد سے جلد تمام ضروری اور قیمتی سامان ساتھ لیا اور غار سے باہر آگئے۔

آپ نے ان سے کہا "سب ایک قطار میں کھڑے ہوجاؤ اور آنکھیں بند کرلو۔ جب تک میں نہ کہوں آنکھیں نہ کھولنا۔"

سب نے صف باندھ کر آنکھیں بند کرلیں تو آپ نے اسم پڑھا۔ وہ سب کے سب فضا میں تحلیل ہوگئے۔ آپ نے بغداد کا قصد فرما کر روحانی سفر کا آغاز کیا اور چند لمحوں میں بغداد پہنچ گئے۔

آپ نے پھر اسم پڑھ کر سب کو ان کے اسباب کے ساتھ متشکل کیا پھر حکم دیا "آنکھیں کھول لو۔"

سامنے فصیل شہر نظر آرہی تھی۔ غنیم نے پوچھا "اتنی جلدی ہم کس شہر کے پاس آگئے۔"

"یہ بغداد ہے۔ چند لمحوں میں تم نے کئی ہزار فرسخ کا فاصلہ طے کرلیا ہے۔" آپ نے بتایا "اس سفر میں میری کسی صلاحیت کا دخل نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسم مقدس کی برکتیں ہیں۔ اب تم لوگ جاؤ اور اپنے عہد پر قائم رہو۔ اللہ تمہاری مدد فرمائے گا۔ اگر اخراجات نہ ہوں تو مجھے بتادو میں انتظام کردوں۔"

غنیم نے کہا "ہمارے پاس اتنی دولت ہے کہ اگر ہم کچھ بھی نہ کریں تو باقی زندگی آرام سے کٹ جائے گی۔"

سعید بن سلام ان کی معاشی حالت سے مطمئن ہوکر فضا میں تحلیل ہوکر واپس مراکش کے اسی غار میں پہنچ گئے جہاں سے بغداد آئے تھے اور عبادتوں اور ریاضتوں میں مشغول ہوگئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت خضرؑ کی تعلیم سے آپ بڑے صاحب کرامت ہوگئے تھے مگر آپ کی مراد اللہ کا قرب تھی۔ آپ خرق عادت کے کھلونوں سے کیسے بہل سکتے تھے۔ ذکر و فکر میں انہماک بڑھا تو نظر سے حجابات اٹھنے لگے۔ حجابات اٹھے تو ذوق طلب اور بڑھا۔ اللہ تعالیٰ کی ان گنت صفات ہیں اور ہر صفت بندے اور خدا کے درمیان ایک حجاب ہے۔

ایک رات آپ غار میں محو عبادت تھے۔ اخلاص بندگی پر تجلی حق کا نزول ہوا۔ سعید بن سلام کے سارے حواس اس تجلی میں جذب ہوگئے۔ ایسا عالم تحیر طاری ہوا کہ چار سال تک ان کا شعور اپنے تشخص کو فراموش کیے رہا۔ جب اس عالم سکر سے نجات ملی تو آپ اتنے بدل چکے تھے کہ خود کو شناخت کرنے میں بھی تکلف ہوا۔

ہوش میں آئے تو پھر لذت مدہوشی کے لیے دل مچلنے لگا۔ آپ نے دل کو سمجھایا۔ طلب صرف جمال حق کی طلب ہے۔ نہ صحو میری مراد نہ سکر۔ دل کبھی کبھی کوئی تقاضا کرتو دیتا تھا مگر راہ طلب میں آپ کی استقامت سے بھی آگاہ تھا۔ دل نے اصرار سے ہاتھ اٹھالیے تھے۔ ایک دن جب گرمی بہت شدید تھی' دل نے تقاضا کیا۔ تازہ انگور کھانا چاہتا ہوں۔ آپ نے زمین سے کچھ کنکر اٹھائے اور منہ میں ڈال کر دل سے مخاطب ہوئے "لے تازہ انگور کھالے۔" کنکر فوراً انگور بن گئے۔ آپ چاہتے تھے کہ تھوک دیں مگر اس فعل کو کفران نعمت سمجھ کر دل پر مسرتوں کے دروازے بند نہیں کیے۔

رات کچھ دیر کے لیے سوئے تو خواب میں اپنے استاد محترم علامہ عامری کو دیکھا وہ صاحب فراش ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ ہم جارہے ہیں تم کیا رخصت کرنے بھی نہیں آؤ گے؟ آنکھ کھلی تو خواب یاد تھا۔ آپ فوراً الاصنام پہنچ کر مدرستہ الفرقان میں استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ کو دیکھا تو فرمایا "تم ٹھیک وقت پر آگئے' اب میں پر سکون طریقے پر دنیا سے سفر کروں گا۔"

آپ نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا "میں ابھی آپ کی صحت کے لیے دعا کرتا ہوں۔"

علامہ عامری نے کہا "میں بالکل صحت مند ہوں' میری صحت کے لیے دعا نہ کرو' جہاں تک موت کا تعلق ہے تو اسے پیغام دوست سے تعبیر کرو۔ تم اب غار سے باہر آؤ اور خدمت خلق میں مصروف ہو جاؤ کہ یہ بڑی عبادت ہے۔ تمہاری ذات سے انشاء اللہ بہت لوگ راہ راست پر آئیں گے۔"

اس کے علاوہ علامہ عامری نے سعید بن سلام کو بہت سی نصیحتیں کیں اور کلمہ طیبہ پڑھ کر واصل بحق ہو گئے۔ دوسرے دن جمعے کی نماز سے قبل ہی علامہ عامری کو مدرسے میں دفن کیا گیا۔ تدفین میں الاصنام کی پوری آبادی شریک ہوئی۔ تدفین کے بعد سعید بن سلام اپنی مخصوص قوت کے ذریعے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ شام جب رمضان کا چاند افق افروز ہوا تو آپ نے کعبتہ اللہ میں ایک ماہ کے اعتکاف کی نیت کر لی۔ وہ مبارک مہینہ نوافل' تلاوت اور طواف میں اس طرح گزرا کہ آپ برائے نام آرام کرتے۔ نماز عید حرم کعبہ میں ادا کر کے آپ پیدل مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ تنہا چلے جا رہے تھے کہ ایک جگہ کچھ لوگوں کے چیخنے چلانے کی آواز آپ کے کان میں پہنچی۔ آپ متوجہ ہوئے تو پتا چلا کہ مسافروں پر قزاقوں نے حملہ کر دیا ہے۔ آپ فوراً وہاں پہنچے اور قزاقوں کی تلواروں' نیزوں خنجروں اور تیروں کو تحلیل کر دیا۔ مسافروں میں سے کچھ افراد کے پاس ہتھیار تھے۔ قزاقوں کو نہتا دیکھ کر ان کے حوصلے بلند ہو گئے۔ نہتے مسافروں نے بھی جم کر اپنی مدافعت شروع کر دی اور اتنا دباؤ ڈالا کہ قزاق بھاگ کھڑے ہوئے۔ مظلوموں کو ظالموں سے بچانے کے بعد آپ پھر اپنی جگہ پہنچ گئے اور پیدل سفر کا پھر آغاز کیا۔ آپ دیار حبیبؐ میں اسی طرح پہنچنا چاہتے تھے کہ جسم حجاز مقدس کی خاک سے اٹا ہو' رہگزار رسولؐ کی خاک آنکھوں میں سرمہ بنی ہو' پاؤں کے چھالے ہر قدم زخم بن کر کسک پیدا کرتے ہوں اور ہر کسک کے ساتھ زبان پر درود کے نغمے گونجتے رہیں۔ دیار نبی کریمؐ میں پہنچے تو ان کا وجود پگھل پگھل کر آنسوؤں میں ڈھلنے لگا۔ کئی دن آنسو آنکھ سے نہ تھمے۔ ایک دن روضتہ النبی پر حاضری دی تو طبیعت پر سکون ہو گئی۔ پونے دو مہینے جوار رحمت اللعالمینؐ میں نعمتوں سے سرفراز ہونے کے بعد حج ادا کرنے کے لیے پھر مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ حج کے دوران میں آپ کی ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی۔ وہ ایدمیر کا رہنے والا تھا جو جدید نقشوں کے مطابق مالی اور نائجر کی جنوبی سرحدوں کے مابین واقع ہے۔ ایک دن اس نوجوان نے آپ سے کہا "کیا کوئی ایسا مسلمان بھی یہاں دستیاب ہو سکتا ہے جو فی سبیل اللہ ایدمیر چلے اور میرے سحر زدہ والد کو ٹھیک کر دے؟"

آپ نے اسے تسلی دی اور ساتھ چلنے کا وعدہ کر لیا۔

نوجوان نے حیرت سے آپ کو دیکھتے ہوئے کہا "میرے متعلق دوسری تفصیلات کا تو کیا ذکر' آپ میرا نام تک نہیں جانتے۔ اس کے باوجود میرے ساتھ ایک طویل سفر کے لیے آمادہ ہونا اخلاص کی نایاب مثال ہے۔"

نوجوان کو مطمئن کرنے کے لیے آپ نے کہا "اخلاص ایک ایسی نعمت ہے جسے اللہ کا فضل عظیم کہنا چاہیے۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارا نام حسن ہے اور تمہارے باپ کا نام حمزہ۔ مجھے اللہ کے فضل سے یہ بھی معلوم ہے کہ تمہاری والدہ کے علاوہ تمہاری دو مائیں یہ چاہتی ہیں کہ ان کا شوہر جلد از جلد مر جائے۔"

حج کے بعد آپ حسب وعدہ حسن کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ مدینتہ الرسولؐ ان کی پہلی منزل تھی۔ حسن کی ناقہ بہت خوب صورت اور صبا رفتار تھی۔ راستے میں ایک ناقہ سوار جب حسن کے ناقے سے آگے نکلا تو اس نے بھی اپنی ناقہ کی رفتار تیز کر دی۔ تھوڑی دیر ہی میں دونوں کے درمیان مقابلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اب ایک دوسرے پر مسابقت کے لیے دوڑ ہونے لگی۔ سعید بن سلام عالم استغراق میں حسن کے پیچھے' دونوں عالم سے بے نیاز بیٹھے ہوئے تھے۔ حسن کو اپنی ناقے کی صبا رفتاری پر بڑا اعتماد تھا مگر آگے جانے والی ناقہ ہر لمحے درمیانی فاصلہ بڑھا رہی تھی۔ حسن نے جھنجلا کر اپنی ناقہ کو سزا دی تو سعید بن سلام نے عالم استغراق کی سرحدوں سے باہر آ کر کہا "حسن' ناقہ پر ظلم نہ کرو۔ تم جس سے احمقانہ مقابلہ کر رہے ہو' اسے نہ پا سکو گے۔"

آپ کی بات سن کر حسن نے کہا "میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے لیکن میں اس غم سے پاگل ضرور ہو جاؤں گا کہ مجھ پر کوئی سبقت لے گیا کیونکہ میں نے دوڑ کے کسی مقابلے میں آج تک شکست نہیں کھائی۔"

آپ حسن کے اس بچکانہ اضطراب پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے اور فرمایا "اب اگر تم فتح یاب ہونا چاہتے ہو تو ناقہ پر بید کی ضرب نہ لگانا بلکہ شفقت سے اس پر ہاتھ پھیر کر اس کی شکرگزاری کی داد دینا۔"

حسن نے تعمیل حکم کی۔ آپ نے کچھ پڑھ کر ناقہ پر دم کیا۔ اچانک ایسا محسوس ہوا کہ ناقہ کی رگوں میں بجلیاں بھر گئی ہوں۔ درمیانی فاصلہ کم ہونے لگا۔ آگے جانے والے سوار نے رفتار اور تیز کی تو حسن کی ناقہ کی رفتار بھی مزید تیز ہو گئی۔ رفتہ رفتہ دونوں ناقہ برابر ہو گئے۔ کچھ دیر برابر دوڑنے کے بعد جب حسن آگے نکلا تو پیچھے سے شکست خوردہ سوار نے کہا "رک جاؤ' میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

حسن نے آپ کی ایما پر ناقہ روک دیا۔

سوار نے قریب آ کر سلام کیا اور بولا "میں تمہیں اپنی ناقہ کے ساتھ جتنی دولت چاہو

دینے کے لیے تیار ہوں۔ تم اپنا ناقہ مجھے دے دو۔"

"میں کسی قیمت پر اپنی ناقہ بیچنے پر آمادہ نہیں ہوں۔" حسن نے کہا۔

ناقہ سوار نے حسن کا جواب سن کر تلوار نیام سے نکال لی اور کہا "ہمارے درمیان اب تلوار فیصلہ کرے گی۔"

حسن نے بھی تلوار کھینچ لی۔ اس موقع پر سعید بن سلام نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "اگر لڑنا ہے تو اونٹوں سے نیچے اتر کر لڑو۔"

دونوں اونٹوں سے کود کر جب ایک دوسرے سے آمادہ پیکار ہوئے تو آپ نے دونوں کی تلواریں تحلیل کر دیں۔ دونوں حیران تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ تلواریں جو ان کی گرفت میں تھیں' کہاں غائب ہو گئیں۔

آپ نے بلند آواز میں دونوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور فرمایا "اب تم یہاں کشتی لڑتے رہو' میں جا رہا ہوں۔"

تلواریں غائب ہونے کی حیرت آفرینی ابھی برقرار ہی تھی کہ انہوں نے دیکھا کہ دونوں اونٹ بھی غائب ہیں۔ ان پر ایسا خوف طاری ہوا کہ ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد جب ان کے حواس بحال ہوئے تو حسن سے دوسرے سوار نے کہا "پیارے دوست' مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارے اور اپنے ساتھ زیادتی کر ڈالی۔ کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ تمہارے ساتھ جو بزرگ تھے' وہ کون تھے اور ان سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟"

"ایام حج میں ان سے میری ملاقات ہوئی تھی۔" حسن نے بتایا "وہ بہت ہی حیرت انگیز شخصیت کے مالک ہیں۔ کچھ بتائے بغیر میرے متعلق بہت سی باتیں ان کے علم میں آ گئی ہیں۔ میرے خیال میں ہماری اصلاح کے لیے وہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو کر کہیں قریب ہی کھڑے مسکرا رہے ہوں گے۔"

حسن کا یہ خیال صحیح ثابت ہوا۔ جب سعید بن سلام اونٹوں کے ساتھ نمودار ہوئے تو ان کے ہونٹوں پر سنجیدہ تبسم موجود تھا۔ آپ کو دیکھتے ہی دونوں دوڑتے ہوئے پہنچے اور عذر خواہ ہوئے۔

"اونٹ بلا معاوضہ طلحہ کو دے دو۔" آپ نے حسن سے کہا "میں تمہیں اس سے بہتر سواری فراہم کر دوں گا۔"

طلحہ حیرانی سے سوچ رہا تھا کہ اس کا نام کیسے جان لیا گیا؟

حسن کے بعد آپ نے طلحہ کو مخاطب کیا "اپنے باپ ارقم کی خدمت کرو اور ان کی اطاعت کرو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے ورنہ ارقم تمہیں میراث سے محروم کر دیں گے۔ تم نے ان کا بہت دل دکھایا ہے۔"

طلحہ نے باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کا وعدہ کرتے ہوئے آپ سے استدعا کی "میری بستی زیادہ فاصلے پر نہیں ہے' اگر آپ ایک دن کی میزبانی سے مجھے سرفراز فرما دیں تو بڑا کرم ہو گا۔ میرے والد قبیلہ بنو اسلم کے شیخ ہیں' وہ بھی آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔"

"حسن کے والد بیمار ہیں اور مجھے جلد سے جلد ان کے پاس پہنچنا ہے۔" آپ نے کہا "اس لیے میں دعوت قبول کرنے سے معذور ہوں۔ تم نے میری نصیحت قبول کر کے مجھے خوش کر دیا ہے۔ میں اس روحانی ضیافت کو فراموش نہیں کروں گا۔"

حسن نے ناقہ کی مہار' طلحہ کے ہاتھ میں دے دی اور بولا "اسے ہدیتاً قبول فرمائیں۔"

طلحہ نے شکر ادا کرتے ہوئے اصرار کیا "آپ لوگ میرا اونٹ لے جائیں۔ طویل سفر میں بہرحال آپ کو سواری کی ضرورت ہو گی۔"

"تم ہماری فکر نہ کرو اور دونوں اونٹ لے کر فوراً روانہ ہو جاؤ۔" سعید بن سلام نے فرمایا "تمہارے چلے جانے کے بعد ہم اپنی منزل کی طرف روانہ ہوں گے۔"

طلحہ یہ بات سمجھ چکا تھا کہ اس سے جو بزرگ مخاطب ہیں' ان کی اطاعت ہی میں بہتری ہے چنانچہ وہ حسن کی ناقہ پر سوار ہو گیا مگر جانے سے پہلے اس نے حسن سے کہا "اپنا اسباب اور پانی تو ناقہ سے اتار لو۔"

"یہ سب کچھ تمہارا ہے' خدا حافظ۔" حسن نے جواب دیا۔

طلحہ نے سلام کیا اور رخصت ہو گیا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو سعید بن سلام نے کہا "حسن' تم میرا بازو مضبوطی سے تھام کر آنکھیں بند کر لو اور ہدایت ثانی تک بند رکھو۔"

حسن نے تعمیل حکم کی تو آپ اس کے ساتھ تحلیل ہو گئے۔ تھوڑی دیر روحانی سفر کے بعد آپ نمودار ہوئے اور حسن سے آنکھیں کھولنے کے لیے کہا۔ حسن نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا اید میر میں اپنے گھر کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ اب ہر ناممکن اسے ممکن نظر آنے لگا تھا۔ ہزاروں میل کی مسافت چند ثانیوں میں طے کر کے وہ حیران نہ ہوا۔ اس نے آپ سے توقف کرنے کے لیے کہا اور دوڑتا ہوا اپنی ماں کے پاس پہنچا۔ اس قدر جلد واپس آنے پر وہ یہی سمجھی کہ بیٹا حج کیے بغیر ہی راستے سے واپس آ گیا ہے۔ اس نے حسن پر سوالات کی بوچھار کر دی۔ حسن نے ماں کو یقین دلاتے ہوئے کہا "الحمدللہ میں حج کر کے آیا ہوں اور اپنے ساتھ ایک بزرگ کو بھی لایا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میرے والد اب ضرور اچھے ہو جائیں گے۔ سفر کی تفصیلات میں بعد میں سناؤں گا۔ بزرگ کے قیام کے لیے آپ کون سا کمرا تجویز کر رہی ہیں؟"

حسن کی ماں نے غور کرنے کے بعد کہا "تمہارے والد جس کمرے میں ہیں' اس کے پاس والا کمرا کشادہ بھی ہے اور ہوادار بھی۔ میرے خیال میں انہیں وہیں ٹھہراؤ' اس کمرے کی صفائی آج ہی ہوئی ہے۔"

حسن دوڑتا ہوا سعید بن سلام کے پاس پہنچا اور انہیں گھر میں لا کر ٹھہرایا۔ گھر کافی کشادہ تھا۔ پانچ کمرے اس طرح آراستہ تھے جن سے مکینوں کی سلیقہ مندی اور خوش حالی کا اندازہ ہوتا تھا۔ مکان کے اطراف میں قد آدم احاطہ اور احاطے میں کنارے کنارے موسمی پھول مسکرا رہے تھے۔ حسن کے والد حمزہ "ہاتھی دانت" کے بڑے تاجر تھے۔ ان کی تین بیویاں تھیں۔ ہر بیوی کے لیے انہوں نے ایک علیحدہ مکان بنوایا تھا۔ حسن اپنی ماں کا اکلوتا اور حمزہ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ دوسری بیوی لاولد تھی۔ تیسری بیوی سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا تھا۔ حمزہ ایک اچھے تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کے بے باک مبلغ بھی تھے۔ وہ اٹھارہ سال پہلے لیبیا سے سکونت ترک کر کے ایدمیر میں آبسے تھے۔ انہوں نے پہلی شادی لیبیا میں اپنے چچا کی بیٹی سے کی تھی اور دوسری تیسری شادی ایدمیر میں کی تھی۔ حمزہ کی تبلیغ کے نتیجے میں بہت سے مقامی باشندے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تو حمزہ نے ایک مسجد بنوائی اور اس میں دینی تعلیم کے لیے مدرسہ بھی قائم کر دیا تھا۔ حمزہ نے نومسلموں کو اپنے وسیع کاروبار میں لگا کر ان کی معاشی بہتری کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ ایدمیر میں آہستہ آہستہ اسلام نے جڑ پکڑنا شروع کی تو دیوی دیوتاؤں کے پجاری فکر مند ہو گئے۔ استدلال توحید کے سامنے جب شرک کی پیہم شکستیں ہوئیں تو باطل پرست گفتگو سے کترانے لگے۔ اب حمزہ کو راستے سے ہٹانے کے لیے مختلف تدبیریں ہونے لگیں۔ کبھی انہوں نے حمزہ کے ذخیروں میں آگ لگائی تو کبھی ان کے بچوں کو اغوا کرنا چاہا اور کبھی انہیں جنگلوں میں زہریلے تیروں سے ہلاک کرنے کے ذرائع تلاش کیے مگر حمزہ ایک بیدار ذہن اور نہایت چاق و چوبند آدمی تھے۔ دشمنوں کے تمام حملے ناکام ہوتے رہے۔ حمزہ کا کاروباری حریف کنوٹا ان کا بدترین دشمن تھا۔ وہ ہر قیمت پر حمزہ کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ مادی حملوں کی ناکامی کے بعد اس نے زر کثیر خرچ کر کے ایک باکمال جادوگر زامے کو نائجر کے شہر زندر سے بلوایا۔ زامے کی ساحرانہ قوت کی دھاک دور دور بیٹھی ہوئی تھی۔ چھ مہینے وہ غار میں بند رہتا تھا' تین مہینے جنگلوں میں بسر کرتا تھا اور دو مہینے دیوی دیوتاؤں کے استھانوں پر گزارتا تھا۔ صرف ایک مہینے لوگ اس کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہو سکتے تھے۔ زامے کا ایک چہیتا چیلا کیٹار' ایدمیر میں تھا۔ کنوٹا نے اس کی وساطت سے زامے جادوگر کو بلوایا تھا۔

زامے اپنے چیلے پر کیٹار کے ساتھ ہوا میں پرواز کرتا ہوا جب ایدمیر پہنچا تو سب سے پہلے کیٹار پر برہم ہوا۔ اس نے پوچھا "کیا تم اتنا سا کام بھی نہیں کر سکتے جو مجھے بلایا ہے؟ حمزہ

تمہارے قابو میں کیوں نہیں آیا۔ مجھے بتاؤ حمزہ کو راستے سے ہٹانے کے لیے تم اب تک کیا کیا کر چکے ہو؟" کیٹار نے اب تک جتنے منتر پڑھے تھے اور جتنے جادو جگائے تھے' پوری تفصیل سے زامے کو بتا دیے۔

زامے نے تفصیلات سن کر کیٹار کو لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا پھر جس قدر مار سکتا تھا مارا۔ کیٹار جب بے ہوش ہو گیا تو اسے سزا سے امان ملی۔ کنوٹا سزا کا یہ منظر دیکھ کر تھر تھر کانپ رہا تھا۔ زامے نے اس سے کہا "اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارو تاکہ یہ ہوش میں آجائے۔" کیٹار ہوش میں آیا تو زامے بولا "کمبخت' تو نے میرا نام ڈبو دیا۔ اپنی ناکامی کا تو خود ذمے دار ہے۔ کیا میں نے تجھے یہ بات نہیں بتائی تھی کہ آدمی کی زندگی کے دن مقرر ہیں۔ جب تک وہ زندہ رہنے کی مدت پوری نہ کر لے اسے ہلاک نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے پہلے نہ کوئی ہتھیار کام کر سکتا ہے' نہ جادو۔ تجھے یہ چاہیے تھا کہ اسے اپاہج کر کے ایک طرف ڈال دیتا۔ کنوٹا کا مقصد بھی پورا ہو جاتا اور تو بھی شرمندگی سے بچ جاتا۔ اب میرے ساتھ چل اور دیکھ کہ حمزہ کس آسانی سے قابو میں آتا ہے۔"

حمزہ اپنے گھر کی کیاری میں پانی دے رہے تھے۔ ان کی بیوی گھاس پر بیٹھی ہوئی تھی۔ زامے اور کیٹار ہوا میں اڑتے ہوئے وہاں پہنچے۔ جیسے ہی کیٹار نے حمزہ کی نشاندہی کی' زامے نے ایک منتر پڑھ کر حمزہ کی طرف پھونک ماری۔ حمزہ نے ایک دل خراش چیخ ماری اور گر پڑے۔ دوسرے ہی لمحے حمزہ کے جسم کی کھال ان کے جسم سے الگ ہو کر زامے کے ہاتھ میں آگئی۔ دونوں واپس کنوٹا کے پاس پہنچے۔ زامے نے اسے خوش خبری سنائی "تیرا دشمن اب تیرے لیے کبھی درد سر نہیں بنے گا۔ میں جا رہا ہوں اور حمزہ کی کھال بھی ساتھ لے جا رہا ہوں۔ جب تک یہ کھال میرے پاس رہے گی' حمزہ کے جسم پر کسی علاج' کسی جادو سے کھال نہ چڑھ سکے گی۔ وہ مکھیوں' چیونٹیوں اور مچھروں کی غذا بنتا رہے گا۔" یہ سن کر کیٹار اور کنوٹا اظہار شکر گزاری میں زامے کے قدموں پر گر پڑے مگر وہ فوراً فضا میں بلند ہو کر زندر کی طرف پرواز کر گیا۔

حمزہ کے علاج کی ہر ممکن کوشش ہوئی مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ حمزہ ایک کمرے میں بند رہنے لگے اور لوگوں کے سامنے آنے سے گریز کرنے لگے۔ پانچ سال اسی حالت میں گزر گئے تو حمزہ نے اپنے بیٹے حسن سے کہا "تم حج کے لیے جاؤ اور غلاف کعبہ تھام کر میرے لیے دعا کرو۔ اس کے علاوہ میرے لیے ایک عمرہ بھی کرو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ میرا بہت بڑا گناہ ہے کہ استطاعت ہونے کے باوجود میں حج کا فریضہ ادا کرنے کے لیے نہیں گیا۔"

حسن کا سفر حج نہایت مبارک رہا۔ وہ دعا جو اس نے اپنے باپ کی صحت کے لیے غلاف کعبہ تھام کر کی' اس کے نتیجے میں سعید بن سلام فضل خدا کی علامت بن کر اب اس کے

سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

حسن نے بڑے ادب سے سعید بن سلام کو مخاطب کیا "حمام تیار ہے' آپ غسل فرمالیں۔ اس کے بعد کھانا کھا کر آرام فرمالیں صبح آپ والد صاحب کو دیکھ لیجئے گا۔"

حسن کی تجویز معقول تھی' آپ نے مان لی۔ صبح آپ جب اس کمرے میں پہنچے جہاں حمزہ تھے تو ناقابل برداشت بدبو سے سابقہ پڑا۔ حسن نے ناک سے رومال لگالیا تو آپ نے کہا "حسن یہاں تو بڑی لطیف خوشبو ہے' تم ناک پر کپڑا کیوں رکھ رہے ہو؟"

حسن نے فوراً ناک سے رومال ہٹایا تو اسے محسوس ہوا کہ تعفن' خوشبو میں بدل چکا ہے۔ حسن کے والد حمزہ ایک چادر سے پورا جسم ڈھانپے ہوئے لیٹے تھے۔ کچھ دیر تک آپ خاموش کھڑے رہے۔ آپ نے چادر ہٹا کر بھی حمزہ کو نہیں دیکھا۔ چند لمحے بعد آپ حسن کا ہاتھ پکڑ کر اس کمرے سے باہر آگئے۔ حسن نے بیتابی سے پوچھا "کیا میرے والد اچھے ہوجائیں گے؟"

آپ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا "گھبراؤ نہیں' وہ ضرور صحت یاب ہوجائیں گے۔"

حسن نے دیکھا کہ آپ اپنے کمرے میں جارہے ہیں تو دروازے پر رک کر آپ کے کسی حکم کا انتظار کرنے لگا۔

اس کی توقع کے عین مطابق کچھ دیر بعد ہی کمرے سے آپ کی آواز آئی "میں کمرے کا دروازہ اندر سے بند کررہا ہوں۔ تم اب اسی وقت میرے پاس آنا جب دروازہ کھلا ہوا ملے۔ دروازہ اگر ایک مہینے بھی بند رہے تو فکر نہ کرنا۔"

دروازہ بند ہوگیا تو حسن اپنی ماں کے پاس گیا۔ ماں نے پوچھا "کیا تمہارے والد اچھے ہوگئے۔"

حسن نے ایک آہ بھرتے ہوئے جواب دیا "ابھی تو بزرگ نے والد کو دیکھا بھی نہیں۔ وہ ان کے کمرے میں گئے ضرور تھے مگر کھڑے کھڑے واپس ہوکر نہ معلوم مدت کے لیے اپنے کمرے میں بند ہوگئے ہیں لیکن انہوں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ والد اچھے ہوجائیں گے۔ بزرگ کی ایک کرامت کا اور ظہور ہوا ہے' وہ تم بھی دیکھ لو۔" یہ کہہ کر اس نے ماں کا ہاتھ پکڑا اور باپ کے کمرے میں لے جاکر کہا "اب بتایئے جو کمرا تعفن سے بھرا ہوا تھا' خوشبو سے کس طرح مہکنے لگا ہے؟" پھر خود ہی بولا "یہ ہمارے مہمان بزرگ کے قدموں ہی کی برکت ہے۔"

سعید بن سلام کمرے کا دروازہ بند کرنے کے بعد بارگاہ علیم میں سر بسجود ہوگئے اور عرض کیا "آپ کی ذات گرامی پاک ہے۔ ہم اتنا ہی علم رکھتے ہیں' جتنا آپ نے سکھایا ہے؟ اور بے شک صاحب علم و حکمت تو آپ ہی ہیں۔ میری رہنمائی فرمایئے۔" اس دعا کے بعد

آپ نے سجدے سے سر اٹھایا تو پورا لائحہ عمل آپ کے دل پر القا ہوگیا۔

آپ نے خود کو تحلیل کرکے ناجر کے لیے پرواز کی' ناجر کی حدود میں داخل ہوکر زندر کا رخ کیا اور جب زندر پہنچ کر زامے کے ٹھکانے پر گئے تو وہ وہاں موجود نہ تھا۔ آپ نے توجہ فرمائی تو یہ بات آپ سے چھپی نہ رہی کہ وہ غار میں موجود ہے۔ آپ پیدل ہی اس غار کی طرف روانہ ہوگئے جو زامے کے ٹھکانے سے زیادہ دور نہیں تھا۔ جب آپ اس پہاڑ پر پہنچے جہاں غار تھا تو غار کا دہانہ نظر نہ آیا کیونکہ زامے نے غار میں داخل ہوکر ایک بہت بڑی چٹان سے غار کا دہانہ اس طرح بند کر رکھا تھا کہ سطحی نظر رکھنے والے وہاں کسی غار کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے مگر اللہ والوں کی نظر کے لیے کوئی چٹان حجاب نہیں بن سکتی تھی۔ آپ نے چٹان پر توجہ کی نظر ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہوگئی۔ غار کا دہانہ کھلا تو اس میں سے اس طرح آگ بہتی ہوئی نکلی گویا آتش فشاں کا منہ کھل گیا ہے۔ قرائن نے آپ کو فریب دینا چاہا کہ اس جہنم میں کسی ذی روح کا ہونا محال ہے مگر آپ نے نگاہ خطا نہ کی۔ آگ کے پس پردہ زامے آسن جمائے بیٹھا آپ کو نظر آگیا۔ آپ تحلیل ہوکر جب غار کی طرف بڑھے تو آگ سرد ہوگئی مگر زامے غار میں نہ ملا۔ اس کے پاس بھی نظروں سے اوجھل ہوکر پرواز کا علم تھا۔ آپ نے توجہ فرمائی تو دیکھا کہ زامے پرواز کرتا ہوا ایک سمت جارہا ہے۔ آپ نے اس کا تعاقب شروع کیا تو راہ میں زامے نے اپنی ساحرانہ قوت سے ایسی تاریکی بکھیردی کہ ہر چیز نگاہ سے اوجھل ہوکر رہ گئی مگر زامے نے اپنے حریف کی قوتوں کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ تاریکیاں صرف آنکھوں کے لیے حجاب بن سکتی ہیں' مومنانہ بصیرت تو ہر حجاب اٹھادیتی ہے۔ زامے نے جب یہ دیکھا کہ اس کا داؤ خالی گیا تو وہ ہوا میں تحلیل ہوکر ہوا بن گیا۔ اب اس کے تشخص کی کوئی علامت فضا میں باقی نہ رہی تھی۔ آپ نے صورت حال کا اندازہ لگاتے ہوئے چشم زدن میں وہ فاصلہ طے کرلیا جو اس کے اور آپ کے درمیان تھا۔ جب آپ وہاں پہنچے تو جہاں ہوا کے دوش پر زامے کے غیر مرئی اجزا پرواز کررہے تھے تو آپ نے امر الٰہی سے اسے متشکل کردیا پھر اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑلیا اور فرمایا "اے شیطان! تو اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔"

زامے نے قہر آلود نگاہ سے آپ کی طرف دیکھا۔ اگر سعید بن سلام کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو جل کر خاک ہوجاتا مگر ان پر اس نگاہ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ زامے نے یکے بعد دیگرے اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے تمام ساحرانہ قوتیں صرف کردیں مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اسے یقین ہوگیا کہ شکست اس کا مقدر بن چکی ہے چنانچہ اس نے ہاتھ پیر ڈال دیے اور تن بہ تقدیر آپ کے ساتھ ہولیا۔ زامے کو لیے ہوئے آپ اس کے ٹھکانے پر پہنچے اور نمودار ہوگئے۔ آپ کی وجاہت اور جلالت کو دیکھ کر زامے قدموں میں گرگیا۔

آپ نے اس کے سامنے سے ہٹتے ہوئے کہا "نادان کھڑا ہوجا' اپنے ہی جیسے آدمی کو سجدہ حرام ہے۔"

زامے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا مگر نظر جھکی رہی۔ اس نے بڑے ادب سے پوچھا "مجھے حکم دیں کہ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"تم میرے ساتھ حمزہ کی کھال لے کر اسی وقت اید میر چلو۔" آپ نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ حمزہ جیسا نیک دل اور خدا ترس انسان آج ہی اچھا ہوجائے۔ حمزہ کو اللہ کے حکم سے میں بھی ٹھیک کر سکتا تھا مگر تمہاری بیمار فکر کا علاج بھی ضروری تھا۔"

زامے نے ایک جگہ کھود کر وہاں سے لکڑی کا ایک صندوق نکالا۔ زامے نے صندوق سر پر اٹھا کر کہا "چلنے میں تیار ہوں۔"

زامے اور سعید بن سلام پرواز کرتے ہوئے اید میر میں حمزہ کے گھر اسی کمرے میں پہنچے جہاں ان کا قیام تھا۔ آپ نے کمرے کا دروازہ کھولا تو دیکھا کہ حسن بدستور وہیں بیٹھا تھا۔ وہ فوراً آپ کو سلام کرتا ہوا قریب آگیا۔

"ان سے ملو' یہ زامے جادوگر ہیں۔" آپ نے کہا "یہی تمہارے والد کا عنصری لباس اتار کر لے گئے تھے اور اب خود ہی وہ لباس انہیں پہنائیں گے جو ان کے سر پر صندوق میں محفوظ ہے۔"

"کیا والد کے کمرے میں چلوں؟" حسن نے پوچھا۔

آپ نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے زامے کو حسن کے ساتھ جانے کا اشارہ کیا اور خود کمرے ہی میں بستر پر لیٹ گئے۔

زامے تعمیل ارشاد میں حسن کے ساتھ حمزہ کے کمرے میں پہنچا۔ اس نے صندوق سر سے اتار کر فرش پر رکھا اور اسے کھولنے کے بعد حمزہ کے جسم سے چادر ہٹائی اور کچھ منتر پڑھنے لگا۔ کھال آہستہ آہستہ صندوق سے فضا میں بلند ہو کر پھیلی اور پھر حمزہ کے جسم پر جا کر ٹھہر گئی۔ جاپ پورا ہوا تو زامے نے پھونک ماری اور کھال حمزہ کے جسم پر اس طرح منڈھ گئی جیسے کبھی علیحدہ نہ ہوئی ہو مگر حمزہ بے حس و حرکت ہی پڑے رہے۔ حسن اور زامے جب سعید بن سلام کے پاس جانے کے لیے مڑے تو دیکھا کہ آپ کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔ آپ بڑھ کر حمزہ کے پاس بیٹھ گئے اور اپنا سیدھا ہاتھ ان کے سینے پر' دل کے پاس رکھ دیا۔ ابھی آپ کو ہاتھ رکھے ہوئے چند لمحے گزرے تھے کہ حمزہ نے آنکھیں کھول دیں۔ آپ نے سلام کیا تو انہوں نے نحیف آواز میں جواب دیا۔

"اٹھ کر بیٹھ جایئے۔" آپ نے کہا "اللہ کے فضل سے آپ اچھے ہوچکے ہیں۔"

حمزہ نے پہلے اپنے ہاتھ دیکھے' اس کے بعد ہاتھوں کو جسم پر پھیر کر اپنے صحت مند

ہونے کا یقین کیا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"میں زامے کے ساتھ اپنے کمرے میں جا رہا ہوں تم اپنی والدہ سے کہو کہ انہیں گرم گرم دودھ شہد ملا کر پلائیں۔" آپ نے حسن سے کہا۔ آپ زامے کو ساتھ لے کر اپنے کمرے میں آگئے۔

"اب تم وہ تمام سوالات کر سکتے ہو جو تمہارے ذہن میں برابر یورش کر رہے ہیں۔" آپ نے زامے کو مخاطب کیا۔

زامے واقعی سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔ اب تک جو کچھ اس پر بیت گئی تھی' اس کی توضیح سے اس کا ذہن قاصر تھا۔ عالم تحیر سے نکلنے کے لیے اس نے چند سوالات اپنے ذہن میں مرتب کر کے پہلا سوال کیا "کیا آپ یہ بتائیں گے کہ آپ نے کس علم کے ذریعے مجھے قابو کیا؟"

سعید بن سلام نے جواب دیتے ہوئے لہجے کی نرمی کو اور زیادہ شائستہ بنا کر کہا "پہلے تو تم اس بات کا یقین کر لو کہ میں جادوگر نہیں ہوں اور جو قوتیں میرے پاس ہیں' ان کے حصول کی خاطر میں نے کسی قسم کی ریاضت بھی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ضعیف بندے پر کرم فرمایا تو قوی بنا دیا۔ میرے پاس سب سے بڑی قوت ایمان کی ہے۔"

"ایمان کسے کہتے ہیں؟" زامے نے بے قرار ہو کر پوچھا۔

"تم یہ بات تو جانتے ہی ہو کہ کائنات کا ایک خالق ہے اور وہی ہر شے کا بلا شرکت غیر مالک بھی ہے۔" آپ نے فرمایا "اس کے ان گنت نام ہیں۔ ہم اسے اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اللہ کو ایک ماننا' ہر شے پر اس کی حکمرانی تسلیم کرنا' صرف اسی کو حاجت روا جاننا' اس کے رسولؐ پر یقین رکھنا اور ان تمام احکامات پر عمل کرنا جو اللہ کے رسولؐ نے ہم تک پہنچائے ہیں' ایمان کے ارکان ہیں۔ انہی ارکان کے اعتراف و تعمیل کا نام ایمان ہے۔"

زامے نے غار کی خلوتوں میں دھیان گیان کے مراحل سے گزرتے ہوئے کئی مرتبہ حق کی روشنی دیکھی تھی مگر اصنام پرستی کے مزاج نے تاویل میں ہمیشہ ٹھوکر کھائی تھی۔ سعید بن سلام کی باتیں سن کر اس کا ذہن صاف اور دل منور ہوگیا۔ اس نے کہا "مجھے آپ تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائے ہیں تو مجھے اپنے مذہب میں داخل کر لیجیے۔"

آپ نے اسے کلمہ طیبہ پڑھا کر اسی وقت داخل اسلام کر لیا اور سامنے بٹھا کر ایسی توجہ فرمائی کہ اس کا باطن جگمگا اٹھا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ حسن اپنے والد کے ساتھ آگیا۔ حمزہ نے بڑھ کر سعید بن سلام کی دست بوسی کر کے کہا "میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ آپ کی زیارت سے مشرف ہوا

اور ایک طویل ابتلا سے نجات پائی۔ خدا کے لیے مجھے بیعت کر لیجئے تاکہ میری خامیاں دور ہو جائیں۔"

حمزہ کی درخواست کو پذیرائی کا شرف حاصل ہوا تو حسن نے بھی آپ سے بیعت کر لی۔

رشد و ہدایت کے مراحل طے ہو گئے تو آپ نے زامے سے کہا "آج سے تمہارا اسلامی نام عبدالرحمٰن زامے ہے۔ اب تم کیتار اور کنوٹا کی خبر لو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم آسانی سے انہیں ایمان کی لازوال دولت قبول کرنے پر آمادہ کر لو گے۔"

زامے فوراً وہاں سے رخصت ہو کر کنوٹا کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں گھنے درختوں کا ایک سلسلہ تھا۔ زامے اس میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک خوفناک سیاہ ناگ پھن اٹھائے کھڑا تھا جس کے منہ سے شعلے نکل رہے تھے۔ زامے نے ناگ کو بغور دیکھتے ہوئے کہا "میں تمہیں پہچان چکا ہوں۔ میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔"

ناگ نے یہ سن کر انسانی صورت اختیار کر لی اور بولا "زامے' تو نے میرے احترام میں ابھی تک نہ گردن جھکائی نہ ہاتھ جوڑے۔ تجھے معلوم ہے کہ اس گستاخی کی کیا سزا ہوتی ہے۔ کیا میں تیرا استاد نہیں ہوں؟ کیا تو میری قوتوں کو بھول گیا ہے؟"

"تم نے جو علم مجھے سکھایا تھا میرے کسی کام نہ آیا تو میں نے اس سے اپنا رشتہ توڑ لیا۔" زامے نے بڑی متانت سے کہا "جب علم سے ناتا ٹوٹا تو معلم سے میرا کوئی رابطہ نہ رہا۔ میں نے جادوگری سے توبہ کر کے اسلام قبول کر لیا ہے۔ تمہارا اور تمہارے دیوی دیوتاؤں کا مشرکانہ احترام' اب میرے دل سے جاتا رہا ہے۔ اب تم مجھے بھول جاؤ۔"

اپنی دانست میں گفتگو ختم کر کے زامے اپنے راستے پر آگے بڑھا تو اس کے استاد نے ڈانٹ کر کہا "اپنی جگہ پر کھڑا رہ مجھے بنانا بھی آتا ہے اور بگاڑنا بھی۔ میں تجھے اس قابل ہی نہ چھوڑوں گا کہ دیوی دیوتاؤں کے خلاف تجھے استعمال کیا جا سکے۔"

اس سے پہلے کہ زامے اپنی مدافعت کے لیے تیار ہوتا اس کا ذہن صاف ہو گیا۔ ہر قسم کی یادداشت اس لوح ذہن سے مٹ گئی۔ استاد مسکراتا ہوا غائب ہو گیا۔

زامے اب ایک ایسا انسان تھا جو نہ اپنا نام جانتا تھا نہ کسی شے کو پہچانتا تھا۔ ماضی اور حال پر ایسے دبیز پردے پڑ گئے کہ اس کا حال زمانے سے کٹ گیا۔

سعید بن سلام نے نماز مغرب تک زامے کا انتظار کیا۔ جب رات کے سائے پھیلے تو آپ نے اپنی توجہ زامے کی طرف مرکوز کی اور ذہنی رابطہ پیدا کرنا چاہا مگر ناکامی ہوئی۔ آپ مسکرائے تو حسن اور حمزہ نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا۔ آپ نے ان کی بات کا جواب دینا غیر ضروری سمجھ کر فرمایا "تم لوگ عشا کے بعد سو جانا۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ میرا انتظار نہ کرنا۔"

آپ فوراً روانہ ہو گئے اور جلد ہی زامے تک جا پہنچے۔ وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ملا۔ اس نے خالی خالی نظروں سے آپ کی طرف دیکھا اور گردن جھکا لی۔ زامے کی ذہنی کیفیت تو آپ اسی وقت معلوم کر چکے تھے جب آپ اس سے ذہنی رابطہ قائم نہ کر سکے تھے۔ آپ نے کچھ پڑھ کر اس پر دم کیا۔ سحر باطل ہو گیا اور یادداشت لوٹ آئی۔ زامے نے کھڑے ہو کر فوراً دست بوسی کی۔

"چلو تمہارے علاقے کے بڑے شیطان سے بھی نمٹ لیں۔" آپ نے فرمایا "تمہارے استاد کے لیے میں نے سزا تجویز کر لی ہے۔ اسے اس وقت تک جوتوں سے مارنا جب تک اس کا دماغ درست نہ ہو جائے۔ وہ پٹتا بھی رہے گا اور تم پر اپنی ساحرانہ قوتیں بھی آزماتا رہے گا۔ انشاء اللہ وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ جادو کے زور سے وہ کوئی بھی طوفان کھڑا کرے۔ تمہیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا استاد اس وقت کنوٹا کے گھر پر کیتار سے گفتگو میں مصروف ہے۔ تم وہیں پہنچ جاؤ مگر جانے سے پہلے وہ ذکر ایک مرتبہ مجھے سنا دو جو میں نے تمہیں آج ہی سکھایا تھا۔"

زامے نے کچھ دیر ذہن پر زور دینے کے بعد بلند آواز سے پڑھا "**لا الٰہ الا اللہ!**"

آپ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "بالکل ٹھیک ہے۔ یہی پڑھتے ہوئے چلے جاؤ۔ یہ نہ سوچنا کہ تم تنہا ہو۔ میں بھی تم سے دور نہیں رہوں گا۔"

زامے آپ سے رخصت ہو کر سیدھا کنوٹا کے گھر پہنچا۔ تینوں اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کیونکہ زامے کا استاد نراجی' کنوٹا اور کیتار کو یہ خوش خبری سنا چکا تھا کہ زامے ہمیشہ کے لیے بیکار ہو چکا ہے۔

زامے نے پہنچتے ہی للکارا "نراجی' تو نے پہلے وار کر کے مروت کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اب میں بھی تیرے ساتھ کوئی رعایت نہیں کروں گا۔" یہ کہتے کہتے وہ پاؤں سے جوتا اتار کے لپکا۔

نراجی نے اپنے اور اس کے درمیان آگ کی دیوار حائل کر دی مگر زامے وہ دیوار پار کر کے اس کے سر پر پہنچا اور سزا کی پہلی قسط سر پر جوتا مار کر اتار دی۔ جوتا کھا کر نراجی نے بھاگنا چاہا تو زامے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور تابڑ توڑ جوتوں کی بارش شروع کر دی۔ زامے کا ہاتھ چل رہا تھا اور نراجی کی زبان۔ نراجی نے اپنے سارے منتر زامے پر پھونک مارے مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ زامے کی ہر ضرب اسے چیخنے اور چلانے پر مجبور کر رہی تھی۔ کنوٹا اور کیتار نے نراجی کی یہ درگت بنتے دیکھی تو انہیں مداخلت کا حوصلہ نہ ہوا۔ نراجی جوتوں کی مسلسل ضربیں کھا کھا کر بے ہوش ہو گیا۔

زامے نے کیتار اور کنوٹا سے کہا "حق آگیا' باطل چلا گیا۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ دنیا اور

آخرت میں باعزت زندگی گزارو تو اسلام قبول کرلو۔ اسلام کے دامن میں سب کچھ ہے۔ اسلام قبول کرنے میں مادی اور روحانی ترقی کے اتنے امکانات ہیں کہ تم ان کا قیاس بھی نہیں کرسکتے۔ تم نے ابھی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ نزاجی جو سارے افریقہ کا بڑا جادوگر مانا جاتا ہے' جسے بڑے بڑے دیوتاؤں کی سرپرستی حاصل ہے اور جو میرا استاد بھی تھا' میری ایمانی قوتوں کے سامنے کتنا بےبس اور حقیر ثابت ہوا۔ بھلائی اور سلامتی کا راستہ مل گیا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہیں بھی وہ روشنی مل جائے جو مجھے مل گئی ہے۔"

کیٹار اور کنوٹا جس ماحول میں رہے تھے' وہاں اسی ذات کی اہمیت تھی کہ بڑا وہی ہے جس کے پاس طاقت ہے۔ وہ طاقت ہی کو معیار حق سمجھتے تھے۔ زامے کی گفتگو پوری طور پر ان کی سمجھ میں آئی ہو یا نہ آئی ہو مگر یہ بات بربنائے مشاہدہ ان کی سمجھ میں آگئی تھی کہ زامے عظیم طاقتوں کا مالک ہے اس لیے وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہی حق ہے۔ دونوں زامے کے قدموں میں گر گئے۔

زامے نے یکے بعد دیگرے دونوں کو اٹھا کر سینے سے لگایا پھر بولا "مجھے تم سے یہی امید تھی کہ تم بھلائی کو قبول کرلو گے۔ تمہیں میرے مرشد کامل اسلام میں داخل کریں گے۔ آج کل وہ یہیں ہیں۔ میں تمہیں ان کے پاس لے چلوں گا۔ پہلے نزاجی کو ہوش میں لاؤ۔ میں اسے بھی اسلام کی دعوت دوں گا۔ ممکن ہے کہ جوتے کھا کر اس کے ذہن سے یہ خناس نکل گیا ہو کہ اس کی طاقتیں عظیم ہیں اور یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہو کہ اب تک جس راستے پر وہ چلتا رہا ہے' وہ تباہی اور بربادی کا راستہ ہے۔"

کنوٹا اور کیٹار نے نزاجی کے منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خالی الذہن ہے مگر تھوڑی دیر ہی یہ کیفیت رہی پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ جیسے ہی زامے پر اس کی نظر پڑی تو اس نے روتے ہوئے کہا "زامے' مجھے اور مار' میں اس سے زیادہ سخت سزا کا مستحق ہوں۔ وہ سارے دیوی دیوتا جھوٹے ہیں جنھوں نے طاقت کے نام پر مجھے طاقت کا فریب دیا۔ انسانی جانوں کی مجھ سے قربانیاں لیں' پتھروں' درختوں اور ستاروں کی مجھ سے پوجا کرائی۔ زامے مجھے بھی وہ روشنی دے دے جس سے تو جگمگا رہا ہے۔ میرے اندھیرے اب مجھے سانپوں کی طرح ڈس رہے ہیں۔"

زامے نے دوڑ کر نزاجی کو سینے سے لگالیا اور کہا "اسلام کی روشنی' حمزہ کے گھر تقسیم ہو رہی ہے' تم بھی اپنا دامن بھرلو۔"

"رات میں کسی کو تکلیف دینا اچھی بات نہیں ہے۔ ہم صبح نہا دھو کر چلیں گے۔"

نزاجی بولا "وہاں چلنے سے پہلے کپڑوں اور جسموں کو ان غلاظتوں سے صاف کرلینا چاہیے

جنہیں مقدس سمجھ کر ہم آج تک اپنے جسموں پر چھڑکتے رہے ہیں۔"

زامے کو نزاجی کی بات پسند آئی۔ رات تادیر نزاجی' کیٹار اور کنوٹا اسلام اور سعید بن سلام کے متعلق سوالات کرتے رہے اور زامے اپنے محدود علم کی روشنی میں جواب دینے کی کوشش کرتا رہا۔

صبح وہ سب حمزہ کے مکان پر پہنچے تو سعید بن سلام وہاں موجود نہ تھے۔ حمزہ اور حسن نے مہمانوں کو بڑی عزت سے سعید بن سلام کے کمرے میں لے جا کر بٹھایا۔ دو حریف پہلی بار مقابل بیٹھے ہوئے تھے۔ کنوٹا اور حمزہ کو لوگوں نے ایک ساتھ کبھی نہ دیکھا تھا۔ کنوٹا کی گردن شرم سے جھکی ہوئی تھی۔ حمزہ اس انقلاب عظیم پر حیران تھا۔ سب خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ حسن نے سکوت توڑتے ہوئے کہا "مرشد گرامی کل شام' زامے کے ساتھ گئے تھے' اس کے بعد سے واپس تشریف نہیں لائے مگر اب وہ کسی لمحے بھی یہاں تشریف لا سکتے ہیں۔"

جیسے ہی حسن کا جملہ مکمل ہوا' سعید بن سلام نے کمرے کے دروازے پر نمودار ہو کر کہا "السلام و علیکم۔"

جواب دیتے ہوئے حمزہ اور حسن استقبال کے لیے اٹھے تو سب کھڑے ہو گئے۔

آپ نے فرمایا "الحمدللہ کہ زامے اپنی مہم سے کامیاب واپس آئے ہیں۔ میں بادپیش کرتا ہوں' ان سب کو جن کے دل قبول حق کے لیے کشادہ ہوگ ہیں۔" یہ کہہ کر آپ بیٹھے تو سب بیٹھ گئے۔

سب سے پہلے نزاجی' اس کے بعد کیٹار اور کنوٹا نے سعید بن سلام کے دست حق پرست پر داخل اسلام ہو کر بیعت کرلی اور آپ نے کھڑے ہو کر سب سے معانقہ کیا اور انہ آپس میں بھی معانقہ کرنے کا حکم دیا۔ نفرتوں کا جہنم سرد ہو گیا۔ ایک دوسرے کے لیے دلول میں محبت موجزن ہو گئی تو آپ نے اپنی جیب سے کچھ کھجوریں نکال کر سب تقسیم کیں۔

"رات میں نے مدینہ منورہ میں گزاری تھی۔ کھجوریں تمہارے لیے وہیں سے لایا ہوں' کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔" آپ نے بتایا۔ تعمیل ارشاد میں جب کھجوریں کھالی گئیں تو آپ نے کہا "تم لوگ کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام قبول کر چکے ہو مگر تمہیں ابھی اس کا اندازہ نہیں ہو سکا ہے کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادی ہے۔ اسلام کو سمجھنے اور اس کی برکتوں کو محسوس کرنے کے لیے حسن کے علاوہ سب تین ماہ کے واسطے میرے ساتھ حجاز مقدس چلیں۔ انشاء اللہ یہ سفر سب کے لیے سرمایہ سعادت ثابت ہوگا۔ اگر کوئی کسی مجبوری کی وجہ سے نہ جاسکے تو میں اس پر کسی قسم کا جبر پسند نہیں کروں گا۔"

آپ کی بات سن کر سب ہی چلنے پر آمادہ ہو گئے اور پوچھنے لگے کب چلنا ہے۔

"آج جمعرات ہے۔ کل بعد نماز جمعہ ہم یہاں سے روانہ ہوں گے۔ جمعے کی نماز مسجد حمزہ میں ادا کریں گے جو یہاں کی اکلوتی مسجد ہے۔" آپ نے حمزہ اور حسن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "آج اپنے بھائیوں کو وضو کرنے کا طریقہ سکھاؤ۔ قیام' رکوع' سجدے اور قاعدے کے آداب سکھاؤ۔ میں اگر مصروف نہ ہوتا تو یہ کام خود کرتا۔"

"آپ مطمئن رہیں' ہم یہ کام کرلیں گے۔" حمزہ نے کہا۔

آپ نے یہ سن کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور نومسلموں کے حق میں دیر تک دعا فرما کر اٹھ کھڑے ہوئے پھر گھر سے باہر آکر روحانی سفر کے ذریعے بغداد کی طرف روانہ ہوگئے۔

بغداد کے ایک عالی شان مکان میں بڑی چہل پہل تھی۔ بغداد کے رئیس التجار کی تین بیٹیوں کی شادی کا اہتمام تھا۔ پائیں باغ میں خوش پوش مہمانوں کا ہجوم تھا۔ برات کے آنے کا وقت ہو رہا تھا اور استقبال کرنے والے صدر دروازے پر موجود تھے۔ برات دور سے نظر آئی تو مشتاق نگاہیں یکسو ہوگئیں۔ برات قریب آئی تو دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ سارے براتی یکساں اور شاندار لباس میں ملبوس گھوڑوں پر سوار تھے۔ تین دولھا صرف گلے میں پڑے ہوئے ہاروں سے شناخت میں آسکتے تھے ورنہ لباس میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ براتی متین' سنجیدہ اور بردبار نظر آتے تھے۔ دولھا اپنی متعینہ نشستوں پر بیٹھ گئے۔ قاضی نکاح مجمعے سے نکل کر ایک دولھا کے پاس جاکر بیٹھا تو سعید بن سلام بھی دولھا کے پاس جابیٹھے اور کہا "غنیم اپنی شادی میں تم نے ہمیں یاد کیا تو ہم آگئے۔ میں تمہیں تمہاری کامیاب اور سعادت آثار زندگی پر اور شادی پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ تم قاضی صاحب کی بات سنو' میں ذرا اسواد اور سلیم کو بھی مبارک باد دے لوں۔"

وہاں سے اٹھ کر آپ اسواد کے پاس پہنچے تو وہ احتراماً کھڑا ہونے لگا۔ آپ نے ہاتھ پکڑ کر اٹھنے نہ دیا۔ اسے مبارک باد دے کر سلیم کو بھی مبارک باد دی پھر غنیم کے پاس جاکر بیٹھ گئے۔ نکاح کے بعد رئیس التجار احمد سلطان نے اپنے دامادوں کا حاضرین سے تعارف کراتے ہوئے کہا "بغداد کے تجارتی مرکز السلام سے کون واقف نہیں ہے۔ یہ ایک سو ایک بھائیوں کی مشترکہ ملکیت ہے۔ اگر کسی تجارت کے دو شریک بھی ہوں تو ان کی آپس میں نہیں بنتی مگر ان ایک سو ایک بھائیوں کا اتفاق و اتحاد قابل رشک ہے۔ میں ان کے شب و روز سے اچھی طرح باخبر ہوں۔ دینداری' فیاضی اور دیانت میں یہ بے نظیر ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ تین بھائیوں نے شادی کرنا کیسے قبول کرلیا۔ یہ تو ایک سو ایک دلھنیں بیک وقت تلاش کررہے ہوں گے۔"

نکاح کے بعد دلھنوں کو لے کر برات جب واپس ہوئی تو سعید بن سلام برات کے ساتھ

تھے۔ غنیم نے ایک جدید طرز کی بستی بھی تعمیر کرائی تھی۔ یکساں مکانیت کے ایک سو ایک مکان' ایک دائرے کی صورت میں بنے ہوئے تھے اور وسط میں ایک خوب صورت مسجد تھی۔ اس نے مساوات کی نادر مثال قائم کی تھی۔ بستی میں پہنچ کر آپ مسجد میں چلے گئے۔ مغرب کی اذان ہوئی تو سب جماعت میں شریک تھے۔ نماز کے بعد آپ نے ایک مختصر تقریر میں اپنے بھرپور اطمینان کا اظہار کیا اور واضح الفاظ میں کہا "میں تم سے دوبارہ مل کر بہت خوش ہوا۔ مومن کی نہ دنیا خراب ہوتی ہے' نہ آخرت۔ الحمدللہ کہ تم کسی طرف سے غافل نہیں ہو اور اللہ نے تمہیں اپنے فضل کے لیے مخصوص کرلیا ہے۔ یاد رکھو کہ جس دن تم نے سیدھے راستے کو چھوڑا اور ایک دوسرے کی حق تلفی کی طرف مائل ہوئے' اللہ کی برکتوں اور رحمتوں سے محروم ہوجاؤ گے۔ تم سب کو اللہ تعالیٰ صراط مستقیم پر چلتے رہنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور ہمیشہ شاد اور آباد رکھے۔ میں اب تم سے اجازت چاہتا ہوں۔"

یہ سن کر تمام مجمع اداس ہوگیا۔ غنیم نے اٹھ کر عرض کیا "آج رات ہمیں اپنے قرب اور ارشادات سے سرفراز فرمائیں اور کل دعوت ولیمہ کے بعد تشریف لے جائیں تو بڑا کرم ہوگا۔"

آپ غنیم اور اس کے ساتھیوں کا اصرار دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اس لیے ان کی دل دہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا "آج رات تمہارے ساتھ رک سکتا ہوں مگر رکوں گا نہیں۔ تم سب لوگ آرام کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کچھ دن ضرور گزاروں گا۔ ابھی مجھے اجازت دو۔"

آپ کے اس فیصلے کے بعد کسی میں دم مارنے کی گنجائش نہ تھی۔ آپ مسجد سے باہر آئے تو سب آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے سب کو رکنے کا اشارہ کیا اور خود بستی سے باہر چلے گئے۔ کچھ دور پیدل چلنے کے بعد روحانی پرواز کے ذریعے امام ابوحنیفہؒ کے مزار پر پہنچ کر نمودار ہوئے' وہاں فاتحہ خوانی کی' اس کے بعد پوری رات بزرگوں کے مزارات پر آتے جاتے گزر گئی۔ نماز فجر مسجد جنید میں باجماعت ادا کی اور ایدمیر کے لیے روحانی پرواز کی۔ حمزہ اور حسن سے آپ کی ملاقات مکان کے دروازے پر ہوگئی۔ وہ دونوں بھی نماز پڑھ کر مسجد سے واپس آرہے تھے۔

"میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔" آپ نے حسن سے کہا "زائمے وغیرہ زوال آفتاب کے وقت آئیں تو مجھے اٹھالینا۔" یہ کہہ کر آپ اپنے کمرے میں جاکر سوگئے۔

حسن اور حمزہ نے ایدمیر کے مسلمانوں کی دعوت کی تھی تاکہ وہ سب سعید بن سلام کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کی سعادت حاصل کرلیں اور بعد نماز جمعہ دسترخوان پر بھی ان کی ہمنشینی کا اعزاز حاصل کرسکیں۔

گزشتہ دن جب زامے' نراجی' کیٹار اور کنوٹا' وضو کا طریقہ' نماز کی ترکیب اور کلمہ طیبہ کا مفہوم سیکھ کر کنوٹا کے گھر پہنچے تھے تو آپس میں مشورے کے بعد یہ طے پایا تھا کہ وہ سب اپنے حلقہ اثر میں اسلام کی تبلیغ کریں اور جو لوگ اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں انہیں نماز کے لیے اپنے ساتھ لے جائیں اس فیصلے کے مطابق کیٹار اور کنوٹا سرگرم عمل ہو گئے۔

ایدمیر میں انہی دونوں کا حلقہ اثر تھا۔ کنوٹا کے کاروبار میں بہت سے کارندے تھے اس کے رشتے داروں کی تعداد بھی کم نہ تھی۔ کیٹار بھی اچھی طرح جانا پہچانا تھا۔ زامے کیٹار کے ساتھ اور نراجی' کنوٹا کے ساتھ مددگار کی حیثیت سے تبلیغ کے لیے روانہ ہو گئے۔ رات گئے تک تبلیغی جدوجہد کے نتیجے میں کچھ لوگ اسلام سے متاثر ہو گئے۔ رات کو جب تبلیغ اسلام کرنے والے چلے گئے تو انہیں تنہائی میں غور و فکر کا موقع ملا۔ ان کو کیٹار اور کنوٹا کی باتیں اثر انداز ہوئیں۔ صبح جب اسلام کے نئے مبلغ لوگوں سے ملے تو تقریباً ستر افراد نے اسلام قبول کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ زامے نے مشورہ دیا کہ جو لوگ اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں' ان سے کہو کہ وہ نہائیں اور صاف کپڑے پہن کر جلد سے جلد کنوٹا کے گھر پہنچ جائیں۔

آفتاب ڈھلا تو وہ جلوس کی صورت میں مسجد پہنچے۔ نعرہ تکبیر سے ایدمیر کی فضا گونج اٹھی۔ سعید بن سلام نے مقامی زبان میں ایک تقریر کی۔ آپ نے توحید کو بہت آسان الفاظ میں اس طرح بیان کیا کہ دلنشیں ہو گئی۔ آپ نے اسلام قبول کرنے اور اسلام پر ثابت قدمی سے جمے رہنے کے فوائد پر روشنی ڈالی۔ تقریر کے بعد ستر آدمیوں کو کلمہ طیبہ پڑھا کر آپ نے داخل اسلام کیا۔ اس کے بعد آپ پھر جمعے کے خطبے کے لیے منبر پر پہنچ گئے۔ اذان خطبہ کے بعد آپ نے جب خطبہ شروع کیا تو آواز میں ایسا سوز و گداز تھا کہ نہ سمجھنے والوں کے دلوں کی دھڑکنیں بھی تیز ہو گئیں۔ نماز جمعہ کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے لوگ ابھی عید کی نماز سے فارغ ہوئے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے سے گلے مل مل کر "اسلام مبارک' "اسلام مبارک" کہہ رہے تھے۔ یہ منظر اتنا مسرت انگیز تھا کہ فرط مسرت سے سعید بن سلام' حمزہ اور کنوٹا کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

دو سو پچاسی افراد پر مشتمل مجمع حمزہ کے گھر پہنچا اور دعوت میں شریک ہوا جس میں بچے اور خواتین بھی شامل تھے۔

کھانے کے بعد مہمان رخصت ہونے لگے تو آپ نے اعلان کیا "میں ایک سال تک ایدمیر میں قیام کروں گا۔ آج جس سفر کا آغاز ہونے والا تھا وہ بھی ملتوی کر دیا ہے۔"

آپ کے اس اعلان سے خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سب خوشی میں جھومتے ہوئے اپنے

گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ پائیں باغ سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلے تو حمزہ' زامے' نراجی' کیٹار' کنوٹا اور حسن ساتھ ہی کمرے میں آ کر ادب سے بیٹھ گئے۔

کچھ دیر سکوت کے بعد سعید بن سلام نے کہا "میرے مسلمان بھائیو' میں تم سے بہت خوش ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بھی تم سے ہمیشہ خوش رہے۔ کل میں بغداد گیا تھا۔ وہاں میرے کچھ ساتھی رہتے ہیں۔ ان کے رہنے بسنے کا طریقہ مجھے بہت پسند آیا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں بھی مسلمانوں کی ایک بستی بسائی جائے۔" پھر غنیم کی بسائی بستی کا نقشہ انہیں سمجھاتے ہوئے کہا "میں اس طرز کی بستی چاہتا ہوں۔ میرے خیال میں مسجد کے اطراف میں جو وسیع و عریض میدان ہے' وہ بستی کے لیے نہایت موزوں رہے گا لیکن اس کام کے آغاز سے پہلے مسلمانوں سے مشورہ کر لو کہ وہ اپنے گھر چھوڑ کر نئی بستی میں رہنا پسند بھی کریں گے یا نہیں۔"

"آپ کے حکم کی تعمیل سب خوشی سے کریں گے۔" حمزہ نے کہا اور کنوٹا نے بھی تائید کی۔

"میں حکم دینا نہیں چاہتا بلکہ اپنا خیال پیش کر کے ان کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" آپ نے فرمایا "آج تم ان کی رائے معلوم کر کے کل مجھے بتانا۔ آج بچوں اور بچیوں کو دیکھ کر اس ضرورت کا بھی مجھے احساس ہوا کہ ان کی تعلیم کا بھی فوری بندوبست ہونا چاہیے۔ مسلمان ہونے کے بعد عورتوں اور بچیوں کی نیم لباسی کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ ان کے لیے لباس بھی مجھے فراہم کرنا ہوں گے۔ مدرسے کے لیے اساتذہ اور کتابوں کی ضرورت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ عورتوں اور بچیوں سے کہہ دینا کہ وہ کل آ کر کپڑے لے جائیں' لباس کا نمونہ اور سلائی کا سامان بھی تقسیم ہو گا۔"

"مدرسے کی ضرورت میں جس قدر بھی رقم خرچ ہو گی' وہ میں پیش کر دوں گا۔" حمزہ نے آپ کی تجویز سن کر کہا۔

"لباس پر خرچ ہونے والی رقم کا میں ذمہ لیتا ہوں۔" کنوٹا نے کہا۔

آپ نے دونوں کے جذبہ ایثار کو سراہتے ہوئے کہا "رقم کی فکر نہ کرو۔ رقم اللہ کے فضل سے ہمارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اب تم لوگ جاؤ اور اپنا وقت ان لوگوں میں گزارو جو آج حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں۔"

سب چلے گئے تو آپ نے اندر سے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ اب آپ کے سامنے بہت سے مسائل تھے اور ان سب کو سورج غروب ہونے سے پہلے حل کرنا تھا۔ اگر بازار بند ہو جاتے تو دوسرے دن صبح کپڑا تقسیم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آپ کے صفحہ ذہن پر غنیم کا نام ابھرا تو مسکراہٹ نے ہونٹ چوم لیے۔ آپ نے فوراً بغداد کے تجارتی مرکز السلام کا قصد کیا

اور روحانی سفر کی ایک جست میں ہی وہاں پہنچ گئے۔ تجارتی مرکز دیکھ کر آپ غنیم کی اعلیٰ صلاحیتوں کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ السلام کی خصوصیت یہ تھی کہ وہاں ہر چیز کی دوکان موجود تھی۔ السلام کے دروازے پر گاہک کو استقبالیہ میں صرف یہ بتانا پڑتا تھا کہ وہ کیا چ خریدنے آیا ہے۔ استقبالیہ دفتر سے اس دکان کا نمبر بتا دیا جاتا تھا جس میں مطلوبہ چیزیں مل سکتی تھیں۔ آپ آتے ہی نمودار ہو گئے تھے۔ آپ بازار کا جائزہ لیتے ہوئے جا رہے تھے کہ ایک دکان پر غنیم نظر آگیا مگر وہ گاہکوں میں مصروف تھا۔ آپ نے قریب جا کر سلام کیا تو و خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے سب گاہکوں کو نظر انداز کر کے دست بوسی کی اور کہا "یہ یقین تھا کہ آپ ضرور تشریف لائیں گے مگر یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ کی زیارت سے اتن جلدی آنکھیں روشن ہوں گی۔"

"میں تمہارے مرکز میں کچھ خرید و فروخت کے لیے آیا ہوں۔"

"خرید و فروخت کی بات سن کر مجھے دکھ ہوا۔" غنیم نے سر جھکا کر کہا "یہاں جو کچھ بھ ہے، سب آپ کا ہے۔ آپ تو بس حکم فرمائیں۔"

"دیکھو غنیم، میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ میں یہاں کچھ چیزیں خریدنے آیا ہوں۔" آپ نے کہا "اگر تم قیمت نہیں لو گے تو میں مطلوبہ اشیا کہیں اور سے خرید لوں گا۔"

اس فیصلہ کن بات کے بعد غنیم نے اداس ہو کر کہا "ارشاد فرمائیں۔"

آپ نے اپنی ضرورت کی فہرست اسے لکھوا دی۔ وہ فوراً آپ کو اپنی جگہ بٹھا کر چلا گیا۔ عصر کی نماز آپ نے دکان ہی میں ادا کی۔ مغرب سے کچھ پہلے غنیم آیا اور کہا "تما چیزیں فہرست کے مطابق بندھوا کر بستی کی طرف روانہ کر دی ہیں۔ اب ہم بھی وہیں چل رہے ہیں۔"

مغرب کی نماز آپ نے بستی کی مسجد میں اپنے مریدوں کے ساتھ ادا کی۔ اس رات بستی میں جشن کا سماں تھا۔ عشا کے بعد سے لوگ آپ کو گھیر کر بیٹھ گئے۔ رشد و ہدایت دریا نماز تہجد تک جاری رہا۔ بزم برخاست کر کے آپ نے تہجد کی نماز پڑھی اور غنیم سے "میں صبح کی نماز انشاءاللہ ایدمیر میں پڑھوں گا۔ اب تم یہ بتاؤ کہ سامان کی مالیت کیا بنی؟"

جواب میں غنیم نے ایک پرچا آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ رقم دیکھ کر آپ نے قیمت ادا کر دی۔ ایک کمرے میں سارا سامان رکھا ہوا تھا۔ غنیم آپ کو وہاں لے گیا۔ آپ غنیم سے معانقہ کیا اور کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ تمام سامان کو اپنے ساتھ تحلیل کر کے آپ دوسرے لمحے میں ایدمیر پہنچ گئے۔

نماز فجر کے لیے آپ کمرے سے نکلے تو حمزہ اور حسن کو اپنا منتظر پایا۔ جماعت میں کا آدمی شریک تھے۔ مسجد کی رونق دیکھ کر اظہار تشکر کے لیے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ

آئے۔ نماز کے بعد کنوٹا اور کیٹار سے آپ نے پوچھا "عورتوں اور بچوں سے آنے کے لیے تم نے کہہ دیا ہے' اب جا کر مزید تاکید کر دینا کہ ضرور پہنچیں اور وہاں نئی بستی کے متعلق کیا رائے ہے؟"

"سب نے ایک ہی بات کہی کہ آپ انہیں ہمیشہ اطاعت کرنے والوں میں پائیں گے۔" کنوٹا نے جواب دیا۔

سورج سوا نیزے تک بلند ہوا تو عورتوں اور بچیوں نے آنا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر میں سب جمع ہو گئے۔ پیمائش کے مطابق کپڑے کی تقسیم کا کام کنوٹا اور کیٹار کے سپرد تھا۔ قینچیاں سوئیاں اور دھاگا زامے اور حسن تقسیم کر رہے تھے۔ سلے ہوئے کپڑوں کے نمونے نزاجی تقسیم کر رہے تھے۔ حمزہ کے پاس قرآن کریم کے نسخے' بغدادی قاعدے اور لکھنے پڑھنے کا سامان جمع تھا تاکہ مدرسے میں شریک ہونے والے طلبا کو تقسیم کرتے رہیں۔

دوسرے دن سے عصر تا مغرب آپ نے تعلیم بالغاں کا انتظام کیا۔ صبح کے وقت بچوں اور بچیوں کے لیے مدرسے کا بندوبست کیا گیا۔ ایک ہفتے تک صبح شام' حسن اور حمزہ پڑھاتے رہے۔ اس دوران میں کنوٹا' کیٹار' زامے اور نزاجی کو سعید بن سلام نے خود پڑھایا اور اس طرح پڑھایا کہ ان کا جہل دور ہو گیا۔ وہ قرآن کریم روانی سے پڑھنے لگے' لکھنا سیکھ گئے اور عربی بڑی حد تک سمجھنے لگے۔ چاروں افراد کی زندگی میں ایسا انقلاب آیا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یاد الٰہی سے انہیں ایسا شغف ہو گیا تھا کہ وہ رات کا بیشتر وقت عبادت میں گزارتے تھے۔ وہ سراپا محبت بن گئے تھے۔ مخلوق خدا کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنے میں انہیں قلبی سکون ملنے لگا تھا۔ تعلیم دینا اور تبلیغ کرنا اب ان کا مشغلہ بن گیا۔ اللہ نے ان کی تبلیغ میں برکت عطا فرمائی۔ چھ ماہ کی کوشش میں کئی ہزار افراد داخل اسلام ہو گئے۔ ایدمیر کے وہ لوگ جو اپنے آبائی مذہب کو کسی عنوان چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے' مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے خوف زدہ تھے۔ انہوں نے ایک وفد سائیلیٹ کے مطلق العنان وحشی فرماں روا مالیہ کے پاس بھیجا۔ وفد نے مالیہ کو جا کر بتایا کہ ایدمیر میں مسلمان ایک طاقت بن کر ابھر رہے ہیں۔ ایدمیر تقریباً اب مسلمانوں کے تسلط میں ہے۔ قرب و جوار کے لوگ بھی مسلمانوں کے جال میں پھنستے جا رہے ہیں۔ وفد کے ارکان نے کہا کہ مسلمان مالیہ کی برتری کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اگر مالیہ نے ان کا سر فوراً نہ کچلا تو وہ لوگ مستقبل قریب میں ان کے لیے خطرہ بن جائیں گے۔

ایدمیر کے کچھ حالات مالیہ نے بھی سن رکھے تھے مگر اب تک اس نے کوئی اہمیت نہ دی تھی۔ ایدمیر کے وفد نے پیش آئندہ خطرے کو بڑھا چڑھا کر اس طرح بیان کیا کہ وہ مسلمانوں کے خاتمے کے لیے بے چین ہو گیا۔ اس نے وفد کو مہمان خانے میں ٹھہرایا۔ اس

نے اپنی فوج اور جنگجو قبائل کو جنگ کی تیاری کے لیے صرف تین دن کی مہلت دی۔

ایدمیر میں ایک مسلمان کی ایک غیر مسلم سے لڑائی ہوئی تو اس نے نو مسلم کو دھمکی دی "گھبراؤ نہیں، سائیلیٹ کا شیردل شہنشاہ جلد ہی تمہارے دماغ درست کرنے آنے والا ہے پھر ہم تم سے سمجھ لیں گے۔" یہ دھمکی کنوٹا تک پہنچی۔ کنوٹا نے سعید بن سلام سے جاکر صورت حال بیان کی۔

کنوٹا کی بات سن کر آپ نے آنکھیں بند کرلیں۔ سب دم سادھے بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد آپ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا "خبر درست ہے۔ مالیہ کل صبح چھ ہزار لشکر کے ساتھ ایدمیر پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہونے والا ہے مگر تم بالکل پروانہ کرو۔ تم اللہ کی حفاظت میں ہو۔ جو لوگ لڑنے کے قابل ہیں ان سے کہہ دو کہ کل مسجد کے میدان میں نماز فجر کے بعد جمع ہوجائیں۔ انہیں ایدمیر کی حفاظت کے لیے اسلحہ تقسیم کیا جائے گا۔ انہیں یہ بھی یقین دلا دینا کہ فتح انشاء اللہ مسلمانوں کو حاصل ہوگی۔"

سب لوگ آپ سے رخصت ہوکر مسلمانوں کی طرف دوڑ پڑے اور ایک ایک فرد کو آپ کا پیغام سنا دیا گیا۔

سعید بن سلام چاہتے تو اپنی روحانی قوتوں کو بروئے کار لاکر دشمن کو زیر کرسکتے تھے۔ وہ دشمن کے سارے ہتھیار غائب کرسکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ وہ اب مسلمانوں کو جہاد کا سبق بھی دینا چاہتے تھے۔ آپ روحانی پرواز کے ذریعے غنیم کے پاس بغداد پہنچے اور اسلحہ خریدا۔ تلواریں، نیزے، تیر کمان، ڈھالیں اور زرہیں جس قدر تعداد میں دستیاب ہوسکتی تھیں، آپ کے سامنے لاکر ڈھیر کردی گئیں۔ اسلحے کی تعداد آپ کے لیے اطمینان بخش تھی۔ آپ نے قیمت ادا کی اور اسلحہ لے کر رات ہی کو ایدمیر پہنچ گئے۔

صبح کی نماز میں ڈھائی ہزار مسلمان مرد اور خواتین شریک تھے۔ اس اجتماع سے ان کے جوش جہاد کی نشاندہی ہو رہی تھی۔ نماز کے بعد سعید بن سلام نے ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ آپ نے جہاد کے فضائل ذہن نشین کرائے اور فلسفہ شہادت پر روشنی ڈالی۔ آپ نے شہید کی دائمی زندگی کی خوش خبری سنائی تو فضا نعرہ تکبیر سے گونج اٹھی۔ تقریر کے بعد مجاہدین کو اسلحہ تقسیم کیا گیا۔ سب مسلح ہوچکے تو آپ نے کہا "تم صف بندی کے لیے پوری بستی کے چکر لگاؤ اور اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ کل صبح پھر بعد نماز فجر آجانا، میں تمہیں جہاد کا طریقہ بھی سکھاؤں گا۔" مجاہدین نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے شہر کے گشت پر روانہ ہوگئے تو آپ نے نزاجی، کنوٹا اور کیٹار کو مخاطب کیا "آج نماز ظہر کے بعد تم تینوں اسلحے سے اچھی طرح لیس ہوکر غیر مسلموں کی بستی جانا اور ان کے سرداروں سے جاکر کہہ دینا کہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جو سازش کی ہے، اس سے مسلمان واقف ہوچکے ہیں۔ مسلمان ان

کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کرنا چاہتے اور ان کے جرم کو بھی نظرانداز کرنے کے لیے تیار ہیں مگر اس صورت میں انہیں دو باتوں میں سے ایک پر عمل کرنا ہوگا۔ پہلی یہ کہ وہ مسلمانوں سے معاہدہ کرلیں کہ جنگ کے دنوں میں خود کو اپنے گھروں تک محدود رکھیں گے اور دشمنوں سے کسی قسم کا تعاون نہیں کریں گے۔ اگر یہ شرط منظور نہیں تو کل صبح تک اس بستی کو خالی کردیں کیونکہ مسلمان دو محاذوں پر جنگ کرنا پسند نہیں کریں گے۔ اگر یہ دونوں شرطیں ان کے لیے قابل قبول نہیں ہیں تو وہ جنگ کے لیے تیار ہوجائیں۔ مالیہ کے آنے سے پہلے مسلمان ان سے نمٹ لینا ضروری سمجھیں گے۔"

سہ نفری وفد متعینہ وقت پر اسلحے سے لیس ہوکر گھوڑوں پر سوار جب غیر مسلموں کی بستی میں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں افرا تفری کا عالم تھا۔ بستی کے سردار تھوڑی سی تلاش کے بعد مل گئے۔ نزاجی نے بڑے موثر طریقے سے سعید بن سلام کا پیغام انہیں لفظ بہ لفظ سنا دیا۔ سردار پیغام سن کر کانپنے لگے۔ وہ صبح مسلح مجاہدین کے تیور دیکھ ہی چکے تھے۔ اب پیغام سن کر انہیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ان کی سازش بے نقاب ہوچکی ہے۔ سرداروں نے علیحدہ جاکر باہمی مشورے کی مہلت مانگی تو نزاجی نے بڑی فراخ دلی سے اجازت دے دی۔

علیحدگی میں مشورہ شروع ہوا تو ایک سردار نے کہا "مسلمانوں کے خلاف ہم نے جو سازش کی تھی، انہیں معلوم ہوگئی ہے مگر اس کے باوجود ان کی دونوں شرطیں فیاضی کا مظہر ہیں۔ اگر ان کی جگہ کوئی دوسری قوم ہوتی تو اب تک ہمارے سر تن سے جدا کردیے جاتے۔ اخلاق کے جس معیار کا ان کی طرف سے مظاہرہ ہوا ہے، اسے دیکھتے ہوئے میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کا دین سچا ہے۔ اس لیے میرا پہلا مشورہ یہ ہے کہ ہم ان کا دین قبول کرلیں۔ اگر یہ منظور نہیں ہے تو دوران جنگ میں اپنے گھروں تک محدود رہنے کا وعدہ کرلیں۔ وہ اپنے وعدے سے پھرنے والے نظر نہیں آتے۔ اگر یہ بھی تمہیں نامنظور ہو تو ہمیں بستی خالی کردینا چاہیے۔ پیغام آنے سے پہلے بھی ہم یہاں سے راتوں رات بھاگ جانے کا ارادہ کرچکے تھے۔ میری ایک بات اور سن لو کہ اپنا گھر اور اپنی زمین چھوڑ دینا ایک بڑی حماقت ہے۔ اس کے مابعد نتائج اتنے خوفناک نکلتے ہیں کہ نسلیں تباہ ہوجاتی ہیں۔ کوئی علاقہ ترک وطن کرنے والوں کو دل سے قبول نہیں کرتا۔"

جب وہ سردار خاموش ہوا تو دوسرا سردار بولا "رومے سردار نے جو کچھ کہا ہے، میں حرف بہ حرف اس کی تائید کرتا ہوں۔ جتنے پہلو صورت حال سے نمٹنے کے لیے ابھی آپ نے سنے، سب ہی قابل عمل ہیں لیکن پہلی تجویز میرے نزدیک بھی قابل ترجیح ہے۔ سردار رومے، سردار کنوٹا کے بعد ایدمیر میں سب سے زیادہ قابل مانا جاتا رہا ہے۔ اس کی زبان سے نکلی ہوئی بات ہمیشہ پتھر کی لکیر ثابت ہوئی ہے۔ جب نادان دوست مالیہ کے پاس وفد بھیج

رہے تھے' اس وقت بھی رومے نے کہا تھا کہ یہ غلط اقدام ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس نے سچ ہی کہا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ نے یہ بات بھی ابھی تک نہیں سوچی کہ کونوٹا جیسا دانش مند' کیٹار اور رزامے جیسے شہرہ آفاق جادوگر اور نزاجی جیسا آسمانی علوم رکھنے والا اپنے باپ دادا کے مذہب سے کیوں پھر گئے۔ اگر تم یہ بات سوچتے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی کہ جن لوگوں کے میں نے نام گنوائے ہیں' وہ اتنے بڑے ہیں کہ ان پر لالچ میں مبتلا ہوجانے کا گمان بھی ان کے متعلق اپنے تجربے اور مشاہدے کو جھٹلانا ہے۔ اسلام سچا دین ہے اور یقیناً ہمارے بڑے اس کی سچائی تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔"

دو مختصر تقریروں کے بعد کسی دوسرے میں بولنے کی ہمت ہی نہ رہی کیونکہ جو کچھ کہا گیا تھا' اسے جھٹلایا نہیں جاسکتا تھا۔ سرداروں نے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا فیصلہ کرلیا اور کچھ افراد کو بلا کر کہا کہ وہ بستی والوں کو جلد سے جلد میدان میں جمع ہونے کی خبر دے دیں۔

رومے نے اپنے ساتھیوں سے کہا "میں سردار کونوٹا' عظیم کیٹار اور سرداروں کے سردار نزاجی کو اپنے گھر لے جاکر بٹھاتا ہوں۔ لوگ جمع ہوجائیں تو مجھے بلالینا۔" اس کے بعد رومے نے نزاجی سے کہا کہ "کونوٹا کے لوگوں کو جمع کرنے کے لیے اعلانات ہورہے ہیں۔ ان سے اپنے فیصلے کی منظوری لے کر ہم انہیں آپ کے فیصلے سے آگاہ کردیں گے۔ اگر فیصلے تک آپ لوگ میرے غریب خانے پر تشریف رکھیں تو بڑا کرم ہوگا۔"

نزاجی نے پیش کش کو قبول کرلیا۔

بستی کے ڈیڑھ ہزار آدمی جمع ہوگئے تو سرداروں نے انہیں اونچ نیچ سمجھا کر اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ مجمع خوشی سے ناچنے لگا۔ رومے دوڑتا ہوا نزاجی کے پاس پہنچا اور خوش خبری سنائی۔ نزاجی نے کیٹار سے کہا "تم مرشد کو جاکر تمام حالات بتا آؤ۔ میں انہیں داخل اسلام کی سعادت حاصل کراتا ہوں۔"

رات گئے تک نزاجی اور کونوٹا نے سب کو داخل اسلام کرلیا اور نہلا دھلا کر اپنے ساتھ مسجد لے گئے۔ مسلمانوں نے اپنے نو مسلم بھائیوں کو آتے ہوئے دیکھا تو نعرہ تکبیر بلند کرکے ان کا استقبال کیا۔

نماز فجر کے بعد پہلے نو مسلم خواتین کو کپڑا تقسیم کیا گیا اور سینے پرونے کے لوازمات فراہم کئے گئے۔ اس کے بعد نو مسلم مردوں کو اسلحے سے لیس کیا گیا۔ خواتین کو تو گھر جانے کی فوراً اجازت مل گئی مگر مردوں کو منظم انداز میں جنگ کرنے کے طریقے سکھائے گئے۔

ظہر کے بعد سعید بن سلام نے حمزہ کو بلا کر کہا "اللہ کی مخلوق کو بھوک بھی لگ رہی ہوگی' انہیں کھلاؤ پلاؤ۔"

حمزہ یہ سن کر کچھ پریشان سے ہوگئے کیونکہ اتنے بڑے مجمعے کو فوراً کھانا کھلانا انہیں

ناممکن نظر آیا۔

آپ نے ان کی پریشانی محسوس کرتے ہوئے کہا "میں نے ان کے کھانے کا انتظام کرلیا ہے۔ ان سب سے کہو کہ قطار بنا کر تمہارے گھر کی طرف چلیں۔"

اعلان کردیا گیا اور مجاہدین قطار بنا کر حمزہ کے مکان کی طرف چل پڑے۔

سعید بن سلام اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑے ہوگئے اور کمرے سے صدر دروازے تک پندرہ آدمیوں کو کھڑا کردیا گیا۔ آپ نے رومالوں میں بندھا ہوا کھانا اٹھا اٹھا کر دینا شروع کردیا جو دست بہ دست دروازے کے سامنے سے گزرنے والے مجاہدین تک تیزی سے پہنچنے لگا۔ آپ کی ہدایت کے مطابق کھانا حاصل کرلینے والے قطار بنائے ہوئے واپس مسجد کے میدان میں جاکر کھانا کھانے لگے۔ تقسیم کا طریقہ اتنا تیز اور مربوط تھا کہ دو گھنٹے میں تمام مجاہدین شکم سیر ہوگئے۔ عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کو دو حصوں میں تقسیم کرکے جنگی مشق کرائی گئی۔

مغرب کی نماز کے بعد آپ کے حکم سے سب اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے گئے تو آپ نے اپنے تربیت یافتہ مریدوں کو مخاطب کیا۔ "ابھی کچھ کام باقی ہے۔ تم لوگ یہیں رہو۔"

عشا کے بعد آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہوکر چلے اور پورے اید میہ کی سرحدوں کا جائزہ لیا۔

واپس آکر آپ نے ساتھیوں سے کہا "اب تم بھی آرام کرو۔ دشمن پرسوں دوپہر سے پہلے اید میر نہیں پہنچ سکتا۔ اسلحے کے استعمال کی مشقیں کل بھی اپنے اپنے علاقوں میں ضرور کی جائیں اور پرسوں مسلح ہوکر نماز فجر میں سب شریک ہوں۔"

دوسرے دن جگہ جگہ جنگی مشقیں ہوتی رہیں۔ تیسرے دن مجاہدین نے نماز فجر حسب الحکم باجماعت ادا کی۔ نماز کے بعد آپ نے مجاہدین کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور ان کے چار امیر مقرر کئے' حسن' کیٹار' رومے اور حمزہ۔ اس تقسیم کے بعد آپ نے فرمایا "حسن' تم شمال میں واقع پہاڑی سلسلے میں اپنے ساتھیوں کو لے کر چھپ جاؤ۔ کیٹار' تم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شمال مشرق میں واقع جنگل میں چلے جاؤ اور چھپ کر اید میر کی طرف آنے والے راستے کی نگرانی کرتے رہو' حمزہ اور رومے حملہ آوروں کا مقابلہ کریں گے۔ جب جنگ گھمسان کی شروع ہوجائے تو داہنے بازو پر پیچھے سے حسن حملہ آور ہوں اور بائیں بازوؤں سے کیٹار حملہ کریں گے مگر حملہ کرنے سے پہلے نعرہ تکبیر بلند کرنا ہرگز نہ بھولنا۔ انشاء اللہ فتح ہمارا مقدر بنے گی۔"

احکامات کے مطابق مورچے جمالیے گئے۔ اندازے کے مطابق عین دوپہر میں مالیہ کی

فوج ایدمیر کی حدود میں اس احساس کے ساتھ داخل ہوئی کہ بے خبری میں مسلمانوں کا قتل عام کردے گی مگر وہ مسلمانوں کو اپنا منتظر پا کر حیران رہ گئی۔ اس کے باوجود مسلمانوں کی قلیل تعداد کو مقابل دیکھ کر دشمن نے شدید حملہ کیا۔ سعید بن سلام بھی قلب لشکر میں مجاہدین کے دوش بدوش شمشیر بکف تھے۔ آپ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ ”اللہ اکبر“ کی صدا سے دشمنوں کے دل دہل گئے کیونکہ نعرہ تکبیر ان کے لیے بالکل نئی چیز تھی۔ دشمن نیزوں اور تلواروں سے حملہ آور ہوا تھا مگر مجاہدین نے ان کا استقبال تیروں سے کیا۔ پہلی باڑھ نے ہی سیکڑوں کے سینے چھید دیے مگر وہ بڑھتے رہے۔ مجاہدین نے پھر تیروں کی بارش کردی۔ اس بار بھی ہلاک ہونے والوں کی تعداد کم نہ تھی مگر دشمن کی پیش قدمی جاری رہی۔ وہ اب اتنے قریب آگئے تھے کہ تیر کمان بیکار ہو گئے۔ مجاہدین نے دست بدست جنگ کے لیے تلواریں نیاموں سے نکال لیں اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ مالیہ حیران تھا کہ اس کی فوج کے سامنے مسلمان جم کر کیسے لڑ رہے تھے کیونکہ اب تک اس کی فوج کو دیکھتے ہی اس کے حریف بھاگتے رہے تھے۔

ایک طرف آزمودہ کار فوجی اور جنگجو قبیلے تھے اور دوسری جانب سیدھے سادے شہری جو حرب و ضرب سے ناآشنا تھے مگر انہوں نے ایک بلند مقصد کے لیے اپنے دفاع میں تلوار اٹھائی تھی۔ ایک طرف جنگ کا جنون تھا اور دوسری طرف فرض کا شعور۔ مجاہدین سخت دباؤ کے باوجود ایک قدم پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھے۔ مالیہ اپنی فوج کو للکار رہا تھا اور خود بھی آگے بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہا تھا۔ سعید بن سلام نے دیکھا کہ مالیہ سے مجاہدین کترا رہے ہیں۔ غالباً اس کی نفسیاتی وجہ یہ تھی کہ مالیہ کی شجاعت کی داستانیں زبان زد تھیں۔ آپ راستہ بناتے ہوئے اس طرف بڑھنے لگے۔ فاصلہ کم ہوتا رہا اور پھر دونوں ایک دوسرے کے مقابل آگئے۔ اسی وقت حسن نے اللہ اکبر کا ایک فلک شگاف نعرہ لگا کر دشمن پر پشت سے ایک زوردار حملہ کردیا۔ مالیہ اور سعید بن سلام کی تلواریں ٹکرائیں تو مالیہ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ اس نے حیرت سے اپنے حریف کو دیکھتے ہوئے تیزی سے نیزہ نکال کر حملہ کیا۔ آپ نے وار ڈھال پر روک کر جو تلوار کا وار کیا تو اس کا بازو جھول گیا۔ بڑی کاری ضرب تھی مگر اس نے دانتوں سے ہونٹ کاٹتے ہوئے پھر نیزے کا بھرپور وار کیا۔ آپ نے پینترا بدل کر وار خالی دیتے ہوئے جو تلوار ماری تو اس کی شہ رگ کٹ گئی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ آپ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اللہ اکبر کی صدا سے میدان جنگ گونج اٹھا۔ ابھی نعرے کی گونج ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ نعرہ تکبیر بلند کر کے کیتار بھی بڑی شدت سے حملہ آور ہو گیا۔ دشمن فوج اپنے بادشاہ کی موت سے پہلے ہی دلبرداشتہ ہو گئی تھی۔ وہ کیتار کے حملے سے بوکھلا کر بھاگنے پر آمادہ ہو گئی مگر تین اطراف سے گھری ہوئی تھی۔ جنگ حوصلے سے لڑی جاتی ہے۔ حوصلہ

ہاری ہوئی فوج جنگ نہیں لڑ سکتی۔ سپاہیوں نے موت سے بے نیاز ہو کر بھاگنا شروع کردیا۔ اس افراتفری میں مالیہ کی فوج کو بہت جانی نقصان ہوا۔ بھاگتی ہوئی فوج کا مجاہدین نے ایدمیر کی آخری سرحد تک تعاقب کیا۔ اس سے آگے بڑھنے کی انہیں ممانعت تھی۔ اس شاندار فتح کے بعد نقصان کا اندازہ لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ تقریباً دو ہزار دشمن مارے گئے اور صرف ایک سو سترہ مسلمان شہید ہوئے۔

پہلے مجاہدین نے ظہر اور عصر کی نماز ملا کر پڑھی اور پھر شہداء کی نماز جنازہ پڑھ کر انہیں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد دس بڑے بڑے گڑھے کھود کر دشمنوں کو دبادیا۔

سعید بن سلام کے گرد تمام مجاہدین پروانوں کی طرح جمع تھے۔ آپ نے ایک چھوٹی سی تقریر میں مجاہدین کو فتح و نصرت پر مبارک باد دیتے ہوئے کہا ”مالیہ مارا جا چکا ہے اور اس کی فوجی قوت تباہ ہو چکی ہے۔ اب ایدمیر کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی جرات نہیں کرسکتا۔ یہاں کی سب سے بڑی قوت تم سے ٹکرا کر پاش پاش ہو چکی ہے۔ تم قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور موثر طریقے پر ان کے سامنے اسلام پیش کرو۔ وہ اسلام قبول کریں یا نہ کریں، کچھ عرصے بعد تم انہیں چھوڑ دینا۔ میں یہاں کل ایک باضابطہ نظام حکومت قائم کروں گا تاکہ تم ایک فلاحی ریاست میں خوب ترقی کرسکو۔ نزاجی آج ایک اچھے طبیب ثابت ہوئے ہیں۔ زخمیوں کی تکلیف ان کی زوداثر دواؤں سے بہت جلد قابو میں آگئی تھی۔ میں انہیں تمہاری صحت کا نگران مقرر کرنے والا ہوں۔ اب تم اطمینان سے جا کر اپنے گھروں میں آرام کرو۔ کل جب آفتاب سوا نیزے تک بلند ہو جائے تو مسجد میدان کے لیے اپنے گھروں سے نکل پڑنا۔ حسن نے جن مجاہدین کو رکنے کے لیے کہا ہے، صرف وہ رک جائیں۔“

سارے مجاہدین چلے گئے تو آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہنچے جہاں قیدی بندھے ہوئے پڑے تھے۔ ان کی مجموعی تعداد تین سو تھی۔ ان میں سے اکثر زخمی تھے۔ نزاجی اور اس کا عملہ ان کی مرہم پٹی میں مصروف تھا۔

”قیدیوں کو مجاہدین کی نگرانی میں مسجد میدان میں پہنچاؤ اور انہیں کھلا پلا کر آرام سے سلادو۔ میں ان سے کل بات کروں گا۔“ آپ نے کنوٹا سے کہا۔

سعید بن سلام نے ساری رات غور و فکر میں گزاردی مگر صبح کی اذان سے پہلے پہلے وہ اپنے آئندہ اقدام کے لیے لائحہ عمل مرتب کر چکے تھے۔ نماز فجر کے بعد آپ نے قیدیوں کی مزاج پرسی کی، ان کے زخم دیکھے اور انہیں تسلی دی۔

”تمہارے جسموں پر جو زخم ہیں، اس کے ذمے دار تم لوگ خود ہو۔“ آپ نے کہا ”تمہارے جسم دور سے سفر کر کے ہماری شمشیروں کی دھار پر کٹنے آئے تھے اور بے احتیاطی

کی وجہ سے زخمی ہو گئے۔ جن لوگوں سے تم لڑے یہ تمہارے علاقے کے شریف شہری اور تمہاری ہی نسل کے ہیں۔ کل تک تم ان پر غالب تھے مگر آج اسلام نے انہیں تم پر غالب کردیا ہے۔ تم انہیں غور سے دیکھو اور ان کے اخلاق کو محسوس کرو۔ شاید تمہارے دلوں کے دروازے اسلام کے لیے کھل جائیں۔ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان کسی پر ظلم نہیں کرتے مگر ظالم سے ظلم کی قوت چھین لینا بھی اپنی ذمے داری سمجھتے ہیں۔" گفتگو یہاں ختم کرتے ہوئے آپ نے کنوٹا سے کہا "زخمیوں کی رسیاں کھول دو۔ زخم خود ان کے لیے زنجیر ہیں۔"

کچھ دیر میں مجاہدین جمع ہو گئے۔ پورا مجمع ساکت وصامت تھا۔

آپ نے ان سے خطاب فرمایا "برادران اسلام' کل میں نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا کہ میں یہاں ایک نظام حکومت قائم کروں گا۔ اس سلسلے میں پہلے تمہیں اپنے ایک امیر کا انتخاب کرنا ہوگا۔ میں اپنے تربیت یافتہ ساتھیوں کے نام بتاتا ہوں۔ ان میں سے کسی ایک کو تم امیر منتخب کرلو۔"

مجمع یہ سن کر چیخ پڑا "ہمارے امیر آپ ہیں' ہمارے امیر آپ ہیں۔"

آپ نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو خاموش کیا اور فرمایا "میں یہاں نہیں رک سکوں گا اس لیے مجھے امیر نہ بناؤ۔"

یہ بات پورا ایدمیر جانتا تھا کہ سعید بن سلام جو کچھ کہتے ہیں' سوچ سمجھ کر کہتے ہیں۔ اس میں کسی عنوان کوئی ردوبدل ممکن نہیں اس لیے انہوں نے آپ کا انکار سن کر مزید اصرار نہیں کیا۔

رومے' مجمعے سے کھڑا ہوا اور آپ سے کہا "ہم اسی کو اپنا امیر تسلیم کریں گے جسے آپ نامزد کریں۔ ہم اپنی رائے سے زیادہ آپ کی رائے اور فیصلے کو قابل احترام اور اپنے لیے سود مند سمجھتے ہیں۔"

رومے کی اس تجویز سے پورا مجمع ہم آہنگ ہو گیا۔ یہ مطالبہ آپ نے بھی قبول کرلیا۔

آپ نے پھر ہاتھ کے اشارے سے سب کو خاموش کیا اور کہا "تم نے مجھ پر بہت بڑی ذمے داری ڈال دی ہے مگر ٹھہرو میں اس سے رجوع کرتا ہوں جو حاکم الحاکمین اور علیم ہے۔ اسی کا فیصلہ ہم سب کے لیے نفع بخش ہوگا۔" یہ کہہ کر آپ نے آنکھیں بند کیں اور گردن جھکا کر خاموش کھڑے ہو گئے۔ مجمعے کا شور بھی سکوت میں ڈھل کر سراپا نظر اور مجسم سماعت بن گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے آنکھیں کھولیں اور نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اللہ اکبر کی ایمان افروز گونج ابھری۔ آپ نے آگے بڑھ کر ایک شخص کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کیا اور کہا "منشائے الٰہی یہ ہے کہ تم حسن کو اپنا امیر مان لو۔"

مسلسل نعرے لگا کر حاضرین نے اس اعلان کا خیر مقدم کیا اور اسی وقت بیعت عام شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے کنوٹا نے بڑھ کر بیعت کی اور حسن کی پیشانی پر بوسہ دیا پھر زامے' کیٹار' نزاجی' رومے اور حمزہ نے بیعت کی' اس کے بعد مجاہدین نے۔"

بیعت کے بعد آپ نے فرمایا "میں اب ایک اعلان اور ضروری سمجھتا ہوں کہ آئندہ جب بھی تم اپنے کسی امیر کو منتخب کرو تو پہلے ایک مجلس شوریٰ کا انتخاب کرنا اور مجلس شوریٰ کو یہ اختیار دینا کہ وہ تمہارے لیے امیر کا انتخاب کرے۔ حسن کا انتخاب ہو چکا ہے۔ میں ایک مجلس شوریٰ بھی نامزد کر رہا ہوں جس کے مشورے حسن کے لیے قرآن وسنت کی روشنی میں لازمی طور پر قابل قبول ہوں گے۔" چند لمحے کے توقف کے بعد آپ نے پھر کہا "نزاجی' زامے' کیٹار اور رومے کھڑے ہو جائیں۔" ان پانچوں افراد کی طرف آپ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ مجلس شوریٰ کے ارکان ہیں۔ میں نے ان کا انتخاب' دین ودیانت اور علم وتقویٰ کی بنیاد پر کیا ہے۔ تم بھی انہی بنیادوں پر آئندہ مجلس شوریٰ کا انتخاب کرتے رہنا۔ آج سے تم سب پر اپنے امیر حسن کی اطاعت واجب ہو گئی ہے۔ اب تم جاؤ اور آئندہ احکامات کے منتظر رہو۔"

اس کے بعد مجلس شوریٰ کے ارکان کے ساتھ حمزہ کے مکان پر پہنچ گئے اور انہیں دیر تک سمجھاتے رہے کہ کس طرح ایدمیر کو ترقی دینا ہے اور کس طرح اسلام کی تبلیغ کے دائرے کو کامیابی کے ساتھ وسیع تر کرنا ہے۔"

جب تمام تفصیلات سمجھا چکے تو حسن کو لے کر آپ اپنے کمرے میں گئے اور کہا "مجھے امید ہے کہ تم اسلام کے اچھے فرزند ثابت ہو گے۔ ہمیشہ قرآنی عدل کی حدود کا احترام کرتے رہنا۔ تمہارا علاقہ پسماندہ ہے۔ یہاں زراعت اور صنعت کو ترقی دینا اور مسلمانوں میں جو جذبہ جہاد پیدا ہو گیا ہے' اسے قائم رکھنا بھی تمہارے لیے ضروری ہے۔ مگر ان تمام امور کو بہتر طریقے پر انجام دینے کے لیے تمہارے مالی وسائل محدود ہیں۔" یہ کہہ کر آپ نے فرش پر پیر مارا اور کہا "اس کمرے کے نیچے اب دس ہاتھ مربع مٹی سونا بن چکی ہے۔ اسے حسب ضرورت نکال کر عوام کی فلاح اور بہبود پر صرف کرتے رہنا۔ اگر تم نے یہ سونا صحیح طریقے پر استعمال کیا تو یہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ اگر اس کا ناجائز استعمال ہوا تو سونا پھر مٹی بن جائے گا۔ یہاں سونا ہے' اس کی رازداری تمہارے ذمے میری امانت ہے۔"

آپ نے حسن کو سینے سے لگا کر اس کے قلب کو سوزوگداز کی دولت سے معمور کردیا کیونکہ حکمراں کے لیے ان خصائص اور صفات کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔ آپ جب حسن کے ساتھ کمرے سے باہر نکلے تو سب تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے شفقت سے سب کو بٹھایا اور خود بھی بیٹھ گئے۔

"آج کل حج کا موسم ہے۔ کل یوم حج ہوگا۔" آپ نے فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ اپنا وعدہ پورا کروں۔ حمزہ اور ارکان مجلس شوریٰ چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ حسن کوٹا اور رومے کے گھروالوں کو مطلع کردیں گے۔"

سب آپ کے ساتھ سفرِ حج کے لیے آمادہ ہوگئے تو آپ نے اپنے ساتھ سب کو **بدیع السموات والارض** کہہ کر تحلیل کیا اور روحانی طور پر مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ آپ کے ساتھیوں کے لیے یہ انوکھا تجربہ تھا مگر سعید بن سلام کی روحانی قوتوں سے سب واقف تھے اس لیے حیران نہ ہوئے۔ مناسک حج کے بعد روضۃ النبیؐ پر حاضری دی اور وہاں سے پھر بیت اللہ شریف میں آکر طواف کی سعادتیں حاصل کیں۔

"اب تم لوگ واپسی کے لیے تیار ہو جاؤ۔" آپ نے فرمایا "پھر سب کو مقامی سکے دے کر کہا "کچھ تبرکات گھروالوں اور احباب کے لیے خرید لاؤ میں یہیں منتظر ہوں۔"

وہ لوگ واپس آئے تو سب کے سب لدے پھندے تھے۔ آپ نے اٹھ کر سب کو باری باری گلے لگایا۔

"مجھے حکم ملا ہے بیت اللہ کی مجاوری کروں اس لیے تمہارے ساتھ نہ جاسکوں گا۔ جسے ملنا ہو یہیں آکر مجھ سے مل لیا کرے۔" آپ نے فرمایا۔

آپ نے مع اسباب سب کو تحلیل کرکے اید میر روانہ کردیا اور وہ وہاں جاکر منتشر ہوگئے۔

اب آپ کعبۃ اللہ کی مجاوری کرتے۔ فارغ اوقات میں آپ قرآن کی تلاوت، طواف اور نوافل میں رضائے الٰہی کی جستجو کرتے۔ یادِ الٰہی میں ذہنی یکسوئی کا یہ عالم تھا کہ پندرہ سال تک محو حق رہے۔ نہ اید میر یاد آیا نہ بغداد۔ ریاضتوں سے اس قدر نحیف ہوگئے تھے کہ آپ کو پرانے دیکھنے والے پہچان بھی نہ سکے۔ ایک رات عالم سکر میں پڑے ہوئے تھے کہ رب العزت کی شعوری تجلیوں کا آپ پر ورود ہوا تو ہوش میں آگئے۔ ندا آئی "سعید مانگ کیا مانگتا ہے؟"

آپ نے عرض کیا "اے علیم مطلق، میرا امتحان نہ لے میں تو بہت کمزور ہوں۔"

آپ کی یہ ادائے طلب مقبول بارگاہ خداوندی ہوگئی۔ تمام حجابات اٹھا دیے گئے۔ جمال ذات دیکھا تو ایسے بے ہوش ہوئے کہ بے ہوشی کی سرحدیں حیات ابدی سے مل گئیں۔

فیض رساں

تاریخ کے روشن باب / ایک بزرگ کی سوانح مبارک

ہشام بن عبدالملک کی موت کے ساتھ ہی اموی سطوت کا قصر گر پڑا تھا۔ اس کے بعد ولید ثانی، یزید ثالث، ابراہیم بن ولید اور مروان ثانی صرف پانچ سال میں یکے بعد دیگرے تخت حکومت کو چھو کر حسرت اقتدار لیے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اقتدار کے اس چل چلاؤ کے پیچھے عالم اسلام کا وہ انتشار کار فرما تھا جو اموی زوال اور عباسی اقتدار کی راہ ہموار کررہا تھا۔ باہمی خوں ریزی، فتنہ وفساد کی گرم بازاری اور اخلاق کی گرتی ہوئی قدروں نے دردمند دل رکھنے والوں کو اپنے ماحول سے دل برداشتہ کردیا تھا۔ انہیں یہ پروا تو نہ تھی کہ اقتدار کس کے ہاتھ سے نکل کر کس کے پاس پہنچ رہا ہے مگر ان کے لیے یہ بات یقیناً ناقابل برداشت تھی کہ انسانی خون کی حرمت مٹ جائے، کلمہ گو، کلمہ گو کی عزت، آبرو اور جان ومال کو اپنے لیے حلال سمجھ لے۔ ملت اسلامیہ کی گرتی ہوئی ساکھ کے غم گساروں کی تعداد کم تو نہ تھی مگر سہیل عبداللہ اور مصعب بن حنیف ان میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ یہ دونوں ہم خیال دوست تھے۔ انہوں نے بیک وقت شام چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ عمر بھر کی رفاقت مزاج پر غالب نہ آسکی تھی اس لیے دونوں کی منزلیں مختلف تھیں۔ سہیل نے فیصلہ کیا تھا کہ حرم کعبہ میں معتکف رہیں گے جب تک موت نہ آجائے اور مصعب ایک نامعلوم منزل کے لیے سفر کرنا چاہتے تھے۔ دونوں دوست الوداعی معانقے میں رو رو کر نڈھال ہوگئے تھے مگر جب رخصت ہوئے تو ان کے ارادوں کی استقامت ان کی رفتار سے عیاں تھی۔

مصعب بن حنیف، شام سے عراق اور عراق سے عراق عجم ہوتے ہوئے خراسان پہنچے۔ عراقیوں کے ذہن ان دنوں ابو مسلم خراسانی کی انقلابی تقریروں سے سلگ رہے تھے۔ آپ نے خراسان میں بعض افراد کو سمجھانے کی کوشش کی تھی "عاجلانہ اقدام کا حاصل پشیمانی بھی ہوسکتی ہے۔ اچھی طرح سوچ سمجھ لو کہ تمہاری جدوجہد کے نتیجے میں خلافت بنو فاطمہ کو ملے گی بھی یا نہیں؟"

آپ نے بڑی دردمندی سے لوگوں کو بات سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر جب انتقام کا نشہ جذبوں کے رگ وپے میں سرایت کر جاتا ہے تو شعور سے سارے رشتے کٹ جاتے ہیں۔ کسی نے آپ کی بات پر توجہ نہ دی۔ آپ خراسان سے مرو کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں کچھ نوجوانوں جو اپنی دانست میں شرکت جہاد کے لیے خراسان جا رہے تھے' آپ کو لوٹ لیا۔ آپ ان مجاہدوں کے چلے جانے کے بعد اپنی گم نام منزل کی طرف چل پڑے۔ بخارا جب تیس فرسخ رہ گیا تو آپ تیسرے فاقے سے غش کھا کر گر پڑے۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک کشادہ باغ کے دروازے پر کھڑے ہیں اور ایک شخص منادی کر رہا ہے

"آؤ' آؤ یہاں اللہ کے مخلص بندوں کی دعوت عام ہے۔"

آپ نے یہ منادی سنی تو شدید بھوک کے عالم میں بھی یہ سوچے بغیر نہ رہ سکے کہ یہاں تو اہل اخلاص کی دعوت ہے' میرا یہاں کیا کام۔ آپ نے باغ کی طرف سے رخ پھیر کر چلنا شروع کر دیا۔ ابھی آپ دو قدم چلے ہوں گے کہ کسی نے پیچھے سے آکر آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا "اگر تم اللہ کے مخلص بندے نہ ہوتے تو یہاں پہنچ ہی نہیں سکتے تھے۔ آؤ اس دعوت میں شریک ہو جاؤ۔"

آپ باغ میں پہنچے تو منتظمین نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور دسترخوان پر بٹھا کر کھانا پیش کیا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ ہوش میں آگئے اور شکم سیری کے احساس نے خواب کی سچائی کا یقین دلایا۔ آپ الحمدللہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور بخارا کی طرف چل پڑے مگر سورج نے غروب ہو کر آپ کو جلد ہی دعوت استراحت دے دی۔ صبح نماز کے بعد آپ نے سفر شروع کیا تو دوپہر سے پہلے بخارا پہنچ گئے۔ بخارا اب تک کئی مسلمانوں کے ہاتھ آکر نکل چکا تھا اور ان دنوں بھی کافر ترکوں کے زیر اقتدار تھا۔ آپ اپنی وضع قطع سے بھی مسلمان ہی نظر آتے تھے۔ ترکوں نے آپ کو دیکھا تو جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا اور اپنے سردار کے سامنے پیش کیا۔

سردار نے آپ کو خوں خوار نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا "یہاں کیوں آیا ہے؟"

آپ نے بڑی سادگی سے کہا "میں نہ یہاں آیا ہوں' نہ میری اور کوئی منزل ہے۔ میں تو مسافر ہوں' وجود سے عدم کی طرف سرگرم سفر ہوں اور یہ بھی مجھے نہیں معلوم کہ عدم بیکراں ہے یا عدم کی سرحدیں پھر کہیں وجود سے مل جاتی ہیں۔"

ترک سردار نے آپ کا جواب سن کر ایک بلند بانگ قہقہہ لگا کر کہا "اس کا حلیہ دیکھ کر مجھے شک گزرا تھا کہ یہ پاگل ہے' اب اس کی گفتگو سن کر یقین ہو گیا کہ یہ واقعی پاگل ہے۔ اس لامکانی کو شہر کے دوسرے دروازے سے باہر نکال دو۔ میں بخارا میں ایسے پاگلوں کو ٹکنا پسند نہیں کرتا۔ ویسے بھی دیوانوں کا مقام شہر نہیں ویرانہ ہے۔"

بخارا سے آپ تاشقند کی طرف جا رہے تھے کہ ایک گاؤں میں کچھ لوگوں نے آپ کو گھیر لیا۔ پہلے تو انہوں نے آپ کے تمام اعضا کا جائزہ لیا اور انہیں سالم پا کر خوشی کے نعرے لگائے پھر آپ کو باندھ کر ایک مندر کے پروہت کے پاس لے گئے اور اس سے کہا "مبارک ہو' تمہارا جادوئی عمل پورا ہو جائے گا۔ ہم نے دیکھ لیا ہے' اس کے تمام اعضا مکمل ہیں۔ اس کی قربانی کی جا سکتی ہے۔"

یہ خبر سن کر پروہت خوش ہو گیا۔ اس نے انگلیوں پر دنوں کا شمار کرتے ہوئے کہا "کل صبح بھی اس کی قربانی ہو سکتی ہے اور آٹھ دن بعد بھی مگر میں آٹھ دن انتظار نہیں کروں گا۔ اسے اپنی حفاظت میں رکھو' اسے خوب کھلاؤ پلاؤ اور صبح طلوع آفتاب سے پہلے یہاں لے آنا۔ بڑا بت یہ قربانی قبول کر کے مجھے قوت عطا کر دے گا اور میری طاقت میرے قبیلے کی طاقت ثابت ہو گی۔"

گاؤں والے آپ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ انہوں نے آپ کو ایک جھونپڑی میں بند کر دیا اور جھونپڑی کے اطراف میں گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔ آپ کے فرار کے تمام امکانات ختم کر دیے گئے۔

رات کو آپ کے سامنے کئی قسم کے کھانے رکھ کر ایک شخص نے کہا "یہ تمہاری زندگی کی آخری رات ہے' خوب کھاؤ پیو اور ان کھانوں کے علاوہ اگر کچھ اور کھانے کی خواہش ہو تو بتا دو یا کسی اور چیز کی تمنا ہو تو اس کا اظہار کرو' ہم اگر تمہاری تمنا پوری کر سکے تو ہمیں خوشی ہو گی۔"

"مجھے کسی چیز کی تمنا نہیں ہے اور یہ کھانے بھی یہاں سے اٹھا کر لے جاؤ' میں نجس ہاتھوں سے تیار کی ہوئی غذا نہیں کھایا کرتا۔" آپ نے بڑے نرم لہجے میں جواب دیا۔

کھانے لے کر آنے والا آپ کا جواب سن کر مسکرایا اور جھونپڑی سے نکل کر دوبارہ دروازہ بند کر دیا مگر کھانا آپ کے پاس ہی چھوڑ گیا۔

رات کو آپ نے اشاروں سے نماز ادا کی کیونکہ ہاتھ پیر رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ نماز کے بعد آپ نے اپنے رب سے التجا کی "یہ سر تو آپ کی راہ میں کٹنا چاہیے' مجھے ذلت کی موت سے بچا لیجیے۔"

دعا کے بعد قبولیت کا آپ کو اتنا یقین تھا کہ پوری رات اطمینان سے سوئے۔ تہجد کے بعد آپ نے پہلے وقت میں نماز فجر ادا کر لی۔ گاؤں والے جو رات بھر صبح کے انتظار میں جاگتے رہے تھے' جھونپڑی میں آئے اور آپ کو اٹھا کر مندر پہنچ گئے۔ مندر میں ایک شور وہنگامہ برپا تھا۔

پروہت گرج رہا تھا۔ پجاری سر جھکائے کھڑے تھے "بتاؤ' بت کہاں غائب ہو گیا؟ اس

قدر وزنی پتھر کا بت لے جانے کے لیے دو تین آدمی تو آئے ہوں گے۔ تم لوگ کہاں مر گئے تھے؟"

پجاری گڑگڑا رہے تھے "ہم جاگتے رہے ہیں، ہم نے کسی کو یہاں آتے جاتے نہیں دیکھا۔"

پروہت کسی طرح اس جواب سے مطمئن نہیں تھا۔ آخر ایک بوڑھے پجاری نے مداخلت کی جو پروہت کے باپ کا بھی دوست تھا۔ اس نے کہا "پجاری سچے ہیں، ان سے نہ الجھو۔ معلوم ہوتا ہے کہ طاقت کا بت خود ہی ہم سے روٹھ کر کہیں چلا گیا ہے۔ اسے شاید وہ قربانی قبول نہ ہوگی جو تم پیش کرنا چاہتے تھے۔"

بوڑھے پجاری کی بات سن کر پروہت خاموش ہوگیا۔ دوسرے افراد کے توہم پرست ذہنوں نے بھی اس استدلال کو قبول کرلیا تھا۔ پروہت نے بلند آواز سے کہا "ہم جس کی قربانی کرنا چاہتے تھے، اسے فوراً کھول کر یہاں سے روانہ کردو۔ اس کے خون کا ایک قطرہ بھی ہماری زمین پر گر گیا تو ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ طاقت کا دیوتا پھر کبھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔"

لوگوں نے ڈرتے ڈرتے آپ کو بندشوں سے آزاد کیا اور فوراً وہاں سے نکل جانے کے لیے کہا۔

آپ آزاد ہوتے ہی تاشقند کی طرف چل پڑے۔ راستے میں آپ نے آسمان کی طرف منہ کرکے کہا "آپ بے شک بڑے صاحب حکمت ہیں اور آپ نے بے شک اپنے ناچیز بندے کو ذلت کی موت سے بچالیا۔ آپ کے خوف اور آپ کی ہیبت سے پہاڑ تک پگھل جاتے ہیں، ایک بت کی کیا حیثیت تھی۔"

تیسرے دن آپ تاشقند پہنچے تو وہاں بھی افراتفری دیکھی۔ ایک دن پہلے ہی تاتاری تاشقند کو لوٹ کر گئے تھے۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں نظر آرہی تھیں۔ آپ سوچنے لگے انسانی خون کی ارزانی دیار کفر میں بھی وہی ہے جو بلاد اسلامیہ میں دیکھتا ہوا آیا ہوں۔ انسان کے احترام کے لیے آخر کون سی فضا سازگار ہوگی۔ مجھے کہاں سکون میسر آئے گا۔ وحشت اور ظلم کے چہروں پر کیا نقابیں ڈال کر ان کی حقیقت کو چھپایا جاسکے گا۔

خیالات کے اس بھنور سے نکل کر آپ اچانک اپنے مہربان رب کی طرف متوجہ ہوئے "اے مالک! اگر آپ نے مجھے اپنی مخلوق کی محبت دی ہے تو محبت کو میرے لیے سرمایہ قرار بھی بنا دیجیے۔ میری فکر کے دامن کو مرادوں کے پھولوں سے بھر دیجیے۔ میں شگفتہ چہرے کو دیکھنا چاہتا ہوں، زندہ مسکراہٹوں سے آسودہ خاطر ہونا چاہتا ہوں۔ مجھ پر کرم بے حساب کے دروازے کھول دیجیے۔" دعا کے بعد آپ نے رومال میں اپنے آنسو جذب

کیے اور پھر یہ ضروری سمجھا کہ قتل گاہ کا ایک جائزہ بھی لیں، اگر کسی میں زندگی کے آثار موجود ہوں تو اس کی چارہ گری کریں مگر آپ کا جائزہ بے سود ہی رہا، تیغ ستم نے زندگی کے ساتھ کہیں کوئی رعایت نہیں کی تھی۔

آپ غروب آفتاب سے پہلے شہر خموشاں سے باہر آگئے تھے۔ رات ہی کو آپ کاشغر کی طرف روانہ ہوگئے مگر یہ سفر نصف شب سے زیادہ جاری نہ رہ سکا، تھکن راستے کی دیوار بن گئی۔ ایک کھلے میدان میں آپ آرام کے لیے لیٹے تو ہاتھ کا تکیہ اور خاک کا بستر بے سروسامانی میں بھی میسر تھا۔ صبح سے پہلے آپ نے خواب میں دیکھا کہ طواف حرم کعبہ میں مصروف ہیں اور سہیل عبداللہ ساتھ ہیں۔

طواف پورا کرکے سہیل عبداللہ نے آپ کا ہاتھ تھام کر کہا "خوب ملاقات ہوئی، آؤ میں تمہیں اپنا حجرہ دکھاؤں۔"

آپ حجرے میں پہنچے تو وہاں پہلے سے ایک بزرگ تشریف رکھتے تھے۔ سہیل عبداللہ نے ان کی دست بوسی کی تو آپ نے بھی ان کی تقلید کی کیونکہ حجرے میں موجود بزرگ کی وجاہت کو دیکھ کر آپ کا دل بھی دھڑکنے لگا تھا۔ بزرگ نے ایک لطیف اور دل نواز تبسم کے ساتھ کسی تمہید کے بغیر فرمایا "مصعب، ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ نہ سہیل یہاں اپنی مرضی سے آئے ہیں، نہ تم اپنی خواہش سے سفر میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا مشاہدہ کرو اور اس کی مرضی کے سامنے سر جھکاؤ۔ دنیا میں کہاں کیا ہو رہا ہے، یہ تم دیکھ تو سکتے ہو مگر کیوں ہو رہا ہے، یہ سوال اگر ذہن میں پیدا بھی ہو تو ذہن سے جھٹک دو۔ انسانی فلاح و بہبود کے لیے اپنے دائرہ اختیار میں تم جو کچھ کرسکتے ہو، ضرور کرو۔ محبت خلق کا تم پر یہی حق ہے۔ تمہاری منزل اب تم سے زیادہ دور نہیں رہ گئی ہے۔ حالات خود تم سے کہیں قیام کا مطالبہ کریں گے اور تم قیام کر بھی لوگے۔ جن کی نظر ہمیشہ منشائے مشیت پر رہتی ہے، وہ آزردگی کے حصار سے نکل جاتے ہیں۔ بے قراری، زندگی کا خصوصی وصف ہے۔ قرار کی تمنا زندگی سے بیزاری کا دوسرا نام ہے۔ اگر آدمی کو یہ یقین ہوجائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں میں شامل ہو چکا ہے تو پھر اسے غم سے بے نیاز ہوجانا چاہیے۔" بزرگ محترم اپنی بات مکمل کرکے اچانک نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔

آپ نے سوالیہ نظر سے سہیل عبداللہ کی دیکھا تو انہوں نے کہا "کبھی کبھی یہاں حضرت خضر تشریف لاتے ہیں، اچھا ہوا کہ آپ سے بھی ملاقات ہوگئی۔"

آپ بیدار ہوئے تو صبح صادق طلوع ہو چکی تھی۔ پہلے آپ نے دو رکعت نماز تشکر ادا کی اور پھر نماز فجر ادا کرکے روانہ ہوگئے۔ نئی صبح فکری اعتبار سے بڑی انقلاب آفریں ثابت ہوئی تھی۔ ذہن میں پہلے کبھی اندیشوں کی جو کھٹک محسوس ہوا کرتی تھی، وہ اب نہیں تھی۔

تیسرے دن آپ یازقند کی حدود میں داخل ہوئے۔ ہر طرف سربہ فلک پہاڑ زبان حال سے اللہ کی عظمت کا قصیدہ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے عام راستہ چھوڑ کر ایک وادی کو سفر کے لیے منتخب کیا۔ شام سر پر آئی تو ایک غار میں آرام کا فیصلہ کیا کیونکہ ہلکی ہلکی برف باری شروع ہو چکی تھی۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ جب تک بھوک برداشت کے قابل رہتی' بھوکے رہتے اور جب بھوک ناقابل برداشت ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کی ضیافت میں بہ حالت خواب جاکر شریک ہو جاتے۔ رات گئے برف باری میں شدت آگئی اور سردی آپ کی رگوں میں خون منجمد کرنے لگی۔ یوں لگتا تھا کہ رشتہ جسم وجاں منقطع ہونے والا ہے۔ آپ کو خیال آیا کہ سردی کی اذیتوں سے بچنے کے لیے دست دعا اٹھائیں مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے حال سے بے خبر تو نہیں ہے' اب اگر اس کی یہی مشیت ہے کہ موت اسی حال میں واقع ہو تو بندے کو کیا حق پہنچتا ہے جو دعاؤں سے مشیت کے خلاف احتجاج کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی یہ ادائے رضا دیکھی تو اس کے لیے سردی کو ہمیشہ کے لیے غیر موثر بنا دیا۔ آپ ذرا سی دیر میں پرسکون ہو گئے' دوران خون معمول پر آگیا اور سرد ترین موسم آپ کے لیے خوش گوار بن گیا۔ رات کا ابتدائی حصہ عبادت میں گزار کر آپ آرام کے لیے لیٹے ہی تھے کہ ایک انسانی چیخ سنی اور پھر گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں قریب آکر دور ہوتی چلی گئیں۔ آپ بے قرار ہو کر باہر نکلے اب کوئی آواز نہیں تھی مگر آپ نے اپنی روحانی سماعت کو روبہ کار لا کر ایک کراہتی ہوئی مدھم آواز کو سن لیا اور پھر اسی طرف بڑھنے لگے۔ جلد ہی آپ نے ایک گڑھے میں ایک انسان کو تلاش کر لیا جو نصف سے زیا برف میں دھنسا ہوا تھا۔ آپ گڑھے میں اترے۔ وہ صحت مند اور قوی ترک نوجوان تھا بے ہوش نوجوان کی نبض نے زندگی کی تصدیق کی تو آپ اسے اپنی پشت پر لاد کر غار میں گئے۔ غار میں گہرا اندھیرا تھا مگر آپ کی بصیرت کی راہ میں اندھیرے رکاوٹ نہ بن سکے نوجوان کو سیدھے شانے پر تلوار کا گہرا زخم تھا اور ران میں ایک تیر پیوست تھا۔ آپ اپنی چادر پھاڑ کر پہلے شانے کے زخم کو کس کر باندھا تا کہ خون کا بہاؤ رکے پھر ران سے نکالا اور ران کے زخم کو بھی کس کر باندھ دیا۔ نوجوان بے ہوش تھا اور اس کا جسم موسم طرح سرد ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس تشویش ناک صورت حال کو دیکھ کر آپ نے نوجوان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا لیے۔ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ تھوڑی ہی دیر میں کے اور نوجوان کے جسم کا درجہ حرارت ایک ہو گیا۔ ترک نوجوان نے آنکھیں کھول د اسے تاریک غار میں کچھ نظر تو نہیں آیا مگر اس نے یہ ضرور محسوس کر لیا کہ وہ کسی غار ہے اور غار میں اس کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے۔ اس نے پوچھا "میں کہاں ہوں؟"

"آرام سے لیٹے رہو۔ میں تمہیں غار میں اٹھا لایا ہوں۔ زخموں پر پٹیاں باندھ چکا ہوں اور خون کی ریزش کم ہو چکی ہے۔ تم سونے کی کوشش کرو' باتیں پھر بھی ہو سکتی ہیں۔"

ترک نوجوان آپ کی بات سے بڑی حد تک مطمئن ہو کر خاموش تو ہو گیا مگر زخموں کی تکلیف بھی کچھ کم نہ تھی۔ اس حالت میں نیند کا آنا' ممکن نہ تھا۔ آپ اس کی اضطرابی کیفیت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ آپ کی ذات کا مسئلہ ہوتا تو آپ آخری دم تک مومنانہ برداشت کا مظاہرہ کرتے مگر آپ سے اجنبی نوجوان کی حالت نہیں دیکھی جا رہی تھی۔ بے ساختہ آپ کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھ گئے جس کے نتیجے میں غار کا درجہ حرارت نوجوان ترک کے لیے بھی آرام دہ اور خوش گوار ہو گیا۔ اسے اس طرح نیند آگئی جیسے کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔ رات کے آخری حصے میں شدید آندھی آئی تھی۔ صبح مطلع صاف تھا۔ سورج کی کرنیں برف کی چاندی کو جگمگا رہی تھیں۔ نوجوان ترک اٹھ کر بیٹھ گیا۔ آپ آنکھیں بند کئے ذکر وفکر میں مشغول تھے۔

ترک نوجوان نے غار کی ملگجی روشنی میں بڑے غور سے آپ کو دیکھا اور کہا "کیا میں اپنے محسن کا نام پوچھ سکتا ہوں؟"

آپ نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا "میرا نام مصعب ہے۔ تم بتاؤ تمہارا کیا حال ہے۔"

"میں خود کو حیرت ناک حد تک بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ اس سے پہلے کہ میں یہ دریافت کروں کہ آپ کون ہیں' اپنے متعلق کچھ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میرا نام ایوغور ہے۔ میرا باپ ایک بڑا ترک سردار ہے۔ قراقرم میں کوئی اس کا ہم سر سردار نہیں ہے۔ اگر آپ اسی علاقے میں کہیں رہتے ہیں تو میرے باپ قراخاں کا نام آپ نے ضرور سنا ہو گا۔ میرا باپ قزل میں رہتا ہے اور میں اپنی ماں کے ساتھ قاراقاش میں رہتا ہوں۔ میری ماں فریسی' ترک ہونے کے باوجود عام ترک خواتین جیسا مزاج نہیں رکھتی۔ وہ اس بات پر میرے باپ سے ناراض ہے کہ میری ماں کے ہوتے ہوئے بھی میرے باپ نے مزید چھ بیویاں گھر میں ڈال رکھی ہیں۔ ماں باپ کے اس جھگڑے میں' میں نے اپنی ماں کا ساتھ دیا اور اب میں قاراقاش میں ہوں۔ رات کو میں اپنے سوتیلے بھائیوں کے ساتھ قزل سے قاراقاش کے لیے روانہ ہوا تھا مگر وہ چند فرسخ میرے ساتھ آئے اور پھر یہ کہہ کر واپس ہو گئے کہ اس سرد رات میں سفر کے لیے میری جرات ہی کام آ سکتی ہے' وہ واپس جا رہے ہیں۔ میں ان کے اس عذر پر بہت حیران ہوا تھا کیونکہ انہی کے اصرار پر میں نے رات میں سفر کیا تھا۔ وہ واپس ہونے لگے تو میں نے بھی واپس ہونے کا فیصلہ کیا مگر پھر مجھے ان پر غصہ آگیا بلکہ یوں کہنا زیادہ درست ہو گا کہ انہوں نے مجھے دانستہ برافروختہ کر کے تنہا سفر پر مجبور

کردیا تھا۔ میں سفر کرتا ہوا جب اس علاقے میں پہنچا تو کسی نادیدہ دشمن نے مجھ پر تیر چلایا جو میری خوش قسمتی سے دل نہ چھید سکا۔ دوسرا تیر میری ران میں پیوست ہو کر میرے گھوڑے تک کو زخمی کر گیا۔ ایک طرف میں ران کے زخم سے تڑپ رہا تھا' دوسری طرف گھوڑا زخمی ہو کر بے قابو ہو رہا تھا۔ میں اسی کشمکش میں تھا کہ کسی نے میرے شانے پر تلوار کا وار کیا۔ زخم کھا کر میں نے چیخ ماری تھی اور گھوڑے سے گر پڑا تھا۔ مجھے یہ یاد ہے کہ میں ایسے گڑھے میں گرا تھا جس کے اندر کافی مقدار میں برف تھی۔ حملہ آور میرے اندازے کے مطابق تین سے زائد تھے اور میرے سوتیلے بھائیوں ہی کے ساتھی تھے۔ میں اپنے باپ کا بڑا بیٹا ہوں۔ میری موجودگی میں کوئی دوسرا بھائی میرے باپ کے بعد قبیلے کا سردار نہیں ہو سکتا تھا اسی لیے وہ مجھے راستے سے ہٹانے کے درپے ہوئے ہوں گے۔"

ایوغور کی روداد سن کر آپ نے ایک آہ بھر کر کہا "صرف کردار بدلتے ہیں' حالات نہیں بدلا کرتے۔ جو واقعات تمہارے ساتھ پیش آئے ہیں' وہ دنیا کے معمولات ہیں۔ تم اور تمہاری ماں دونوں ہی قراخاں کے انصاف سے محروم رہے ہو۔ انصاف ناپید تو نہیں مگر بالعموم انصاف کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم حصول انصاف میں ناکام نہیں رہو گے۔"

ایوغور کی آپ نے ہمت افزائی کی تو اس نے مسرور ہو کر کہا "آپ اب کچھ اپنے متعلق بیان کریں تاکہ رسم تعارف کی تکمیل ہو سکے۔"

آپ نے بہت اختصار سے شام چھوڑنے کا سبب اور سفر کا اجمالی احوال سنا کر کہا "اگر تم یہاں سے اپنے گھر تنہا جا سکو تو جلد چلے جاؤ تاکہ تمہارے زخموں کا علاج ہو سکے۔ اگر میرے سہارے کی ضرورت ہے تو میں تمہیں تمہارے مقام تک چھوڑ آؤں گا۔ میں ایک گم نام منزل کا مسافر ہوں۔ مجھے تمہارے گھر تک جانے میں وقت کی کمی کا کوئی احساس نہیں ستائے گا۔"

ایوغور نے پہلے شانے کے زخم پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ رکھا' پھر آہستہ آہستہ سے ہاتھ کا دباؤ بڑھایا اور جب یہ محسوس کیا کہ کسی قسم کا درد نہیں تو اچھی طرح زخم کی جگہ کو دبا کر دیکھا۔ کوئی تکلیف نہ محسوس ہوئی۔ اس نے پٹی کھول کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ نہ صرف یہ کہ زخم بھر گیا ہے بلکہ مندمل زخم کا کوئی نشان تک موجود نہیں ہے۔ ران کا زخم بغور دیکھنے کے باوجود نظر نہ آیا۔ ایوغور بے حد حیران ہوا' مگر یہ حیرت یک طرفہ نہ تھی۔ آپ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کی ہمہ گیری پر متحیر تھے۔ آپ نے صرف یہ دعا کی تھی "یا اللہ' مریض کا اضطراب نہیں دیکھا جا رہا ہے' اس پر نیند طاری فرما دے۔" یہ دعا مریض کے لیے سبب استراحت بن گئی تھی' زخم مندمل ہو گئے تھے اور ایوغور آرام پا کر سو گیا تھا۔

ایوغور نے آپ کے قدم پکڑ لیے اور کہا "آپ نے تو کمال کر دیا۔ زخموں کا یہ حیرت ناک اندمال اگر میرے تجربے میں نہ آتا تو میں ایسی بات کا کبھی یقین نہ کرتا' خواہ ایسی بات کوئی بھی کرتا۔ اب میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گا۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ میں اپنی ساری زندگی آپ کی سرپرستی میں بسر کروں گا۔ آپ سے اچھا اتالیق' آپ سے بہتر رہنما مجھے کون ملے گا۔"

آپ نے بہت چاہا کہ ایوغور سے رخصت ہو جائیں مگر ایوغور کی نیازمندانہ ضد آپ کو قاراقاش لے ہی گئی۔ قاراقاش کی بستی ایک مسطح پہاڑ پر تھی جہاں فریسی کا قبیلہ آباد تھا۔ ایوغور کی ماں فریسی ایک ترک سردار کی بیٹی تھی۔ سردار بوڑھا بھی تھا اور آنکھوں سے معذور بھی اس لیے قبیلے کی سرداری کی ذمے داری ایوغور کے ماموں علوق نے سنبھال رکھی تھی۔ علوق کی عمر تیس بہاریں دیکھ چکی تھی۔ وہ ذہین بھی تھا اور بہادر بھی۔

ایوغور نے جب اپنی ماں اور ماموں کو قزل سے واپسی کے سفر کا حال تفصیل سے سنایا تو وہ دونوں بھی دل کی گہرائیوں سے آپ کا احترام کرنے لگے۔

آپ کو رہنے کے لیے ایک علیحدہ مکان فراہم کیا گیا جو علوق کے گھر سے بہت قریب تھا۔ آپ اپنے گھر میں رات دن مصروف عبادت رہا کرتے تھے۔ صبح و شام علوق اور ایوغور آپ سے ملاقات کے لیے ضرور پہنچتے تھے۔ ایوغور نے اکثر آپ کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا تھا مگر مذہب پر آپ سے گفتگو کرتے ہوئے اسے ہچکچاہٹ سی ہوتی تھی۔ تاہم ذوق تجسّس کچھ ہی دن میں ہچکچاہٹ پر غالب آ گیا۔ اس نے ایک دن آپ سے پوچھ ہی لیا "آپ کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کا مذہب انسان سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟"

آپ ایوغور کی ذہنی استعداد کو سامنے رکھ کر اسے اسلامی تعلیمات سے آشنا کرنے لگے۔ چند ہفتوں کی تعلیمات کے نتیجے میں ایوغور مسلمان ہو گیا۔ علوق کافی بحث و تمحیص کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تھا۔ قاراقاش میں ان دونوں کے بعد فریسی کو اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔

اکابرین قبیلہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ سے کہا کہ قبیلے میں اسلام کی دعوت عام سے پہلے یہ بہت ضروری ہے کہ قبیلے کا سردار طنجہ بھی اسلام قبول کر لے۔ وہ چاہتے تھے کہ اسلام کے موضوع پر سردار سے آپ ہی گفتگو کریں۔ وہ خود میں اتنی جرات نہیں پاتے تھے کہ نئے مذہب کے متعلق سردار طنجہ کے سامنے لب کشائی کر سکتے۔ سردار طنجہ آپ سے متعارف ہو چکا تھا اور آپ سے ملاقات کا آرزومند بھی تھا۔

آپ علوق اور ایوغور کے ساتھ جب سردار طنجہ کے پاس پہنچے تو فریسی اپنے باپ کے پاس موجود تھی۔ رسمی گفتگو کے بعد سردار نے کہا "میں نابینا ہوں' مگر بہرا نہیں ہوں۔

میرے تمام حواس اب پہلے سے زیادہ حساس ہو چکے ہیں۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس گھر میں نمایاں فکری اور عملی تبدیلی آچکی ہے۔ پہلے میں خود کو ایک بے بس اپاہج محسوس کرتا تھا' مجھے یوں لگتا تھا جیسے سارے خونی رشتے میری بینائی کے ساتھ گم ہو گئے ہیں۔ جنہیں میں نے جان سے زیادہ عزیز رکھا تھا' وہ مجھ سے کترانے لگے ہیں' مجھ سے بیزار سے ہو گئے ہیں مگر جب سے تمہارے مبارک قدم یہاں آئے ہیں' مجھے اپنے بیٹے کی توجہ' بیٹی کی خدمت اور نواسے کی محبت متاع گمشدہ کی طرح مل گئی ہے۔ مجھے بتاؤ یہ تبدیلی کیسے آئی؟؟"

آپ نے بلا تکلف فرمایا "یہ تینوں اسلام قبول کر چکے ہیں اور یہ اسلام ہی ہے جس نے انہیں فرض شناس بنا دیا ہے۔ اب آپ بھی اسلام قبول کر لیجیے کہ اسی میں آپ کی بہتری ہے۔"

"اسلام کی افادیت تو میں نے محسوس کر لی ہے' یہ رشتوں کو جوڑتا ہے توڑتا نہیں مگر مجھے یہ بتاؤ اسلام کیا ہے؟؟"

آپ نے اسلام کے ابدی اصولوں پر روشنی ڈالی۔

سردار طنجہ نے کہا "اسلام مجھے پسند آیا لیکن آپ پہلے مجھے اچھا کریں۔ مجھے آپ میری بینائی اور کھوئی ہوئی توانائی اپنے اللہ سے دلوائیں۔"

"اسلام قبول کرنا ہے تو اسلام کی اچھائیوں کو ذہن نشین کر کے قبول کرو' قطعی غیر مشروط طور پر۔ مشروط طور پر قبول کرنے سے اخلاص باقی نہ رہے گا اور اسلام اخلاص کے بغیر اپنی افادیت کھو دیتا ہے۔"

سردار طنجہ نے کچھ دیر آپ کی باتوں پر غور کرنے کے بعد کہا "اسلام اچھی باتوں کو منواتا ہے مگر اچھی باتیں تو ہر صاحب فکر کر سکتا ہے۔ ہر مذہب اچھی باتوں ہی کی تلقین کرتا ہے اس لیے مذہب کی تبدیلی اس بنیاد پر میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ آپ نے کہا ہے کہ اسلام خدا اور بندے کے درمیان رابطہ استوار کر دیتا ہے۔ آپ مسلمان ہیں' میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ خدا سے آپ کا رابطہ کتنا مستحکم ہے۔ اگر میرے حق میں آپ کی دعا خدا نے قبول کر لی تو مجھے یہ یقین فراہم ہو جائے گا کہ واقعی اسلام خدا سے انسان کا تعلق موثر طور پر قائم کر دیتا ہے۔"

سردار طنجہ نے اپنے موقف کی تائید میں مضبوط دلیل پیش کی تھی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے اعتماد پر دعا کی خاطر ہاتھ اٹھا دیے اور بلند آواز سے صرف اتنی التجا کی "یا رب العالمین! سردار طنجہ کو صاحب ایمان بنا دے۔"

دریائے رحمت جوش میں آیا۔ دعا قبول ہو گئی۔

سردار طنجہ نے یہ کہہ کر قبولیت دعا کی توثیق کی "تم سچے' تمہارا مذہب اور تمہارا خدا سچا' میری بینائی لوٹ آئی ہے۔ میں اپنے مردہ جسم میں توانائی کا تموج واضح طور پر محسوس کر رہا ہوں۔"

طنجہ خوشی سے اٹھ کر رقص کرنے لگا تھا اور آپ سجدہ شکر میں تھے۔ علوق' فریبی اور ایوغور کی آنکھیں فرط مسرت سے برسنے لگی تھیں۔

سردار طنجہ کے اسلام قبول کرتے ہی قبیلے والوں کی قسمت پلٹ گئی۔ وہ اندھیروں سے نکل کر اسلام کی روشنی کی طرف دوڑ پڑے۔ سردار طنجہ کا قبیلہ کئی پہاڑی بستیوں میں پھیلا ہوا تھا جس کی مجموعی تعداد دس ہزار تھی۔ چند مہینوں میں پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا مگر ابھی نو مسلموں کی تربیت کا بڑا مسئلہ باقی تھا۔ آپ نے کمر ہمت کسی اور ان کی تربیت میں لگ گئے۔ دو سال میں آپ کی تبلیغ نے قبیلے کی کایا پلٹ دی۔ وحشی ترک اخلاق و شرافت کا پیکر بن گئے۔

قارا قاش میں فکری انقلاب نے قارا قاش کی صورت بھی بدل دی تھی۔ علاقے کی ترقی میں ہر شخص بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا۔ پانچوں وقت قارا قاش کی مسجد میں دی جانے والی اذان سے وادی قراقرم گونجنے لگی تھی۔

قزل میں ایوغور کے سوتیلے بھائی ایک سال تک تو اس بات پر مطمئن رہے کہ وہ اپنے راستے کا کانٹا ہٹا چکے ہیں مگر پھر انہیں یہ اطلاع مل ہی گئی کہ ایوغور زندہ سلامت ہے اور اپنے ننھیالی قبیلے کی ترقی کا کام کر رہا ہے۔ قراخاں سے ایوغور نے اپنی آخری ملاقات میں یہ کہہ ہی دیا تھا کہ اگر وہ اس کی ماں کو باعزت حیثیت نہیں دے سکتا تو اپنے بیٹے کو بھی مردہ ہی سمجھ لے۔ ضدی سردار قراخاں اس آخری گفتگو کے نتیجے میں یہ سوچ چکا تھا کہ بیٹا اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔ قراخاں کو اس کی پروا بھی نہیں تھی کہ ایوغور کہاں اور کس حال میں ہے۔

قارا قاش کی خوش حالی اور طنجہ کے قبیلے کی اخلاقی بہتری کی خبریں اطراف و اکناف میں پھیلیں تو کئی وفود قارا قاش آئے۔ وہاں جو کچھ انہوں نے دیکھا' ان کے لیے ناقابل یقین تھا۔ بربنائے شعور اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے پیش نظر سردار طنجہ نے قبیلے کی سرداری اپنے نواسے کے سپرد کر دی تھی اور اس تفویض پر سب سے زیادہ خوش علوق تھا جو اپنے بھانجے کو دل و جان سے ٹوٹ کر چاہتا تھا۔ ایوغور کی سرداری کا ایک فائدہ یہ بھی مرتب ہوا کہ دو قبیلوں میں اتحاد کی نئی بنیاد پڑ گئی۔ ایوغور ایک قبیلے کا' باپ کے بعد سردار ہونے والا تھا اور ایک قبیلے کا سردار ہو چکا تھا۔ سردار قراخاں کو جب یہ اطلاع پہنچی کہ اس کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے افراد بھی ایوغور سے معاہدہ امن و رفاقت کر چکے ہیں تو وہ ایوغور کے

متعلق سنجیدہ ہوگیا۔ صورت حال تفصیل سے معلوم کرنے کے لیے اپنے اعتماد کے خاص آدمیوں کا ایک وفد اس نے قارا قاش بھیجا۔ جب وفد ایوغور کے پاس پہنچا تو آپ بھی مجلس میں موجود تھے۔ وفد نے قارا قاش میں اسلامی طرزحیات کے متعلق جتنے بھی سوال کیے ایوغور نے ان کے تفصیلی جوابات دیے۔ مسجد دکھائی اور نو مسلم ترکوں میں جو اخلاقی تبدیلیاں آئی تھیں ان کی بھی نشان دہی کی۔

وفد چلا گیا تو آپ نے ایوغور سے کہا "ابھی جو وفد گیا ہے، تمہارے والد کا بھیجا ہوا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اب باپ اپنے بیٹے کو اپنا حریف سمجھ لے گا۔"

"کیا وہ ہم پر حملہ کریں گے؟" ایوغور نے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم مسلمان ہیں، اسلام میں صلح اور جنگ کے ضابطے متعین ہیں۔ ہم ہر فیصلہ اسلام کی روشنی ہی میں کریں گے۔ اگر اسلام کے قوانین نے ہمیں تلوار اٹھانے کی راہ دکھائی تو ہم آخری دم تک جہاد کریں گے۔ مادی رشتوں پر اللہ کی محبت کو ہر حال میں غالب ہونا چاہیے۔ اس مسئلے کو ابھی سے درد سر نہ بناؤ۔"

ایک ہفتے کے بعد قراخاں کا ایک سفیر آیا اور اس نے ایوغور سے کہا "میں سرداروں کے سردار اور قراقرم کی اعلیٰ طاقت قراخاں کی طرف سے تمہارے پاس اس کا فرمان لے کر آیا ہوں۔ تمہیں چار سوالات کی جواب دہی کے لیے فوراً قزل پہنچنا ہوگا۔ پہلا سوال یہ کہ تم نے اپنا آبائی مذہب کیوں ترک کیا؟ دوسرا سوال یہ کہ تم نے ترکوں کے رسم و رواج کو چھوڑ کر نئے ضابطے کیوں رائج کیے؟ تیسرا سوال یہ کہ ننھیالی قبیلے کی سرداری ہماری اجازت کے بغیر تم نے کیسے قبول کرلی؟ اور آخری سوال یہ کہ ہمارے زیر اثر قبیلوں سے سیاسی معاہدے کرکے تم نے ہم سے بغاوت کا اعلان کیوں کیا؟"

ایوغور نے الزامات کی فہرست سن کر کہا "اور کیا کہا ہے سردار نے؟"

"اور سردار نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ جواب دہی کی لیے جب ایک ملزم کی طرح ہمارے پاس آؤ تو اس شخص کو بھی ساتھ لانا جو سارے فسادات کی جڑ ہے، جس نے تمہارا اور پورے قبیلے کا مذہب بدل دیا ہے۔"

آخر فرمان سن کر ایوغور نے آپ کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا اور پھر سفیر سے کہا "اختلاف ذاتی نوعیت کا ہوتا تو میں تمہارے سردار اور اپنے باپ سے معافی مانگ کر اسے راضی کرلیتا لیکن اسے اختلاف اللہ کے دین سے ہے۔ میں دین کے معاملے میں ٹوٹ سکتا ہوں، لچک نہیں سکتا۔ میری طرف سے کہہ دینا کہ ان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں، بلا تکلف ہمارے رہبر حضرت مسعب سے آکر ملاقات کریں اور اسلام کو سمجھیں۔ انہیں اسلام کی مخالفت کا حق نہیں پہنچتا جس کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتے۔ اگر

اسلام کو رد کرنا ہے تو بھی اسے سمجھ کر رد کریں۔ اگر میری یہ گزارشات ان کے لیے ناقابل قبول ہوں تو ان کے لیے جنگ سے بہتر راستہ یہ ہوگا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں اور اپنے دائرہ اقتدار میں خوش و خرم رہیں۔ اگر انہوں نے جنگ کی طرف پیش قدمی کی تو میں اپنی مدافعت کروں گا اور انہیں ایسے ترکوں سے واسطہ پڑے گا جن کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتے۔ بہ صورت جنگ انشاء اللہ اسلام ہی سرخرو ہوگا۔"

سفیر چلا گیا تو آپ نے اٹھ کر ایوغور کو سینے سے لگا لیا اور اس کی پیشانی چوم کر کہا "الحمدللہ، اسلام اب تمہاری فکر اور تمہارے عمل میں رچ بس گیا ہے۔ تم نے ہر جواب اسلام کے ضابطوں کے مطابق ہی دیا ہے۔ اب تم تیار ہو جاؤ، جنگ ناگزیر ہوگئی ہے۔ میں حلیف قبائل کی طرف آج ہی روانہ ہو جاؤں گا، تم یہاں جذبہ جہاد بیدار کرو۔ میں اپنے ساتھ علوق کو لے جاؤں گا۔"

آپ علوق کے ساتھ اسی دن نکل کھڑے ہوئے۔ سترہ بستیوں کا دورہ آپ نے ایک ماہ میں مکمل کیا۔ اس دورے کے نتیجے میں سات ہزار ترک حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور ہزاروں ترک اسلام نہ لانے کے باوجود اسلام کو اپنے لیے رحمت سمجھنے لگے۔

○☆○

قراخاں بیٹے کا پیغام سن کر آگ بگولا ہوگیا اور اعلان جنگ کردیا۔ اس نے اپنی قوت مجتمع کی اور ایک ماہ پندرہ دن کی تیاری کے بعد قارا قاش کی طرف چل پڑا۔ آپ کے مشورے کے مطابق ایوغور بھی اپنے لشکر کے ساتھ چل پڑا۔ یہ مناسب نہیں سمجھا گیا کہ قارا قاش کو میدان جنگ بنایا جائے۔

جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے خیمہ زن ہوئیں تو برف باری ہو رہی تھی مگر ترک اس موسم کے عادی تھے۔ ان کی اطراف میں قراقرم کے سلسلہ کوہسار کی بلند ترین چوٹیاں تھیں جو بارہ مہینے برف سے ڈھکی رہتی تھیں اور ان میں کوئی چوٹی سطح سمندر سے چھبیس ہزار فٹ کم بلند نہ تھی۔

ایوغور نے میدان جنگ میں پہنچ کر بھی باپ کو راہ راست پر لانے کی اور جنگ و جدل سے بچنے کی ترغیب دی تھی مگر قراخاں نے اپنی انا کے بت کے سامنے سب کو سربہ سجود دیکھنے پر اصرار کیا۔ جنگ ہوئی اور بہت ہی ہولناک جنگ ہوئی۔ طرفین کے ہزاروں آدمی مارے گئے۔ قراخاں کے تمام کافر بیٹے کٹ مرے تھے، خود وہ بھی زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑا تھا۔ اپنے سردار کو گھوڑے سے گرتے دیکھ کر قراخاں کے ساتھی بھی جی چھوڑ گئے اور پھر ان کے قدم نہ جم سکے۔

اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا کردی تھی۔ ایوغور کو ایک ترک نے اطلاع دی "سردار

قراخاں زخمی حالت میں مل گیا ہے‘ لوگ اسے یہاں لا رہے ہیں۔"

آپ نے ایوغور کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے اس طرف دوڑنا شروع کر دیا جدھر سے لوگ قراخاں کو لا رہے تھے۔ قریب پہنچے تو آپ نے لوگوں سے کہا "سردار کو زمین پر لٹاؤ اور دور ہٹ جاؤ۔"

قراخاں ابھی زندہ تھا۔ ایوغور اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ قراخاں نے بیٹے کو پہچان کر کہا "میں ہارا نہیں ہوں بیٹے‘ میں ایک فاتح اور بہادر بیٹے کا باپ ہوں۔ میں یہ یقین لے کر دنیا سے جا رہا ہوں کہ قراقرم میں نہ کوئی مجھ سے آنکھ ملا سکا‘ نہ کوئی میرے جانشیں کا ہم سر ہو سکے گا۔" جملہ مکمل کر کے قراخاں نے لرزتے ہوئے ہاتھ ایوغور کے سینے سے لپٹانے کے لیے اٹھائے تو بیٹا باپ کی آخری تمنا کو پورا کرنے کے لیے باپ کے سینے سے لگ گیا اور اسی لمحے قراخاں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اس جنگ کے بعد قراقرم لے جا کر ترکوں نے ایوغور کو اپنا حکمراں تسلیم کر لیا۔ ایوغور نے بہت جلد قراقرم کے ترکوں میں مقبولیت حاصل کر لی۔ بعض قبائل مسلمان ہو گئے‘ بعض نے ایوغور سے وفاداری کا عہد کر لیا۔ ایوغور سے وفاداری کا عہد کرنے والے مسلم اور غیر مسلم ترک تاریخ میں ایوغوری کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

ایوغور‘ قراقرم کی ایک بہت بڑی طاقت بن کر ابھرا تھا۔ اس کی شہرت دور دور تک پھیلتی چلی گئی تھی۔ آپ ایوغور کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ وہ کوئی اقدام آپ کے مشورے کے بغیر کرنا گناہ سمجھتا تھا۔ ایک دن نماز تہجد کے بعد ایوغور نے آپ سے پوچھا "حضرت! قراقرم میں تو حالات اب کسی حد تک سازگار ہیں۔ آئندہ کا لائحہ عمل کیا ہو گا؟"

"فکر نہ کرو اللہ تمہیں تعطل کا شکار نہ ہونے دے گا۔ اللہ تم سے اسلام کی مزید خدمت لے گا مگر تم شادی کر لو۔ تمہاری والدہ کی بھی یہی خواہش ہے۔ سردار طغنجہ بھی کہتے رہتے ہیں کہ میری جان اسی آرزو میں اٹکی ہوئی ہے کہ ایوغور شادی کر لے۔"

"مجھ میں یہ تاب کہاں کہ بزرگوں کے حکم سے انحراف کروں۔" ایوغور نے بڑے ادب سے کہا۔

آپ نے اسی دن ایک مجلس مشاورت طلب کی جس میں خاندان کے سبھی بڑے موجود تھے۔ مجلس میں جب شادی کی بات چلی تو فریبی نے کہا "میں نے اپنے بیٹے کے لیے ایک بہت ہی خوب صورت لڑکی پسند کر رکھی ہے۔"

سردار طغنجہ بولا "پھر بتاؤ‘ وہ کون ہے؟"

"سردار خادوم کی بیٹی بلقین۔" فریبی نے بڑے فخر سے جواب دیا۔

"مگر خادوم نے تو اسلام قبول نہیں کیا۔ اس کے یہاں کیسے رشتہ ہو سکتا ہے۔" علوی

نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

"پہلے تم لوگ اس بات کا فیصلہ کرو کہ لڑکی واقعی ایوغور کے لیے مناسب ہے یا نہیں اور یہ بات سوچتے ہوئے اس کے مذہب کو سردست نظر انداز کر دو۔ اگر لڑکی سب کو پسند ہے تو ہم اللہ سے اسے مانگ لیں گے۔" آپ نے لوگوں کے ذہنوں کو ایک نیا انداز فکر دیا۔

تھوڑی سی بحث کے بعد بالاتفاق لڑکی کو ایوغور کے لیے مناسب ترین رشتہ قرار دے دیا گیا۔

اب ایک مرحلہ اور باقی ہے۔ بلقین کو تم سب نے پسند کر لیا ہے مگر یہ رشتہ ایوغور کو بھی پسند ہے یا نہیں؟ یاد رکھو کہ ہماری پسند کو اس سلسلے میں ایوغور کی پسند کا تابع ہونا چاہیے۔"

آپ کی بات سن کر فریبی اپنی جگہ سے اٹھی اور کہا "میں ابھی اپنے بیٹے سے پوچھ کر آتی ہوں۔"

فریبی نشست گاہ سے نکل کر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ آئی تو اس کے چہرے پر مسرت کے بکھرے ہوئے رنگ دیکھ کر ہی سب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بیٹے سے اپنی پسند کی توثیق حاصل کر چکی ہے۔

فریبی نے آکر بیٹے کی پسندیدگی کا اعلان کیا تو آپ نے کہا "میں کل شادی کا پیغام لے کر خود خادوم کے پاس جاؤں گا۔"

○☆○○

خادوم ایک مدت تک قراخاں کا دست راست رہا تھا مگر جب ان میں اختلاف ہوا تو وہ آپس میں لڑے نہیں تھے بلکہ اس شرط کے ساتھ خوب صورتی سے علیحدہ ہو گئے تھے کہ وہ علیحدہ رہ کر بھی ایک دوسرے کے مفادات کا احترام کریں گے۔ خادوم اپنے طاقت ور قبیلے کا سردار تھا اور یونگ میں اپنے قبیلے کے ساتھ قیام پذیر تھا۔ فریبی نے پہلی بار بلقین کو قزل میں اس وقت دیکھا تھا جب وہ اپنے باپ کے ساتھ ایک تقریب میں شرکت کے لیے آئی تھی۔ بلقین حسین ہونے کے ساتھ بے حد ذہین بھی تھی۔ تیر اندازی‘ گھڑ سواری اور شمشیر زنی کے فنون سے بھی وہ آراستہ تھی۔ خادوم‘ باپ بیٹوں کی جنگ سے الگ ہی رہا تھا حالانکہ قراخاں نے اس سے مدد طلب کی تھی۔

آپ قارا قاش سے جب یونگ پہنچے تو خادوم بڑی سرد مہری سے پیش آیا۔ اسے آپ کے متعلق اس کے بعض بہی خواہوں نے بتا دیا تھا کہ آپ کون ہیں اور آپ نے وادی قراقرم میں آکر کیا کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ خادوم ترک تھا اور روایتی ترکوں سا ہی انداز فکر رکھتا تھا۔ اسے اس بات کا بڑا دکھ تھا کہ ترک آپ کی وجہ سے آپس میں کٹ

مرے، بیٹے کے ہاتھوں باپ کا قتل ہوا۔ اس نے بڑے روکھے انداز میں پوچھا "مختصر الفاظ میں اپنے آنے کا مدعا بیان کرو اور ہمارے علاقے سے فوراً چلے جاؤ۔ اگر تم یہاں رکے تو یہاں بھی لوگوں کا مذہب خراب کرو گے۔ اگر تم میرے غیظ و غضب کا نشانہ بنے تو ابوغوریوں سے مجھے جنگ کرنا ہی پڑے گی۔ میں جانتا ہوں، وہ تمہارا بہت احترام کرتے ہیں۔"

آپ خادوم کی ذہنی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ اندیشے اور خوف نے بیک وقت خادوم کے ذہن پر یلغار کر دی تھی۔ آپ نے کہا "تمہارا رویہ ابوغوریوں کے نمائندے کے ساتھ دوستانہ ہونا چاہیے کیونکہ ابھی تک نہ ابوغوریوں نے تمہیں کسی شکایت کا موقع دیا ہے، نہ ان کے مفادات کا تمہارے مفادات سے ٹکراؤ ہوا ہے۔"

آپ نے ایک بین حقیقت کی طرف اسے متوجہ کیا تو اس کے تنے ہوئے تیور ڈھیلے پڑ گئے اور اس نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا "میں یہ سمجھا تھا کہ آپ ذاتی حیثیت سے یہاں آئے ہیں اور کیونکہ میری اطلاعات کے مطابق آپ خطرناک آدمی ہیں اس لیے میرے لہجے کی تلخی غیر فطری نہیں تھی۔ یہ بات اب آپ نے بتائی ہے کہ آپ ابوغور کے سفیر ہیں۔ فرمائیے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" اس سوال کے ساتھ ہی اس کے ذہن پر ایک سوال وارد ہوا تھا کہ یہ شخص ایک سادہ سے سوتی اور ہلکے لباس میں زندہ کیسے ہے؟ ٹھنڈک اور برف میں جب کے گھر کے اندر گرم لباسوں میں اور آتش دانوں کی موجودگی میں سب کے لیے سردی عذاب بنی ہوئی ہے" یہ شخص کھلی وادی میں سفر کر کے آیا ہے اور اب بھی مطمئن کھڑا ہوا ہے۔ اس سے پہلے کہ آپ کوئی جواب دیتے" اس نے پہلے سوال کے تسلسل میں دوسرا سوال جواب کے لیے مقدم ٹھہرایا "پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں سردی نہیں لگتی؟"

"مجھے میرے پالنے والے نے سردی سے محفوظ کر دیا ہے۔ کتنی ہی سردی پڑے، مجھ پر اثر انداز نہیں ہوا کرتی۔ اگر مجھ پر میرے مالک کا فضل نہ ہوتا تو اس لباس میں یہاں کبھی نہ پہنچ پاتا، راستے ہی میں کہیں میری لاش سردی سے اکڑی پڑی ہوتی۔"

خادوم نے ایک بار اور بڑی بے اعتباری سے آپ کو دیکھا اور سرد ترین موسم میں آپ کے بہ قید حیات رہنے کی کوئی منطقی دلیل کوشش کے باوجود نہ پا سکا۔ اس کا ذہن سوچ سوچ کر تھک گیا تو اسے آپ عام انسانوں سے مختلف نظر آنے لگے۔

آپ نے اسے جب گم صم دیکھا تو کہا "میں ابوغوریوں کی طرف سے محبت کا پیغام لایا ہوں۔ سردار طنجہ کی خواہش ہے کہ ابوغور سے تمہاری بیٹی بلقین کی شادی ہو جائے مگر اس شادی کے لیے بلقین کو اسلام قبول کرنا ہوگا۔"

خادوم یہ بات سن کر بھڑک اٹھا۔ اس نے حکم دیا "اس گستاخ کو باندھ کر پہاڑ کی چوٹی سے نیچے دھکا دے دو۔ میں ابوغوریوں کو بھی دیکھ لوں گا اگر وہ ادھر کا رخ کریں گے۔"

خادوم کے آدمیوں نے آپ کو پکڑ کر باندھنا شروع کیا تو آپ نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ خادوم کے آدمی آپ کو لے کر ایک چوٹی پر پہنچے اور آپ کو نشیب کی طرف دھکا دے دیا۔ اس مرحلے پر بھی آپ نے کوئی آواز نہ نکالی تھی۔

خادوم کے آدمی جب آپ کو دھکا دے کر اس کے پاس پہنچے تو ان میں سے ایک نے کہا "سردار، میری نظروں سے ایسا آدمی آج تک نہیں گزرا۔ سزا کے تمام مراحل میں مجھے یوں لگا جیسے ہم کسی مردے کو سزا دے رہے ہیں حالانکہ وہ زندہ تھا اور اس طرح مطمئن جیسے اسے ہم آپ کے حکم سے گرم اور آرام دہ مہمان خانے میں لے جا رہے ہیں۔"

خادوم نے ایک جذباتی فیصلہ کیا تھا مگر اس کا روٹھا ہوا شعور جب واپس ہوا تو اسے بہت ملال ہوا۔ اس نے سوچا کہ متوقع براوقت حکمت سے بھی ٹالا جا سکتا تھا۔ اس نے اپنا دربار برخاست کیا اور حرم میں داخل ہو گیا۔ بیوی نے اس کا چہرہ دیکھا تو گھبرا کر پوچھا "تمہارے چہرے کا رنگ اڑا ہوا ہے، کہیں طبیعت تو خراب نہیں ہو گئی؟"

خادوم کی بیوی بھی بڑی معاملہ فہم تھی اور خادوم اکثر و بیشتر اس سے انتظامی امور میں مشورہ لے لیا کرتا تھا۔ اس نے بیوی کو پوری روداد سنا کر پوچھا "بتاؤ اب میں کیا کروں۔"

بیوی نے برہم ہو کر کہا "اب جنگ کی تیاری کرو اور وہ بھی ایسی جنگ جس میں ہم سب کی تباہی لازمی ہوگی۔ کاش تم یہ حماقت نہ کرتے۔ بیٹی کا پیغام آیا تھا تو مجھ سے بھی مشورہ کرنا چاہیے تھا۔ خیر، کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آ سکتا۔ اب حالات کے مطابق ہی لائحہ عمل مرتب کرنا ہوگا۔ اب تم آرام کرو اور مجھے اس مسئلے کا جائزہ لینے دو۔"

خادوم اپنی خواب گاہ میں پہنچا اور اتنی شراب پی کہ بے ہوش ہو گیا۔

○☆○

آپ کو جب چوٹی سے نشیب کی طرف دھکا دیا گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دل ہی دل میں مدد مانگی کیونکہ وہ دلوں کی بات بھی تو سن لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی فوراً دستگیری فرمائی۔ آپ انتہائی گہرائی میں برف پر اس طرح گرے جیسے کسی نے گود میں لے کر آہستہ سے زمین پر رکھ دیا ہو۔ رسیاں بہت مضبوط تھیں مگر اللہ کے فضل سے اس طرح ٹوٹ گئیں جیسے آپ کچے دھاگے سے بندھے ہوئے تھے۔ آزاد ہو کر آپ فوراً کھڑے ہو گئے۔ تین بار "الحمدللہ العظیم" کہا اور آپ نے نشیب سے بلندی کی طرف چڑھنا شروع کر دیا۔ صبح کی نماز آپ نے نشیب سے نکل کر ادا کی۔ سامنے آپ [illegible]نگ کی آبادی برف میں ڈوبی ہوئی نظر آئی۔ آپ برف پر ہی آرام سے لیٹ گئے۔

صبح دن چڑھے خادوم کی بیوی نے جگایا اور کہا "میں نے ایک ترکیب سوچ لی ہے' اگر اس پر عمل کیا تو ہم جنگ کی ہولناک تباہی سے بچ جائیں گے۔ ترکیب یہ ہے کہ آج ہی ایک قاصد ابوغور کی طرف روانہ کردو اور اسے یہ پیغام بھیجو کہ شادی کا پیغام پا کر ہمیں بہت خوشی ہوئی۔ اگر یہ شادی ہو جائے تو پرانے رشتے مضبوط ہو جائیں گے مگر اس شادی میں سب سے بڑی رکاوٹ مذہب کا فرق ہے۔ تمہیں اپنا دین جتنا عزیز ہے' ہم بھی اپنے مذہب سے اتنا ہی پیار کرتے ہیں۔ اگر تم اپنے سابقہ مذہب کی طرف لوٹ آؤ تو یہ شادی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہماری بیٹی اپنا مذہب چھوڑنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہے۔ جب تک اس سلسلے میں تمہارا جواب نہیں آئے گا' تمہارا قاصد ہمارے پاس عزت و احترام کے ساتھ رہے گا۔"

"ترکیب تو اچھی ہے مگر جواب آنے کے بعد اس قاصد کو جسے ہم مروا چکے ہیں کیسے واپس کریں گے؟ یقین جانو وہ صرف قاصد نہیں تھا' وہ قارا قاش کے حاکموں کے دلوں پر حکومت کرتا تھا۔ وہ اس کا انتقام ہم سے ضرور لیں گے۔ میرے خیال میں اب جنگ کے سوا کوئی صورت باقی نہیں رہی ہے۔"

"میری ترکیب پر عمل کرو' اس کے دو نتیجے نکلیں گے اور ہمارے لیے مفید ثابت ہوں گے۔ پہلا نتیجہ تو یہ متوقع ہے کہ وہ شادی پر زور نہیں دیں گے۔ شادی کے پیغام کو رد کردینے کا حق لڑکی والوں کے پاس ہوتا ہے پھر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ قاصد کو ہم نے واپس کردیا تھا' اگر وہ واپس نہیں پہنچا تو اس کی ہم پر کوئی ذمے داری نہیں ہے۔ اگر یہ عذر ان کے لیے ناقابل قبول ہوگا تو ہمیں جنگی تیاریوں کے لیے کافی وقت مل جائے گا۔"

خادوم نے بیوی کی ذہانت کی تعریف کرتے ہوئے کہا "میں آج تو نہیں' کل قاصد روانہ کردوں گا۔ آج میں قاصد کی لاش تلاش کرا کے محفوظ کرلینا چاہتا ہوں تاکہ وقت ضرورت اسے استعمال کیا جاسکے۔"

خادوم نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ قاصد کی لاش ہر حالت میں ڈھونڈ کر لاؤ۔ خادوم کے آدمی جب آپ کی تلاش میں نکلے تو ایک جگہ آپ کو برف پر پڑا ہوا دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے پھر خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ تلاش کرنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو رات میں آپ کو دھکا دے کر گئے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ جہاں سے انہوں نے آپ کو دھکا دیا تھا' وہاں سے گر کر کسی صورت میں کوئی زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ آپ کو صحیح وسالم دیکھ کر وہ یہی سمجھے کہ مرنے کے بعد آپ بھوت بن گئے ہیں اور اپنے خون ناحق کا انتقام لینے کے لیے واپس آگئے ہیں۔ بھاگنے والے خوف زدہ کھوجی جب خادوم کے پاس پہنچے تو ان کے حواس قابو میں نہ تھے۔ انہوں نے پھولی ہوئی سانسوں کے دوران میں جو کچھ کہا' وہ مر

تھا مگر خادوم نے یہ بات ضرور سمجھ لی کہ مطلوبہ شخص مل گیا ہے۔

اس نے چیخ کر ان کے دلوں پر دہشت کو ختم کرتے ہوئے کہا "صرف ایک شخص بولے اور وضاحت سے بتائے کہ تم سب اتنے دہشت زدہ کیوں ہو؟"

جب ایک شخص نے قدرے اطمینان کے ساتھ صورت حال سے آگاہ کرکے آپ کو بھوت قرار دیا تو خادوم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو میں خود اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔" خادوم بولا۔

"جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو آپ جاگ چکے تھے مگر لیٹے ہوئے تھے۔ خادوم اور اس کے ساتھیوں پر آپ کی نظر پڑی تو کھڑے ہوگئے۔

خادوم کے ساتھی تو رک گئے مگر وہ آپ کے پاس پہنچ گیا اور کہا "تم نے مجھے حیرت زدہ کردیا ہے۔ تم آخر کیا ہو؟"

"میں اللہ کا ایک ناچیز بندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوں۔ تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ میرے ساتھ معقولیت سے بات کرو' میں تمہارا دشمن نہیں دوست ہوں۔"

خادوم نے بڑی نرمی سے کہا "میرے ساتھ آیئے' گفتگو اب گھر پر ہی ہوگی۔" آپ کو نشست گاہ میں بٹھا کر خود وہ بھی آپ کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ مہمان کے لیے کھانا لائے۔ غلام چلا گیا تو خادوم نے کہا "آپ کی شخصیت نے میرے تمام عقائد کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ آپ جس کی پرستش کرتے ہیں' وہ آپ کا نگراں ہے' ہر آفت سے آپ کو بچالیتا ہے اور ہم جنہیں اب تک پوجتے رہے ہیں' ہمارے آج تک کسی کام نہ آسکے۔ ایسا لگتا ہے کہ بے حس پتھر کی مورتیوں سے سر پھوڑ کر میں نے اپنا مذاق اڑایا ہے۔ میں آج آپ کے دین پر گفتگو کروں گا۔ اگر آپ اجازت دیں تو گفتگو میں اپنی بیٹی' بیٹوں اور بیوی کو بھی شریک کرلوں؟"

"اگر تم اپنے اہل خاندان کو بھی گفتگو میں شریک کرو گے تو مجھے خوشی ہوگی۔" غلام نے آپ کے سامنے کھانا رکھا تو آپ نے کہا "پہلے گفتگو بعد میں کھانا' میں ابھی بھوک محسوس نہیں کررہا ہوں۔"

خادوم نے غلام سے کہا "کھانا لے جاؤ اور گھر میں سب سے کہہ دو کہ یہاں آجائیں۔" تھوڑی دیر میں ہی خادوم کے گھر والے نشست گاہ میں آگئے۔ پہلا سوال کرنے سے پہلے خادوم نے سب سے کہا "ہم ایک نئے مذہب سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ تم سب کو اپنے شکوک رفع کرنے کے لیے ہر قسم کے سوالات کی کھلی اجازت ہے۔ میں اپنے مہمان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا اسلام قبول کرلینے والوں کی اللہ اسی طرح حفاظت کرتا ہے جیسے آپ کی حفاظت کی ہے؟"

آپ نے سوال کی نزاکت کو اچھی طرح محسوس کرتے ہوئے بڑے محتاط انداز میں جواب دیا "بے شک اللہ تعالیٰ ہر صاحب ایمان کی حفاظت فرماتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اللہ کی ذات پر اس کا ایمان کامل ہو۔ ایمان کے مدارج ہیں' ایمان کے ہر درجے میں اللہ تعالیٰ کے تعلق کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ کچھ لوگ ذہنی طور پر اللہ کا اقرار کرتے ہیں' کچھ لوگ علم ودانش کی روشنی میں اللہ کے وجود کا اعتراف کرتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے زندہ حواس کے ساتھ اس کی صفاتی تجلیات محسوس کرتے ہیں اور ان میں محو ہو جاتے ہیں۔ محویت' ماحول میں قدم قدم بکھری ہوئی منفعتوں اور مضرتوں سے انسان کو بے نیاز کر دیتی ہے۔ بے نیازی اور محویت کی اس منزل میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو ہر بلا سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔ جو ذہنی طور پر اور علم ودانش کی روشنی میں اسے تسلیم کرکے مطمئن ہو جاتے ہیں' انہیں اپنی حفاظت کے لیے بھی عقل ودانش اور ذہانت کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ میں نے تمہارے سوال کا تفصیلی جواب دیا ہے مگر میں جانتا ہوں کہ تم اچھی طرح میری بات کو نہ سمجھے ہو گے کیونکہ دین سے متعلق یہ آخری سوال ہونا چاہیے تھا جو تم نے سب سے پہلے کر لیا ہے۔ دین کی مبادیات کو ذہن نشین کئے بغیر ہر جواب مکمل ہونے کے باوجود تمہیں تشنہ ہی محسوس ہو گا۔ اللہ تعالیٰ حافظ بھی ہے' حفیظ بھی' ناصر بھی ہے اور نصیر بھی' مستعان بھی ہے اور مہیمن بھی۔ اس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ ہم اگر غور کریں تو روح و جسم کے ان گنت حفاظتی اہتمام نظر آئیں گے۔ جسم کا حفاظتی نظام بڑی حد تک خود کار بنایا گیا ہے۔ ہم خود غیر فطری طرز حیات اختیار کرکے اس نظام کو درہم برہم کر لیتے ہیں۔ غیر ارادی طور عضلات موثر طریقے پر ہماری حفاظت کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر پلکوں کو لے لیجئے' آنکھوں کی حفاظت کے لیے بروقت خود بہ خود بند ہو جاتی ہیں۔ میں بہت سی مثالیں دے سکتا ہوں مگر اس وقت جو بات خاص طور پر تمہارے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں' وہ توحید ہے جو ایک طرف اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا یقین دلاتی ہے' دوسری طرف پورے عالم انسانیت کو متحد اور مرکوز کرتی ہے۔ تمام انسان اللہ تعالیٰ کے حوالے ہی سے مربوط ہو سکتے ہیں' قریب تر آ سکتے ہیں۔ انسان جتنا محدود ہو گا' مردود ہو گا' جتنا وسیع ہو گا' محمود ہو جائے گا۔ انسان کی عالم گیر فلاح و بہبود کے لیے اسلام کا نظام توحید ہی موثر ضامن ہے۔"

آپ کی توضیحات سن کر بلقین بولی "کیا آپ لوگوں کے ذہن بھی پڑھ لیتے ہیں؟ کیونکہ کئی سوالات میرے ذہن میں ابھرے مگر سوال سنے بغیر آپ ان کا جواب دیتے رہے۔ اسلام بہت پر کشش ہے مگر ایک ہی نشست میں ہمیں سب کچھ نہ بتائیے ورنہ بہت سی باتیں حافظہ قبول نہ کر سکے گا۔ میرے خیال میں آپ نے آج جو کچھ ارشاد فرمایا ہے' اس پر غور کرنے کا کل تک موقع دیجئے۔ کل پھر اسی وقت ہم سب آپ کی خدمت میں حاضر

ہو جائیں گے۔"

تجویز معقول تھی اس لیے سبھی نے تائید کی اور مجلس برخاست ہو گئی۔ بعد میں دس دن تک روزانہ مقررہ وقت پر گفتگو ہوتی رہی جس کے نتیجے میں خادوم اور اس کے اہل خانہ مشرف بہ اسلام ہو گئے اور ایوغور کا رشتہ بھی بلقین کے لیے قبول کر لیا گیا۔ شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔

جب بلقین کو بیاہ کر ایوغور' قراقرم کی طرف جانے لگا تو آپ نے اس سے کہا "میں یونگ میں ہی قیام کروں گا کیونکہ اسلام کی تبلیغ کے لیے میری یہاں ضرورت ہے۔"

آپ نے یونگ میں طویل قیام کیا۔ اس عرصے میں آپ نے کئی بار قاراقاش' قزل اور قراقرم کا سفر کیا تھا اور وہاں حسب ضرورت رکے بھی تھے مگر یونگ کو بہرحال تبلیغی امور میں مرکزی حیثیت حاصل رہی پھر ایوغور نے آپ کو قراقرم بلا لیا۔ آپ پہنچے تو ایوغور نے بتایا "کئی دن سے ایک چینی ایلچی قراقرم آیا ہوا ہے۔ میں آپ کے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

آپ نے چینی ایلچی کے آنے کا مدعا پوچھا۔

ایوغور نے کہا "بادشاہ چین شیوچونگ نے ہم سے مدد طلب کی ہے۔ میرے خیال میں باقی تفصیلات آپ خود ایلچی سے سن لیں۔ شیوچونگ نے اپنے وزیر کو ایلچی بنا کر ہمارے پاس بھیجا ہے۔"

آپ نے ایلچی کو بلانے کی اجازت دے دی تو اسے طلب کر لیا گیا۔ ایلچی نے آداب بجا لانے کے بعد کہا "ہم پر بڑی افتاد آ پڑی ہے۔ ہمارا ملک تباہ و برباد ہو رہا ہے۔ ہمارا بادشاہ ہان چونگ بڑے عدل وانصاف سے حکومت کر رہا تھا' ملک میں امن وامان تھا مگر ایک چینی گورنر آن لوشاں نے صوبہ نوتن میں بغاوت کر دی۔ اس کے پاس چینی باغی فوج کے علاوہ آٹھ ہزار تاتاری سپاہی بھی تھے۔ بادشاہ یون چونگ نے آن لوشاں کو راہ پر لانے کی دوستانہ کوشش کی مگر وہ نہ مانا اور ہمارے مشرقی دارالسلطنت شہر بویانگ پر حملہ کر دیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اس نے بویانگ میں بے گناہ شہریوں کا قتل عام کیا۔ اس پہلی فتح کے بعد اس کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ اس نے ایک تجارتی شہر تونگ کونگ پر حملہ کیا۔ جوشی کینگ پایہ تخت ئوبہ کے راستے کا ایک اہم شہر ہے۔ ہماری فوجوں نے شہر کی مدافعت کی مگر تاتاریوں کے سامنے جم کر لڑ نہ سکے اور پسپا ہو گئے۔ آن لوشاں شکست خوردہ فوج کا تعاقب کرتے ہوئے شی کینگ تک پہنچ گیا اور اسے بھی فتح کرکے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ ہمارے بادشاہ ہان چونگ نے فرار ہو کر صوبہ سچوان کے کسی شہر میں پناہ لی۔ ولی عہد شہزادہ شیوچونگ شکست کھا کر صوبہ قانصو کے ایک شہر ینگ لیانگ میں پہنچا اور اس وقت وہیں ہے۔ منتشر

فوجیں بینگ لیانگ میں جمع ہو رہی ہیں۔ بادشاہ یونگ چونگ سے کیونکہ کوئی رابطہ پیدا نہیں ہوسکا تھا اس لیے بینگ لیانگ میں شہزادہ شیوچونگ کی تاج پوشی کردی گئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فوجی بڑی تعداد میں بینگ لیانگ پہنچ کر نئے بادشاہ سے وفاداری کا عہد کررہے ہیں مگر مجھے یقین ہے کہ وہ تاتاریوں سے خائف ہیں۔ اگر جنگ ہوئی تو وہ ضرور بھاگ کھڑے ہوں گے۔ بس یہ ہماری تباہی کی مختصر کہانی ہے۔ میں آپ کی خدمت میں بڑی امیدیں لے کر آیا ہوں۔ اگر آپ نے اس برے وقت میں ہماری مدد کی تو ہم آپ کے احسان کو کبھی فراموش نہیں کریں گے۔ امداد کے لیے ہم ہر آبرومندانہ شرط قبول کرلیں گے اور اپنے کیے ہوئے وعدوں کی ہر قیمت پر پابندی کریں گے۔"

چینی وزیر نے اپنی تباہی کی داستان بہت اختصار سے سنائی تھی مگر اس کے آنسوؤں نے یہ بات ثابت کردی تھی کہ وہ لوگ چین کے لیے مخلص ہیں اور دل کی گہرائی سے فتنہ و فساد کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ آپ نے چینی وزیر کو تسلی دیتے ہوئے کہا "ہم تمہاری مدد ضرور کریں گے اور صرف اس لیے کہ ہماری مدد چینی عوام کے لیے مفید ہوگی۔ فتنہ و فساد کہیں بھی ہو' اس کے خاتمے کی ممکنہ کوشش کرنا ہمارے فرائض میں داخل ہے۔ چین میں ہمارے بھائی موجود ہیں' ان میں کچھ جنوبی چین میں ہیں' کچھ شمال مغربی چین میں ہیں مگر انہیں وہ حقوق حاصل نہیں جو پہلے تھے۔ ان کے ساتھ وہاں کی حکومتوں کا رویہ اب دوستانہ نہیں رہا ہے۔ کیا تم اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کے بعد اپنے اثر رسوخ سے کام لے کر چینی مسلمانوں کو تبلیغی مراعات دلواسکو گے؟ کیا ان مسلمانوں کو جو تمہاری مدد کے لیے جائیں گے' اپنے علاقے میں باعزت شہریوں کی طرح قیام کی اجازت دوگے؟ تمہارے علاقے میں ہمیں اپنے دین کی تبلیغ کے لیے خصوصی مراعات حاصل ہوں گی؟"

چینی وزیر نے پہلے جذبہ تشکر سے چینی انداز میں سرنیاز خم کیا پھر بڑے ادب سے کہا "میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے مطالبات پورے کیے جائیں گے۔ میرا یہ وعدہ بادشاہ چین شیوچونگ کا وعدہ ہے۔ اگر مسلمان ہمارے دوستوں کی حیثیت سے ہمارے علاقے میں قیام کرنا پسند کریں گے تو یہ ہماری عزت افزائی ہوگی۔ ان کی موجودگی ہمیں ہر قسم کے داخلی انتشار سے بچائے رکھے گی۔ میں ایک بار پھر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم احسان فراموش نہیں ہیں۔"

ایوغور نے آپ کی ایما پر چینی وزیراعظم سے کہا "امدادی لشکر تیسرے دن تمہارے ساتھ چین کی طرف روانہ ہوجائے گا۔ اب تم آرام کرو۔"

حسب وعدہ تیسرے دن پانچ ہزار ایوغوریوں کا لشکر علوق کی سرکردگی میں چین کی طرف روانہ ہوا تو آپ لشکر کے ساتھ تھے۔

علوق جب دوسری منزل سے چین کی طرف چلا تو آپ نے اس سے کہا "ہماری رفتار بہت سست ہے' رفتار تیز کرو ورنہ بینگ لیانگ بھی آں لوشاں کے قبضے میں چلا جائے گا۔ میری اطلاعات کے مطابق آں لوشاں یہ فیصلہ کرچکا ہے کہ چین کے سابق فرماں روا کا کانٹا نکال کر پھینک دے اور ہمیشہ کے لیے مطمئن ہوجائے۔"

علوق نے آپ سے ذریعہ اطلاعات دریافت نہیں کیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آپ صاحب روحانیت بزرگ ہیں۔ آپ کا دائرہ نظر و خبر اللہ کے فضل سے بہت وسیع ہے۔ علوق نے آپ کے حکم کے بعد برق رفتاری سے سفر طے کیا۔ وہ بینگ لیانگ پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بینگ لیانگ میں افراتفری مچی ہوئی ہے۔ عوام اور فوجیں اس خبر سے دہشت زدہ تھیں کہ آں لوشاں ایک لشکر جرار کے ساتھ بینگ لیانگ پہنچنے والا ہے۔ علوق نے سوچا کہ اگر مصعب کا دامن شفقت سر پر نہ ہوتا' اگر وہ رفتار تیز کرنے کا مشورہ نہ دیتے تو لوگ شہر چھوڑ کر بھاگ ہی جاتے۔

جب چینی وزیر نے شیوچونگ سے آپ کا اور علوق کا تعارف کرایا تو آپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ ہمارے حقیقی محسن ہیں۔ ان ہی کے مشورے سے سردار ایوغور نے امدادی لشکر بھیجا ہے۔ امداد کی شرائط بھی انہی کی طرف سے پیش کی گئی تھیں؟"

بادشاہ شیوچونگ نے پرتپاک طریقے پر آپ سے دوبارہ ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "میں آپ کی شرائط سن کر حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔ حیران اس لیے کہ ایک مجبور مگر صاحب استطاعت بادشاہ سے آپ نے نہ دولت طلب کی' نہ اسے باج گزار بننے پر مجبور کیا۔ خوشی اس بات پر ہوئی کہ آپ اپنے مذہب کے بارے میں بہت مخلص ہیں اور اپنے چینی بھائیوں کی بہتری کے لیے فکر مند ہیں۔ دنیا میں وہی شخص قابل اعتبار ہوتا ہے۔ جس کا کسی مسلک پر ایمان ہوتا ہے۔ صاحب مسلک اپنے اصولوں کے احترام کی وجہ سے عہد شکنی نہیں کیا کرتا۔ آپ نے یہاں تشریف لاکر میری عزت افزائی کی ہے۔ میرے وزیر نے آپ سے جو وعدے کیے ہیں' میں ان سے کبھی انحراف نہیں کروں گا۔ امدادی فوج کی آمد سے ہمارے حوصلے بڑھ گئے ہیں اور ہم جاگتی آنکھوں سے اپنی کامیابیوں کے خواب دیکھنے لگے ہیں۔ میرے ذہن سے ہر تردد اور ہر تشویش دور ہوگئی ہے۔ بس اب مجھے اپنے والد کا خیال ستارہا ہے کہ نہ جانے وہ کہاں اور کس حال میں ہوں گے۔"

آپ نے ایک سعادت مند بیٹے کو باپ کے لیے مضطرب دیکھا تو کچھ دیر آنکھیں بند کرکے اپنی روحانی توجہ شیوچونگ کے باپ یون چونگ کی جستجو پر مرکوز کردی پھر آپ نے تحقیق حال کے بعد آنکھیں کھولتے ہوئے کہا "تمہارا باپ بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتا ہے' جتنی تم اس سے کرتے ہو۔ میری اطلاعات کے مطابق آں لوشاں نے یہ بات جان لی

تھی کہ تمہارا باپ شکست کھا کر صوبہ سچوان کے شہر یو آں میں روپوش ہو گیا تھا چنانچہ اس کے سازشی ذہن نے فوراً ایک فیصلہ کیا اور وہ برق رفتاری سے یو آں پہنچا۔ تمہارے باپ نے بھی ادنیٰ تفکر سے آں لوشاں کی آمد کا مقصد سمجھ لیا۔ اگر اس کے پاس فوج ہوتی تو وہ اس وقت تک جنگ کرتے جب تک میدان جنگ میں قتل نہ ہو جاتے۔ ان کے پاس گنے چنے چند ساتھی تھے۔ وہ ایک بڑے لشکر سے مقابلہ نہ کر سکتے تھے اور اگر مقابلہ کرتے تو آں لوشاں انہیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ جب وہ اس کی قید میں ہوتے تو آں لوشاں تم سے اپنی ہر شرط منوا سکتا تھا۔ ان امکانات کو سامنے رکھ کر تمہارے دور اندیش باپ نے خودکشی کر لی تاکہ تم پوری آزادی سے اپنے دشمن کے خلاف جوابی کارروائی کر سکو۔"

شیوچونگ نے بڑی بے اعتباری سے آپ کی طرف دیکھا۔ یہ بے اعتباری غیر فطری نہ تھی۔ اپنی امیدوں کے چراغ کو کوئی بھی آسانی سے نہیں بجھا سکتا تھا۔ تمناؤں کے اس ضابطے سے قطع نظر وہ یہ کیسے مان سکتا تھا کہ جو شخص چین میں قطعاً نو وارد ہے' اس تفصیل سے آگاہ ہو سکتا ہے۔

ابھی شیوچونگ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وزیر نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا "حضور والا' یہ بہت بڑے بزرگ ہیں۔ ہمارے مسلمان دوست ان کی معلومات سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں اور ان کی فراہم کردہ معلومات کبھی غلط ثابت نہیں ہوئی ہیں۔ آپ ان کی معلومات کو درست مان لیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ مستقبل قریب میں آپ کو ان معلومات کی صحت کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ میں راستے میں محترم بزرگ کی صحت اطلاع کا تجربہ بھی کر چکا ہوں۔ قراقرم سے ہم چلے تو دو منزلوں تک ہماری رفتار معمول کے مطابق رہی مگر محترم مصعب نے زور دیا کہ رفتار تیز کر کے جلد سے جلد بینگ لیانگ پہنچا جائے۔ آں لوشاں' بینگ لیانگ کی طرف چل پڑا ہے اور یہاں پہنچ کر اس اطلاع کی تصدیق ہو گئی۔ اگر ہم ان کے ارشاد کے مطابق رفتار تیز کر کے یہاں نہ پہنچتے تو ہم سے پہلے دشمن یہاں پہنچ کر ہماری آخری پناہ گاہ بھی ہم سے چھین لیتے۔"

شیوچونگ نے وزیر کی اس اطلاع کے بعد کہا "مجھے محترم مصعب کی ہر بات کا اعتبار آ گیا ہے اور آتا رہے گا۔ بینگ لیانگ کے دفاع کا منصوبہ ہماری فوج کے سپہ سالار کوتزنی کے مشورے سے بنا لیجئے' مشورے میں اس کی شرکت مفید ثابت ہوگی۔ وہ یہاں کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے۔"

کوتزنی' علوق اور وزیر نے مل کر ایک جامع منصوبہ بنا لیا۔ چینی فوج' ترکوں کی آمد سے حوصلہ مند ہو گئی تھی۔ عوام کا اعتماد بھی بحال ہو گیا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ ترک' تاتاریوں پر ضرب کاری لگائیں گے۔"

آپ کے بینگ لیانگ پہنچنے کے دو دن بعد آں لوشاں بینگ لیانگ شہر کے سامنے آ کر خیمہ زن ہونا چاہتا تھا مگر علوق نے اسے اس کی مہلت نہ دی۔ وہ شہر پناہ کا دروازہ کھول کر دشمن پر برق اجل کی طرح ٹوٹ پڑا۔ جنگ کا آغاز عصر کے وقت ہوا تھا۔

چند گھنٹوں کی خوں ریز جنگ کے بعد جب تاریکی نے دوست دشمن کی پہچان چھین لی تو دونوں لشکر علیحدہ ہو گئے۔ علوق اپنی فوج کو حفاظت سے شہر میں لے آئے اور دوسری طرف خیمے گاڑے جانے لگے۔

صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ آں لوشاں اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ بینگ لیانگ سے جا چکا ہے۔ آں لوشاں نے اب تک کی تمام فتوحات تاتاریوں کے بل بوتے پر حاصل کی تھیں۔ جب تاتاریوں کو اس نے ایوغوریوں کے سامنے خوف زدہ سا محسوس کیا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ وہ بہت ذہین تھا۔ اس نے فوری فیصلہ کیا کہ نئی صورت حال سے نمٹنے کے لیے بینگ لیانگ سے بھاگ لیا جائے اور پھر نئی حکمت عملی کے ساتھ جنگ کی جائے۔ آں لوشاں بینگ لیانگ سے فرار ہوا تو اس نے شی کینگ جا کر دم لیا۔

بینگ لیانگ میں مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی۔ شیوچونگ نے آں لوشاں کے اس فرار کو اپنی فتح کا پیش خیمہ قرار دیا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے ایوغوریوں کے انداز جنگ کو دیکھا تھا۔ تاتاریوں کی دہشت کم ہو گئی تھی۔

علوق نے تجویز پیش کی "ہمیں دشمن کو سنبھلنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔"

اس تجویز کی چینی سپہ سالار کوتزنی نے بھی بھرپور تائید کی مگر آپ نے اس مرحلے میں مداخلت کرتے ہوئے کہا "دشمن کو اتنا حقیر نہ سمجھو کہ حسن تدبیر سے تمہارا رشتہ کٹ جائے۔ آں لوشاں کے فرار کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ کمزور ہے۔ ہماری موجودگی سے طاقت کے توازن میں فرق ضرور آیا ہے مگر یہ فرق ابھی قابل اعتبار نہیں ہے۔ آں لوشاں کے متعلق یہ بات کبھی فراموش نہ کرنا کہ وہ لومڑی کی طرح مکار اور چیتے کی طرح چالاک ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اب جنگ ایسے مقام پر ہو جہاں وہ اپنے مرکز سے قریب اور تم اپنے مرکز سے دور ہو۔ تم اطراف و اکناف میں پہلے اپنے اقتدار کی بنیادیں مضبوط کرو' چینیوں کو اپنے اعتماد میں لو پھر آہستہ آہستہ اپنے دائرہ سلطنت کو کشادہ کرتے چلے جاؤ۔ اگر تم نے جلد بازی سے کام لیا تو نقصان اٹھاؤ گے۔"

آپ کی نصیحتوں کو سب نے بغور سن کر تسلیم کر لیا۔

آپ نے بینگ لیانگ میں ایک ہفتے قیام کے بعد جمعے کے خطبے میں مسلمانوں سے کہا "تم اس سرزمین پر اسلام کے سفیر ہو' اپنے اخلاق اور بلندی کردار کو تبلیغ اسلام کا ذریعہ بنائے رکھنا۔ تبلیغ کے لیے وعظ و تلقین کا عمل اتنا مفید نہیں ہوتا کہ لوگ تمہارے دین میں

کشش محسوس کرنے لگیں۔ اچھی بات کرنا سبھی جانتے ہیں' ہر قوم اپنے مذہب کی تائید میں عالم گیر اچھائیوں کا ہی حوالہ دیتی ہے مگر اچھائی جب تک انسانی اعمال میں نہیں ڈھلتی اس کا حسن صرف تصوراتی ہوتا ہے۔ ہم الحمدللہ مسلمان ہیں' ہمارے دینی افکار اور اعمال میں کامل مطابقت ہے۔ ہم اپنے حسن عمل سے یہاں اسلام کو متاع قبول بنا سکتے ہیں۔ علوق ایک پاک طینت مسلمان ہیں' ان کی فرماں برداری کو خود پر لازم قرار دیے رکھنا۔ میں کل بینگ لیانگ سے قراقرم کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ قراقرم پہنچنے کے بعد میری دوسری منزل دیار رسول کریمؐ ہوگی۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں' اس کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھنا کہ میرا تعلق تم سے منقطع ہو جائے گا۔"

آپ جب بینگ لیانگ سے چلے تو اس بات کی کسی کو اجازت نہ دی کہ کوئی رخصت کرنے کے لیے کچھ دور بھی ساتھ جائے۔ آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے قراقرم پہنچے۔ ایوغور نے آپ کی آمد پر ایک جشن م جو خالصتاً دینی نوعیت کا تھا۔ اس اجتماع میں آپ نے اپنے نائبین سے تبلیغی فتوحات کی تفصیلات معلوم کیں اور خود اس کا جائزہ لیا کہ ایوغوریوں نے اسلامی کہاں تک حاصل کیں۔ آپ نے اسی اجتماع میں لوگوں کو روحانی قوت سے کام لے کر بتایا کہ چین میں بغاوت فرو کرنے کے لیے کتنا کام ہو چکا ہے۔ قراقرم میں دو ماہ قیام کے بعد آپ سرزمین حجاز کی طرف روانہ ہوئے تو دس ایسے مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے لیا جن کی آپ خصوصی تربیت کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے دس مسلمانوں کے علاوہ ایوغور کے بیٹے یعفور کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔

راستے میں آپ اپنا بیشتر وقت اپنے ساتھیوں کی تعلیم و تربیت پر صرف کرتے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچے۔

سہیل عبداللہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے آپ کی پیشانی اور ہاتھوں پر بے شمار بوسے دے کر کہا "تم مجھ سے بہت بہتر رہے۔ اعتکاف حرم میں وہ فضیلت مجھے میسر نہ آئی جو اسلام کی موثر تبلیغ سے تمہیں حاصل ہو گئی۔ مجاہدات اور جہاد کے مابین مراتب کا عظیم فرق ہے۔ تم بروقت آ گئے' یہ بہت اچھا ہوا۔"

آپ سہیل بن عبداللہ ہی کے مہمان تھے مگر صرف دو دن بعد سہیل بن عبداللہ نماز تہجد میں بہ حالت سجدہ حرم کعبہ میں انتقال فرما گئے۔

آپ نے دو سال مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں قیام کیا اور حج کر کے چار سال بعد پھر قراقرم پہنچے۔ ایوغور نے حجاج کرام کی آمد پر پھر ایک تقریب منعقد کی۔ یعفور سے مل کر اسے بہت ہی خوشی ہوئی کیونکہ اب وہ حافظ قرآن بن چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جلال و جمال کے بدلتے ہوئے رنگ دیکھ کر ایوغور نے آپ سے پوچھا "یعفور کسی ایک کیفیت پر

مستقیم کیوں نہیں ہے؟"

آپ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "جو کیفیت جلال و جمال تم نے یعفور کی آنکھوں میں دیکھی ہے' یہی ایمان کی واضح نشانی ہے۔ دین' دینی حمیت کے بغیر نامکمل ہوتا ہے۔ دینی حمیت کے اظہار کے لیے جلال ناگزیر ہے۔ رزم میں جلال اور بزم میں جمال ہی تو شخصیت کی تکمیل کرتے ہیں؟"

آپ کا جواب سن کر ایوغور نے سجدہ شکر ادا کیا اور پھر سجدہ شکر ادا کرنے کے بعد کہا "چین کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی' میں بہت فکرمند ہوں؟"

"فکرمند ہونے کی کوئی بات نہیں' اب تک وہ کئی کامیابیاں حاصل کر چکے ہیں۔ شیوچونگ کا دائرہ حکومت بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اب تک تمام معرکوں میں صرف سات مسلمان کام آئے ہیں۔ مسلمانوں کے اخلاق نے چینیوں کو بہت متاثر کیا ہے۔ پایہ تخت شرقیہ بویانگ فتح ہو چکا ہے مگر یہ فتح مکمل اسی کے ہاتھوں ہوگی جو اس فتح کے لیے منتخب کر لیا گیا ہے۔"

"وہ کون ہے؟" ایوغور نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"یعفور۔" آپ نے بڑے اعتماد سے کہا اور ایوغور کی معلومات میں مزید اضافہ کیا "وہ اپنی قوم کے لیے ایک ایسی سرزمین میں جگہ پیدا کرے گا جو یہاں سے زیادہ محفوظ ہوگی۔ علوق کا بھیجا ہوا قاصد مزید امداد حاصل کرنے کی خاطر قراقرم کے لیے روانہ ہو چکا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سے ہماری ملاقات راستے میں ہو۔ کل چار ہزار مسلمانوں کو یعفور کی سرکردگی میں چین روانہ کر دو۔ میں اس کے ساتھ ہی جاؤں گا۔"

ایوغور نے آپ کی اطاعت کا عہد کر رکھا تھا۔ اس کے لیے آپ کا ہر حکم صرف تعمیل کے لیے ہوتا تھا' مگر انسان اپنی سوچ پر پہرے نہیں لگا سکتا۔ ایک لمحے کے لیے وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ کاش اسے بھی چین چلنے کا اذن ملتا مگر آپ نے اس کا ذہن پڑھ لیا۔ چین جانے کے لیے اس کا مومنانہ اضطراب دیکھ کر آپ خوش تو ہوئے مگر رفع اضطراب کے لیے کہا "تمہارا یہیں رہنا ضروری ہے۔ اگر تم مرکز سے ہٹے تو گرد و نواح کے کافر بے قابو ہو جائیں گے۔"

"میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔" ایوغور نے بڑے ادب سے کہا تھا۔

آپ دوسرے دن قراقرم سے روانہ ہونے لگے تو خلاف عادت ایک ایک سے رخصتی معانقہ کیا۔ آپ یعفور کے ساتھ روانہ ہو گئے تو ایوغور بہت دیر تک روتا رہا۔ بلقین نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا "خدا کرے میرا اندیشہ غلط ہو۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہم اب کبھی محترم مصعب کی زیارت سے سرفراز نہ ہو سکیں گے۔"

"مگر کیوں؟ یہ تم کس بنیاد پر کہہ رہے ہو؟" بلقین نے بے قرار ہو کر پوچھا۔

"پیرو مرشد کئی بار مجھ سے رخصت ہوئے مگر آج دم رخصت ان کا انداز ہی کچھ اور تھا۔ میں اپنے تاثرات کو لفظ نہیں دے سکتا مگر میرے محسوسات پر بجلیاں سی گر گئی ہیں۔ میں یوں محسوس کر رہا ہوں جیسے میرا سب کچھ مجھ سے چھین لیا گیا ہے۔"

بلقین نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا "دین کے متعلق جو باتیں میں نے تم سے سیکھی ہیں، تمہیں سناتے ہوئے عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی ہوں مگر وہ باتیں سنانے پر مجبور بھی ہوں۔ کیا ہم سب کو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پوری رضامندی کے ساتھ قبول کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ فرض کرو کہ تمہارے اندیشے درست ثابت ہونے والے ہیں اور محترم مصعب سے ہم کبھی نہ مل سکیں گے تو بھی تمہارا یہ حال نہ ہونا چاہیے تھا۔ اپنے آنسو ضائع نہ کرو، آنسو بھی وہی محترم ہوتے ہیں جو اللہ کی محبت میں بہائے جائیں۔"

بلقین کی نصیحت کارگر ہوئی۔ ایوغور کے آنسو تھم گئے۔

○☆○

یعفور اپنی فوج کے ساتھ بینگ لیانگ پہنچا تو آپ ہی نے اس کا تعارف شیو چونگ سے کرایا۔ وہ ایک نوجوان مجاہد سے مل کر بہت خوش ہوا۔ اس کی تجربہ کار نگاہوں نے بیک نظر یعفور کی صلاحیتوں کا ایک اندازہ لگا لیا تھا۔ دو دن آپ اور یعفور نے شاہی محل میں قیام کیا کیونکہ بیانگ لیانگ پہنچتے ہی آپ نے محاذ جنگ سے علوق کو طلب کر لیا تھا۔ علوق آئے تو آپ نے انہیں قراقرم روانہ کر دیا اور پھر محاذ جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔

یعفور نے دارالسلطنت شرقیہ بویانگ پہنچ کر مسلمانوں کی فوج کو اپنی کمان میں لیا اور چینی سپہ سالار کوتزنی سے تبادلہ خیال کر کے صورت حال کو ذہن نشین کیا' اس کے بعد پیش قدمی کے لیے اپنی ذہانت سے ایک لائحہ عمل مرتب کر کے جب فوجی سرداروں کے سامنے پیش کیا تو وہ نہ صرف یہ کہ بہت حیران ہوئے بلکہ ایک کم سن قیادت کے متعلق جو شکوک ان کے ذہنوں میں پیدا ہو رہے تھے' دور ہو گئے۔

یعفور نے چینی فوج کو بویانگ سے چانگ آن کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دے کر کہا "ہمیں خود سے دور نہ سمجھنا۔ میں نے صرف اس لیے آپ کو آگے بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ آں لوشاں صرف چینیوں کو مقابل دیکھ کر اپنی پوری قوت جنگ میں جھونک دے اور ہماری فوج تاتاریوں کے فتنے کو کچل دے۔ جس دن تاتاری' آں لوشاں کے پاس نہیں رہیں گے' وہ بھی نہیں رہے گا۔"

کوتزنی کی قیادت میں چینی بڑھتے ہوئے چانگ آن کے قریب پہنچے۔ تو آں لوشاں مقابلے کے لیے تیار تھا۔ جنگ کا آغاز آں لوشاں کے لیے بہت ہمت افزا ثابت ہوا۔

یعفور کے اندازے کے مطابق آں لوشاں نے پوری جمعیت کے ساتھ طوفانی حملہ کیا تھا۔ دوپہر تک کئی بار کبھی آں لوشاں کو پسپا ہونا پڑا کبھی کوتزنی کو۔ کوتزنی کے سپاہی تاتاریوں سے کئی بار مقابلہ کر چکے تھے۔ اس لیے ان پر تاتاریوں کی وہ دہشت باقی نہیں رہی تھی جو ابتدائی معرکوں میں تھی۔ آں لوشاں جب طاقت کے توازن کو اپنے حق میں نہ توڑ سکا تو اس نے تاتاریوں کو غیرت بھی دلائی اور انعام کا لالچ بھی دیا۔ اس حسن تدبیر سے قسمت آزما تاتاریوں نے نعرے لگا کر زبردست یلغار کی۔ اس یلغار نے کوتزنی کے سپاہیوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیا تھا مگر اسی مرحلے میں یعفور نعرہ تکبیر بلند کر کے مسلمان ایوغوریوں کے ساتھ دشمن پر برق اجل کی طرح گرا۔ تاتاریوں اور دشمن چینی اس ناگہانی افتاد سے بوکھلا گئے۔ مسلمانوں نے چینیوں کو پسپا کر کے بڑی تیزی سے تاتاریوں کو گھیر لیا۔ ہر طرف موت کا بازار گرم تھا۔ آں لوشاں نے محسوس کر لیا تھا کہ کامل شکست اور مکمل فتح کا انحصار اسی جنگ پر ہے۔ وہ اپنی فوج کا حوصلہ بڑھانے کے لیے تلوار سونت کر خود بھی حملہ آور ہو گیا تھا۔ عددی اعتبار سے آں لوشاں کی فوج کا پلہ بھاری تھا۔ یعفور نے بھی جنگ کو فیصلہ کن بنانے کے لیے تاتاریوں کو اپنے نرغے میں لے لیا تھا۔ تاتاریوں نے بھی راہ فرار مسدود پا کر آخری دم تک داد شجاعت دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ جنگ چین کی تاریخ کی جنگ عظیم تھی۔ ہر لحظہ سیکڑوں تن' بے سر ہو رہے تھے۔ یعفور بار بار نعرہ تکبیر بلند کرتا اور اپنے حملوں کو شدید سے شدید تر بناتا رہا۔ تاتاریوں کے ہاتھوں سات سو مسلمان قتل ہوئے مگر اس کے نتیجے میں ان سب کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔ تاتاریوں سے فارغ ہو کر یعفور دشمن چینیوں پر حملہ آور ہوا تو آں لوشاں کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ بھاگتے ہوئے وہ کہہ رہے تھے "موت آگئی' موت آگئی۔"

افراتفری کے عالم میں بھاگتی ہوئی فوج کا آسانی سے قتل عام ہوا اور آں لوشاں زخمی حالت میں گرفتار کر لیا گیا۔

چانگ آن حکومت چین کا دارالسلطنت تھا۔ چانگ آن کی فتح نے اور آں لوشاں کی شکست فاش اور گرفتاری نے عملاً جنگ کا خاتمہ کر دیا تھا۔ یعفور نے آں لوشاں کو بغاوت کے سنگین جرم میں قتل کروا کے اس کا سر شیو چونگ کے پاس بینگ لیانگ روانہ کر دیا اور چانگ آن میں کچھ فوجی چھوڑ کر مغربی پایہ تخت شی کینگ کا رخ کیا۔

شی کینگ میں شہریوں نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ شیو چونگ کی سابقہ حدود مملکت میں ہر جگہ بغاوتوں کے آثار مٹا کر یعفور اور کوتزنی جب فاتح فوج کے ساتھ چانگ آن پہنچے تو شیو چونگ نے جو بینگ لیانگ سے دارالسلطنت پہنچ چکا تھا' ان کا شاندار استقبال کیا۔

شیو چونگ کی مسرتوں کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ چینی عوام بھی آں لوشاں کے مظالم سے

نجات پاکر بے حد مسرور تھے اور اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کی ساری مسرتیں مسلمانوں کی رہین منت ہیں اور وہی ان کے نجات دہندہ ہیں۔ سب سراپا سپاس تھے اور مسلمانوں کے لیے اپنی آنکھیں بچھاتے تھے۔ شیوچونگ نے جشن فتح منانے کا اعلان کردیا۔

جشن فتح کی تیاریاں جب اپنے شباب پر تھیں، آپ نے شیوچونگ سے کہا "میں چانگ آن میں مسلمانوں کے لیے ایک عبادت گاہ تیار کرنا چاہتا ہوں۔ اس مقصد کے لیے تم سے قیمتاً ایک قطعہ اراضی خریدنا چاہتا ہوں۔ قطعہ اراضی جو مجھے مطلوب ہے، میں اس کا انتخاب کرچکا ہوں۔"

شیوچونگ نے خوش ہوتے ہوئے کہا "اس کا مقصد یہ ہوا کہ آپ نے یہاں قیام کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"تم نے میرے مطالبے سے بہت درست نتیجہ اخذ کیا ہے۔"

"آپ کا یہاں قیام میرے لیے خوش نصیبی کی علامت ہوگا۔ آپ اپنے پسندیدہ قطعہ اراضی پر ضرور اپنی عبادت گاہ تعمیر کریں مگر میں زمین کی قیمت نہیں لوں گا۔"

"اگر تم قیمت نہ لوگے تو ہم اپنی عبادت گاہ یہاں نہ بنا سکیں گے۔ ہمارے یہاں یہ اصول ہے کہ ہم خریدی ہوئی زمین پر ہی اپنی عبادت گاہ کی تعمیر کرتے ہیں۔"

"اگر یہ آپ کا اصول ہے تو میں قطعہ اراضی کی قیمت بھی لے لوں گا۔ آپ مجھے بتائیں کہ کون سا قطعہ اراضی آپ نے پسند کیا ہے؟"

آپ نے قطعہ اراضی کی نشان دہی کی تو شیوچونگ نے اسی وقت وہ زمین قیمتاً دلوادی۔ آپ نے اسی دن مسلمان فوجیوں کو تعمیر مسجد کے لیے بلوالیا۔ دو ہزار آدمیوں نے صرف بارہ دن میں ایک وسیع و عریض مسجد تعمیر کرلی اور اس مسجد میں افتتاحی اذان اس دن ہوئی جس دن فتح کا جشن تھا۔ آپ مسجد سے متصل اس مکان میں شاہی محل سے منتقل ہوگئے جو آپ کے لیے بنایا گیا تھا۔ عفور نے آپ کے ساتھ قیام کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے شاہی محل میں قیام برقرار رکھنے کا حکم دیا۔

فتح کا جشن، دن کے پہلے پہر کے آخری حصے میں شروع ہوا۔ یوں تو پورا شہر ہی دلھن کی طرح سجایا گیا تھا مگر شاہی محل اور دربار کی زینت و آرائش میں تو چینی فنکاروں نے کمال ہی کردیا تھا۔ عفور جشن میں شرکت کے لیے آپ کو لینے گیا تو آپ نے کہا "میں اپنی خلوت میں سجدہ شکر ادا کرکے جشن اپنے طور پر مناؤں گا۔ تم شاہی دربار میں ضرور جانا اور میری طرف سے معذرت کرلینا۔ دربار برخاست ہو تو تمام مسلمانوں کے ساتھ یہاں آجانا۔"

عفور اپنی فوج کے افسروں کے ساتھ دربار میں پہنچا تو انہیں بلند مقامات پر عزت سے

بٹھایا گیا۔ جشن کا آغاز گل پوشی سے ہوا۔ پہلے شیوچونگ نے خود عفور کے گلے میں پھولوں کی مالا ڈالی اور پھر ایک پردے کے پیچھے سے چینی شہزادیاں برآمد ہوئیں جن کے حسن و جمال کی تابانی سے اہل دربار کی نظریں خیرہ ہوگئی تھیں۔ وہ تین تھیں، دو شیوچونگ کی جوان بہنیں اور ایک شیوچونگ کی بیٹی، تینوں نے بڑے ادب سے آکر پہلے عفور کو سلامی دی اور پھر اس کے گلے میں ہار ڈالنا شروع کیے۔ عفور نے ایک نظر شہزادیوں کو دیکھ کر اپنی نظریں جھکالی تھیں۔ شہزادیوں نے جسموں کو چھپانے کے لیے ایسے لباس پہنے ہوئے تھے جن سے ان کے جسموں کے پرکشش خطوط کچھ اور نمایاں اور جاذب توجہ ہوگئے تھے۔ عفور کے لیے یہ منظر بہت سنسنی خیز تھا، شاید اسی لیے اس نے نظریں جھکانے ہی میں اپنی عافیت سمجھی تھی۔

شیوچونگ کی چھوٹی بہن سیاؤشی نے ایک وجیہہ جوان کے چہرے پر حیا کی سرخی دیکھی تو ہار ڈالتے ہوئے زیرلب عفور سے کہا "تم بہت حسین سہی، بہادر سہی مگر ہم بھی بہت زیادہ بدصورت نہیں ہیں۔ کیا نظر نہ اٹھانے کی قسم کھا رکھی ہے؟"

عفور نے بے ساختہ نظر اٹھاکر شہزادی سیاؤشی کی طرف دیکھا۔ نگاہوں کے اس حادثاتی تصادم نے دو دلوں کو ایسی لطیف دھڑکنوں سے آشنا کردیا جن سے وہ پہلے ناآشنا تھے۔ شہزادیاں جس تیزی سے آئی تھیں، عفور کے گلے میں ہار ڈال کر چلی گئیں۔

شیوچونگ نے کہا "ہماری شہزادیوں نے اپنے نجات دہندہ کے گلے میں ہار ڈال کر اپنی تہذیب اور اپنی ثقافت کی روشنی میں سب سے بڑا اعزاز دیا ہے۔ اگر اعزاز کا اس سے بہتر قرینہ ہماری تہذیب میں ہوتا تو ہم اس اسلوب احترام کو بھی بجالاتے۔"

عفور نے اپنی جگہ کھڑے ہوکر عزت افزائی کے جواب میں کہا "میں جب سے چین آیا ہوں، اہل چین کے ہر طرز عمل میں محبت کی خوشبو محسوس کی ہے، اخلاص کا رنگ دیکھا ہے اور آج بھی جس طرح عزت افزائی کی گئی ہے، اسے اپنے لیے اعزاز ہی سمجھتا ہوں۔ میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ آپ پھر اہل چین کی فلاح و بہبود کے ذمے دار بن گئے ہیں۔ اللہ نے اپنی مخلوق پر جو اقتدار آپ کو بخشا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی حدود مملکت میں انصاف کا بول بالا رہے۔"

شیوچونگ نے اپنی سلطنت کی حدود میں نظام عدل قائم رکھنے کا یقین دلاتے ہوئے کہا "آپ نے ہماری امداد کے لیے جو شرائط پیش کی تھیں، وہ مجھے یاد ہیں۔ میں ہمیشہ ان کا احترام کرتا رہوں گا مگر اس جشن مسرت کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک میرے جذبہ تشکر کی کسی حد تک تسکین نہ ہوجائے۔ میں کھلے دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ بادشاہ قراقرم ابوغور نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ چینی عوام کو آل لوشاں کے مظالم

سے بچانے کی خاطر اور ان کی پسند کی حکومت چین میں بحال کرنے کے لیے انہوں نے کسی لالچ کے بغیر قربانیاں پیش کیں۔ میں اس عظیم احسان کو بے بدل مانتے ہوئے کچھ حقیر تحائف پیش کررہا ہوں' انہیں قبول کرکے آپ مجھ پر مزید احسان کریں۔ پیش کیے جانے والے تحائف ہرچند کہ بادشاہ قراقرم ایوغور کے شایان شان نہیں ہیں مگر مجھے امید ہے کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔"

یعفور سوچنے لگا' کاش اس وقت پیرو مرشد ہوتے تو تحائف قبول کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں ان سے مشورہ کرلیتا۔ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ آپ نے حضرت مصعب کی سرگوشی سنی "دوستوں کے پیش کیے جانے والے تحائف قبول نہ کرنا بداخلاقی ہے۔" اس سرگوشی کو یعفور اپنا واہمہ سمجھ کر نظرانداز کرنا چاہتا تھا کہ پہلے سے زیادہ واضح طور پر آپ کی آواز سنی "یعفور! میری آواز کو فریب سماعت نہ سمجھو۔ یہ میری ہی آواز ہے۔ مصعب ہی تم سے مخاطب ہے۔"

یعفور کا شک یقین کے سانچے میں ڈھل گیا۔ ہرچند کہ روحانی سرگوشی کا تجربہ اس کے لیے بالکل نیا تھا مگر وہ یہ جانتا ضرور تھا کہ آپ کے روحانی کمالات کے لیے ہدایت کا یہ انداز بھی محال نہیں ہے۔ یعفور نے الفاظ ذہن میں مرتب کرکے شیوچونگ سے کہا "ایک دوست کے تحائف ایک دوست تک پہنچانے کی ذمے داری اگر مجھ پر نہ ڈالی جائے تو بہتر ہے۔ یہ کام آپ اپنے ذرائع سے انجام دیں گے تو اخلاص کا حسن اور نکھر جائے گا۔"

شیوچونگ' یعفور کا جواب سن کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور یعفور کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے ساتھ دربار سے ملحق ایک بڑے کمرے میں لے گیا۔ جہاں تحائف قرینے سے سجے ہوئے تھے۔ نادر روزگار تحائف کے ساتھ سونے' چاندی اور جواہر کے ڈھیر موجود تھے۔ شیوچونگ نے تحائف کی طرف ہاتھ لہراتے ہوئے کہا "میں کل ہی یہ حقیر تحائف قراقرم روانہ کردوں گا۔"

کمرے سے واپس دربار میں آکر شیوچونگ تخت پر جاکر بیٹھ گیا اور یعفور نے اپنی نشست سنبھال لی۔

وزیر نے کھڑے ہوکر اہل دربار سے کہا "اب تم لوگ اپنے بادشاہ کو نذریں پیش کرسکتے ہو۔"

درباریوں نے ایک ایک کرکے اپنے بادشاہ کو سلامی پیش کی اور نذریں گزارنے لگے۔ نذروں کا سلسلہ ختم ہوا تو شیوچونگ نے نذرانوں میں آئی ہوئی کثیر دولت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یعفور' یہ میں تمہیں بطور نذر پیش کرتا ہوں اور یاد رکھو' نذر قبول کرنے والے نذر وصول کرکے شکریہ ادا نہیں کرتے۔" شیوچونگ نے اسی وقت دربار

خاص برخاست کرکے کہا "اب ہم دربار عام کی طرف چلیں گے جو شاہی محل کے عقب میں واقع بڑے میدان میں منعقد ہوگا۔"

دربار عام میں حد نظر آدمی ہی آدمی نظر آرہے تھے مگر ایوغوری فوجیوں کو سب سے آگے جگہ ملی تھی۔ دربار عام میں شیوچونگ نے ہر مسلمان سپاہی کے لیے انعامات اور لباس فاخرہ کا اعلان کیا اور ساتھ ہی اپنی فوج کے لیے انعامات کا اعلان کرکے ان کی تنخواہ میں اضافے کی خوش خبری سنائی "شہنشاہ چین زندہ باد" کے نعروں سے میدان گونجنے لگا۔

یعفور دربار عام برخاست ہونے کے بعد حسب الحکم تمام مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں پہنچا' تاخیر سے نماز ظہر ادا کی اور عصر کے وقت کا انتظار کرنے لگے گا۔ حضرت مصعب اپنے حجرے سے اذان عصر کی آواز سن کر ہی باہر آئے تھے۔ آپ کی امامت میں نماز عصر ادا کی گئی۔

نماز کے بعد آپ نے مسلمانوں سے خطاب کیا "الحمدللہ ہم جس مہم کو سر کرنے آئے تھے' وہ سر ہوچکی ہے۔ اب جس کا جی چاہے' قراقرم چلا جائے اور جو بہ خوشی یہاں رہنا پسند کرے' یہاں رہے۔ میری خوشنودی بہرحال حاصل رہے گی۔"

مجمع نے بیک زبان کہا "آپ کی موجودگی میں ہم کسی فیصلے کا تصور تک نہیں کرسکتے۔ آپ حکم دیں' ہم بجالائیں گے۔"

آپ نے مریدوں کی یہ محبت دیکھی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ طبیعت گرفت گریہ سے آزاد ہوئی تو آپ نے کہا "تم میں جو لوگ شادی شدہ ہیں' تم میں جو لوگ اپنے خاندان کے تنہا کفیل ہیں' تم میں جو لوگ قراقرم میں اپنی شادیاں طے کرچکے ہیں اور تم میں جو لوگ مقروض ہیں' وہ سب قراقرم واپسی کے لیے تیار ہوجائیں۔ انہیں جانا ہی ہوگا۔ متذکرہ افراد کے علاوہ سب لوگ یہاں قیام کرسکتے ہیں' جبر ان پر بھی نہیں ہے۔"

آپ کا حکم حرف آخر تھا۔ دوسرے دن پانچ ہزار ایوغوری مسلمان قراقرم کے لیے روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ چینی فوجی دستہ بھی تھا جو تحائف لے کر ایوغور کی خدمت میں جارہا تھا۔

یعفور نے بھی آپ کے ساتھ قیام کا فیصلہ کیا تھا۔ اس نے آپ سے استدعا کی "اب تو مجھے اپنے حجرے میں تھوڑی سی جگہ رہنے کے لیے دے دیجئے۔"

آپ نے مسکراتے ہوئے کہا "تم شاہی محل ہی میں قیام کروگے اور یہ تمہاری ہی ذمے داری ہے کہ جو تین ہزار مسلمان یہاں رک گئے ہیں' ان کے لیے ایک بستی مسجد سے قریب تعمیر کرواؤ اور ان کے لیے روزگار فراہم کرو۔ میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ مسلمان' شیوچونگ کی فوج کا حصہ بن جائے اور فوجی چھاؤنی میں قیام کریں۔ اس کے علاوہ شیوچونگ

سے کہو کہ وہ حسب وعدہ جنوبی چین اور شمال مغربی چین میں آباد مسلمانوں کی مذہبی آزادی کے لیے وہاں کے حکمرانوں کے پاس وفود بھیجے۔ یہ سب کام تمہیں انجام دینا ہیں اور یہ کام تم اس حجرے میں بیٹھ کر نہ کر سکو گے۔ میں اب اپنا زیادہ سے زیادہ وقت یاد الٰہی میں بسر کرنا چاہتا ہوں۔ میں دوسرے امور پر توجہ نہ دے سکوں گا۔"

یعفور شاہی محل میں رات بسر کرتا تھا اور دن میں بستی کی نگرانی میں گزارتا تھا جو مسلمانوں کے لیے تعمیر ہو رہی تھی۔ ایک رات جب دن بھر کی محنت سے نڈھال ہو کر وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کی خواب گاہ پر دستک کی آواز ابھری۔ یعفور کی آنکھ کھل گئی تو وہ سوچنے لگا' اس وقت کون آیا ہو گا؟"

دستک کی آواز پھر ابھری۔ یعفور نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو اپنے سامنے ایک خاتون کو موجود پایا۔ خواب گاہ میں بھی اندھیرا تھا اور راہ داری میں بھی۔

یعفور نے کہا "شاید تم نے غیر مطلوب دروازے پر دستک دے دی ہے۔"

"نہیں' میں وہیں آئی ہوں جہاں آنا چاہتی تھی۔"

"مگر تم میرے پاس کیوں آئی ہو؟" یعفور نے کچھ گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ تو میں بھی نہیں جانتی کہ میں تمہارے پاس کیوں آ گئی ہوں' مگر یہ کہاں کا اخلاق ہے کہ تم مجھے دروازے سے ہی رخصت کر دینا چاہتے ہو؟ تمہارے حسن اخلاق کی تو چین میں دھوم مچی ہوئی ہے۔"

"اچھا تو پھر تشریف لائیں۔" یعفور نے دروازے سے ہٹتے ہوئے کہا۔

عورت خواب گاہ میں آ گئی تو یعفور نے پہلے شمع روشن کی اور جب پلٹ کر دیکھا تو دل کی دھڑکنیں سینہ پھاڑنے لگیں۔ سامنے شہزادی سیاؤشی اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ موجود تھی۔ یعفور پہلی نظر ہی میں اس بہار سراپا کو نہ صرف یہ کہ پسند کر چکا تھا بلکہ گزشتہ ایک ہفتے سے سیاؤشی کے خیال کو ذہن سے بار بار جھٹکنے کے باوجود نہ جھٹک سکا تھا۔ نہ پہلے دن وہ سیاؤشی کے حسن کی تاب لا سکا تھا' نہ اب اسے یہ یارا تھا کہ اس کو دیکھے جسے بار بار دیکھنے کی تمنا اسے بے قرار کیے ہوئے تھی۔

سیاؤشی نے یعفور کو جب پھر اسی عالم میں پایا جس عالم نے اسے شکار کیا تھا تو اس نے بھی وہی جملہ دہرایا۔ "تم بہت حسین سہی' بہادر سہی مگر ہم بھی بہت زیادہ بد صورت نہیں ہیں۔ کیا نظر نہ اٹھانے کی قسم کھا رکھی ہے؟"

سیاؤشی کے اس جملے کا ردعمل تو ہوا مگر پہلے سے کچھ مختلف۔ یعفور نے شہزادی سیاؤشی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "حسین بھی تم ہی ہو اور بہادر بھی تم ہی ہو۔ تمہارا یہاں آنا اتنی بڑی جسارت ہے جس کا مظاہرہ میں کوشش کے باوجود نہیں کر سکا۔ شہ

اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے بھی تم سے محبت ہے مگر ہم دونوں ایک تند و تیز دریا سے جدا ہونے والے کناروں پر کھڑے ہوئے ہیں۔ ہماری ملاقات کی کوشش کا حاصل تباہی کے سوا کچھ نہ ہو گا۔"

"یعفور' صرف ایک بار یہ بات اور کہہ دو کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ مجھے اپنی خوش نصیبی کا اعتبار نہیں آ رہا ہے۔"

"میں تم سے محبت کرتا ہوں سیاؤشی اور ہمیشہ محبت کرتا رہوں گا مگر۔۔۔"

سیاؤشی نے یعفور کی بات کاٹتے ہوئے کہا "میرے لیے یہ یقین کافی ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ محبت کے ثمرات اشکوں کی صورت میں ملیں یا تبسم کی صورت میں' اہل محبت کے لیے سرمایہ حیات ہیں۔ اب میں مطمئن ہوں اور تمہیں بھی مطمئن ہی رہنا چاہیے۔ محبت پر کبھی زوال نہیں آتا' یہ روح کا روح سے رشتہ ہے۔ اس میں کوئی فساد نہیں' کوئی شر نہیں۔ میں اب جا رہی ہوں۔ اگر تمہاری دید کے لیے پھر خود کو بے قابو پایا تو یہاں ضرور آؤں گی۔"

شہزادی سیاؤشی چلی گئی تو یعفور بہت افسردہ ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دینی ذمے داریوں کے بوجھ تلے کیا وہ اپنی محبت کے ساتھ انصاف کر سکے گا؟ اگر محبت فرائض کی راہ میں دیوار بنی تو کیا ہو گا۔ وہ پیر و مرشد کا سامنا کیسے کرے گا؟ کیا ان کی نگاہ بصیرت سے محبت کی بے قراریاں پوشیدہ رہ سکیں گی؟

اس کی سوچ کا دامن کانٹوں میں الجھا ہوا تھا اور سوچ کی راہیں پرواز کے لیے مسدود ہوتی جا رہی تھیں کہ پیر و مرشد کی سرگوشی سنائی دی "تمہیں شاہی محل میں قیام کے لیے میں نے حکم دیا ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے' میرے علم میں ہے۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تقدیر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ سیاؤشی اچھی لڑکی ہے۔ میں اسے تمہارے لیے منتخب کر چکا ہوں۔ تمہارے معمولات میں فرق نہیں آنا چاہیے۔"

سرگوشی کیا تھی' یعفور کے لیے ایک نئی زندگی کا پیام تھا۔ وہ جھوم اٹھا۔ مسرتوں کی اس ذہنی فضا کو دوام بخشنے کے لیے اس نے وضو کر کے پہلے سجدہ شکر ادا کیا پھر نماز تہجد ادا کی۔

شیو چونگ نے حسب وعدہ کا نتن اور سی آن کی طرف دو وفود بھیجے جن میں مسلمان بھی شامل تھے۔ شیو چونگ نے اپنے پیغامات میں دونوں حکومتوں سے کہا تھا "میں شہنشاہ چین شیو چونگ مسلمانوں کو عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں کیونکہ وہ واقعی قابل عزت ہیں۔ یہ بات بڑے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ مسلمان اہل چین کے معتبر دوست ہیں۔ جس طرح انہوں نے ہماری مملکت کے داخلی انتشار کو دور کرنے اور ہماری حکومت کو مستحکم بنانے

میں مدد دی ہے' اسی طرح وہ تمہاری مدد بھی کر چکے ہیں اور انہوں نے کبھی اپنی بے لوث خدمات کا تم سے اس کے سوا کوئی بدلہ نہ چاہا کہ انہیں اس سرزمین پر مذہبی آزادی حاصل رہے' وہ خود اپنے مذہب کے مطابق زندگی بسر کریں اور جس مذہب کو وہ دنیا کی سب سے بڑی سچائی سمجھتے ہیں' دوسرے کو بھی اس کی دعوت دیں۔ میری اطلاعات کے مطابق مسلمان' چین کے امن پسند شہری ہیں اور شہری آزادی پر ان کا حق تسلیم کیا جانا چاہیے۔ چین میں کئی بدیسی مذاہب کے مبلغ آزادی سے اپنے مذاہب کی تبلیغ کر رہے ہیں' کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے محسنوں کو اس حق سے محروم کر دیں۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ فوری طور پر آپ اپنی حدود مملکت میں مسلمانوں کی سابقہ مذہبی آزادی بحال کر دیں۔ اگر میری درخواست کو قابل توجہ نہ سمجھا گیا تو میں مسلمانوں کے حقوق کی بحالی کے لیے اپنا پسندیدہ طریقہ کار اختیار کروں گا۔ یاد رکھو کہ چینی نہ احسان فراموش ہوتے ہیں' نہ اپنے کئے ہوئے وعدوں کو بھولتے ہیں۔"

وفود روانہ ہو گئے تو ۔عفور نے آپ کو پیغام کے متن سے آگاہ کیا۔ اس خبر سے آپ بہت خوش ہوئے اور پوچھا "مسلمانوں کی آبادی کا کام کس مرحلے میں ہے؟"

"کام تیزی سے جاری ہے۔ وزیراعظم اور سپہ سالار کوتزنی ذاتی طور پر تعمیر میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ انشاء اللہ پانچ ہفتوں میں کام مکمل ہو جائے گا اور مسلمان مکانات میں آباد ہو جائیں گے۔ بستی میں کئی صنعتی ادارے قائم ہوں گے جن میں چینی' صانع' مسلمانوں کو مختلف تربیت دیں گے۔ وہ مسلمان جو خود ہنرمند ہیں' اپنے اپنے کاروبار آسانی سے شروع کر لیں گے۔ انہیں چینی حکومت مطلوبہ قرض دے گی جس کی واپسی آسان قسطوں میں ہو گی۔"

۔عفور کی تصریحات سن کر آپ نے کہا "کام کی رفتار تیز تر کر دو۔ میں چاہتا ہوں کہ کام ایک ماہ میں مکمل ہو جائے۔"

"حکم کی تعمیل ہو گی۔" ۔عفور نے بڑے ادب سے کہا اور دست بوسی کر کے آپ کے حجرے سے چلا آیا اور وزیراعظم کو آپ کی خواہش سے جا کر مطلع کیا۔ اس نے یقین دلایا کہ تعمیرات کا کام معینہ وقت میں ضرور مکمل کر لیا جائے گا اور ساتھ ہی یہ خبر بھی سنائی کہ بادشاہ چین نے اس حکم کا اعلان عام کر دیا ہے کہ چینی خواتین اگر مسلمانوں سے ان کا مذہب قبول کر کے شادی کرنا پسند کریں تو نئے قانون کی رو سے وہ اس کی مجاز ہوں گے۔"

"بہت شان دار۔" ۔عفور نے خوش ہو کر نئے قانون کی تعریف کی اور شیوچونگ کی دور اندیشی کو سراہا۔ محل کی طرف واپس جاتے ہوئے وہ شہزادی سیاؤشی کے خیال میں کھویا رہا۔ وہ محل پہنچا تو خادم نے شیوچونگ کا پیغام دیا "بادشاہ آپ سے ملاقات کا خواہش مند

ہے۔"

۔عفور دیوان خاص میں پہنچا تو شیوچونگ نے اسے بڑی محبت سے اپنے پاس بٹھا کر کہا "کل صبح میں نے بہت غور و فکر کے بعد یہ اعلان کروادیا تھا کہ چینی لڑکیاں مسلمانوں سے شادی کر سکتی ہیں۔ اگر ان شادیوں کے لیے وہ اپنا مذہب بھی ترک کریں گی تو ان سے کوئی باز پرس نہ ہو گی۔ اس اعلان کے بعد میں بہت ہی خوش ہوا تھا مگر یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ اپنے نئے قانون کی زد میں سب سے پہلے میں ہی آجاؤں گا۔ کل رات میری چہیتی بہن شہزادی سیاؤشی جسے میں اپنی بیٹی سے بھی زیادہ چاہتا ہوں' میرے پاس آئی اور پوچھا "کیا آپ نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے کہ چینی لڑکیاں مسلمانوں سے اپنا مذہب چھوڑ کر شادیاں کر سکتی ہیں؟" میرا جواب اثبات میں سن کر اس نے کہا "اگر یہ سچ ہے تو میں نے ۔عفور سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور میں اسے حاصل کرنے کے لیے مذہب بھی ترک کر دوں گی۔" سیاؤشی کے اس انکشاف پر مجھے کوئی حیرت نہ ہوئی۔ ہمارے یہاں لڑکیوں کو اپنی شادی کے متعلق گفتگو کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ میں نے اس سے کہا "اگر تم ۔عفور سے شادی کرنا چاہتی ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے لیکن ۔عفور کی مرضی کے بغیر اس سلسلے میں کیا پیش رفت ہو سکتی ہے؟" سیاؤشی نے میرے اندیشے کے جواب میں وہ تمام باتیں بتادی جو تم دونوں کے درمیان ہوئی تھیں جنہیں میثاق محبت کہا جانا چاہیے۔ کیا تم سیاؤشی کے بیان کی تردید کرنا چاہتے ہو؟"

"نہیں۔" ۔عفور نے بڑی متانت سے اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

شیوچونگ نے ۔عفور کو فرط جذبات سے سینے سے لگاتے ہوئے کہا "تم جیسے بہادر اور شریف النفس انسان سے اپنی بہن کی شادی کر کے مجھے بہت خوشی ہو گی۔ میں اب باقی کام خود کر لوں گا۔ میں آج ہی محترم مصعب کی خدمت میں جا کر معاملات طے کر لوں گا۔ میں انہیں یہاں بڑی عزت و تکریم سے بلاتا مگر میں نے سنا ہے کہ انہوں نے خود کو مسجد تک محدود کر لیا ہے۔"

شیوچونگ اسی رات آپ سے ملا اور شادی کے مسئلے پر تفصیلی گفتگو کے بعد شادی کی وہی تاریخ طے کر دی گئی جو نئی بستی میں مسلمانوں کو آباد کرنے کے لیے مقرر کی گئی تھی۔

شادی کی تیاریوں کے لیے ایک مہینے کا وقفہ کم نہیں تھا۔ شیوچونگ نے اس شادی کی خبر کو ہر طرف عام کرنے کے خصوصی انتظامات کئے تھے تاکہ چینی اچھی طرح سمجھ لیں کہ نووارد مسلمان چین کے لیے کیا اہمیت رکھتے ہیں اور یہ کہ ان کا بادشاہ اپنے بنائے ہوئے قوانین سے خود بھی بالاتر نہیں ہے۔

۔عفور کو آپ نے شاہی محل سے اپنے پاس بلا لیا تھا تاکہ وہ آپ کے ساتھ ہی قیام

کرے۔ آپ نے یعفور کے آجانے کے بعد روزانہ شام شاہی محل جانا شروع کر دیا تھا۔ اسی آمد و رفت کے نتیجے میں سیاؤشی نے اسلام قبول کر لیا اور اسلام کو سمجھنا شروع کر دیا۔ پندرہ دن کی مسلسل تعلیم سے شہزادی سیاؤشی میں ایک فکری انقلاب آگیا۔ سیاؤشی کی ذہانت کا آپ کے روحانی تصرفات نے حیرت ناک استعمال کیا تھا۔ اسلام کی روح اس نے سمجھ لی تھی۔

یعفور خوش تھا مگر اس خوشی میں والدین کی عدم شمولیت کا احساس اسے ملول بھی کرتا رہتا تھا۔ کئی بار اس نے چاہا کہ آپ سے اپنے اس ملال کا اظہار کرے لیکن اس خیال نے اسے باز رکھا کہ آپ سے اس کی دلی کیفیت چھپی ہوئی تو نہ ہوگی۔ جب وہ نہیں چاہتے کہ اس کے والدین شادی میں شریک ہوں تو وہ کیوں چاہے۔

شادی میں صرف پانچ دن رہ گئے تو آپ نے یعفور سے کہا "مسجد سے ملحق جو سات حجرے ہیں' انہیں اچھی طرح صاف کراؤ اور نئی بستی میں جو مدرسے کی عمارت مکمل ہو چکی ہے' اس کی بھی اچھی طرح صفائی کراؤ۔ یہ کام آج مکمل ہو جانا چاہیے۔"

یعفور صرف آپ کے احکام کی تعمیل کیا کرتا تھا' احکام کی توجیہہ طلب کرنا گستاخی کے مترادف سمجھتا تھا۔ اس نے اپنی نگرانی میں صفائی کا کام مکمل کرایا۔ وہ واپس آیا تو معلوم ہوا کہ آپ شاہی محل کی طرف گئے ہوئے ہیں۔ رات جب آپ کی واپسی ہوئی تو یعفور سو چکا تھا۔

نماز فجر کے بعد آپ نے یعفور سے کہا "فوجی چھاؤنی میں میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ تمام مسلمان نماز عصر جامع مسجد میں آکر ادا کریں۔"

یعفور نے آپ کا حکم ایک شخص کے ذریعے فوجی چھاؤنی کی طرف ارسال کیا اور آپ کے پاس پہنچا۔

آپ اپنے حجرے میں لیٹے ہوئے تھے' یعفور کو دیکھا تو اٹھ کر بیٹھ گئے اور کہا "فوراً بینگ لیانگ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ راستے میں چینی سلطنت کے عمائدین بھی تمہیں ملیں گے۔ ان کے ساتھ ہو جانا۔ وہ اپنے مہمانوں کا استقبال کرنے کے لیے جا چکے ہیں۔ اس موقع پر تمہارا ان کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ مجھے امید ہے کہ تمہارا تازی گھوڑا تمہیں جلد آگے جانے والوں کے پاس پہنچا دے گا۔"

یعفور کو بہت دنوں بعد گھڑ سواری کا موقع ملا تھا' گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا مگر اس کی سوچ کی رفتار' گھوڑے کی رفتار سے بھی کہیں تیز تھی۔ وہ سوچ رہا تھا۔ کون سے مہمان ہیں؟ عمائدین سلطنت کس کا استقبال کریں گے؟ استقبال میں میری شرکت کو کیوں ضروری قرار دیا گیا ہے؟ وہ کوشش کے باوجود کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا تو اس نے خود سے کہا

"ایسی بھی کیا بے قراری ہے' عمائدین سلطنت سے یہ بات معلوم ہو ہی جائے گی کہ کون آ رہا ہے' مگر یہ خیال بھی اس نے رد کر دیا کیونکہ جو بات پیرومرشد نے بتانا ضروری نہ سمجھی' وہ دوسرے سے کیوں معلوم کرے۔ وہ جب تک مہمانوں کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے گا' کسی سے کچھ دریافت نہیں کرے گا۔

دوپہر سر پر آگئی تھی اور دور دور تک آگے جانے والوں کا پتا نہ تھا۔

یعفور نے تازی گھوڑے سے کہا "کیا اس سرزمین پر آکر تو کاہل ہو گیا ہے۔ میرے علم کے مطابق تیری نسل میں کوئی بھی کھوٹ نہیں ہے۔ چل اپنی ماں کے دودھ کا حق ادا کر۔"

تازی گھوڑے کے لیے یہ بات ایسی تازیانہ ثابت ہوئی کہ اس کے جسم میں بجلیاں بھر گئیں۔ اس نے ہنہنا کر اپنے سوار کو یقین دلایا کہ وہ اس کا مدعا سمجھ گیا ہے۔ یعفور بھی اپنے ذہنی انتشار پر قابو پا چکا تھا۔ وہ برق رفتار گھوڑے پر شہ سواری کے ہنر آزمانے لگا۔ سورج نے اپنے عروجی سفر کو مکمل کر کے زوال کی منزلیں طے کیں تو یعفور کو کچھ سوار نظر آئے جو رکے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ وہ سب آگے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یعفور اور قریب ہوا تو اس نے آنے والوں کو بھی دیکھ لیا جن کی طرف عمائدین سلطنت متوجہ تھے۔ یعفور عین اس وقت چینی عمائدین کے پاس پہنچا جب مقابل سے آنے والے بھی قریب آگئے تھے۔ انہیں دیکھ کر یعفور نے خالص ترکی انداز میں اظہار مسرت کے لیے گلے سے حرف ناآشنا آواز نکالی اور تیر کی طرح نکل کر اپنے والد محترم سردار ابوغور کے پاس پہنچا۔ گھوڑے سے کود کر ان کی رکاب تھام کر اس نے سلام کیا اور رکاب کو بوسہ دیا۔ یعفور کو دیکھ کر سبھی آنے والے' گھوڑے سے اتر آئے تھے۔ ابوغور معانقے سے فارغ ہوا تو علوق نے اسے سینے سے لگا لیا۔ علوق کے بعد یعفور کی ماں بلقین نے اپنی ممتا کے پھول بیٹے پر نچھاور کیے اور پھر محترم مصعب کے نائبین نے یعفور کو گلے سے لگایا۔

یعفور نے سرسری ملاقاتوں سے فارغ ہو کر باپ سے پوچھا "میرے نانا اور آپ کے نانا نظر نہیں آ رہے ہیں؟"

"سردار طنجہ اللہ کو پیارے ہو چکے اور تمہارے نانا خادوم میری جگہ قراقرم کے انتظامی امور کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔"

چینی سلطنت کے عمائدین صف باندھے ہوئے کچھ فاصلے پر کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ یعفور نے پلٹ کر دیکھا تو صف استقبالیہ میں خود بادشاہ چین شیو چونگ بھی موجود تھا۔ وزیراعظم اور سپہ سالار کے علاوہ کئی عمائدین اور بھی تھے۔ یعفور نے اپنے والد اور ماموں

کا تعارف چینی عمائد سے کرایا۔ چینیوں کے اخلاص اور محبت سے تمام ترک بہت متاثر ہوئے۔

واپسی کا سفر شروع ہوا تو یعفور اپنے باپ کا ہم رکاب تھا۔ اس نے پوچھا "کیا آپ کے پاس پیرو مرشد کا کوئی قاصد پہنچا تھا؟"

"نہیں بیٹے' پیرو مرشد تو اپنے قاصد آپ ہیں۔ انہوں نے بیک وقت ایک ہی رات میں مجھے' تمہاری والدہ اور تمہارے ماموں کے خواب میں بتایا کہ وہ تمہاری شادی چینی شہزادی سیاؤشی سے طے کر چکے ہیں۔ شادی کی تاریخ سے مطلع کر کے انہوں نے حکم دیا کہ ہم فوراً روانہ ہو جائیں اور جن لوگوں کے میں نام بتا رہا ہوں' انہیں ساتھ لے آنا۔ یہ خواب تھا اور سچا خواب تھا۔ جب ہم تینوں نے اپنا اپنا خواب بیان کیا تو خواب کی یکسانیت نے خواب کی صحت کا اور بھی یقین دلا دیا چنانچہ ہم نے جلد از جلد شادی کی تیاریاں کیں اور چل پڑے۔"

جب یعفور اپنے خاندان کے ساتھ مسجد پہنچا تو اذان عصر ہو رہی تھی۔ چینی عمائدین مسجد سے باہر رک گئے اور مسلمان وضو کر کے مسجد میں پہنچ گئے۔ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ ایوغوریوں نے اپنے سرداروں کو دیکھا تو انہوں نے فلک شگاف نعرہ تکبیر بلند کیا۔ ایوغوریوں نے چاہا تھا کہ اپنے سردار کے لیے جگہ بنا کر اسے پہلی صف میں لے جائیں مگر وہ پچھلی صف میں ہی گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔ اتنی دیر میں اقامت شروع ہو گئی اور نمازی صفیں درست کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔

امامت حضرت مصعب نے کی۔ نماز کے بعد موذن نے اعلان کیا "دعا کے بعد بھی لوگ اپنی جگہ پر ہی بیٹھے رہیں۔"

دعا کے بعد آپ نے کھڑے ہو کر حاضرین سے کہا "تمہارا سردار آج تم میں موجود ہے۔ بے شک یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ وہ ایک طویل اور تیز رفتار سفر کے بعد یہاں پہنچے ہیں اس لیے ان سے ملاقات کل نماز فجر کے بعد مناسب رہے گی' جتنی دیر چاہو' ان سے باتیں کرنا۔ ابھی انہیں آرام کی ضرورت ہے۔ میں انہیں اپنے پاس بلا رہا ہوں۔ وہ اجتماعی طور پر تم سے کچھ باتیں ضرور کریں گے۔"

سردار ایوغور کے لیے منظم ایوغوریوں نے بڑی خوب صورتی سے راستہ بنایا۔ ایوغور سے منبر تک ایک خط مستقیم کا تصور ذہن میں لے کر ہر صف سے دو آدمی اٹھ کر ایک طرف ہٹ گئے تھے۔ سردار ایوغور آسانی سے منبر تک پہنچے۔ پہلے انہوں نے پیرِ مرشد کی دست بوسی کی اور پھر ایک رقت خیز معانقہ کیا اور پیرو مرشد کے حکم سے آنسو رومال میں جذب کرتے ہوئے منبر کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے اور حمد باری کے بعد کہا "میں اپنے

مرشد گرامی کی زیارت سے جتنا خوش ہوا ہوں' اس کے اظہار کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ بیٹے کی شادی کی خوشی اور تم سے ملاقات کی خوشی مسرت زیارت میں زیادہ محو ہو گئی ہے۔ یقین کرو کہ تم ہم سے زیادہ خوش نصیب ہو کہ تمہیں حضرت کا قرب حاصل ہے اور ہر وقت اکتساب فیض کے مواقع میسر ہیں۔ میں اس وقت صرف ایک بات کہنا ضروری سمجھتا ہوں' وہ یہ کہ میں تم پر فخر کرتا ہوں' تم پر پوری قوم ناز کرتی ہے۔ تمہارے والدین' تمہارے رشتے دار' قراقرم میں سر اٹھا کر اور سینہ تان کر چلتے ہیں کیونکہ تم نے اللہ کی رضا کے لیے دیار غیر کو اپنا وطن بنانے کا فیصلہ کیا ہے اور اسلام کی سفارت کے لیے ان تمام رشتوں کو قربان کیا ہے جو انسان کے لیے سرمایہ قرار ہوتے ہیں۔ تمہارا یہ کارنامہ اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ عزت کی علامت بن کر جگمگاتا رہے گا۔ تم میں سے اکثر کے لیے تمہارے رشتے داروں کے پیغامات میرے پاس ہیں جو تمہیں فرداً فرداً پہنچاؤں گا مگر ہر پیغام کا خلاصہ یہی ہے جو میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ اب تم لوگ مسجد میں بیٹھ کر ہی ذکر و فکر میں مصروف رہ کر مغرب کی اذان کا انتظار کرو میرے میزبان مسجد سے باہر میرے منتظر ہیں۔ اچھا اللہ حافظ۔"

آپ سردار ایوغور کا ہاتھ تھام کر چلے تو پھر راستہ بنا دیا گیا۔ مسجد سے باہر پہنچے تو معلوم ہوا کہ شیوچونگ جا چکا ہے' بلقین اور ساتھ آنے والی دو خواتین کو بھی شاہی محل پہنچا دیا گیا ہے۔

وزیر نے آپ سے درخواست کی "مہمانوں کو اجازت دیجئے کہ وہ شاہی مہمان خانے میں قیام کریں۔"

"نہیں' یہ ابھی میرے مہمان ہیں۔ شادی سے پہلے یہ شاہی محل میں نہیں جائیں گے۔ جہاں تک یعفور کی والدہ کا تعلق ہے' وہ اس وقت محل میں ٹھیک پہنچی ہیں۔ وہ سیاؤشی کو دیکھ لیں گی۔ میں کل انہیں بھی یہیں بلوا لوں گا۔"

یعفور نے انتظامات مکمل کر کے رشتے داروں کو حجرے میں اور نائیبن کو مدرسے میں پہنچا دیا تھا۔ دیکھ بھال کرنے والوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ شادی کی تیاری میں وقت ہوا کی طرح اڑ گیا تھا۔ بادشاہ چین نے روایتی انداز میں شادی کا انتظام کیا تھا۔ بستی مقررہ وقت سے تین دن پہلے تیار ہو گئی تھی اور مسلمان' فوجی چھاؤنی سے بستی میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ انہوں نے بھی نو تعمیر بستی کی آرائش شروع کر دی تھی۔

مقررہ تاریخ پر بڑے تزک و احتشام سے شادی ہوئی۔ نکاح آپ نے ہی پڑھایا تھا۔ چین کے کئی فرماں روا بھی اس شادی میں شریک ہوئے تھے۔ آنے والوں میں سی آن' اور کیسٹن کے بادشاہ بھی شامل تھے۔ ان کے ساتھ وہ وفود بھی آ گئے تھے جو مسلمانوں کو مذہبی آزادی دلانے کی مہم پر لگے ہوئے تھے۔

دعوت ولیمہ میں کھانے سے فارغ ہو کر شیو چونگ نے آپ سے کچھ اہم شخصیتوں کا تعارف کراتے ہوئے کہا "یہ کیشن اور یہ سی آن کے بادشاہ ہیں۔ ان دونوں نے فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے مسلمانوں کی مذہبی آزادی اپنی حدود مملکت میں بحال کر دی ہے۔"

دونوں بادشاہوں کو آپ نے دعا دی تو انہوں نے بھی باری باری آپ سے مصافحہ کر کے یقین دلایا "ہم مسلمانوں کی مذہبی آزادیاں اپنے جیتے جی برقرار رکھیں گے۔"

دعوت ولیمہ کے ہنگامے میں آپ زیادہ دیر تک نہیں رکے مسجد میں لوٹ آئے۔ پہلے دو رکعت نماز شکر ادا کی اور پھر حجرے میں جا کے لیٹ گئے کیونکہ طبیعت ناساز تھی۔

ایک ہفتے تک شادی کے جشن ہوتے رہے۔

جمعے کے دن آپ کی طبیعت اچانک بہت خراب ہوگئی تھی مگر آپ مسجد پہنچے، خطبہ بھی دیا اور نماز بھی پڑھائی۔

جب لوگ سنتوں اور نوافل سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ آپ بہ حالت سجدہ بالکل اپنے دوست سہیل کی طرح وصال فرما چکے تھے کیونکہ آپ نے ایسی ہی سعادت آفریں موت کی تمنا کی تھی۔

نماز جنازہ یعفور نے پڑھائی۔ مسجد اور بستی کے درمیان آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ ایک مہینہ سترہ دن قیام کر کے ابو غور قراقرم کی طرف اپنے متعلقین اور ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہوگیا۔

یعفور نے مسجد اور مدرسے کی ذمے داریاں سنبھال لیں کہ یہی مرشد گرامی کی وصیت تھی۔ یعفور کو اس بات کی مسرت نہ تھی کہ اس کی بیوی سیاؤشی تھی مگر یہ بات اس کے لیے یقیناً باعث مسرت تھی کہ وہ نہ صرف ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھی بلکہ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا جذبہ بھی رکھتی تھی۔

چانگ آن میں حضرت مصعب بن حنیف نے اسلام کا جو پودا لگایا تھا، وہ وقت کے ساتھ ساتھ تناور درخت بن گیا۔ اس تناور شجر کے ثمرات سے صدیوں اہل چین کو روحانی غذا فراہم ہوتی رہی۔ اہل چین صرف بربنائے عقیدت آپ کو فیض رساں نہیں کہتے بلکہ آپ کی حیات مبارکہ کا معلوم حصہ اس بات کی تائید میں ہے کہ آپ کی ذات بے شک و شبہ فیض رساں ہے۔

○☆○

اس مضمون کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے

ترکی چین تعلقات — سینگ پاؤسی ★ تاریخ چین — شماجیانگ ★ تاریخ مذاہب تذکرہ — برٹش نائندہ

صفوۃ الاعتبار — بیرم التونسی ★ کتاب ممالک و مسالک — ابن خردادبہ

اِمامُ العارفین

خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں ظہور کرنے والے اللہ کے ایک برگزیدہ بندے کی سوانح مبارک

عباسی خلیفہ مامون رشید کا آفتاب عظمت ۲۰۰ ہجری میں نصف النہار پر جگمگا رہا تھا۔ بغداد میں اہل کمال مامون کی علم دوستی سے باخبر تھے اور جوق در جوق بغداد چلے آ رہے تھے۔ یونانی دانش و حکمت سے استفادے کے لیے "دار الترجمہ" کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ افلاطون، ارسطاطالیس، بقراط، جالینوس، اقلیدس، اور بطلیموس کی کتابیں اہل عرب کے لیے علم و آگہی کے نئے افق فراہم کر رہی تھیں۔ مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی بار ایک رصد گاہ "رصد گاہ مامون" کے نام سے زیر تعمیر تھی۔ ستاروں پر تحقیق کی کمندیں ڈالنے میں یحییٰ بن ابی منصور، خالد بن عبد الملک مروزی، سند بن علی اور عباس بن سعید جیسے ہیئت داں مصروف تھے۔

عباس بن سعید کی خدمات رصد گاہ مامون کے لیے جب خود مامون نے حاصل کر لیں تو اس عظیم ہیئت داں نے اپنے شاگرد رشید ثوبان سے کہا "ہر چند کے تم فلسفے اور حکمت میں دلچسپی نہیں رکھتے ہو اور میری نگرانی میں انہی علوم میں تم نے کمال حاصل کیا ہے مگر میں نے رصد گاہ میں اپنے نائب کی حیثیت سے تمہارے لیے ایک معقول تنخواہ پر ملازمت حاصل کر لی ہے۔ تمہاری خداداد ذہانت میری ماتحتی میں، علم ہیئت کی تحصیل میں بھی اپنا مخصوص جوہر رو بہ کار لائے گی۔"

استاد محترم کی اس حسین پیش کش پر ثوبان سراپا سپاس ہوگیا۔ وہ ہمت افزائی اور قدردانی کے جذبے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولا "میں سمجھتا ہوں کہ ترقی کے لیے یہ ایک سنہرا موقع ہے اور آپ جیسے منبع فیض کا قرب میرے لیے ایک نعمت ہے لیکن میں اس پیش کش کو قبول کرنے سے فی الحال معذور ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آج تک آپ سے اپنے حالات بیان نہیں کیے حالانکہ چھ سال آپ کے دامن کرم میں گزار دیے ہیں۔"

یہ کہہ کر ثوبان چند لمحے رکا پھر اپنے حالات بیان کرنے لگا "میرے والد ابراہیم، سوڈان کے رہنے والے ہیں۔ ان کا پیشہ محنت مزدوری ہے۔ حالات نے انہیں علم کی دولت سے محروم

رکھا مگر علم کی اہمیت کو وہ خوب سمجھتے ہیں۔ ۱۸۵ ہجری میں جب میری ولادت ہوئی تو وہ جلد ہی اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ اگر سوڈان ہی میں رہیں گے تو میں بھی علم سے محروم رہ جاؤں گا۔ میرے اولوالعزم اور علم کے شوقین باپ نے صرف میرے درخشاں مستقبل کی تعمیر کے لیے اپنے آبائی وطن سوڈان کو خیرباد کہہ دیا اور مصر کے نواحی قصبے اخمیم میں آ بسے۔ محنت مزدوری سے ان کی بہ مشکل گزر بسر ہوتی تھی۔ انہیں یہ احساس دن رات کھائے جاتا تھا کہ رقم پس انداز نہیں ہو رہی ہے، وہ بیٹے کو تعلیم کیسے دلا سکیں گے۔ آخر ان کی مستقل فکر کسی حد تک سرخرو ہو گئی۔ انہیں اخمیم کے دارالحکومت میں رات کی چوکیداری مل گئی۔ دن کو مزدوری، رات کو چوکیداری کی محنت شاقہ سے کچھ رقم پس انداز ہونے لگی۔ مجھے علم سے آراستہ کرنے کے لیے انہوں نے اپنی صحت کو داؤ پر لگا دیا۔ انہوں نے اچھی خوراک اور اچھے لباس کا ہمیشہ میرے لیے اہتمام کیا۔ انہوں نے خود روکھی سوکھی غذا پر قناعت کی اور کپڑوں میں پیوند کو باعث افتخار سمجھتے رہے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میری ابتدائی تعلیم آپ کے شاگرد طاہر شامی کے مدرسے میں ہوئی اور انہی کی وساطت سے میں آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوا۔ میرے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ میں آپ کی پیش کش قبول کر کے اپنے والدین کو یہاں بلوالوں مگر میں چاہتا ہوں کہ میرے باپ کے خوابوں کی جیتی جاگتی تعبیر میرے باپ کے علاوہ وہ معاشرہ بھی دیکھے جہاں وہ زندگی گزار رہے ہیں۔ میں جاؤں گا تو میرا باپ جو سر جھکا کر چلتا ہے، سر اٹھا کر چلے گا اور اس کی غربت کو حقارت سے دیکھنے والے اس بڑے انسان کی بڑائی کو محسوس کر سکیں گے۔"

عباس بن سعید یہ واقعات سن کر آبدیدہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے فرط جذبات میں ثوبان کو سینے سے لگا کر پیشانی چوم لی اور کہا "تمہارے عزائم قابل تحسین ہیں۔ تمہارے والد بلاشبہ ایک عظیم انسان ہیں۔ تم سفر کی تیاری کرو۔ کل صبح میں تمہیں الوداع کہوں گا۔"

دوسرے دن صبح ناشتے کے بعد ثوبان نے اجازت طلب کی۔

"ابھی نہیں، مجھے ایک شخص کا انتظار ہے۔ جب تک وہ نہ آ جائے گا، تمہیں جانے کی اجازت نہیں ملے گی۔" عباس بن سعید نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ خادم نے آ کر اطلاع دی کہ ایک شخص باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔ عباس بن سعید نے اس شخص کو بلانے کا حکم دیا۔ آنے والے نے سلام کیا۔ اس کے ساتھ ایک مزدور بہت سا سامان اٹھائے ہوئے تھا۔

سامان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے استاد محترم نے کہا "اس میں کپڑے ہیں تمہاری والدہ، والد اور تمہارے لیے۔ اس کے علاوہ کچھ اور تحائف بھی ہیں۔ یہ میری طرف سے قبول کر لو۔ راستے میں اس سامان کو کھول کر نہ دیکھنا۔ تم جانتے ہو کہ میں لاولد ہوں لیکن

جب سے تم میرے پاس ہو، مجھے ایک لمحے بھی یہ احساس نہیں ہوا کیونکہ میں تمہیں اپنا ہی بیٹا سمجھتا ہوں۔ میرے پاس جو کچھ ہے، سب تمہارا ہے۔ باہر تمہاری سواری کے لیے ناقہ موجود ہے۔" یہ کہہ کر زاد سفر کے لیے ایک تھیلی دے کر عباس بن سعید بولے "یہ رکھ لو اور اب تم جاؤ۔ اللہ حافظ و ناصر ہے۔" عباس بن سعید اتنا کہہ کر فوراً اپنے حجرے میں چلے گئے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ رخصت کی یہ ساعت آنسوؤں سے بھیگ جائیں۔"

ثوبان بغداد سے روانہ ہوئے۔ جب وہ منزل بہ منزل دمشق کے نواح میں پہنچے تو دوپہر کا وقت تھا۔ انہوں نے ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ کر کھانا کھایا اور لیٹ گئے۔ اس طرح ان کے تھکے ہوئے اعصاب کو راحت ملی اور نیند نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ ایک ساعت آرام کے بعد نیند اچاٹ ہوئی۔ نیم وا آنکھوں کا مرکز مقابل کا ایک درخت تھا۔ درخت سے کوئی چیز زمین پر گرتی ہوئی نظر آئی۔ ثوبان اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھے۔ انہوں نے دیکھا کہ درخت سے گرنے والا ایک اندھا پرندہ قنبرہ ہے۔ جہاں قنبرہ گرا تھا، وہاں قریب کی زمین شق ہوئی اور دو رکابیاں شگاف سے برآمد ہوئیں۔ اس میں سے ایک رکابی سونے کی تھی جو کنجد (تل) سے بھری ہوئی تھی۔ دوسری رکابی چاندی کی تھی جس میں عرق گلاب تھا جس کی خوشبو دور سے بھی محسوس ہو رہی تھی۔ قنبرہ نے اس مائدہ ربانی کو کھایا پیا۔ وہ سیر ہو گیا تو رکابیاں پھر شگاف میں پہنچ گئیں اور زمین برابر ہو گئیں۔ قنبرہ اڑ کر اسی درخت پر اپنے گھونسلے میں چلا گیا۔

ثوبان کا فلسفیانہ ذہن اس مشاہدے کی کوئی تاویل نہ کر سکا۔ اسباب و علل کے تمام ضابطے دھواں بن کر اڑ گئے۔ ثوبان کی حکمت اور فلسفے کی ساری تعلیم، عدم علم بن کر رہ گئی۔ اللہ کی ربوبیت کا یہ فیضان دیکھ کر ثوبان توکل کی افادیت پر غور کرتے کرتے ایک ایسے نتیجے پر پہنچے جس سے دل میں ایک روشنی پیدا ہو گئی۔ کائنات اور اسرار کائنات پر غور کرنے والے ذہن کو خالق کائنات اور اس کے نظام ربوبیت پر غور و فکر کی لازوال تحریک مل گئی۔

ثوبان قطع منازل طے کرتے ہوئے اخمیم پہنچے تو صبح صادق کے طلوع کا وقت قریب تھا۔ راستے ویران پڑے تھے اور پوری بستی پر سکوت کی حکمرانی تھی۔ ناقہ کو گھر کے پاس روک کر انہوں نے چاہا کہ ماں کو پوری قوت سے آوازیں دیں مگر اس جذبے پر قابو پا کر آہستہ آہستہ اپنی کٹیا کے قریب پہنچے۔ انہیں اندر سے باتیں کرنے کی آواز آئی۔

"ابراہیم تم نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے کہ میرے نور نظر کو میری آنکھوں سے دور کر دیا۔"

"بیگم، تم نے اور میں نے بطور ایثار اپنے لخت جگر کی جدائی کو قبول کیا ہے۔ انشاء اللہ اس کا پھل بھی ہمیں بہت شیریں ملے گا۔"

"میں ہر بات سمجھتی ہوں‘ خوب جانتی ہوں کہ میرا ثوبان ایک بڑا آدمی بن کر واپس آئے گا مگر میں اپنے دل کو کیسے سمجھاؤں۔ تم باپ ہو‘ ماں کی طرح نہیں سوچ سکتے۔" ثوبان کی والدہ کی آواز گلوگیر ہوگئی۔

"ثوبان نے بے قرار ہو کر بلند آواز سے کہا "ماں‘ میں آگیا ہوں۔ ماں‘ میں آگیا ہوں۔"

ابراہیم نے فوراً دروازہ کھولا اور بڑھ کر بیٹے کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ جذبات سے دونوں بے قابو تھے۔ زبانیں گنگ تھیں اور آنسو فراق کی دردناک داستان سنا رہے تھے۔ ماں بھی باہر آگئی تھیں۔ ماں بیٹے کی ہم آغوشی نے مسرت و غم کے امتیازات اٹھا دیے۔ اس ہنگامہ ملاقات میں ثوبان کی چھوٹی بہن عاطفہ بھی جاگ اٹھی اور گھر سے باہر نکل آئی۔ ثوبان اسے دیکھ کر دوڑا اور اسے گود میں اٹھا کر خوب پیار کیا۔

ناقہ کو گھر سے باہر کھجور کے درخت سے باندھا اور اسباب اتار کر گھر میں لے گیا۔ ثوبان نے سامان کو دھڑکتے دل سے کھولا جسے استاد محترم کے احکامات کی تعمیل میں ابھی تک خود بھی نہیں دیکھا تھا۔ چار نفیس جوڑے ماں باپ کے لیے بھی تھے۔ ایک تھیلی برآمد ہوئی جس میں ایک ہزار دینار تھے۔ ثوبان نے وہ دینار بڑے ادب سے باپ کی خدمت میں پیش کیے۔ اتنی بڑی رقم پہلی مرتبہ ابراہیم کے ہاتھ میں آئی تھی۔ وہ حیران رہ گیا۔ دن نکلا تو بستی کے لوگ ابراہیم کے مقدر پر رشک کرنے لگے۔ ہر آنے والے نے مبارک باد پیش کی۔

ثوبان نے باپ سے کہا "میں اپنے پہلے محسن اور استاد طاہر شامی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ بھی میرے ساتھ چلیں گے مگر چلنے سے پہلے نہا دھو کر نیا لباس پہن لیں۔"

تھوڑی دیر بعد ہی باپ بیٹے بہترین لباسوں میں ناقہ پر سوار ہو کر طاہر شامی کے در دولت پر حاضر ہوئے۔ استاد‘ شاگرد سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ ان کا لگایا ہوا علم کا پودا تناور درخت بن گیا تھا۔ سرسبز و شاداب ابراہیم نے ایک جوڑا اور ایک سو دس دینار ان کی خدمت میں نذر کیے جو بخوشی قبول کر لیے گئے۔ کافی دیر تک بغداد کی باتیں ہوتی رہیں۔ عباس بن سعید کے حسن سلوک کا تذکرہ رہا۔ طاہر شامی نے کہا "کل جمعہ ہے" آئندہ جمعے کو بعد نماز عصر دارالحکمت میں‘ میں تمہارے تعارفی جلسے کا اہتمام کر رہا ہوں۔ تم وہاں وقت سے پہنچ جانا۔"

رات جب ثوبان اپنے بستر پر لیٹے تو سوچنے لگے۔ فلسفہ و حکمت کی کم اساسی میرے مشاہدے میں آچکی ہے۔ سرمایہ علم تو علیم کی وابستگی کا نام ہے۔ مجھے اب سب کچھ اللہ کے لیے چھوڑنا ہوگا۔ ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ حقوق العباد کی بجا آوری کے تقاضے ترک دنیا کی اجازت نہیں دے سکتے۔ ماں اور باپ کے حقوق سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ مزید

برآں یہ کہ میں بغداد سے یہ سوچ کر چلا تھا کہ اہل اخمیم سے اپنے باپ کی عظمت تسلیم کرا کر دم لوں گا۔"

وہ تینوں فکر کے زاویے اتنے اہم تھے کہ ان میں سے کوئی بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا اور بیک وقت ہر خیال کو عملی جامہ پہنانا بھی ممکن نہ تھا۔ کافی غور کے بعد ثوبان نے طے کرلیا کہ اخمیم میں اس وقت تک قیام کیا جائے گا جب تک والد اپنے ہم چشموں میں باعزت زندگی گزار کے آسودہ نہ ہوجائیں۔ دن بھر کی مسرت انگیز تھکن نے ثوبان کو جلد ہی خواب کی حسین وادیوں میں پہنچا دیا۔

دوسرے دن ثوبان اور ابراہیم نے ایک کشادہ اور پختہ مکان خرید لیا اور اس میں منتقل ہوگئے۔

جمعے کے دن تعارفی اجتماع میں ثوبان اپنے والد کے ساتھ پہنچے۔ طاہر شامی نے اس اجلاس میں مصر کے نامور حکما اور فلسفیوں کو مدعو کیا تھا۔ اخمیم کے عمائدین بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ سب سے پہلے طاہر شامی کھڑے ہوئے اور حاضرین سے مخاطب ہوئے۔

"آج کا یہ تعارفی اجتماع اخمیم کے باشندوں کے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اخمیم کی خاک پر پروان چڑھنے والا ثوبان بن ابراہیم بغداد سے علم و فضل کی دولت سمیٹ کر واپس آیا ہے۔ بغداد میں امیرالمومنین خلیفہ مامون رشید کی علم پروری نے اسے اپنی آغوش شفقت میں لینا چاہا مگر اس نے خود کو اخمیم کی متاع علم نواز ہی سمجھا۔ اس کا یہ جذبہ کس قدر قابل قدر ہے دولت و ثروت کو نظرانداز کر کے اس نے آپ کی خدمت کو ترجیح دی۔ ثوبان کو ابتدائی تعلیم میں نے دی تھی اور میں اپنے لیے اسے اعزاز سمجھتا ہوں مگر اس حقیقت اعتراف بھی میرے لیے باعث مسرت ہے کہ وہ آج علم کے اس مرتبے پر فائز ہے جس کا میں تصور بھی نہیں کرسکتا۔ نوجوانی میں یہ منصب بہت کم لوگوں کو میسر آتا ہے۔ ثوبان کے والد ابراہیم ایک فرض شناس اور مثالی سرپرست ثابت ہوئے۔ پورے خلوص اور کامل جدوجہد سے اپنے بیٹے کو علم کی دولت سے سرفراز کرنے کا عزم کیا اور کامیاب ہوئے۔ بچپن ہی سے بچے کو تحصیل علم کا شائق بنانا بڑا جاں گداز مرحلہ ہوتا ہے مگر وہ اس دشوار گزار راہ سے بھی کامرانیوں کے پھول اپنے دامن میں سمیٹ لائے۔ ثوبان کو اللہ نے ذہانت اور حافظے کی عظیم قوتوں سے نوازا ہے۔ ذہانت کو سفر کی صحیح سمت مل جائے تو علم و فضل کی منزل جمیل کے فاصلے سمٹ جاتے ہیں۔ آپ خود اس سے واقف ہوجائیں گے تو آپ کو میری تائید کرنی پڑے گی۔ ثوبان پر قدرت و قسمت مہربان ہے‘ فرض شناس باپ عطا کیا‘ ذہانت دی اور علامہ عصر عباس بن سعید جیسا معلم عطا کیا۔ علامہ کے دل میں اللہ نے ثوبان کی محبت کو راسخ کر دیا۔ عباس بن سعید کی صرف ایک ملاقات اہل علم کے لیے شرف بن جاتی ہے۔ ثوبان

نے تو چھ سال کے شب و روز اس منبع علم و حکمت کی تربیت میں گزارے ہیں۔ میں آپ کے اشتیاق اور ثوبان کے درمیان بہت دیر تک حائل نہیں رہنا چاہتا ہوں۔ اب آپ کے سامنے ثوبان آ رہے ہیں۔ آپ کے ثوبان' اخمیم کے ثوبان۔"

طاہر شامی بیٹھ گئے تو ثوبان کھڑے ہوئے۔ حاضرین کو سلام کیا۔ مجمعے نے آپ کو بڑی بے یقینی سے دیکھا۔ علم و فضل کے بلند بانگ محاسن جو ابھی سنے تھے وہ انہیں دیکھ کر افسانہ معلوم ہو رہے تھے۔ ثوبان نے حاضرین' منتظمین بیت الحکمت اور طاہر شامی کا رسمی شکریہ ادا کیا پھر مجمعے کی طرف غور سے دیکھا۔ چند لمحے بعد وہ پھر گویا ہوئے "میری توصیف میں جو کچھ کہا گیا ہے' میں نہ اس کی تردید کر سکتا ہوں نہ تائید۔ کسی کے متعلق اہل علم کو رائے قائم کرنے کی آزادی حاصل ہے۔ طاہر شامی میرے مربی اور میرے محترم استاد ہیں۔ ان کے محسوسات کی تردید میرے نزدیک گستاخی بھی ہے اور بے اصولی بھی۔ میں اب یہاں آ گیا ہوں' بیت الحکمت کے لیے اپنی خدمات پیش کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ جب آپ مجھے خدمت کا موقع دیں گے اور میں اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ خدمت کروں گا تو بربنائے تجربہ آپ بھی میرے لیے کوئی مستحکم رائے قائم کر لیں گے۔ میں علم و فضل کا مدعی نہیں ہوں۔ علم کے بیکراں سمندر کا بڑے سے بڑا شناور اس سمندر کی موجوں کو نہیں گن سکتا۔ میں تو ایک طالب علم ہوں اور پورے وثوق سے صرف ایک بات اپنے متعلق کہہ سکتا ہوں کہ آج تک جو کچھ اپنے اساتذہ سے پڑھا اور سنا ہے' وہ مجھے لفظ بہ لفظ یاد ہے۔"

مجمعے سے تحسین کا شور بلند ہوا۔ انہوں نے تقریر کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا "یہاں بڑے بڑے اہل علم موجود ہیں۔ میں ان کے سامنے لب کشائی کا حوصلہ نہیں پاتا پھر بھی عرض کروں گا کہ میں طالب علم ہوں اور میرا دامن طلب علم و دانش کے لیے ہمیشہ پھیلا رہے گا۔ اس سے پہلے کہ میں اپنی گفتگو ختم کروں' ایک بات کہنا بہت ضروری سمجھتا ہوں۔ میری تعمیر و ترقی کا سہرا میرے عالی ہمت اور فرض شناس باپ کے سر ہے۔ اگر اخمیم میں سب باپ اتنے ہی فرض شناس بن جائیں تو پورا اخمیم بیت الحکمت بن جائے گا۔"

جلسے کے اختتام کے بعد علما اور حکما سے بعض مسائل پر ثوبان کی نجی محفل میں گفتگو ہوئی تو وہ دنگ رہ گئے اور پھر بیت الحکمت میں بحیثیت صدر مدرس ثوبان کا تقرر ہو گیا۔ اب ثوبان کا پیشتر وقت بیت الحکمت میں گزرتا۔ چھوٹوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ اور بزرگوں کا احترام ان کا مزاج تھا۔ مزاج کے اس دل نشیں اسلوب نے جلد ہی طلبا اور اساتذہ کو ان کا گرویدہ کر دیا۔

آپ بڑی محنت اور لگن سے درس دیتے تھے۔ آپ کو دیکھ کر دوسرے اساتذہ کو بھی اپنی سابق روش بدلنی پڑی۔ سالانہ امتحانات کے نتائج بہت شاندار برآمد ہوئے۔ بیت

الحکمت کی شہرت روز بہ روز عام ہوتی گئی۔ مصر کے دوسرے اداروں سے طلبا اخمیم آنے لگے۔ ثوبان کی علمیت کے عینی شاہد انہیں ابوالفیض ثوبان کہنے لگے۔

پانچ سال بڑی جانفشانی سے بیت الحکمت کی خدمت کرتے کرتے گزر گئے تھے مگر طمانیت خاطر نصیب نہ ہو سکی۔ ایک اضطراب بے سبب کبھی کبھی وحشت کی حدوں کو چھو لیتا تھا۔ باپ کی اچانک موت نے حیات کی بے ثباتی کی طرف شدت سے متوجہ کیا۔ قرآن کی تلاوت اور نمازوں میں تلاش سکون کی تو قدرے طمانیت خاطر نصیب ہوئی مگر فلسفہ و حکمت سے جی اچاٹ ہو گیا۔ بیت الحکمت میں حاضریاں کم ہونے لگیں۔ رفتہ رفتہ بیت الحکمت سے لاتعلق ہو گئے۔ رزق کے لیے جدوجہد کا خیال آتا تو قبرہ یاد آ جاتا۔ اب ابوالفیض کو تنہائیوں سے پیار ہو گیا تھا۔ کسی بھی ویرانے میں نکل جاتے' گھنٹوں عالم تفکر میں مستغرق رہتے۔

ایک دن گھر میں بیٹھے تھے کہ گانے کی آواز آئی۔ اپنی بہن عاطفہ سے پوچھا "یہ کیسا ہنگامہ ہے؟"

جواب ملا "بھائی جان' یہ ہنگامہ ایک شادی کی تقریب میں برپا ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد رونے کی آواز آئی تو پوچھا "ان پر کیا افتاد پڑی؟"

بہن نے بتایا "پڑوس میں ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا ہے۔"

یہ جواب سن کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا "گانے والوں پر اللہ نے رحمت نازل کی' وہ شکر سے قاصر رہے اور دوسروں پر آزمائش کی گھڑی آئی تو وہ صبر نہ کر سکے۔ میں ایسی بستی میں نہیں رہ سکتا جہاں لوگ صبر و شکر دونوں سے ناآشنا ہوں۔"

بہن نے کہا "ہمیں کس پر چھوڑے جا رہے ہو؟"

جواب دیا "بہن میں تمہارا بھائی ہوں' خدا نہیں۔ خدا کی نگہبانی تمہارے لیے کافی ہے۔" اس کے بعد والدہ کے پاس پہنچے اور ان کے قدموں میں سر رکھ کر کہا "میں اندر سے ویران ہوں' مجھے سکون چاہیے۔"

ماں نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "سکون میرے پاس کہاں ہے بیٹے' سکون تو صرف اللہ کی یاد میں ہے۔ اللہ کو کثرت سے یاد کر۔ تو جانا چاہتا ہے جا۔ ہمارے لیے اللہ بہت ہے۔ تو نے اتنا کما کر دے دیا ہے کہ کسی کے سامنے دست طلب دراز کرنے کی نوبت نہ آئے گی۔"

عاطفہ کی روتے روتے ہچکی بندھ چکی تھی۔ اسی عالم میں اس نے کہا "ماں' بھائی جان کو اجازت نہ دیجئے' انہیں روک لیجئے۔"

ماں نے روتے ہوئے کہا "بیٹی' یہ تقدیر الٰہی ہے' میں نہیں روک سکتی۔ رات ہی

ابراہیم خواب میں آئے تھے' کہہ رہے تھے میں نے اپنے بیٹے کا نام ثوبان رکھا۔ دنیا نے انہیں ابوالفیض کے لقب سے یاد کیا مگر لوح محفوظ پر کا اس نام ذوالنون ہے۔ میں نے اسے دنیاوی علوم سے آراستہ کیا حالانکہ معرفت حق اس کا مقدر ہے۔ اب اگر تم چاہتی ہو کہ میرا اور تمہارا آفتاب سعادت آخرت میں جگمگائے تو ذوالنون کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ بتاؤ بیٹی میں اسے کیسے روک سکتی ہوں۔ تمہارے باپ ابراہیم سچے آدمی تھے۔ میں نے انہیں زندگی میں کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ اب ان کی بات کا کیسے اعتبار نہ کروں اور اس رویائے صادقہ کا واضح اثر بھی دیکھ لو کہ رات خواب دیکھا اور اس وقت ذوالنون خواب کی تعبیر بن کر ایک نامعلوم سفر کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔"

بہن شعوری طور پر تو بھائی کو الوداع کہنے پر راضی ہو گئیں مگر ان کے آنسو بے قابو ہو گئے۔ ماں کی کیفیت بھی اس کے برعکس نہ تھی مگر صبر واستقامت کے جوہر خونی رشتوں پر غالب رہے۔

ذوالنون' اخمیم سے خاموشی کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ اگر اہل اخمیم کو خبر ہو جاتی اور ان کے شاگرد اور مداح جان لیتے کہ ذوالنون اخمیم کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ رہے ہیں تو مروتیں اور محبتیں راہ میں بچھ جاتیں اور ذوالنون انہیں روند کر سفر نہ کر سکتے تھے۔

وہ قسطاط پہنچ کر ایک مسجد میں کچھ دنوں کے لیے معتکف ہو گئے۔ وہاں ایک درویش سے ملاقات ہوئی جو بڑے صاحب کشف تھے۔ ایک دن ان کے ذوق حق کو دیکھتے ہوئے اس درویش نے کہا "ذوالنون' معرفت حق کی راہ بہت کٹھن ہے۔ تم نے آج تک علم کے نام پر جہل کی تحصیل کی ہے۔ جو شخص علم دین کی روشنی کے بغیر معرفت کی راہ پر گامزن ہوتا ہے' اس کے بھٹک جانے کے اتنے امکانات ہوتے ہیں کہ احتیاط انہیں نظرانداز نہیں کر سکتی۔ قرآن متاع ہدایت ہے اور اس کی شرح رسول اکرمؐ کی سیرت ہے۔"

ذوالنون اس بات سے اتنے متاثر ہوئے کہ فوری طور پر دینی تعلیم کی تحصیل کا مصمم ارادہ کر کے قسطاط سے مکہ مکرمہ پہنچے اور وہاں امام ہجرت حضرت مالک بن انسؒ کے حلقہ درس میں شامل ہو کر علم حدیث حاصل کیا۔ علم تفسیر کے حصول کے لیے سفیان بن عینیہؒ اور لیث بن سعدؒ کی خدمت میں حاضر رہے اور بغداد میں فضیل بن عیاضؒ سے اصول فقہ اور تصوف کے علوم سیکھے۔ ذوالنون کو تمام استاد ایسے ملے جو بلاشک وشبہ اپنے وقت کے امام تھے۔ انہوں نے علم کے دریائے بے کنار سے خود کو جس قدر سیراب کر سکتے تھے کیا۔ اساتذہ نے ان کے علم کو مستند قرار دیا لیکن جب ذوالنون نے اپنا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ بے قراری بڑھ گئی ہے اور آتش شوق کے شعلوں نے ان کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ علم بھی جمال محبوب کے لیے جہل ہی کی طرح حجاب ثابت ہوا۔ پہلے سفر شوق کے

لے کوئی راستہ نہ تھا اور اب اتنے راستے ایک ہی منزل کے سامنے تھے کہ تعین دشوار تھا۔ ہن عاجز ہوا تو دل کی رہبری میں چل پڑے۔ صبح کہیں شام کہیں چلتے چلتے لبنان کے پہاڑوں کی طرف جا نکلے۔ وحشتیں شباب پر تھیں۔ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر چڑھنا اترنا ان کا معمول بن گیا۔ ایک دن ایک پہاڑ پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص درخت پر الٹا لٹکا ہوا ہے۔ آپ نے سمجھا کسی ظالم نے اس بےکس پر یہ ستم ڈھایا ہے۔ آپ تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔ قریب ہوئے تو اس کی آواز سنی' وہ کہہ رہا تھا "اے نفس' امور خیر میں میری موافقت کر۔ عبادت میں حارج نہ ہو۔ ریاضت سے منہ نہ پھیر ورنہ تیری یہ سزا جاری رہے گی۔ نہ میں تجھے پانی پلاؤں گا نہ کھانا کھلاؤں گا۔ میں تیری ہلاکت قبول کر سکتا ہوں مگر اطاعت حق سے تیری روگردانی برداشت نہیں کر سکتا۔"

آپ یہ بات سن کر آبدیدہ ہو گئے اور کہا "اے شخص' میں تو یہ سمجھا تھا کہ تو نے کسی کو قتل کر دیا ہے اور اس طرح اپنے آپ کو خود احتسابی کی سزا دے رہا ہے۔ میں سمجھا تھا کہ تو کسی کے ظلم کا شکار ہو گیا ہے مگر تیری بات سے تو یہ اندازہ ہوا کہ اخلاص بندگی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے اور اپنے تمام حواس کو اتباع حق پر راضی کر رہا ہے۔"

آپ کی بات سن کر اس نے کہا "میں بندگی کے اعلیٰ مقام پر فائز نہیں ہوں۔ تمہاری خوش گمانی شاید اس لیے مجھے محترم سمجھنے لگی ہے کہ تم نے ابھی کسی عابد کو نہیں دیکھا ہے۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ اگر واقعی کسی بلند پایہ زاہد وعابد کی زیارت سے سرفراز ہونا چاہتے ہو تو پاس والے پہاڑ پر چلے جاؤ۔"

ذوالنون مصری حسب ہدایت دوسرے پہاڑ پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک نوجوان زمین پر پڑا ہوا ہے۔ جس کا جسم کیڑوں کی خوراک بنا ہوا ہے اور قریب ہی ایک کٹا ہوا پیر پڑا ہے۔ آپ نے سلام کیا تو بڑی نحیف آواز میں جواب ملا۔

آپ نے دریافت کیا "تمہارا پیر کس نے کاٹ دیا؟ تم نے اپنا یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟"

آپ کے سوال کے جواب میں اس نے کہا "ذوالنون' تم یہاں بھیجے گئے ہو' خود نہیں آئے ہو اس لیے میں اپنا حال بیان کرنے پر مجبور ہوں ورنہ میرا سکوت' میرا سرمایہ کیف ہے۔ عبادت کا ذوق وشوق حد سے بڑھا تو یہاں آ گیا۔ درختوں کے پتوں کو غذا بنا لیا اور یکسوئی سے عبادت میں منہمک ہو گیا۔ چار سال تک کیف عبادت میں ایسا سرشار رہا کہ وقت کا احساس تک نہ ہوا۔ ایک رات نیند کا غلبہ ہوا تو دیکھا ایک حسینہ اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ خواب میں جلوہ گر ہے۔ اس کے بے مثال حسن کو دیکھ کر میں حیران ہو گیا۔ عین اس وقت جب میں سراپا نگاہ بن کر اسے دیکھ رہا تھا' ایک دلربا مسکراہٹ اس کے لب نازک پر نمودار ہوئی۔ اس کی مسکراتی ہوئی آنکھوں نے محبت کا پیغام دیا۔ میرے تمام وجود

میں بجلیاں کوندنے لگیں۔ اس نے مجھے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ میں کوشش کے باوجود جب اپنی جگہ سے نہ ہل سکا تو وہ خود میری طرف بڑھی۔ میرے ضمیر نے مجھ سے کہا' ہوشیار نامحرم کا قرب تباہ کردے گا۔ گھبراہٹ میں میری آنکھ کھل گئی۔ دل کی دھڑکنیں بے قابو تھیں۔ تمام جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ میں نے تھوڑی دیر کے بعد ذہن کو طلسماتی فضا سے آزاد کرلیا اور دیر تک **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** پڑھتا رہا۔"

ذوالنون خاموشی سے ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔

نوجوان نے پھر کہنا شروع کیا "یہ خواب تھا مگر خواب میں جو صورت دیکھی تھی' ذہن پر مرتسم ہوگئی۔ میں دل کو عبادت میں محو کرنے کی کوشش کرتا تو خیال کے پردے پر وہی صورت ابھر آتی۔ چار سال سے عبادت کا جو کیف حاصل تھا' اچانک اس کا نظام درہم برہم ہوگیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں ویران ہوگیا ہوں۔ دوسری رات خواب میں پھر وہی غارتگر ہوش و ایماں نئی حشر سامانیوں کے ساتھ نمودار ہوئی۔ اس بار اس کے جسم کی شادابی زیادہ نمایاں تھی۔ نگاہ میں پیغام محبت کی جگہ تحریص و ترغیب نے لے لی تھی۔ جب وہ بے پردگی کے جادو جگاتے ہوئے بڑھی تو میں بھاگ کھڑا ہوا اور ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر گرا تو آنکھ کھل گئی۔ ہوش آچکا تھا۔ بیداری کے کامل یقین کے باوجود وہ خواب حواس پر حکمرانی کررہا تھا۔ خیالات اور پراگندہ ہوگئے۔ عبادت کا رہا سہا کیف بھی جاتا رہا۔ میں خود کو بار بار سمجھاتا کہ یہ خواب نہیں' شیطان کا جال ہے اور وہ عبادت کی راہ سے بھٹکانا چاہتا ہے مگر حواس کا انتشار کسی حرف نصیحت کو قبول کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ میں نے کیفیات کے اس تضاد سے بچنے کے لیے نہ سونے کا فیصلہ کرلیا۔"

زخمی نوجوان خاموش ہو کر خلا میں گھورنے لگا اور پھر چند لمحے بعد بولا "مجھے نہ سوئے ہوئے بہتر گھنٹے ہوچکے تھے۔ نصف شب گزر چکی تھی۔ پورے ماحول پر سکوت چھایا ہوا تھا۔ چاندنی میں بلند پہاڑ بہت حسین معلوم ہو رہے تھے اور میں اس آفاقی حسن میں کھویا ہوا تھا کہ مجھے پازیب کی جھنکار نے چونکا دیا۔ دھڑکتے دل سے قریب آتی ہوئی آواز کو سنتا رہا۔ نیم خوابی کی کیفیت کافور ہوگئی۔ حواس جاگ اٹھے۔ میں آنے والی ہستی کو دور سے دیکھ کر ایک ہی نظر میں پہچان گیا۔ یہ وہی پیکر جمال تھی جو خواب میں دوبار نظر آچکی تھی اور اب میرے دیدہ بے خواب کی تعبیر بن کر میرے سامنے آگئی تھی۔ اس نے کہا۔ میں خواب میں نہیں حقیقت میں ہوں۔ میں نے آج تک جس کو چاہا ہے' اسے ضرور حاصل کیا ہے۔ میں تمہارے شباب کو اس ویرانے میں تباہ نہ ہونے دوں گی۔ یہ کہہ کر اس نے ایک توبہ شکن انگڑائی لی اور رقص شروع کردیا۔ میں اس کے حسین جسم کی ہیجان خیز حرکات و سکنات سے باوجود کوشش کے نگاہ نہ ہٹا سکا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کائنات کا سارا حسن سارا کیف

ب ہی منظر میں سمٹ آیا ہے۔ میں بے قابو ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس ارادے سے اس کی طرف ایک قدم بڑھایا تھا کہ اس شعار حسن کو اپنی آغوش میں سمیٹ لوں کہ ایک آواز ئی۔ اے اللہ کی محبت کا دم بھرنے والے کدھر چلا۔ یہ آواز بجلی بن کر میرے حواس پر ری اور اسی آواز سے وہ سارا طلسم ختم ہوگیا پھر نہ وہ رقص تھا نہ وہ حسینہ۔ میں نے فوراً ں پیر کو کاٹ ڈالا جو اس حسینہ کی طرف بڑھا تھا۔ اب میں یہاں پڑا ہوں' پیر کاٹنے سے جو خم پیدا ہوا وہ سارے جسم میں پھیل گیا ہے۔ کیڑے مجھے کھا رہے ہیں اور میں خوش ہوں کہ یہ جسم اسی قابل ہے کہ اسے کیڑے کھائیں۔ وہ جو خدا کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اسے ناپست نہ ہونا چاہیے کہ علائق اس کی محبت کا رخ بدل دیں۔" یہ کہہ کر نوجوان زاہد ہوش ہوگیا۔

ذوالنون مصری نے نوجوان زاہد کا حال سن کر کہا "بے شک' تم زاہد ہو اور واقعی اللہ ے محبت کرتے ہو۔"

نوجوان زاہد نے اپنی تعریف سن کر ایک دردناک آہ بھری اور بولا "ایسا نہ کہیے' میں تو ترین بندہ ہوں۔ اگر آپ واقعی کسی متوکل علی اللہ زاہد سے ملنا چاہتے ہیں تو اس سلسلہ ہسار کی سب سے اونچی چوٹی پر پہنچنے کی کوشش کیجئے۔ وہ بزرگ ایک زمانے سے وہیں ں۔"

ذوالنون مصری سراپا اشتیاق بن کر متذکرہ چوٹی کو سر کرنے کی کوشش میں مصروف وگئے۔ ایک ماہ کی مسلسل کوشش کے بعد آپ وہاں پہنچے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے دیکھا' یک عمر رسیدہ بزرگ لیٹے ہوئے ہیں۔

آپ نے قریب جا کر سلام کیا تو بزرگ نے سلام کا جواب دے کر کہا "الحمدللہ ذوالنون' ٹھیک وقت پر آئے۔" یہ کہہ کر کلمہ طیبہ بلند آواز سے پڑھا اور جان' جان آفریں کے ہرد کردی۔

ذوالنون مصری اس بات پر تو خوش ہوئے کہ ایک کامل بزرگ کی زیارت سے مشرف ئے مگر اس بات کا ضرور ملال ہوا کہ استفادے کا موقع نہ ملا۔ بزرگ کی تدفین کے بعد والنون واپس نوجوان زاہد کے پاس پہنچے پھر اپنے سفر کا حال سنا کر بزرگ کے انتقال کی نائی۔

نوجوان زاہد نے کہا "اللہ ان کے درجات بلند فرمائے۔ ان کا احوال یہ تھا کہ ایک دن ی نے ان سے کہا کہ روزی محنت سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ بات ان پر سخت گراں گزری ونکہ رزاق بغیر اجرت کے رزق عطا فرماتا ہے۔ اسی وقت انہوں نے عہد کرلیا کہ جس وزی میں انسانوں کا ہاتھ ہوگا' وہ ہرگز استعمال نہ کریں گے۔ اس عہد کے بعد وہ پہاڑ پر چلے

گئے۔ مسلسل فاقوں سے بھی جب ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی دستگیری فرمائی اور شہد کی مکھیوں کو حکم دیا کہ وہ پہاڑ پر اپنے چھتے بنائیں چنانچہ ساری زندگی شہد پر ہی ان کا گزارا ہوا۔ تنہائی بڑی نعمت ہے کیونکہ بیشتر فسادات مخلوق سے اختلاط کی وجہ سے جنم لیتے ہیں۔"

ذوالنون مصری نوجوان زاہد سے رخصت ہو کر لبنان کے پہاڑوں سے نکل آئے۔

زاہد اور عابد کی ملاقاتوں کا آپ نے گہرا اثر قبول کیا۔ ذوق و شوق کو پر پرواز مل گئی۔ روح کے اضطراب نے زندان عناصر کی بنیاد ہلادی۔ شہر پہنچے تو دنیا کی رنگینیوں کو دیکھ کر سوچنے لگے۔ انسان نہ جانے کیوں اپنے علم کو قابل توجہ سمجھتا ہے نہ اپنے مشاہدے کو۔ یہ ایک عام سا تجربہ ہے کہ یہاں کسی شے کو ثبات نہیں' ہر شے فنا آثار ہے۔ اپنے کاندھوں پر اٹھا کر لاشیں قبرستان لے جاتے ہیں' اپنے ہاتھوں سے دفناتے ہیں مگر اپنی فناپذیری کے خیال کو ذہن سے جھٹکنے کے لیے کھوکھلے قہقہوں کا سہارا لے کر خود کو فریب دیتے ہیں۔ شہر میں آپ کا جی نہ لگا تو جنگل کی طرف نکل گئے۔ وہاں کچھ پرانے ساتھیوں سے ملاقات ہوگئی۔ وہ ساتھی بھی شہری ہنگاموں سے دور یاد الٰہی کے لیے جنگل میں آگئے تھے۔ ان کا ساتھ آپ کو غنیمت معلوم ہوا۔ ایک دن آپ کے ساتھی ایک تنور بنانے کے لیے گڑھا کھود رہے تھے کہ ایک خزانہ دریافت ہوگیا۔ انہوں نے تمام سونا چاندی باہر نکال لیا۔ اس خزانے میں ایک لوح بھی تھی جس پر اسم ذات اللہ کندہ تھا۔ ساتھی خزانہ پا کر بے حد مسرور تھے۔ پوری دیانت سے خزانے کے پانچ حصے برابر کئے گئے کیونکہ ان کی مجموعی تعداد پانچ ہی تھی۔ چاروں نے اپنے حصوں پر قابض ہونے کے بعد آپ سے بھی اصرار کیا کہ آپ بھی اپنا حصہ لے لیں۔

آپ نے کہا "مجھے اس دولت سے کوئی دلچسپی نہیں' میرا حصہ بھی تم آپس میں تقسیم کرلو۔"

ساتھی بولے "دولت قبول کیجئے' مالی عبادتیں بغیر دولت کے ادا نہیں کی جاسکتیں۔ آپ اس دولت کو صدقات' خیرات اور زکوۃ کی مدوں میں بھی خرچ کرسکتے ہیں۔"

آپ نے کہا "دوستو' الحمدللہ کہ میں غربت سے فقر کی طرف نہیں آیا ہوں۔ میرے پاس دولت بھی تھی اور حصول دولت کے معقول وسائل بھی لیکن دولت میرے مزاج کو راس نہ آئی اور میں نے دولت سے منہ پھیر لیا۔ اب میرا رخ کسی اور سمت ہے۔ اگر تم بضد ہو کہ اس میں سے کچھ ضرور لوں تو لاؤ یہ عقیق کی لوح مجھے دے دو۔"

آپ لوح لے کر اپنے ساتھیوں سے رخصت ہوگئے کیونکہ دولت کا بوجھ اٹھانے والوں کا رخ شہر کی طرف تھا۔ رات جب آپ سوئے تو خواب میں ایک نور بیکراں دیکھا

جس نے پوری کائنات کا احاطہ کر رکھا تھا۔ اسی فضائے نور سے ایک صدا آئی "اے ذوالنون سب نے دولت پسند کی اور تو نے ہمارا نام' ہم نے بھی تجھے پسند کرلیا۔"

پسندیدگی کی سند پا کر ذوالنون لبنان کے جنگل سے واپس ہوئے اور اقطالیہ کی طرف آگئے۔ ایک دن دریا کے کنارے وضو کر رہے تھے کہ دوسرے کنارے پر ایک عالی شان محل نظر آیا۔ محل کے جھروکے میں ایک خوب صورت عورت کو اپنی طرف متوجہ پایا۔ دریا پر آپ نے وضو سے پہلے کوئی محل نہیں دیکھا تھا۔ محل کا اچانک سامنے آنا باعث تعجب تھا۔ آپ وضو کر کے دریا میں اتر گئے اور تحقیق حال کے لیے دوسرے کنارے پر پہنچے۔ محل بدستور اپنی جگہ موجود تھا اور وہ حسینہ اب بھی پوری توجہ سے آپ کو دیکھ رہی تھی۔ آپ جب محل سے اتنے قریب پہنچ گئے کہ وہ حسین عورت آپ کی بات آسانی سے سن سکے تو اس سے مخاطب ہو کر فرمایا "یہ سب طلسم کیا ہے؟ میری طرف اس التفات خصوصی کی وجہ بیان کرو۔"

اس نے بلا تکلف جواب میں کہا "دور سے میں نے تمہیں دیکھا تو تمہیں دیوانہ سمجھا۔ جب کچھ اور قریب ہوئے تو یہ گمان گزرا کہ تم عالم ہو۔ جب بالکل ہی قریب آگئے تو میں سمجھی کہ تم عارف ہو مگر جب تم مجھ سے مخاطب ہوئے تو مجھے یقین آگیا کہ تم نہ دیوانے ہو نہ عالم اور نہ عرفان ہی سے بہرہ یاب ہو۔"

یہ بات سن کر آپ نے مزید وضاحت چاہی۔

"اگر تم دیوانے ہوتے تو وضو نہ کرتے کیونکہ دیوانگی وضو کی مکلف نہیں ہوتی۔ عالم' نامحرم پر نظر نہیں ڈالتے اور اہل معرفت خدا کے سوا کسی کو قابل توجہ نہیں سمجھتے۔" اس نے جیسے ہی یہ بات مکمل کی نہ حسینہ رہی نہ محل۔ آپ نے اس مشاہدے کو ہادی برحق کی طرف سے ہدایت سمجھ کر سجدہ شکر ادا کیا۔

اقطالیہ سے آپ عازم دمشق ہوئے۔ آپ نے راہ میں مریضوں کو ہجوم در ہجوم ایک پہاڑ پر جاتے ہوئے دیکھا تو ایک مریض سے دریافت کیا "یہ سب لوگ اس پہاڑ پر کیوں جارہے ہیں؟"

مریض نے بتایا "پہاڑ پر ایک بزرگ قیام پذیر ہیں۔ ۱۴ شعبان کو سال میں صرف ایک بار وہ اپنی غار والی عبادت گاہ سے باہر تشریف لاتے ہیں اور جس مریض پر بھی دم کرتے ہیں اللہ کی رحمت سے شفایاب ہوجاتا ہے۔"

آپ بھی مریضوں کے ساتھ پہاڑ پر پہنچے۔ رات وہیں بسر کی ۱۴ شعبان کا سورج طلوع ہوا تو ایک بزرگ غار سے برآمد ہوئے۔ وہ نہایت نحیف و نزار اور اس قدر معمر تھے کہ پلکیں تک سفید ہوچکی تھیں۔ وہ آکر ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔ مریض قطار میں مودب کھڑے

ہوئے تھے۔ ایک ایک مریض ان کے سامنے جاکر کھڑا ہوجاتا۔ وہ دم کرتے اور مریض کو مرض سے نجات مل جاتی۔ آپ سراپا تحیر بنے یہ منظر دیکھتے رہے۔ ہزاروں مریض شفایاب ہوگئے اور کوئی مریض باقی نہ رہا تو وہ بزرگ غار میں جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ذوالنون مصری نے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا اور کہا "آپ جسمانی امراض دور کر چکے' اب ذرا میرے روحانی امراض پر بھی توجہ فرمایئے' میں شفا کا طالب ہوں۔"

بزرگ نے کہا "اے ذوالنون' میرا ہاتھ چھوڑ دے' اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ تو نے اس کا دست کرم چھوڑ کر دوسرے کا ہاتھ تھام لیا ہے۔" بزرگ اپنا ہاتھ چھڑا کر غار میں داخل ہوگئے۔

ذوالنون مصری کے لیے بزرگ کی بات ایسا تازیانہ ثابت ہوئی کہ دل کی گہرائیوں سے درد کی ایک ٹیس سی اٹھی جس نے ان کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ آپ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تڑپتے بے ہوش ہوگئے۔ جب ہوش آیا تو رات ہوچکی تھی۔ آپ وہیں مصروف عبادت رہے۔ صبح نماز کے بعد پہاڑ سے نیچے آنے کا ارادہ کرکے اٹھنا ہی چاہتے تھے کہ ایک ہرن چوکڑیاں بھرتا ہوا آپ کے پاس آیا۔ اس کے منہ میں انگور کے خوشے اور سیب کی ڈالیاں دبی ہوئی تھیں۔ اس نے نصف انگور اور نصف سیب آپ کے پاس غار میں ڈال دیے اور نصف حصہ منہ میں دبائے ہوئے غار میں داخل ہوگیا۔ غار والے بزرگ کی اس ضیافت کو آپ نے قبول کرلیا اور پہاڑ سے اتر کر اپنی راہ لی۔ راستے میں دریا پڑا۔ آپ کشتی میں سوار ہوگئے۔ ابھی کچھ فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ ایک تاجر نے شور مچانا شروع کردیا "میرا قیمتی موتی چوری ہوگیا ہے۔ میں سب کی تلاشی لوں گا۔"

متمول تاجر کے اس مطالبے کو سب نے مان کر تلاشی دے دی مگر موتی برآمد نہ ہوا۔ بظاہر سب سے زیادہ مفلوک الحال ذوالنون تھے۔

تاجر نے آپ پر ہی الزام لگایا "میرا موتی اسی نے لیا ہے اور اسے کہیں چھپا دیا ہے۔"

آپ نے کہا "میں نے تمہارا موتی نہیں چرایا ہے' جھوٹا الزام نہ لگاؤ۔"

ایک شخص بولا "یہ باتوں سے ماننے والا نظر نہیں آتا' اس پر تشدد کرو' تشدد کے بغیر یہ موتی واپس نہیں کرے گا۔"

تاجر نے بھی اس بات سے اتفاق کیا۔ اب کشتی میں ایک ایسی فضا پیدا ہوگئی جس میں ظلم کے امکانات روشن ہوگئے۔ یہ فضا دیکھ کر ذوالنون مصری نے کہا "اچھا ٹھہر جاؤ' میں تمہیں موتی دیتا ہوں۔"

آپ کی بات سن کر لوگوں نے قہقہے لگاتے ہوئے کہا "نسخہ کارگر رہا۔ چور کچا معلوم ہوتا ہے' دھمکی سے ہی کام نکل گیا۔"

تاجر نے ڈانٹ کر آپ سے کہا "موتی جلدی نکالو۔"

آپ نے بلند آواز میں کہا "اے دریا کی مچھلیو' اس تاجر کو ایک موتی دے دو۔"

ابھی آپ کا جملہ پورا ہوا تھا کہ ہزاروں مچھلیوں نے دریا کی سطح سے اپنے اپنے منہ نکالے۔ ہر مچھلی کے منہ میں ایک گوہر آبدار موجود تھا۔ آپ نے فرمایا "پہچانو' اس میں تمہارا کون سا موتی ہے اور لے لو۔"

یہ منظر دیکھ کر کشتی کے مسافر دنگ رہ گئے اور تاجر آپ کے قدموں پر گر گیا۔ ہر طرف سے لوگ دست بوسی کے لیے ٹوٹ پڑے۔

اس صورت حال سے گھبرا کر آپ دریا میں اتر گئے اور پانی پر چلتے ہوئے کشتی سے دور ہوگئے اور کہا "اگر عافیت چاہتے ہو تو میرا تعاقب نہ کرنا۔ میں نے تم سب کی زیادتی کو معاف کردیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بھی یہی درخواست ہے کہ وہ بھی تم کو معاف فرمادے۔"

آپ دمشق پہنچ کر رکے نہیں بلکہ فوراً ہی بیت المقدس کے لیے روانہ ہوگئے کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ اگر کشتی کے ہم سفروں میں سے کسی نے دیکھ لیا تو لوگ پیچھا نہ چھوڑیں گے۔ آپ نے بیت المقدس کی طرف سفر جاری رکھا تھا کہ راستے میں ایک عورت مخالف سمت سے آتی ہوئی ملی۔ اس نے پوچھا "تم کون ہو؟"

آپ نے فرمایا "میں بے کس مسافر ہوں۔"

عورت نے تعجب سے کہا "کیا حق تعالیٰ کا وجود ہونے کے باوجود بھی کوئی شخص غربت وبیکسی کے غم میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ جب کہ وہ سب بیکسوں کا مونس وغمخوار اور بے یارومددگار کا سہارا ہے؟"

عورت کی بات سن کر آپ پر گریہ طاری ہوگیا۔

عورت نے پوچھا "روئے کیوں؟"

آپ نے کہا "دوا بالکل مرض کے مطابق مل گئی اور میں اچھا ہوگیا۔"

عورت بولی "اگر تم اپنے اس کلام میں سچے ہو تو تمہیں رونا نہیں چاہیے۔"

آپ نے کہا "کیا سچے آدمی رویا نہیں کرتے؟"

"بے شک سچے آدمی رویا نہیں کرتے؟"

آپ نے پوچھا "یہ کیوں؟"

عورت نے کہا "رونا قلب کے لیے راحت ہے' سرور ہے۔ آنسو سنبھال کر رکھو۔ عارفوں کے نزدیک رونا ضعف کی علامت ہے۔"

آپ یہ بات سن کر ششدر رہ گئے۔

عورت نے آپ کی یہ حالت دیکھی تو پوچھا "حیران کیوں ہو؟"

آپ نے کہا "تمہارے کلام سے۔"

عورت بولی "اس زخم کو بھول گئے جو تمہاری گفتگو سے میرے دل پر لگا۔ خود کو بیکس و غریب کہنا کیا اللہ تعالیٰ کی ناشکری نہیں؟"

آپ نے التماس کی "کوئی اور نفع بخش نصیحت کیجئے۔"

عورت نے کہا "حکیم مطلق نے جو کلمات حکمت میرے ذریعے تمہیں سنوائے' کیا ان کی افادیت تمہارے نزدیک مشتبہ ہے؟"

آپ نے کہا "آپ نے جو کچھ فرمایا اس کی افادیت میں کوئی کلام نہیں لیکن میں تو خیر کا حریص ہوں۔"

عورت نے کہا "یہ بات تم نے ٹھیک کہی۔ اپنے پروردگار سے محبت بڑھاتے رہو۔ ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ وہ اپنی تجلیوں کے لازوال کیف سے تمہیں سیراب کر دے گا۔" یہ کہہ کر وہ عورت آگے بڑھ گئی۔

ذوالنون مصری پھر اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔ ابھی آپ نے چند فرسخ کا فاصلہ طے کیا تھا کہ ایک اور ضعیفہ آتی ہوئی دور سے ہی نظر آئی۔ آپ نے سوچا۔ میں ان سے بھی بات کروں گا۔ قریب آئیں تو دیکھا کہ وہ اون کا جبہ پہنے ہوئے ہیں۔ ان کے ایک ہاتھ میں کوزہ اور ایک ہاتھ میں عصا ہے۔

آپ نے ان ضعیفہ سے پوچھا "کہاں سے آرہی ہو؟"

جواب ملا "خدا کی طرف سے۔"

آپ نے سوال کیا "کہاں جارہی ہو؟"

"خدا کی طرف۔" ضعیفہ نے جواب دیا۔

آپ نے اپنا کل اثاثہ جو ایک دینار پر مشتمل تھا جیب سے نکال کر ضعیفہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہا۔

اس نے ایک تھپڑ رسید کیا اور کہا "اے ذوالنون' خدا کی جو صورت تو نے اپنے دل میں بنا رکھی ہے وہ تیری کم عقلی پر دلالت کرتی ہے۔ میں خدا ہی کے لیے زندہ ہوں اور اس کے سوا کسی سے کوئی چیز طلب نہیں کرتی۔ جس طرح میں اس کی بندگی میں کسی کو شریک نہیں کرتی اسی طرح اس کے سوا کسی سے کچھ نہیں لیتی۔" یہ کہہ کر ضعیفہ نے اپنا کوزہ زمین سے اٹھایا اور راہ لی۔

ذوالنون مصری بیت المقدس پہنچے اور مقامات مقدسہ پر حاضری دی۔ تین سال وہاں عبادت و ریاضت میں مصروف رہ کر مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔

ایک دن آپ کا ایک بستی میں قیام ہوا۔ رات جب مسجد میں مصروف عبادت تھے تو

قریب سے دف پر عشقیہ گانے کی آواز آئی۔ اپنے معمولات پورے کرکے' آپ آواز کا تعاقب کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچ گئے جہاں محفل سماع گرم تھی۔ صوفیوں نے آپ کو ایک نمایاں مقام پر بٹھانا چاہا مگر آپ ایک گوشے میں بیٹھ گئے۔

جب محفل سماع ختم ہو گئی تو آپ نے صوفیوں سے پوچھا "کیا آپ حضرات مجھے یہ بتانا گوارا کریں گے کہ اس سماع کے نتیجے میں جو ابھی سنا ہے' آپ کو کیا فائدہ حاصل ہوا؟"

ایک صوفی نے جواب دیا "ہم اپنی آتش عشق کو بھڑکا رہے تھے۔"

"اس مقصد میں کہاں تک کامیابی ہوئی' کتنے حجابات اٹھے' قرب کا احساس کتنا قوی ہوا؟ آتش عشق نے کتنے علائق کو جلا کر خاک کیا؟" آپ نے پوچھا۔

حاضرین حیرت سے آپ کا منہ تکنے لگے۔

آپ نے ان کے استعجاب کو نظر انداز کرتے ہوئے مزید کہا "طالب حق کی پہلی منزل تزکیہ نفس اور صفات قلب ہے۔ جب تک یہ دو کام پورے نہ ہو جائیں' اللہ کی محبت کا چراغ دل میں روشن نہیں ہوتا۔ تزکیہ نفس کے لیے صرف ایک ہی نسخہ کارگر ہے' اس کے علاوہ جتنے بھی طریقے ہیں ناقص ہیں۔ اگر تزکیہ نفس مطلوب ہے تو اتباع شریعت کا اہتمام کرو اور اتباع کو اس طرح اپنا مزاج بنا لو کہ ہر معاملے میں خود آرائی کالعدم ہو جائے۔ زندگی جیسے ہی وحی الٰہی کی تابع ہو جائے گی' تزکیہ نفس کی بھی تکمیل ہو جائے گی اور محبت الٰہی کا نور تمہیں منور کر دے گا۔ اس مرحلے سے گزرنے کے بعد محبت حق کے فروغ کی خاطر سماع بھی ایک وسیلہ ہے۔ اگر تزکیہ نفس کے بغیر سماع کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ نفس کی شرارتوں سے محفوظ رہ سکو۔"

حاضرین میں سے پانچ آدمی آپ کے سامنے آکر بیٹھے اور توجہ کے طالب ہوئے۔ آپ نے ان کے قلوب پر توجہ سے اپنی کیفیات کا عکس ڈالا تو وہ بے ہوش ہو گئے۔

آپ یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے "میں مسجد جارہا ہوں یہ ہوش میں خود ہی آجائیں گے۔ انہیں بتا دینا کہ میں مسجد میں ہوں۔"

حاضرین بزم سماع کی اکثریت نماز فجر میں حاضر تھی۔ نماز کے بعد سب آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ جب آپ اس بستی سے چلے تو وہ پانچوں افراد جو آپ کی توجہ سے سرفراز ہو چکے تھے آپ کے ساتھ ہو لیے۔

جب آپ اپنے رفقا کے ساتھ ایک کشتی میں بحیرہ احمر کو عبور کر رہے تھے تو قریب سے ایک کشتی اور گزری۔ اس میں بے فکر نوجوان لہو و لعب اور گانے بجانے میں مصروف تھے۔ نوجوانوں نے درویشوں کو دیکھا تو ان کی رگ ظرافت پھڑکنے لگی۔ پہلے تو نازیبا فقرے چست کیے پھر کھجور کی گٹھلیوں سے درویشوں کو ہدف بنایا۔ دل آزاری کا ہر وہ طریقہ جو ان

کے بس میں تھا اٹھانہ رکھا۔ آپ کے ساتھی بہت آرزدہ خاطر ہوئے۔

نوجوانوں کی کشتی آگے نکل گئی تو ساتھیوں نے آپ سے مطالبہ کیا "ان بدقماشوں کے حق میں بددعا کیجئے کہ یہ غرق ہو جائیں۔ اگر یہ باقی رہے تو نہ جانے اور کتنے لوگوں کو ستائیں گے۔"

پہلے، تو آپ سنی ان سنی کرتے رہے مگر جب اصرار بہت ہی بڑھ گیا تو آپ نے ہاتھ اٹھالیے۔ مطالبہ کرنے والوں کے چہرے پر کامیابی کی رونق سی آگئی۔ آپ نے دعا فرمائی

"اے میرے رب کریم' یہ نوجوان جس طرح مجھے یہاں شادو خرم اور تمام غموں سے بے نیاز نظر آتے ہیں' اپنی رحمت سے انہیں جنت میں بھی اس سے بھی زیادہ شادو خرم دکھانا۔"

بددعا کے بجائے دعا کے یہ کلمات سن کر مرید حیران رہ گئے۔

"مریض کا درد دور کرنا ہی حکمت ہے اور مریض کو دریا برد کرنا ظلم ہے۔ خوش ہو جاؤ کہ تمہاری بات بھی رہ گئی' ان کا کام بھی بن گیا۔" آپ نے مریدوں کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

اسی وقت ایک مرید نے متوجہ کیا "حضرت' وہ واپس آرہے ہیں۔"

"بے شک' اللہ بڑا کریم ہے۔ اپنے عاجز بندے کی دعا کس قدر جلد قبول فرمائی۔" آپ نے کہا۔

نوجوانوں کی کشتی آپ کی کشتی سے آکر لگ گئی۔ نوجوان کود کود کر آپ کی کشتی میں آگئے اور اپنے نارواسلوک پر دلی معذرت پیش کی۔ سب نے تائب ہو کر آپ سے بیعت کرلی۔ ان میں ایک لڑکا یتیم تھا۔ اس نے باپ سے ورثے میں بہت دولت پائی تھی۔

اس یتیم لڑکے نے آپ سے درخواست کی "آپ مجھے اجازت دیجئے کہ ساری دولت غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر کے آپ کے ساتھ ہی رہوں۔"

"ابھی تم نابالغ ہو۔ تمہارے اس فیصلے کا ابھی کوئی اعتبار نہیں۔ میں تمہیں اس امر کی اجازت نہیں دے سکتا۔ تم اپنے بالغ ہونے کا انتظار کرو۔ اگر تمہارا جذبہ خیر اس وقت تک برقرار رہے تو میری طرف سے اجازت ہے۔ تم مطمئن رہو' ہم پھر بھی ملیں گے۔" آپ نے لڑکے سے فرمایا۔

مصر پہنچ کر آپ اخمیم پہنچے۔ والدہ کا انتقال ہو چکا تھا اور بہن بھی گھر پر موجود نہ تھیں۔

آپ نے پڑوسیوں سے پوچھا "عاطفہ کہاں ہے؟"

معلوم ہوا کہ عاطفہ ایک دن قرآن حکیم کی تلاوت کر رہی تھیں۔ انہوں نے پہلے پارے کی اس آیت کو تلاوت کیا۔ ترجمہ (آیت ۵۶)

اور ہم نے تمہارے اوپر ابر کا سایہ کر دیا اور ہم نے تمہارے اوپر من و سلویٰ اتارا'

کھاؤ۔ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں۔"

آیت پڑھ کر عاطفہ نے سوچا کہ جب بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے من و سلویٰ اتارا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس انعام سے کیسے محروم رہ سکتی ہے۔ رفتہ رفتہ ان کی یہ سوچ اس قدر راسخ ہو گئی کہ انہوں نے طے کرلیا کہ اب نہ کھانا پکائیں گی' نہ خریدیں گی۔ آسمان سے جب من و سلویٰ اترے گا تب ہی کھائیں گی۔ جب ان کی بھوک شدید ہو گئی تو من و سلویٰ اترا جسے انہوں نے خود کھایا اور ہمیں بھی کھلایا۔ اس دن کے بعد سے من و سلویٰ پر ہی ان کا گزارا ہوتا رہا اور پھر ایک دن وہ علائق دنیا کو خیرباد کہہ کر صحرا کی جانب نکل گئیں۔ اس کے بعد ان کا کوئی پتا نہ چلا۔

ذوالنون مصری یہ احوال سن کر بہت مسرور ہوئے اور کہا "الحمدللہ کہ عاطفہ نے یقین کی منزل چشم زدن میں پالی۔"

اخمیم کے باشندوں کو آپ کی آمد کے بارے میں علم ہوا تو آپ کو گھیر لیا۔ آپ کی وضع قطع اور کم سخنی کی ادا سے آپ کی سابقہ زندگی پوشیدہ ہو کر رہ گئی تھی۔ اچھی طرح جاننے والے بھی آپ کو بہ مشکل پہچان سکے۔ آپ نے لوگوں سے استاد محترم طاہر شامی کی خیریت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ وہ علیل ہیں۔ آپ اسی وقت ان کی عیادت کے لیے روانہ ہو گئے۔ بہت سے لوگ جن میں بیت الحکمت کے بعض اساتذہ بھی تھے' آپ کے ساتھ ہو لیے۔ طاہر شامی کے گھر پر ایک بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ مشتعل افراد چیخ چیخ کر ایک دوسرے کو سخت سست کہہ رہے تھے۔ ذوالنون مصری قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ طاہر شامی کے نوجوان لڑکے نے گھونسا مار کر اپنے ساتھی کا کوئی دانت توڑ دیا ہے۔ مجروح اور اس کے رشتے دار انتقام لینا چاہتے تھے۔ آپ نے بڑھ کر ان کے غصے کو اپنی نرم کلامی سے ٹھنڈا کیا۔

مجروح لڑکے کا باپ بولا "میں آپ کے کہنے سے معاف کیے دیتا ہوں مگر میرے بیٹے کا ٹوٹا ہوا دانت اس کے لیے ایک مستقل عیب بن گیا ہے۔"

"ٹوٹا ہوا دانت کدھر ہے؟" آپ نے کہا۔

مجروح لڑکے نے اپنا دانت آپ کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ آپ نے اسے چٹکی سے پکڑا اور اپنے لعاب دہن سے تر کیا اور پھر مجروح لڑکے سے منہ کھولنے کو کہا۔ جب لڑکے نے منہ کھولا تو آپ نے دانت اس کی جگہ پر رکھ کر کچھ پڑھا اور ہاتھ ہٹالیا۔ دانت پہلے ہی کی طرح مضبوطی سے جم گیا اور کسی قسم کا زخم یا درد بھی باقی نہ رہا۔ لڑکے نے دانت کو صحیح حالت میں پا کر اپنے باپ کو دکھایا اور پھر پورا مجمع اس دانت کو دیکھنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔

آپ طاہر شامی کی عیادت کے لیے ان کے گھر میں تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ ان کا ایک ہاتھ اور ایک پیر مفلوج ہے۔ شاگرد کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں محبت کے آنسو بھر

آئے۔ آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور مفلوج اعضا پر ہاتھ پھیرنے لگے' ساتھ ہی گھر کی خیریت دریافت کرتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے اور اجازت چاہی۔

طاہر شامی نے کہا "اب کب آؤ گے؟"

"شاید اب میرا آنا ادھر نہ ہوگا۔ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔" آپ نے فرمایا۔

طاہر شامی نے آبدیدہ ہو کر کہا "ہوائے شوق کو کون زنجیر کر سکتا ہے۔ فی امان اللہ۔"

ذوالنون مصری نے کہا "کیا گھر کے باہر تک بھی مجھے رخصت کرنے نہیں چلیں گے؟"

"دل تو یہی چاہتا ہے مگر میں مفلوج ہوں۔" طاہر شامی بولے۔

"آپ اپنے دل کا تقاضا پورا کریں کیونکہ آپ اچھے ہو چکے ہیں۔"

طاہر شامی نے ہاتھ اور پیر کو حرکت دی تو وہ حرکت میں آگئے۔ انہوں نے اٹھ کر فوراً شاگرد کو سینے سے لگالیا اور بولے "ذوالنون' اللہ تمہارے درجات اور بلند فرمائے۔ واقعی تم نے اللہ کو پاکر سب کچھ پالیا اور ہم دنیا کی آرزوؤں میں اور زیادہ محتاج ہو گئے۔"

اخمیم سے آکر آپ مصر میں قیام پذیر ہو گئے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کر دیا۔

ان دنوں مصر' عباسی خلیفہ متوکل علی اللہ کی حدود سلطنت میں شامل تھا۔ یہ پہلا عباسی خلیفہ تھا جس نے آئمہ اربعہ میں سے شافعیؒ فقہ کا اتباع کیا تھا۔ امام شافعیؒ کا زمانہ تو اس نے نہیں پایا لیکن ان کی محبت میں بے حد غلو میں مبتلا تھا۔ احیائے سنت اس کا بڑا کارنامہ ہے۔ علما اور فقہا کی اس کے یہاں بڑی قدر و منزلت تھی۔

ذوالنون مصری بادہ توحید سے سرشار تھے۔ وہ زہد و ورع' عرفان اور محبت کی منزلوں سے گزر کر منزل جمیل تک پہنچے تھے۔ آپ نے اپنی مجلسوں میں اولیا اللہ کے مقامات پر روشنی ڈالنی شروع کی۔ اس روشنی نے ظاہر بین علما اور فقہا کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ ذوالنون مصری سے پہلے اولیا کے مقامات کو واشگاف الفاظ میں کسی نے بیان نہیں کیا تھا۔ آپؒ کی توضیحات کو پہلے تو بدعت کہہ کر غیر موثر بنانے کی سعی ناکام ہوئی پھر یہ آزمودہ حربہ نہ چلا تو عبداللہ بن حکم اور امام مالکؒ کے اصحاب ان کی کھل کر مخالفت کرنے لگے۔ مخالفت اس حد تک بڑھی کہ ذوالنون مصری کو وہ زندیق کہنے لگے۔ ذوالنون مصری اولیا اللہ کے احوال و مقامات کے لیے کیا کہتے تھے' ان میں سے چند اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔

اولیا اللہ شہروں اور شہروں میں بسنے والوں کے محافظ ہیں۔

اولیا اللہ کی وجہ سے زمین قائم ہے۔

اولیا اللہ صرف اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔

اولیا اللہ کے دروازے سے اس وقت تک نہ اٹھو جب تک نسبت حق مستحکم نہ ہو جائے۔

اولیا اللہ معیت الٰہی کی تجلیوں میں چھپے رہتے ہیں۔

اولیا اللہ کے طفیل بارش ہوتی ہے۔ انہی کی برکت سے زمین سرسبز ہوتی ہے۔ انہی کے صدقے میں مصیبتیں اور بلائیں دور ہوتی ہیں۔

اولیا اللہ دنیا سے بے نیاز ہو کر اللہ تعالیٰ سے اسی کو طلب کرتے ہیں۔

اولیا اللہ کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنے کے لیے پیدا کیا ہے۔

اولیا اللہ شریعت کے ہاتھوں سے حسب ضرورت دنیا لیتے ہیں۔

اولیا اللہ کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔

اولیا اللہ ایمان سے ایقان کی طرف' ایقان سے ولایت بدلیہ کی طرف' ولایت بدلیہ سے ولایت غیبیہ کی طرف اور ولایت غیبیہ سے ولایت قطبیہ کی طرف منزل بہ منزل سفر کرتے ہیں۔

اولیا اللہ قیامت تک حضور اکرمؐ کی نیابت کرتے رہیں گے۔

مصر میں ذوالنون مصری کے معتقدین اور عبداللہ بن حکم کے ہم خیالوں میں کشیدگی بڑھ گئی۔ اس وقت پورے عالم اسلام میں فقہا اور اہل حدیث کا سکہ چلتا تھا۔ عشق الٰہی میں وارد ہونے والی کیفیات کے بیان پر کوئی کیا توجہ دیتا' عشق الٰہی کی اصطلاح تک ہدف تضحیک تھی۔

عبداللہ بن حکم' امیر مصر سے ایک وفد کے ساتھ ملا اور مطالبہ کیا کہ ذوالنون مصری کی زباں بندی کی جائے۔ امیر' خود ذوالنون مصری کا معتقد تھا۔ اس نے وفد کو خوب صورتی سے ٹال دیا اور دلنشیں پیرائے میں یہ بات کہی کہ ذوالنون مصری کی باتیں ناقابل فہم ضرور ہیں مگر ان کی باتوں کو وہ قابل مواخذہ نہیں سمجھتا۔

عبداللہ بن حکم نے واپس آکر ایک وفد خلیفہ متوکل علی اللہ کی خدمت میں بغداد بھیجا۔ وفد نے خلیفہ کے سامنے بڑھا چڑھا کر ذوالنون مصری کا مقدمہ پیش کرتے ہوئے کہا "ظل الٰہی امیر المومنین تو احیائے سنت کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں اور ذوالنون مصری بدعات کے فروغ میں اس طرح منہمک ہیں کہ ہر روز کچھ لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ خلیفہ متوکل یہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا۔ امیر مصر کو فوراً حکم بھیجا کہ ذوالنون مصری کو پابجولاں اس کے پاس بھیجا جائے۔ وہ بدعت کے فروغ کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ خلیفہ نے امیر مصر کو لکھا۔ "تحقیق حال کے بعد ہم تمہارا بھی محاسبہ کریں گے کہ تم نے ایک بدعتی کو اتنی کھلی چھوٹ کیسے دے دی کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرتا رہا۔"

امیر مصر کو جب دربار خلافت کے احکامات موصول ہوئے تو اس نے ذوالنون مصری کو گرفتار کر کے پابجولاں بغداد کی طرف روانہ کر دیا۔

راستے میں ایک ضعیفہ ملی۔ اس نے سپاہیوں سے کہا "رک جاؤ' میں ذوالنون مصری سے ذرا دو باتیں کرنا چاہتی ہوں۔" سپاہی رک گئے تو ضعیفہ نے کہا "جب تم متوکل کے پاس پہنچو تو اس سے مرعوب نہ ہونا اور یہ نہ سمجھنا کہ وہ مرتبے میں تم سے بڑا ہے۔ تم اپنے نفس کی طرف سے کوئی مدافعت اور جواب وہی نہ کرنا خواہ الزام درست ہو یا غلط کیونکہ اگر تم اس سے مرعوب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ اسے تم پر مسلط کر دے گا۔ اگر تم نے اپنے نفس کی طرف سے مدافعت کی تو ایسا کرنا تمہارے لیے وبال اور عذاب کا سبب ہوگا۔ ہاں اگر تم فی الواقع عائد کردہ تہمت سے بری ہو تو اللہ تعالیٰ سے اپنے حق میں دعا کرنا۔ اگر تم نے میری نصیحت پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ تمہارے معاملے کو تمہارے سپرد کر دے گا۔"

ضعیفہ کی نصیحت سن کر آپ نے اس کی باتوں پر عمل کرنے کا وعدہ کر لیا۔ جب ذوالنون متوکل کے دربار میں پہنچے تو باقاعدہ سلام کیا۔

خلیفہ نے دریافت کیا "تمہارے متعلق کہا جاتا ہے کہ تم ایسی باتیں کرتے رہتے ہو جو صریحاً کفر ہیں۔ تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟" متوکل کی بات سن کر ذوالنون مصری خاموش رہے۔

وزیر نے آپ کو خاموش دیکھا تو کہا "معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے ان کے متعلق خبر پہنچائی ہے' وہ درست ہے۔"

متوکل نے کہا "ذوالنون مصری تم بولتے کیوں نہیں؟"

آپ نے کہا "امیرالمومنین' اگر میں انکار کروں اور یہ کہوں کہ میں نے کفریہ کلمات نہیں کہے تو ان سادہ لوح مسلمانوں کی تکذیب لازم آئے گی جنہوں نے یہ خبر پہنچائی ہے۔ اس کے برعکس اگر میں اقرار کروں اور یہ کہوں کہ میں نے کفریہ کلمات ادا کئے ہیں تو میں اپنے نفس پر جھوٹا الزام لگاؤں گا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میرا نفس اس سے بری ہے۔"

متوکل باللہ پر اس کلام کا ایسا اثر ہوا کہ آپ کو بری کر دیا اور کئی دن تک اپنا مہمان رکھا۔ دوران قیام بغداد میں متوکل باللہ سے آپ کی بہت سے موضوعات پر گفتگو ہوئی اور اسے ایسا محسوس ہوا کہ گمان یقین بن گیا ہے۔ وہ مسائل کے خارزار سے نکل کر عقائد کے ایسے باغ میں آ گیا ہے جہاں ہر طرف ایمان کی بہاریں دامن کش توجہ ہیں۔ متوکل باللہ نے بہت اصرار کیا کہ آپ بغداد میں قیام فرمائیں مگر آپ وہاں سے رخصت ہو گئے۔ مختلف شہروں میں ہدایت کی تجلیاں لٹاتے ہوئے آپ ۲۴۵ھ میں جیزہ پہنچے اور ایک مسجد میں معتکف ہو گئے۔ یہاں آپ کو کوئی نہیں جانتا تھا مگر خوشبو اپنے تعارف کے لیے کسی وسیلے کی محتاج نہیں ہوتی۔ آپ کے اطراف مخلوق خدا کا ہجوم ہو گیا لیکن آپ نہ کسی سے نذر قبول کرتے

نہ دعوتوں کو اپنے لیے مباح سمجھتے۔ ایک دن آپ اپنے حجرے میں تھے کہ ایک نوجوان صوفی حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ وہ' یتیم امیرزادہ تھا جس نے اپنی ساری دولت اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آپ کے ساتھ رہنا چاہا تھا۔

آپ نے کہا "اچھا ہوا کہ تم نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں دے دیا۔"

اس نے یہ بات سن کر کہا "مگر افسوس ہے اگر آج میرے پاس کچھ ہوتا تو آپ کی خدمت میں نذر کرتا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ بھی ضرورت مند ہیں۔"

آپ اس کی بات سن کر مسکرائے اور کہا "جاؤ مٹی گوندھ کر ایک مالا بناؤ۔"

اس نے مٹی کی گولیاں بنائیں اور انہیں ایک تاگے میں پرو کر حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے کچھ قرآنی آیات پڑھ کر اس پر دم کیا تو مٹی کی مالا' یاقوت کی مالا بن گئی۔

آپ نے کہا "اللہ کے بندوں کی نظر میں دولت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ فقر و مسکینت کو ہم نے اللہ کے لیے خود قبول کیا ہے۔" نوجوان نے اس درس سے پورا پورا استفادہ کیا اور آخر کار کاملین میں شامل ہو گیا۔

آپ کی خدمت میں ایک شخص ایسا بھی آیا کرتا تھا جو اولیائے کرام کی کسی فضیلت کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔ ایک دن آپ نے اسے اپنی انگوٹھی دی اور کہا "اسے نان بائی کے ہاتھوں بیچ آؤ۔"

وہ شخص کئی نان بائیوں کے پاس گیا مگر کوئی دو روٹی کے عوض بھی انگوٹھی لینے کو تیار نہ ہوا۔

وہ ناکام واپس آیا تو آپ نے کہا "انگوٹھی کسی جوہری کے پاس لے کر جاؤ اور اس کی قیمت معلوم کر کے آؤ۔"

وہ شخص ایک جوہری کے پاس پہنچا اور اس انگوٹھی کی قیمت پوچھی۔

جوہری نے کہا "اس کے عوض پانچ دینار سرخ دے سکتا ہوں۔" مگر جب وہ چلنے لگا تو جوہری نے کہا "آٹھ دینار سرخ لو گے۔"

اس شخص نے پھر بھی انگوٹھی فروخت نہ کی۔ وہ انگوٹھی لیے ہوئے واپس آپ کی خدمت میں آیا اور قیمت بتائی۔

آپ نے کہا "نان بائی اس انگوٹھی کی قیمت سے ناآشنا تھا اس لیے اس نے انگوٹھی نہ لی۔ جوہری اس کی قدر و قیمت سے آشنا تھا اس لیے وہ آٹھ دینار سرخ دینے پر آمادہ ہو گیا۔ تم اولیائے کرام سے واقف ہی نہیں ہو تو ان کی فضیلت کو کیسے تسلیم کر سکتے ہو؟"

آپ کے ایک ارادت مند نے آپ کے بتائے ہوئے طریقے پر چالیس سال عبادت و ریاضت میں گزار دیے تھے۔ وہ حاضر خدمت ہو کر کہنے لگا "آج تک اللہ سے شرف ہم

کلامی تک سے محروم ہوں۔ چالیس سالہ عبادت بھی کسی کام نہ آئی۔"
آپ نے کہا "آج جی بھر کر انواع و اقسام کی نعمتیں کھاؤ اور بغیر نماز پڑھے سو جاؤ۔"
اس نے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں کھانا تو پیٹ بھر کے کھا لیا مگر اسے ترک نماز کی جرات نہ ہوئی۔ وہ نماز پڑھ کر سو گیا۔ خواب میں رسول کریمؐ تشریف لائے اور فرمایا "اللہ تعالیٰ بعد سلام کے فرماتا ہے کہ ہماری بارگاہ سے نہ امید ہونے والا مرد نہیں ہے۔ میں تیری چالیس سالہ عبادت کا تجھے بہتر صلہ ضرور دوں گا مگر ذوالنون کو بھی رسوا کروں گا کہ اس نے ہمارے راز کے چہرے سے نقاب اٹھا دیا۔"
۲۴۸ھ میں ایک شب مصر کے ستر اولیا کرام کو بیک وقت حضور کی زیارت ہوئی۔ حضور نے ان سے فرمایا "میں اللہ کے دوست ذوالنون مصری کے خیر مقدم کی خاطر آیا ہوں۔"
اسی رات ذوالنون مصری نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ صبح آپ کے وصال کی خبر دور دور تک عام ہو گئی۔ آپ کے جنازے میں اتنے افراد شریک ہونے آئے کہ مصر کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ جنازہ چلا تو ان گنت سبز رنگ کے پرندے جنازے پر اپنے پروں کا سائبان بنائے ہوئے تھے۔ اہل مصر کل تک جسے زندیق کہہ رہے تھے آج اپنے اشکوں سے اس کے صدیق ہونے کی گواہی دے رہے تھے۔

○☆○

ابوالخیر

سنوسی افریقہ میں اسلام کی تجلی کرنے والے حضرت شیخ ابوالخیر اقطع کی سوانح [illegible]

عالم اسلام کے مسلمہ شیخ الشیوخ حضرت جنیدؒ بغدادی تسلیم و رضا کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے حضرت ذکریاؑ کا واقعہ بیان کر رہے تھے۔ ان کی تقریر میں سیکڑوں اولیا اللہ موجود تھے اور سب ہی توجہ سے سن رہے تھے مگر ان میں ابوالخیر اقطع اس تقریر سے بہت زیادہ متاثر نظر آ رہے تھے۔ تقریر سن کر انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی راہ رضا دوست میں کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائیں گے' خواہ کیسی ہی آزمائش درپیش ہو۔
تقریر کے بعد ابوالخیر اقطع رخصتی سلام کے لیے حضرت جنیدؒ سے ملے تو ان سے حضرت جنیدؒ نے فرمایا "ابوالخیر' تمہاری بلند ہمتی آزمائشوں کی زد میں آ گئی ہے۔ اب اضطراب ہی کو سکون سمجھو گے تو مسکرا سکو گے۔"
ابوالخیر اقطع بغداد سے چلے تو لبنان کے پہاڑوں پر جا بسے۔ بارہ سال تک انہوں نے صرف درخت کے پتوں پر گزارا کیا اور ایسے مجاہدات کیے کہ روحانی قوتوں کا حساب و شمار مشکل ہو گیا۔ ایک دن آپ نے اپنے نفس سے کہا "بارہ سال تک جب تو نے خواہش کی' میں نے درختوں کے پتے بلا تکلف تجھے کھلائے۔ میں نے اپنی دانست میں' تجھ سے بہترین تعاون کیا۔ اب تو مجھ سے بھی تعاون کر۔ مل جائے تو کھا لے اور طلب رزق سے دست بردار ہو جا۔" آپ کا مطالبہ سن کر سرکش نفس نے اپنی حق تلفی پر شدید احتجاج کیا مگر آپ نے بارگاہ خداوندی میں عہد کر ہی لیا۔ "تو کھلائے گا تو کھاؤں گا ورنہ نہیں۔"
توکل کے اس بلند ترین مقام پر پہنچ کر قیام کرنا اللہ کی توفیق کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ آپ بارہ دن تک بھوکے پیاسے رہے اور اس قدر کمزوری بڑھ گئی کہ نفل نمازیں تک پڑھنے سے معذور ہو گئے مگر سنت اور فرض نمازیں ادا کرتے رہے۔ بارہ دن مزید بھوک پیاس میں گزارے تو سنت نمازیں بھی ادا کرنے کی توانائی نہ رہی۔ دن طلوع ہوا تو فرض نماز کے لیے کھڑے بھی نہ ہو سکے' بیٹھے بیٹھے ہی فرض ادا کیے۔ دو تین دن اور گزرے تو بیٹھ کر بھی عبادت کے قابل نہ رہے' لیٹے ہی لیٹے اشاروں سے فرض نمازیں ادا کیں۔ اس کے بعد غشی طاری ہونے لگی تو گھبرائے کہ کہیں فرائض ترک نہ ہو جائیں۔

بارگاہ رب العزت میں دعا کی "اے میرے پروردگار' ترک فرائض کا بار میں نہ اٹھاسکوں گا۔ میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ تیری قدرت سے کیا بعید ہے کہ میرے عہد کی بھی لاج رہ جائے اور ترک فرائض جیسے گناہ سے بھی مجھے بچالے۔"

دعا' استقامت عہد کے موثر وسیلے سے فوراً قبول ہوگئی۔ آپ کے سامنے دو روٹیاں اور سالن ایک طشت میں نمودار ہوا۔ ضیافت ربانی کو آپ نے قبول کرکے کھانا کھالیا۔ اس کے بعد یہ معمول ہوگیا کہ چوبیس گھنٹے میں ایک مرتبہ دو روٹیاں اور سالن ملنے لگا۔

آپ کوہستان لبنان سے دمیاط کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک باغ سے آپ کا گزر ہوا۔ وہاں سیب کے ایک درخت پر نظر پڑی جس میں خوش رنگ اور شاداب سیب لگے ہوئے تھے' جب اس کے قریب پہنچے تو ایک سیب توڑ کر کھانے لگے۔ معاً اپنا عہد یاد آیا اور سیب ہاتھ سے پھینک دیا پھر جس قدر سیب منہ میں تھا' وہ بھی تھوک دیا۔ آپ انفعال کی شدت سے آبدیدہ ہوگئے اور ساتھ ہی اس بات کا یقین آگیا کہ اب ابتلا کا دور شروع ہوگیا ہے۔

ابھی آپ اسی باغ میں تھے کہ کئی رہزنوں نے آکر آپ کو گھیر لیا اور کہا "ہمیں بچایئے' سپاہیوں نے باغ کا محاصرہ کرلیا ہے۔"

آپ نے کہا "تم میرے پاس بیٹھ جاؤ۔"

سب نے تعمیل حکم کی۔ تھوڑی دیر میں سپاہی باغ کے اندر آگئے اور رہزنوں کو گرفتار کرنے کے لیے بڑھے۔

آپ نے سپاہیوں کو مخاطب کیا "یہ میری پناہ میں ہیں' انہیں گرفتار نہ کرو۔ میں خود کو گرفتاری کے لیے پیش کرتا ہوں۔ تم جو سزا انہیں دینا چاہتے ہو مجھے دے دو۔"

سپاہیوں کے سرابرہ نے سپاہیوں کو حکم دیا "ان سب کو گرفتار کرلو اور اس بوڑھے کو بھی۔ شاید یہی ان رہزنوں کا سردار ہے۔"

آپ نے سپاہیوں کو گرفتاری کے لیے پھر بڑھتے دیکھا تو اپنا ایک ہاتھ بلند کیا۔ اسی کے ساتھ تمام رہزن سپاہیوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ سپاہی رہزنوں کے اس طرح غائب ہونے پر بہت حیران ہوئے۔

سپاہیوں کا سربراہ فوراً چیخ کر بولا "اس بوڑھے کو پکڑلو۔" سپاہی ڈرتے ڈرتے آپ کے قریب آگئے اور آپ کی طرف سے کوئی مدافعت نہ دیکھ کر ان کے حوصلے بڑھے اور آپ کو باندھ لیا۔

سپاہیوں نے آپ سے پوچھا "رہزن کہاں چلے گئے؟"

"میں بھی تم سے یہی سوال کرسکتا ہوں۔" آپ نے جواب دیا۔

سپاہیوں کے سرابرہ نے کہا "اسے حاکم کے پاس پیش کرنے کے لیے لے چلو۔"

آپ نے باغ سے چلتے چلتے بلند آواز میں کہا "تم لوگ یہیں ٹھہرو میں یہیں لوٹ کر آؤں گا۔"

سپاہی آپ کی بات سن کر حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ آپ کس سے مخاطب ہیں۔

سرابرہ' سپاہیوں کو ڈانٹ کر بولا "جلدی چلو' احمقوں کی طرح ادھر ادھر کیا دیکھ رہے ہو۔"

سپاہی آپ کو لے کر حاکم کے پاس پہنچے۔ سرابرہ نے حاکم سے کہا "جناب عالی' یہ رہزنوں کا سردار ہے۔ اس نے انہیں چھپادیا ہے اور ان کا پتا بتانے کے لیے بھی تیار نہیں ہے۔"

یہ سن کر حاکم نے حکم دیا "پہلے بطور سزا اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دو۔ اس کے بعد ہم اس سے پوچھ لیں گے کہ اس کے ساتھی کہاں ہیں۔"

جلاد تلوار بے نیام کرکے آپ کے پاس آیا تو آپ نے بایاں ہاتھ آگے کردیا۔ تلوار کے ایک ہی وار میں ہاتھ کٹ کر الگ جاپڑا مگر آپ نے اف تک نہ کی۔

"اب بتاؤ تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟" حاکم نے سوال کیا۔ آپ خاموش رہے۔ اس نے کئی بار اپنا سوال دہرایا مگر آپ کا سکوت برقرار رہا۔ حاکم برافروختہ ہوگیا اور حکم دیا "اس پر کوڑے برساؤ اور اس وقت تک برساؤ جب تک اپنے تمام ساتھیوں کا پتا نہ بتادے۔"

آپ پر بیک وقت دو سپاہی کوڑے برسانے لگے۔ کوڑوں سے کمر کی کھال بھی ادھڑ گئی۔ ہاتھ کٹنے سے خون کافی ضائع ہوچکا تھا۔ کوڑوں کی بارش سے آپ بے ہوش ہوگئے۔

"کوڑے برسانا بند کردو۔" حاکم نے سپاہیوں سے کہا "پہلے اسے ہوش میں لاؤ۔"

ابھی آپ کے منہ پر سرد پانی کے چھینٹے ہی دیے جارہے تھے کہ حاکم کا بڑا بھائی ادھر آنکلا۔ اس نے حقیقت حال دریافت کی۔ وہ آپ کو پہچانتا تھا۔ پوری بات سن کر وہ چیخ پڑا "کم بختو' یہ تم نے کیا ستم کرڈالا۔ یہ تو ابوالخیر ہیں جنہیں تم رہزنوں کا سردار سمجھ کر سزائیں دے رہے ہو۔"

حاکم نے آپ کا نام سنا تو بہت پشیمان ہوا۔ اس نے دوڑ کر آپ کا کٹا ہوا ہاتھ اٹھالیا اور اسے بوسہ دیا۔ وہ آپ کو اٹھوا کر اپنے محل میں لے گیا اور طبیب کو بلوا کر آپ کے زخموں پر مرہم پٹی کرائی۔

آپ ہوش میں آئے تو حاکم' اس کا بھائی اور سپاہی رو رو کر معافی مانگنے لگے۔ آپ نے فرمایا "الحمدللہ کہ میں پہلے ہی تمہیں معاف کرچکا ہوں۔ جو کچھ ہوگیا اسے بھول جاؤ۔" یہ کہہ کر آپ بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

حاکم اور اس کا بھائی آپ کو روکتے ہی رہ گئے لیکن آپ رکے نہیں اور سیدھے اس

باغ میں پہنچے جہاں رہزنوں کو اپنا منتظر چھوڑ آئے تھے۔ رہزن جو اب حد نظر میں لوٹ آئے تھے آپ کی حالت دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔ انہوں نے بیک زبان کہا "ہم حاکم سے آپ کا انتقام ضرور لیں گے۔ آپ کا کٹا ہوا ہاتھ تو ہم نہیں جوڑ سکتے لیکن حاکم اور اس کے پورے خاندان کو بے دست و پا ضرور کر دیں گے۔"

آپ نے مشتعل افراد سے کہا "انتقام کا خیال دل سے نکال دو۔ اللہ کی مشیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہی بندگی ہے۔ تم یہ بات کیوں بھول رہے ہو کہ میں جب تم سب کو بچانے کی قدرت رکھتا تھا تو خود کو بچا لینا میرے لیے کیا دشوار ہوتا۔ جو سزا مجھے ملی ہے' میں خود کو اس کا مستحق سمجھتا ہوں۔ سزا کے حق بہ جانب ہونے کے سلسلے میں اگر میں تمہیں کوئی بات بتاؤں گا بھی تو تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور اپنی فکر کرو۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ آج سے اچھے انسانوں کی طرح زندگی گزارو۔ رہزنی سے تائب ہو کر تجارت کرو' اللہ تمہیں ہمیشہ خوش حال رکھے گا۔"

تمام رہزن آپ کے ہاتھ پر تائب ہو گئے اور آپ سے شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کا عہد کرتے ہوئے کہا "حضرت' آپ نے تجارت کا مشورہ دیا ہے مگر ہم بغیر پیسے کے تجارت کیسے کر سکیں گے؟"

آپ نے ان کے اس مناسب سوال کے جواب میں کہا "باغ سے باہر جاؤ اور اپنی جھولیوں میں جتنی زیادہ سے زیادہ مٹی بھر سکتے ہو بھر لاؤ۔"

آپ کا حکم سنتے ہی تمام رہزن اپنی جھولیوں میں مٹی بھر بھر کر آپ کے پاس آ گئے۔

آپ نے ان سے سوال کیا "تمہاری جھولیوں میں جتنی مٹی ہے اگر اتنا ہی سونا تمہارے پاس ہو تو کیا تم تجارت کر سکو گے؟"

سب نے بیک زبان کہا "اگر اتنا سونا ہمارے پاس ہو تو بلاشبہ ہم کامیابی سے تجارت پیشہ بن سکتے ہیں۔"

"اب تم اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ تمہاری جھولیوں میں مٹی نہیں سونا ہی ہے۔" آپ نے فرمایا۔

اب جو ان لوگوں نے اپنی جھولیوں کی طرف دیکھا تو مٹی' سونا بن چکی تھی۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں جب سب چلے گئے تو آپ نے دعا کی "یارب کریم! انہیں راہ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔"

دعا سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ چالیس ابدال پرواز کرتے ہوئے باغ پر سے گزرے۔ انہوں نے آپ کو دیکھا تو سلام کیا اور قریب آ گئے پھر احوال دریافت کرتے ہوئے ہاتھ کاٹے جانے کا سبب بھی پوچھا۔

"میں نے عہد کیا تھا کہ جو کچھ اللہ کھلائے گا' وہی کھاؤں گا اور یہ اس کی کریمی ہے کہ

اس نے میرے رزق کا خصوصی اہتمام بھی کر دیا مگر میں نے اس باغ سے ایک سیب توڑ کر کھا لیا اور بدعہدی کا ارتکاب کیا۔ سیب کی طرف بڑھنے والے ہاتھوں کو سزا ملنی ہی چاہیے تھی۔ بائیں ہاتھ سے پکڑ کر میں نے شاخ جھکائی تھی اور سیدھے ہاتھ سے سیب توڑا تھا۔ جرم کی مسابقت بائیں ہاتھ نے کی تھی' وہ کٹ گیا۔ معاونت جرم سیدھے ہاتھ نے بھی کی تھی اس لیے مجھے یقین ہے کہ اس کے دن بھی پورے ہو گئے ہیں۔" آپ نے ہاتھ کٹنے کا اصل سبب بتایا۔

ابدالوں میں سے ایک نے کہا "اگر آپ سے خطا سرزد ہو گئی ہے تو معافی طلب کیجئے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر گناہ معاف فرما دیتا ہے۔"

ابدال کی یہ نصیحت سن کر آپ نے کہا "میں منزل تسلیم و رضا کا مسافر ہوں۔ اس راہ میں اپنے لیے دعا کرنا بھی بے ادبی ہے۔"

ابدالوں نے آپ کی بات سن کر سبحان اللہ کا نعرہ بلند کیا اور اپنی راہ لی۔ ابوالخیر نے بھی باغ سے کوچ کیا اور منزل بہ منزل سفر کرتے ہوئے دمیاط پہنچے۔ وہاں ساحل سمندر پر گھاس پھوس کی ایک جھونپڑی بنا کر آپ قیام پذیر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو رزق غیب سے ان کے لیے مقرر کیا تھا' انہیں برابر مل رہا تھا مگر جب بھی رزق سامنے آتا تو آپ پر رقت طاری ہو جاتی۔ آپ سوچتے اللہ اکبر' اللہ تعالیٰ کتنا حلیم ہے۔ ناشکر بندے نافرمانی اور بدعہدی سے باز نہیں آتے مگر اس کے کرم کے دروازے بند نہیں ہوتے۔ وہاں آپ تنہا تھے۔ دور دور کوئی آبادی نہ تھی۔ ایک دن آپ آہ و بکا میں مصروف تھے کہ چند سوار وہاں پہنچ گئے اور آپ کو ویرانے میں تنہا پا کر بہت حیران ہوئے کیونکہ وہاں غذا کی نایابی تو اپنی جگہ' پینے کا پانی تک دستیاب نہیں تھا۔

سواروں میں سے ایک نے پوچھا "آپ یہاں کب سے ہیں؟"

"ایک ماہ سے۔" آپ نے جواب دیا۔

اس نے مزید سوال کیا "آپ کھاتے پیتے کہاں سے ہیں؟"

"اللہ اپنے بندے کے لیے بہت کافی ہے۔" آپ پرسکون آواز میں بولے۔

جواب درست تھا مگر اس جواب سے وہ مطمئن نہ ہو سکے۔

وہ مزید سوال کرنا ہی چاہتے تھے کہ آپ نے کہا "میرا اور اپنا وقت ضا کرو۔"

سوار تعداد میں نو تھے۔ ان یہودی ڈاکوؤں کے سردار کا نام یعقوب تھا۔ وہ سب کے سب بڑے شقی القلب تھے۔ کسی مسلمان کے ساتھ کوئی بھی رعایت ان میں حرام تھی۔ وہ ابوالخیر کی وضع قطع اور گفتگو سے جان گئے تھے کہ ان کے سامنے ایک مسلمان ہے۔

یعقوب نے اپنے ساتھیوں سے کہا "یہ شخص ایک ہاتھ سے اپاہج بھی ہے اور اس کے پاس کوئی چیز بھی نہیں ہے جسے اس کے قتل کی اجرت سمجھ لیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ

اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔"

یعقوب کی بات سن کر ایک یہودی بولا "میں اسے بغیر اجرت بھی قتل کروں گا۔ بظاہر یہ بے ضرر سا شخص جاسوس بھی ہو سکتا ہے۔"

یعقوب نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے آنکھ کے اشارے سے ابوالخیر کے قتل کی اجازت دے دی۔ وہ یہودی تلوار سونت کر ارادہ قتل سے آپ کی طرف بڑھا۔ جیسے ہی وار کرنے کے لیے اس نے تلوار بلند کی اس کا اٹھا ہوا ہاتھ اس طرح کٹ کر زمین پر گر پڑا جیسے کسی نے تلوار سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا ہو۔ وہ ایک چیخ مار کر تڑپنے لگا۔ یعقوب اس وقت ادھر متوجہ نہیں تھا جب اس کے ساتھی نے تلوار کا وار کرنا چاہا تھا اس لیے صورت حال کو نہ سمجھ سکا۔ وہ فوراً تلوار نکال کر ابوالخیر پر حملہ آور ہوا لیکن اس کا ہاتھ بھی کٹ کر زمین پر گر پڑا۔ اب یہ بات یہودیوں پر واضح ہو گئی کہ جسے وہ اپاہج اور بے آسرا سمجھ کر قتل کر دینا چاہتے تھے اس کی پشت پناہ غیبی قوتیں ہیں۔ وہ سب آپ کے قدموں میں گر کر گڑگڑانے لگے۔ وہ اپنے ناروا سلوک کے لیے عذر خواہ ہوئے تو آپ نے انہیں معاف کر دیا اور کٹے ہوئے ہاتھ طلب کیے۔

پہلے آپ کو یعقوب کا ہاتھ اٹھا کر دیا گیا تو آپ نے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا "پہلے اس کا ہاتھ دو جس کا ہاتھ پہلے کٹا تھا۔"

جب مطلوبہ ہاتھ آپ کو دیا گیا تو اس ہاتھ کو لے کر آپ نے مجروح کی طرف قدم بڑھائے اور کٹے ہوئے ہاتھ کا جوڑ جسم سے ملا کر سات مرتبہ "یا سلام" پڑھ کر دم کر دیا۔ ہاتھ جسم سے اس طرح جڑ گیا جیسے کبھی کٹا ہی نہ ہو۔ اس عمل کے بعد آپ نے یعقوب کا ہاتھ بھی اسی طرح جوڑ دیا۔ یہودی اس بات پر حیران تھے کہ ہاتھ خود بخود کیسے کٹ گئے۔ آپ نے کٹے ہوئے ہاتھ جوڑ دیے تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب وہ عالم حیرت سے باہر آئے تو سب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اسلام لانے کے بعد یعقوب نے پہلا سوال کیا "آپ نے ہمارے کٹے ہوئے ہاتھ تو جوڑ دیے لیکن آپ کا بھی ایک ہاتھ غائب ہے' آپ نے اپنا ہاتھ کیوں نہیں جوڑا؟؟"

"تمہارا ہاتھ میں نے کاٹا تھا' میں نے جوڑ دیا۔ میرا ہاتھ اللہ نے کاٹا تھا' میں اسے کیسے جوڑ سکتا تھا۔" آپ نے جواب دیا۔

یعقوب اور اس کے ساتھیوں نے آپ کی خدمت میں رہنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں ٹالنا چاہا۔ وہ اصرار کرنے لگے۔

"شام کا انتظار کرو' اگر تمہارا رزق بھی اللہ کی طرف سے آ گیا تو میں سمجھ لوں گا کہ تمہاری میزبانی میرے لیے درست ہے۔" آپ نے فرمایا۔

انہوں نے شام کا انتظار کیا۔ کھانا آیا تو معینہ خوراک کے علاوہ مہمانوں کے لیے بھی

وافر غذا موجود تھی۔

اب آپ کا یہ معمول ہو گیا کہ انہیں دن میں اسلام کا سبق دیتے اور رات میں اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جاتے۔ پندرہ دن اسی طرح گزر گئے۔ ایک رات آپ کے سالم ہاتھ میں ایک پھوڑا نکل آیا اور تیزی سے اس کا حجم بڑھنے لگا۔ درد اتنا شدید ہو گیا کہ آنسو آپ کے قابو سے باہر ہو گئے۔ تکلیف کے پانچ دن آپ نے جوں توں گزار لیے۔ چھٹا دن طلوع ہوا تو آپ بے ہوش ہو گئے۔ یعقوب اور اس کے ساتھیوں نے باہمی مشورے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ابوالخیر کو کسی اچھے طبیب کے پاس لے جایا جائے۔ یعقوب نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے گھاس پھوس اور لکڑی کا ایک ایسا کھٹولا سا بنا لیا جس پر آپ کو ڈال کر آسانی سے سفر کیا جا سکے۔ وہ لوگ دمیاط سے آپ کو لے کر اپنے آبائی گاؤں شطا پہنچے۔

شطا میں ایک یہودی طبیب تھا اسے بلایا گیا۔ طبیب جس وقت پہنچا تو ابوالخیر ہوش میں تھے۔ اس نے معائنے کے بعد کہا "اگر ان کی زندگی بچانا ہے تو ہاتھ کو بلا تاخیر کٹوا دو۔"

طبیب کا مشورہ سن کر آپ نے کہا "میں ہاتھ نہیں کٹواؤں گا۔"

طبیب نے آپ کو بہت سمجھانا چاہا مگر ناکام رہا اور چلا گیا۔ ہاتھ میں زخم تھا' اب پورا ہاتھ زخم بن چکا تھا اور اسی نسبت درد بڑھ گیا تھا۔ ہاتھ میں قیامت خیز ٹیسیں اٹھتی تھیں مگر آپ کمال ضبط سے کام لیتے' صرف چہرے کا رنگ انتہائی درد کی غمازی کرتا تھا۔

یعقوب اور اس کے ساتھیوں نے پھر مجلس مشاورت قائم کی۔ ہر شخص اس بات پر متفق تھا کہ طبیب کا مشورہ درست ہے۔ اگر ہاتھ نہ کاٹا گیا تو وہ ابوالخیر کی شفقتوں سے بہت جلد محروم ہو جائیں گے مگر یہ سوال تشنہ جواب تھا کہ پیرو مرشد کی مرضی کے بغیر عمل جراحی کیسے کیا جائے۔

سب خاموش بیٹھے مسئلے کا حل سوچ رہے تھے۔ اچانک یعقوب نے پورے اعتماد سے کہا "میں نے مسئلے کا حل دریافت کر لیا ہے۔" سب ہمہ تن گوش ہو گئے تو اس نے وضاحت کی "حضرت تو ہاتھ نہ کٹوانے کا فیصلہ کر ہی چکے ہیں' وہ تو زندگی کو اپنے اور اپنے رب کے درمیان حجاب تصور کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ حجاب جلد سے جلد اٹھ جائے لیکن ہمیں بہر قدم ان کی رہنمائی چاہیے۔ اللہ نیتوں کا حال خوب جانتا ہے۔ ہم اس کے محبوب بندے کی زندگی کے تحفظ کی جدوجہد ضرور کریں گے۔ ہو گا تو وہی جو وہ چاہے گا۔ تم سب اس بات سے آگاہ ہو کہ حضرت جب نماز میں مصروف ہوتے ہیں تو انہیں کچھ ہوش نہیں رہتا۔ ان کا انہماک سارے جہاں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ تم میں سے ایک شخص جا کر طبیب کو بلا لائے۔ ظہر کی نماز کے لیے جب وہ کھڑے ہو جائیں تو ہاتھ آسانی سے کاٹ لیا جائے گا۔"

ایک آدمی طبیب کو بلا لایا۔ وہ پوری تیاریوں کے ساتھ آیا تھا۔ یعقوب نے اسے تمام

طریقہ کار بتادیا۔ ظہر کا وقت ہوا' آپ نے نماز کی نیت کی۔ جب آپ سجدے میں گئے تو طبیب نے بڑی تیز دستی اور مہارت سے آپ کا ہاتھ الگ کرلیا اور ہاتھ کاٹ لیے جانے کا آپ کو احساس تک نہ ہوا۔

نماز سے فارغ ہو کر جب آپ کی نظر کٹے ہوئے ہاتھ پر پڑی تو پھر سجدے میں گر پڑے اور عرض کیا "اے اللہ' میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں کہ تو نے مجھے اس ہاتھ سے بھی نجات دے دی جو بد عہدی کے جرم میں برابر شریک تھا۔" اس کے بعد کچھ کلمات آپ نے کہے مگر وہ سنے نہ جاسکے۔ آپ سجدے ہی میں بے ہوش ہوگئے۔

طبیب نے مرہم پٹی کرنے کے بعد یعقوب سے کہا "مجھے تو یہ شخص مسلمان معلوم ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ تمہاری ہمدردی دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی ہے۔"

یعقوب نے طبیب کی بات سن کر بڑے اطمینان سے کہا "تم نے ٹھیک سمجھا ہے کہ یہ مسلمان ہیں مگر میں تمہاری حیرت کو اور بڑھانا چاہتا ہوں۔ سنو مجھے اس شخص سے ہمدردی نہیں محبت ہے۔ میں اور میرے آٹھوں ساتھی مسلمان ہوچکے ہیں۔"

طبیب اس اطلاع پر برہم ہوگیا اور بولا "میں ابھی ساری بستی میں اطلاع کردوں گا کہ تم لوگ مرتد ہوگئے ہو پھر تمہارا جو حشر ہوگا' وہ تم بھی سمجھ سکتے ہو۔"

یعقوب نے طبیب کی برہمی کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے بڑے ادب سے جراحی کے عوض ایک معقول رقم دے کر کہا "آپ اپنے دل کے ارمان نکال لیں۔ اگر بستی کے لوگ ہمیں قتل کرنے میں کامیاب ہوگئے تو ہماری موت کے سر پر شہادت کا تاج جگمگانے لگے گا۔"

طبیب رخصت ہوگیا۔ اس نے جو دھمکی دی تھی' بستی پہنچ کر اس پر عمل کیا اور سب کو بتادیا کہ یعقوب اور اس کے ساتھی اسلام پر ایمان لے آئے ہیں۔ بستی کے جوان اور بوڑھے مشتعل ہوگئے اور تھوڑی دیر ہی میں یعقوب کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔

وہ ایک تیز شور تھا اور شور میں اشتعال کی بھرپور کیفیت موجود تھی۔ محاصرین مسلح تھے۔ یعقوب نے کھڑکی کھول کر سامنے کھڑے ہوئے بلوائیوں کو دیکھا پھر ان سے پوچھا "تم لوگ کیوں آئے ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"جس مسلمان کو تم نے پناہ دے رکھی ہے' اسے ہمارے حوالے کردو۔" لوگ چیخے۔

"ہمارے معزز مہمان تک پہنچنے کے لیے تمہیں پہلے ہماری لاشوں سے گزرنا ہوگا۔ تم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم باآسانی نہیں مریں گے۔ اگر تم اپنے مطالبے سے باز نہ آئے تو بستی میں یتیموں اور بیواؤں کا اضافہ ہوجائے گا اور اس کی ذمے داری تم پر ہوگی۔" یعقوب نے کہا۔

یعقوب کی یہ بات سن کر مجمع اور مشتعل ہوگیا۔ یعقوب نے اپنے ساتھیوں کو مقابلے

کے لیے تیار ہوجانے کا حکم دیا اور خود اسلحہ باندھ کر اس کمرے میں گیا جہاں ابوالخیر لیٹے ہوئے تھے۔ شور سے وہ بھی ہوش میں آگئے تھے۔ انہوں نے یعقوب سے صورت حال دریافت کی تو اس نے پوری تفصیل سے آپ کو احوال کہہ سنایا۔

"دروازہ کھول کر مقابلے پر نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔" آپ نے فرمایا "اپنے ساتھیوں کو بھی اسی کمرے میں بلالو۔"

بلوائیوں نے دروازے کو توڑنے کی کوشش شروع کردی تھی مگر آپ کے حکم کی تعمیل میں سب آپ کے پاس جمع ہوگئے۔

"یا اللہ' میرے ساتھیوں کو بچالے۔" آپ نے دعا کی۔

دعا زبان پر آئی اور قبول ہوگئی۔ یعقوب کے گھر کی اطراف میں جو زمین تھی' وہ اس طرح گہری دھنسی کہ ایک ناقابل عبور کھائی سی بن گئی۔ بہت سے بلوائی اس کھائی میں زندہ دفن ہوگئے۔ جو باقی بچے دور جاکر سہمی سہمی نظروں سے کھائی کی طرف دیکھنے لگے۔

یہودی عالم ہارون نے موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے ساتھی بلوائیوں سے کہا "بھائیو' گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں یہ گمان تک نہ تھا کہ یعقوب کا مہمان جادوگر ہے ورنہ ہم بھی اپنی مدد کے لیے جیراڑ جادوگر کو بلوالیتے۔ جادوگر جیراڑ اپنے وقت کا سامری ہے۔ وہ اس حقیر جادوگر کو ذرا سی دیر میں خاک کردے گا۔ تم غور سے دیکھو کہ خداوند نے ان ملحدوں کو قید کردیا ہے۔ اگر ہم ان تک نہیں پہنچ سکتے تو وہ بھی کھائی عبور کرکے کہیں نہیں جاسکتے۔ اپنے ان رشتے داروں کا ماتم نہ کرنا جو کھائی میں زندہ دفن ہوگئے ہیں۔ ان کی قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ ان کی جانیں موسیٰؑ اور رب موسیٰؑ کے نام پر قربان ہوئی ہیں۔ تم سب سکون سے اپنے گھروں کو جاؤ۔ صرف پچیس تیرانداز یعقوب کے گھر کی نگہبانی کریں گے۔"

خوف زدہ یہودیوں نے ہارون کی بات مان لی اور اپنے گھروں کی راہ لی۔ ہارون نے پچیس تیراندازوں کو چاروں طرف متعین کرکے جیراڑ کے گھر کا رخ کیا جو شٹا سے صرف اکیس فرسخ کے فاصلے پر رہتا تھا۔

یعقوب اور اس کے ساتھی ابوالخیر کے پاس کھڑے تھے کہ انہیں محسوس ہوا جیسے زلزلہ آگیا ہو اور ساتھ ہی دردناک چیخوں کا شور سنائی دیا۔ اس کے بعد اچانک شور کم ہوگیا۔ باہر کیا کچھ ہوگیا تھا' وہ اس سے بے خبر تھے۔

ابوالخیر نے یعقوب سے کہا "جاکر دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں بچانے کا کیا انتظام کیا ہے۔"

کوئی کھڑکی کی طرف لپکا کوئی دروازے کی طرف۔ جو منظر ان کا منتظر تھا' اس نے ان پر حیرتوں کے پہاڑ توڑ ڈالے۔

انہوں نے آپ سے آکر تمام ماجرا بیان کیا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور کہا۔ ''افسوس کہ نادانوں نے عقل سے کام نہ لیا۔ جوش تعصب میں اللہ کے غضب کو دعوت دے بیٹھے۔'' پھر یعقوب سے کہا ''ہارون اب جیراڈ جادوگر کو بلانے گیا ہے۔ ہم اس کا انتظار کریں گے اور اس کے بعد ہی یہاں سے نکلیں گے۔''

دوسرے دن جیراڈ آگیا۔ میدان میں کھڑے ہو کر اس نے منتر پڑھنا شروع کیا۔ جب اس نے یعقوب کے مکان کی طرف پھونک ماری تو ہر طرف سے آگ کے شعلے یعقوب کے مکان کی طرف لپکے مگر مکان تک پہنچنے سے پہلے ہی سرد ہو گئے۔ اپنے پہلے وار کی ناکامی پر وہ جھلا گیا اور پھر منتر پڑھنا شروع کیا۔ اس بار ایک بڑی چٹان فضا میں اڑتی ہوئی آئی جو جیراڈ کی انگلی کے اشارے سے حرکت کر رہی تھی۔ چٹان کا حجم یعقوب کے گھر سے بھی بڑا تھا۔ چٹان جب یعقوب کے گھر سے قریب ہو گئی تو جیراڈ نے اسے یعقوب کے گھر پر گرایا تاکہ مکان اور مکین پس کر رہ جائیں مگر جب چٹان سے گھر کا فاصلہ صرف دو گز رہ گیا تو وہ ہوا میں معلق ہو گئی۔

ابوالخیر نے کہا ''اے چٹان' جیراڈ کے سر پر پہنچ کر کبھی بلند ہو' کبھی اس سے قریب ہو۔''

چٹان اب ابوالخیر کے ارادے کی تابع تھی۔ چٹان آپ کے حکم سے حرکت میں آئی اور جیراڈ کے سر پر پہنچ گئی۔ جب چٹان بلند ہو کر نیچے کی طرف آتی تو جیراڈ چیختا ہوا بھاگتا اور جب پستی سے بلند ہونے لگتی تو منتر پڑھ کر چٹان کو اپنے حکم کا تابع بنانے کی کوشش کرتا۔ یہ منظر بستی کے پانچ ہزار افراد دن کی روشنی میں دیکھ رہے تھے۔ اپنے سامری کی یہ بے بسی دیکھ کر سب رنجیدہ تھے۔ جیراڈ کی جان پر بنی ہوئی تھی۔

جب اس کا ہر منتر ناکارہ ہو گیا اور اسے اپنی موت کا یقین ہو گیا تو اس نے چیخ کر کہا ''یعقوب' اپنے مرشد سے کہو کہ میں ہار گیا اور یہ بھی مان لیا کہ وہ ساحر نہیں' خدا کے نیک بندے ہیں۔ میرا قصور معاف کر دیں۔''

یہ صدا یعقوب نے بھی سنی اور ابوالخیر نے بھی۔ ابوالخیر نے حکم دیا ''اے چٹان' اب اپنی جگہ پہنچ کر آرام کر اور اے زمین' اپنی سطح ہموار کر لے۔ اللہ کی مشیت پوری ہو چکی ہے۔''

چٹان اپنی جگہ پہنچ گئی اور کھائی پٹ گئی۔ جیراڈ دوڑتا ہوا یعقوب کے گھر کی طرف چلا مگر ہارون اس پر سبقت لے گیا۔ وہ پہلے ہی ابوالخیر کے قدموں میں جا گرا اور پھر جیراڈ بھی۔ دونوں تائب ہو کر مسلمان ہو گئے۔ بستی میں جب یہ خبر عام ہوئی تو بستی والے بھی جوق در جوق آکر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اسی دن ایک جگہ کو مسجد بنا کر اذان دی گئی۔

ابوالخیر چاہتے تو یہ تھے کہ جلد ہی شطا سے رخصت ہو جائیں۔ زخموں کی انہیں پروا

نہیں تھی مگر دینی ضرورتوں نے انہیں رکنے پر مجبور کر دیا۔ پانچ ہزار نومسلموں کو کلمہ طیبہ پڑھا کر ان کی ذمے داری کیسے ختم ہو سکتی تھی۔ ان لوگوں کی مزید تعلیم کے لیے آپ کو رکنا پڑا۔ آپ کے پہلے مرید' دین کی مبادیات سے آگاہ ہو گئے تھے۔ ان سے آپ نے کام لینا شروع کر دیا اور ساتھ ہی اپنے کشف باطن کے ذریعے اپنے کئی اعلیٰ مراتب مریدوں کو شطا پہنچنے کا حکم دیا۔

دور دراز سے آپ کے سات مرید آپ کے پاس آگئے تو تدریسی ذمے داریاں ان کے سپرد کر کے آپ شطا سے رخصت ہونے لگے۔ اس پر ہر شخص نے احتجاج کیا۔ کچھ نے تو یہاں تک کہا ''آپ ہمیں خدمت کا موقع دیں کیونکہ آپ کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہیں۔ آپ جیسے اقطع کو اپنی تمام ضروریات کی خاطر دوسروں کے تعاون کی ضرورت ہے۔''

یہ بات سن کر آپ مسکرائے اور کہا ''اچھا ایک بات کا جواب دو۔ میرے دوسرے ہاتھ کو کٹے ہوئے کافی دن گزر چکے ہیں' کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں نے کسی کام میں تمہاری مدد قبول کی؟ بتاؤ کیا تم نے مجھے کبھی کھانا کھلایا۔ بتاؤ کیا مجھے تم نے اپنے ہاتھوں سے پانی پلایا' وضو کرایا یا دوسری ضرورتوں کی تکمیل کے لیے میں نے تم سے اعانت طلب کی؟''

آپ کی بات سن کر سب ہی سوچ میں پڑ گئے۔ واقعی آپ نے ان سے کوئی مدد نہیں لی تھی اور تمام کام معمول کے مطابق تھے۔ شرمندگی سے ان کی گردنیں نہیں اٹھ رہی تھیں۔

آپ نے ان کے اس دکھ کو طویل نہ ہونے دیا اور کہا ''اس میں کوئی شک نہیں کہ میں دونوں ہاتھوں سے محروم ہو گیا ہوں مگر قادر مطلق نے مجھے مجبور نہیں بنایا۔ نادانو' تم میرے کٹے ہوئے ہاتھ تو دیکھ رہے ہو مگر اس پر نظر نہیں جو میرا اور تمہارا پالنے والا ہے۔'' آپ کی یہ بات سن کر سب خاموش ہو گئے۔ آپ نے پھر کہا ''میں آج رات کسی وقت بھی یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ مجھے رخصت کرنے کے لیے تم لوگ دور تک میرے ساتھ چلنے کی زحمت اٹھاؤ اور رخصت کے منظر کو میرے اور اپنے لیے غم بنا لو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ پھر آؤں گا۔ میری غیر موجودگی میں میرے نائبین کی تربیت میں دین کا علم حاصل کرو اور اس کے مطابق زندگی کو آراستہ کرو۔''

شب ہجر آئی تو یعقوب پر قیامتیں ٹوٹ پڑیں۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ ساری زندگی ابوالخیر کی معیت میں گزار دے۔ وہ جتنی دیر آپ سے دور رہ کر دوسرے کاموں میں مصروف رہتا تھا' بے قرار رہتا تھا۔ وہ جب تک آپ کے پاس رہتا تھا' اس پر ایک پر کیف عالم طاری رہتا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ابوالخیر چلے جائیں گے تو اس کی روح بھی قفس عنصری کو توڑ کر پرواز کر جائے گی۔ اس میں یہ ہمت بھی نہ تھی کہ آپ کے سامنے عرض مدعا کر سکتا۔ اس نے دروازے کے باہر بستر جما لیا اور اس امید پر جاگتا رہا کہ جاتے ہوئے اپنے

مرشد کو ایک مرتبہ دور ہی سے دیکھ لے گا۔ رات اپنی متعینہ رفتار سے سفر کر رہی تھی مگر یعقوب کے لیے ایک ایک پل میں صدیاں سمٹ آئی تھیں۔ وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔

خدا خدا کر کے رات کے دو بجے اور ابوالخیر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دروازے تک آئے اور آہستہ سے آواز دی "یعقوب' ہمارے ساتھ آؤ۔"

آپ آگے بڑھے تو پیچھے پیچھے یعقوب بھی دونوں ہاتھوں سے دل تھامے اشک برساتا ہوا چلا۔ آپ جب آبادی سے باہر میدان میں پہنچے تو یعقوب کی طرف متوجہ ہوئے۔

اس کے گریہ بے اختیار کو دیکھ کر آپ نے اسے سینے سے لگا لیا اور پیشانی پر بوسہ دے کر کہا "پگلے روتا ہے' میں تجھ سے دور نہیں رہوں گا۔ مسجد میں تہجد کی نماز پڑھا کر' میں تجھ سے گاہے گاہے ملاقات کر لیا کروں گا مگر اس بات کو راز میں رکھنا۔"

یعقوب نے تڑپ کر کہا "دل تو یہ چاہتا ہے کہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں مگر جس کرم کا آپ نے ابھی وعدہ کیا ہے' وہ بھی میرے لیے بہت ہے۔"

آپ نے اللہ حافظ کہا اور نگاہ سے اوجھل ہو گئے۔ آپ کی منزل اسکندریہ تھی مگر آپ نے پہلے خانہ کعبہ میں جا کر نماز تہجد ادا کی' اس کے بعد طواف کعبہ کر کے روحانی پرواز کے ذریعے اسکندریہ پہنچ گئے۔ ابوالخیر کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت عطا فرمائی تھی کہ وہ اپنے خیال کے ساتھ سفر کر سکتے تھے۔ جہاں ان کا خیال ہوتا' وہاں تک وہ خود بھی خیال کے ساتھ پہنچنے کی استطاعت رکھتے تھے۔

آپ نے اسکندریہ کی جامع مسجد میں نماز فجر ادا کی۔ جب آپ مسجد سے باہر آنے کے لیے صدر دروازے پر پہنچے تو ایک سائل نے آپ کا راستہ روک کر کہا "اے جواں مرد! کیا میرا ایک سوال پورا کرے گا؟"

"سوال بتائیے۔" آپ نے نرم لہجے میں سائل کو جواب دیا "اگر میں آپ کا سوال پورا کرنے کی استعداد رکھتا ہوں تو ضرور پورا کروں گا۔"

"مجھے ایک چلہ کرنا ہے اور اکل حلال میسر نہیں۔" سائل بولا "اگر آپ چالیس دن تک میری میزبانی کر لیں تو میرا یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

آپ نے کچھ دیر تامل کے بعد فرمایا "میرے ساتھ آؤ' میں تمہارا سوال ضرور پورا کروں گا۔"

آپ ابھی ابھی اسکندریہ آئے تھے' نہ کہیں رہنے کا ٹھکانہ تھا' نہ میزبانی کا بندوبست۔ سائل کو لیے ہوئے آپ شہر سے باہر ایک ویران مقام پر پہنچے اور اس سے کہا "یہاں بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر آپ جنگل میں پہنچے۔

آپ نے جس درخت کی شاخ کو پسند کیا' ٹوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ جھونپڑی کے لیے لکڑیاں جمع ہو گئیں تو پتوں کا انتخاب کیا' وہ بھی زمین پر آ رہے۔ جھونپڑی کا سامان فراہم

ہو گیا تو آپ نے جھونپڑی کا خاکہ اپنے ذہن میں مرتب کیا۔ جیسے ہی جھونپڑی کے ذہنی خاکے کی تکمیل ہوئی لکڑیوں اور گھاس پھوس نے ایک کشادہ جھونپڑے کی صورت اختیار کر لی۔ آپ نے جھونپڑی میں داخل ہو کر اس کا معائنہ کیا۔ مطمئن ہو کر باہر آ رہے تھے کہ ایک شخص سلام کرتا ہوا جھونپڑی میں داخل ہوا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر کہا "ریحان' تم یہاں رہتے ہو؟"

"جی ہاں' میرا قیام یہیں ہے۔ میں اپنے پورے قبیلے کی طرف سے آپ کے خیر مقدم کی خاطر حاضر ہوا ہوں۔ ہم جنوں کی یہ خوش نصیبی ہے کہ ہمیں اب آپ جیسے بزرگ کا قرب حاصل رہے گا۔ آپ اپنے مہمان کو بلا لائیں' باقی انتظامات میں کر لوں گا۔"

آپ اپنے مہمان کے پاس پہنچے اور اسے لے کر جھونپڑی میں گئے تو آسائش کا ہر سامان وہاں موجود تھا۔ سائل جھونپڑی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ آپ نے اپنی چارپائی جھونپڑی کے دروازے کے پاس باہر کی طرف ڈال لی اور جھونپڑی سائل کے لیے چھوڑ دی۔ اس نے بہت اصرار کیا کہ آپ بھی جھونپڑی میں ہی رہیں مگر آپ نے کہا "میں نہیں چاہتا کہ تمہارے وظیفے میں میرے معمولات سے خلل واقع ہو۔"

سائل نے پوچھا "آپ برا نہ مانیں تو یہ بات ضرور بتا دیں کہ آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ میں یہ سوال ہرگز نہ کرتا اگر آپ کے دونوں ہاتھ سالم ہوتے۔ میں دراصل اپنے وظیفے کو اس یقین کے بعد ہی شروع کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے رزق حلال ملتا رہے گا۔"

سوالات کی نوعیت ایسی تھی کہ آپ اگر جواب دیتے تو آپ کی شخصیت کی عظمت اس پر آشکار ہو جاتی اس لیے آپ نے ایک مختصر سا جواب دیا "تم غیر ضروری سوالات سے پرہیز کرو۔ میں تمہیں اس وعدے پر یہاں لایا ہوں کہ وظیفے کے دوران میں تمہیں رزق حلال ملتا رہے گا۔ میں اب بھی یقین دلاتا ہوں کہ میں تمہیں رزق حلال ہی فراہم کروں گا اور رزق کی وجہ سے تمہارے وظیفے میں کوئی خرابی پیدا نہ ہوگی۔"

رات ہوئی تو آپ جنگل سے کھجور کے پتے لے کر آئے۔ سونے سے پہلے سائل سے آپ نے جھونپڑی کا دروازہ اندر سے بند کروا لیا تھا۔ جب وہ سو گیا تو آپ کھجور کے پتوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اگر اس عالم میں آپ کو کوئی دیکھتا تو پہچاننے سے انکار کر دیتا۔ رات کے پچھلے پہر میں آپ نے کھجور کے پتوں سے زنبیل تیار کی۔ زنبیل بنانے کا فن آپ نے تنیات میں سیکھا تھا۔ جہاں آپ نے دس سال ایک مسلمان تاجر کی غلامی میں گزارے تھے۔ تاجر کو مدتوں تک یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ اس کے گھر میں غلام کی حیثیت سے اللہ کا ایک برگزیدہ بندہ زندگی گزار رہا ہے مگر جب اسے بزرگی کا احوال اچانک معلوم ہوا تو آپ سے عذر خواہ ہو کر آپ کو آزاد کر دیا۔

زنبیل بنانے کے بعد آپ یاد خدا میں مصروف ہو گئے۔ صبح ہوئی تو آپ زنبیل لے کر

بازار پہنچے اور اسے بیچنے کے لیے ایک جگہ کھڑے ہو کر آواز لگانے لگے۔ زنبیل بہت خوب صورت تھی' جلد ہی دو درہم میں بک گئی۔ آپ نے کھانے پینے کا سامان خریدا اور لے جا کر سائل کو دے دیا۔

اب آپ کا یہی معمول ہو گیا۔ سائل کو وظیفہ شروع کیے ہوئے ساتواں دن تھا کہ ریحان جن آپ کے پاس آیا اور مسکراتے ہوئے کہا "آپ کو تو یہ علم ضرور ہو گا کہ آپ کا مہمان جنہ کو قابو میں کرنے کے لیے وظیفہ پڑھ رہا ہے۔ ہم آسانی سے کسی کے قابو میں نہیں آتے۔ فولادی اعصاب رکھنے والے بھی مشکل ہی سے تسخیر جنہ کے کسی وظیفے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ہم اب تک آپ کے مہمان کی قوت برداشت کو کئی مرتبہ آزما چکے ہیں مگر آپ کی وجہ سے ہم خاموش بیٹھے ہیں۔"

آپ نے ریحان کی بات سن کر فرمایا "میں نے اپنے مہمان سے صرف رزق حلال فراہم کرنے کا وعدہ کیا ہے' اسے ضرور پورا کرتا رہوں گا۔ جہاں تک اس کے وظیفے کے اغراض و مقاصد کا تعلق ہے' مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں ویسے بھی ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اللہ کی یاد کو پست مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ تم میرے مہمان کو قابو میں نہ آنے کے لیے جو تدبیر چاہو اختیار کرو' مجھے اعتراض نہ ہو گا۔ میں آج سے زنبیل بنانے کے بعد یہاں سے چلا جایا کروں گا تاکہ عامل اور معمول اچھی طرح اپنے دل کے ارمان نکال لیا کریں۔"

آٹھویں رات سائل حسب معمول حصار کھینچ کر وظیفے میں مشغول ہو گیا۔ ابھی آدھا گھنٹا گزرا ہو گا کہ اسے جھونپڑی میں سانپ کی پھنکارنے کی تیز آواز سنائی دی۔ فطری طور پر گھبرا کر اس نے آنکھیں کھول دیں اور ادھر ادھر دیکھا مگر وظیفے کے کلمات زبان پر جاری رہے۔ اس کی نظر آواز کا مسلسل تعاقب کر رہی تھی۔ اچانک ایک گوشے سے سیاہ ناگ برآمد ہوا' تقریباً ڈھائی گز طویل چمکدار اور بلا کا پھرتیلا۔ وہ سائل کے سامنے پھن اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ اس تیزی سے پھنکار رہا تھا کہ جھونپڑی کی فضا ایسے گونج اٹھی جیسے سائل کے چاروں طرف کئی ناگ بیک وقت پھنکار رہے ہوں۔ سائل کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور خوف کی شدت سے پسینے پسینے ہو گیا۔ سانپ کی طرف ذہن مرکوز ہوا تو اس کی زبان بہکنے لگی۔ وظیفے کے کلمات اس کے ذہن سے محو ہونے لگے۔ سائل کے ذہن میں ایک خیال اچانک ابھرا کہ جن اپنی مدافعت کے لیے آگئے ہیں۔ اسے حصار میں بیٹھ کر ان سے نہ ڈرنا چاہیے۔ صورت حال کی اس حقیقی توجیہہ نے اس کی ہمت کو سہارا دیا اور اس نے آنکھیں بند کر کے ساری توجہ وظیفہ پڑھنے میں صرف کر دی۔ کچھ دیر تو پھنکار کی ساعت خراش آواز آتی رہی پھر آہستہ آہستہ ختم ہو گئی۔ سائل نے پھر آنکھیں کھولیں تو سیاہ ناگ غائب تھا۔

اس نے اطمینان کا سانس لیا لیکن ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک آدمی دروازہ کھول

کر گھبرایا ہوا اندر آیا اور ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ اسی طرح دوسرا اور پھر تیسرا آدمی آیا اور جھونپڑی میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک شخص اپنے ساتھ ایک جلاد کو لے کر آیا جس کے ہاتھ میں برہنہ شمشیر تھی۔

آنے والے نے جلاد سے کہا "یہ رہے تینوں بدمعاش اور یہ چوتھا بھی بدمعاش ہے۔ اس نے انہیں پناہ دی ہے۔ ان چاروں کو قتل کر دو۔"

جلاد کی شمشیر بلند ہوئی اور ایک گردن تن سے علیحدہ ہو گئی۔ دوسری بار شمشیر پھر بلند ہوئی تو دوسرا آدمی بھی قتل ہو گیا۔ تیسرے آدمی نے بھاگ کر دروازے سے نکلنا چاہا تو جلاد نے اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ اب وہ شمشیر لہراتا ہوا سائل کی طرف بڑھا تو سائل خوف سے بے ہوش ہو گیا۔

ابوالخیر زنبیل بیچنے کے بعد کھانے کا سامان لیے ہوئے جھونپڑی میں آئے تو سائل بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ آپ نے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیے تو اسے ہوش آگیا۔ آپ نے پوچھا "تم نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟"

اس نے سہمے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھا اور جب اطمینان ہو گیا کہ وہاں کوئی جلاد نہیں ہے تو اس نے پوچھا "آپ نے لاشوں کا کیا کیا؟"

آپ نے مسکرا کر فرمایا "تمہارا وظیفہ ناکام ہو گیا ہے۔ رات جنوں نے تمہارے ساتھ مذاق کیا تھا اور تم ڈر گئے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ تم گھبرا کر حصار سے باہر نہ نکلے ورنہ وہ تمہیں بھی نقصان پہنچانے میں نہ چوکتے۔"

سائل حیرت سے آپ کو دیکھنے لگا۔

آپ نے سائل سے پوچھا "جنوں کو تابع کرنے کا شوق تمہیں کیوں کر ہوا اور یہ بھی بتاؤ کہ جنہ کو اللہ نے آزاد پیدا کیا ہے' انہیں غلام بنا کر تم کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتے تھے؟"

سائل نے کچھ دیر سوچ کر جواب دیا "میں جنوں کو قابو میں کر کے دولت مند بن جانا چاہتا ہوں' اور اپنی بزرگی کا دنیا سے لوہا منوانا چاہتا تھا مگر اب میں سوچ رہا ہوں یہ خیال خام تھا۔ دنیا کی ہوس نے مجھے شعور سے بیگانہ کر دیا تھا۔ میں آپ سے بھی شرمندہ ہوں کہ میں نے آپ کو آلہ کار بنایا مگر حقیقت سے آپ کو بے خبر رکھا۔"

ابوالخیر نے سائل کا احوال سن کر کہا "شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت اب اس بات کی ہے کہ اپنی تمناؤں کو شائستہ بناؤ اور آخرت کی فکر کرو۔ یہ زندگی چند روزہ ہے' اس کی چمک دمک پر ابدی زندگی کی راحتوں کو قربان نہ کرو۔ اللہ کو اللہ کے لیے یاد کرو۔ اگر وہ مہربان ہو گیا تو دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں گے۔"

سائل آپ کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا "مجھے اپنی غلامی میں لے لیجیے' میں بھٹکا ہوا مسافر ہوں' مجھے قافلہ سالار کی ضرورت ہے۔"

آپ نے اس سے بیعت لی اور اللہ کو یاد کرنے کا طریقہ بتایا پھر ہدایت کی ”اسی جھونپڑی میں رہو ہم جنہیں تابع کرنا چاہتے تھے‘ میں ان سے تمہاری دوستی کرائے دیتا ہوں۔ وہ ایک اچھے دوست کی طرح تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھیں گے۔“

ابھی آپ نے اپنی گفتگو ختم ہی کی تھی کہ ریحان سلام کرکے جھونپڑی میں داخل ہوا اور بولا ”حضرت‘ آپ کا مہمان تو بہت ہی کمزور دل کا نکلا۔ ایک معمولی کوشش میں ہی چوکڑی بھول گیا۔“

”ریحان گزشتہ باتوں کو بھول جاؤ اور ان سے دوستی کرلو۔“ آپ نے فرمایا۔

”آپ کا حکم ہے اس لیے میں ان سے دوستی کیے لیتا ہوں ورنہ ہم انہیں اپنا دشمن ہی سمجھتے ہیں جو ہمیں قابو میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔“ یہ کہہ کر ریحان نے سائل کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔

سائل نے بھی ہاتھ ملاتے ہوئے کہا ”دوست‘ میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ مجھے امید ہے کہ حضرت کے واسطے سے آپ مجھے ضرور معاف کردیں گے۔“

”میرا دل آپ کی طرف سے صاف ہوگیا ہے۔ آپ یہاں اطمینان سے اللہ کو یاد کریں۔ میں ہر خدمت کے لیے تیار ہوں۔“ ریحان بولا۔

ریحان اور سائل کو دوستی کے رشتے سے منسلک کرنے کے بعد ابوالخیر نے دونوں سے کہا ”اب میں یہاں سے جارہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو بلند مراتب عطا فرمائے اور اپنی یاد کو بیش از بیش توفیق سے سرفراز فرمائے۔“ اتنا کہا اور نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

ابوالخیر نے اسی دن ظہر کی نماز مصر میں دریائے نیل کے کنارے پڑھی۔ نماز کے بعد آپ دریائے نیل کے کنارے دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ادھر سے کچھ راہب گزرے۔ ایک رحم دل راہب چند سکے ہاتھ میں لے کر آپ کی طرف بڑھا تاکہ آپ کی مدد کرسکے۔ ایک معمر راہب نے اسے آواز دے کر روکا۔ وہ راہب رک گیا۔ معمر راہب نے اس کے قریب جاکر کہا ”انہیں کچھ نہ دو۔ یہ دونوں عالم سے بے نیاز ہیں بلکہ ان سے کچھ مانگو۔ ان کے کٹے ہوئے ہاتھوں میں ساری دنیا کے خزانے ہیں۔“

نوجوان راہب‘ معمر راہب کے الفاظ کی وقعت اور قیمت سے آگاہ تھا۔ وہ فوراً ابوالخیر کے سامنے اپنی عبا کا دامن پھیلا کر بیٹھ گیا۔

آپ نے معمر راہب سے کہا ”اپنا باطنی حسن ان پر ظاہر کردو۔ ان کے لیے یہی سب سے بڑی نعمت ہے۔“

”حضرت‘ مجھ میں یہ جرات آج تک پیدا نہ ہوئی کہ میں اپنے باطن کا ان پر انکشاف کرسکوں۔“ معمر راہب نے کہا ”خدا کے لیے آپ ہی انہیں سنبھالیے۔“

”میرے سامنے بیٹھ جاؤ۔“ آپ نے راہبوں کو مخاطب کیا۔ جب سب حکم کی تعمیل

میں آپ کے سامنے بیٹھ گئے تو آپ نے دوسرا حکم دیا ”اپنی آنکھیں بند کرکے مشاہدے کے لیے تیار ہوجاؤ۔“

تمام راہبوں نے بیک وقت دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سامنے موجود ہیں اور فرمارہے ہیں ”میں نے جس کی بشارت دی تھی‘ وہ نبیؐ برحق آچکا ہے۔ تمہارے سامنے جو شخص بیٹھا ہے‘ اسی برگزیدہ نبیؐ کا امتی ہے۔ اگر فلاح دارین چاہتے ہو تو اس کے دین کو قبول کرلو۔“

اس نصیحت کے بعد حضرت عیسیٰؑ تشریف لے گئے۔ پردہ چشم پھر بے منظر ہوگیا اور ابوالخیر کی آواز راہبوں کی سماعت سے ٹکرائی ”آنکھیں کھول لو اور بتاؤ کہ حضرت عیسیٰؑ کی ہدایت کا تم نے کتنا اثر قبول کیا؟“ سب کے چہرے یقین کے نور سے جگمگا رہے تھے۔ سب داخل اسلام ہوگئے۔ نوجوان راہب نے معمر راہبوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ”حضرت یہ داخل اسلام کیوں نہیں ہورہے ہیں؟“

”یہ تو دس سال پہلے اس نعمت سے سرفراز ہوچکے ہیں جو تمہیں آج عطا ہوئی ہے۔“ آپ نے جواب دیا ”انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ تمہیں صراط مستقیم مل گئی ہے۔ اب تم جاؤ اور انہی کی پیروی کرو‘ تمہاری مراد تمہیں مل جائے گی۔“

راہب آپ سے رخصت ہوکر چلے گئے تو آپ بھی مصر پہنچے۔ ایک مسجد میں نماز عصر ادا کی اور مغرب تک وہیں بیٹھے رہنے کا فیصلہ کیا۔ قریب ہی دو نوجوان آپس میں گفتگو کررہے تھے۔ ایک ادب سے سن رہا تھا۔ آپ ادھر متوجہ ہوئے اور فاصلہ ہونے کے باوجود آوازیں صاف سنائی دینے لگیں۔

”مخدومی‘ یہ صحیح ہے کہ جنوبی افریقہ میں اسلام کی تبلیغ ابھی تک ایسی نہیں ہوئی جیسی ہونی چاہیے۔“ ایک نوجوان کہہ رہا تھا ”وہاں کے جنگلات اور وحشی قبائل تبلیغ کی راہ میں دیوار بن کر رہ گئے ہیں۔ جنگلات‘ درندوں اور گزندوں سے پٹے پڑے ہیں۔ وحشی قبائل کی زبان سے ہم ناآشنا ہیں اور اگر کسی طرح وہ زبان سیکھ بھی لی جائے تو کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا۔ وہ کسی اجنبی کو اپنے علاقے میں دیکھ کر بے قابو ہوجاتے ہیں۔ اجنبیوں کو قتل کردینا اور قتل کرکے انہیں کھاجانا ان کے محبوب مشاغل میں شامل ہے۔ میں موت سے نہیں ڈرتا مگر تبلیغ کی راہ میں اپنی زندگی کی پوری قیمت بھی وصول کرنا چاہتا ہوں۔“

”بھائی شعیب‘ آپ جو کچھ سوچ رہے ہیں‘ میں اس کی تائید کرنے کے باوجود یہ عرض ضرور کروں گا کہ ان تمام خطرات کو بھلا کر اللہ کے بھروسے پر ہمیں وہاں جانا چاہیے۔ ہم کوشش تو کرسکتے ہیں اور ہمیں کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ نتائج کے متعلق سوچنا ہمارا دردسر نہیں ہے۔“

مخدومی اور شعیب کی باتیں دلچسپ تھیں‘ آپ سنتے رہے۔ ان کا مقصد عظیم تھا۔

خدشات اور خطرات کے متعلق سوچنا ان کا فطری حق تھا۔ آپ ان کے پاس پہنچے اور سلام کر کے بیٹھ گئے پھر ان سے مخاطب ہوئے "آپ حضرات کا ذوق تبلیغ لائق تحسین ہے۔ میں بظاہر آپ کو اپاہج نظر آتا ہوں مگر میرے وسائل اللہ کے فضل سے بہت وسیع ہیں۔ اگر میں آپ حضرات کے کسی کام آسکا تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ بلا تکلف اپنی تمام ضروریات کی فہرست بنا دیجیے۔"

شعیب اور مخدومی نے حیرت سے آپ کو دیکھا۔ وضع قطع سے آپ خوش حال نظر نہ آتے تھے مگر گفتگو اس طرح کر رہے تھے جیسے بہت متمول ہوں۔ بے اعتباری کی لہر ان کے شعور کو چھو کر گزر گئی مگر اپنے ذہنی رویے کو جلد ہی قابو میں کر لیا۔ شعیب اور مخدومی کا علم تازہ تھا' امنگیں جواں تھیں۔ وہ صرف ایک ماہ پہلے فارغ التحصیل ہوئے تھے۔ دین کی خدمت کا جذبہ ان کے سینوں میں موجیں مار رہا تھا۔

"ہماری ضروریات مختصر اور محدود ہیں۔ ہم کسی تفریحی سفر کا ارادہ نہیں رکھتے کہ اسباب تعیش سے لدے ہوئے اپنی منزل پر پہنچیں۔" مخدومی نے کہا "آپ کے وسائل' بقول آپ کے بہت وسیع ہیں' آپ ہمیں جنوبی افریقہ تک پہنچانے کا انتظام کر دیں' اس کے علاوہ ہم کسی چیز کے خواہش مند نہیں ہیں۔ ہمارا خدا ہمارے لیے بہت کافی ہے۔"

"میں تمہیں جنوبی افریقہ پہنچا دوں گا۔ بتاؤ تم وہاں کب جانا چاہتے ہو۔" آپ نے پوچھا۔

دونوں نے بیک زبان کہا "ہم اسی وقت روانہ ہونے کے لیے تیار ہیں۔"

"مخدومی' تمہیں اپنی بیوہ ماں سے اور شعیب تمہیں اپنی ضعیف دادی سے سفر تبلیغ کی اجازت لینی چاہیے۔ یہ بات ان کے علم و اطلاع میں ہونی چاہیے کہ تم کہاں اور کس مقصد سے جا رہے ہو۔ اگر انہیں اطلاع نہ دی تو وہ محبت سے بھرے ہوئے دل ٹوٹ جائیں گے۔" مخدومی اور شعیب آپ کی معلومات پر ششدر رہ گئے۔ ابھی وہ کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ آپ نے خود ہی فیصلہ کر دیا "آج بدھ کا دن ہے۔ ہم بعد نماز جمعہ اسی مسجد سے اپنے سفر کا آغاز کریں گے۔ اب تم لوگ جاؤ۔ اجازت لے کر یہیں آجانا اور وہاں میں تمہیں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں اجازت بھی آسانی سے مل جائے گی۔"

مغرب کی نماز کے بعد دونوں آپ سے رخصت ہو کر اپنے گھروں کی طرف چلے گئے تو آپ نے مسجد میں اعتکاف کی نیت کر لی۔

جمعے کے دن شعیب اور مخدومی آپ سے ملے تو ان کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔ یہ ایک اچھی علامت تھی۔ ان کا جذبہ تبلیغ تمام کیفیات پر غالب تھا ورنہ اس وقت اپنوں کی جدائی اور وطن کی مانوس فضاؤں سے بچھڑنے کا غم آنکھوں سے ضرور جھانکتا۔

نماز کے بعد سب مسجد سے باہر آئے۔ مخدومی اور شعیب کا خیال تھا کہ سواریوں اور

زادراہ کا انتظام کر لیا گیا ہوگا مگر جب پیدل چلتے ہوئے حدود شہر سے باہر آگئے تو شعیب نے پوچھا "ہم اگر اسی طرح چلتے رہے تو اپنی نامعلوم منزل تک پہنچنے میں کتنے سال لگ جائیں گے۔"

ابو الخیر سوال میں تشویش اور ظرافت کے دونوں پہلو دیکھ کر محظوظ ہوئے اور فرمایا "فکر نہ کرو' ہم تمہاری توقعات سے بھی جلد پہنچیں گے اور سواری دیکھ کر تم واقعی حیران رہ جاؤ گے۔ آج تم ایسی سواری پر سفر کرو گے جس کا تصور تک تمہارے ذہن میں نہ آیا ہو گا۔"

شہر سے بہت دور آگئے تو آپ نے مخدومی سے کہا کہ وہ اپنا کمبل شانے سے اتار کر زمین پر بچھا دے۔ تعمیل ارشاد میں کمبل بچھا دیا گیا تو آپ اس پر بیٹھ گئے اور دونوں کو بھی اپنے پاس کمبل پر بٹھا لیا۔

"اب تم بالکل ایک نئے تجربے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" آپ نے بڑی شفقت سے دونوں کو مخاطب کیا "یہ کمبل ہمیں لے کر ابھی فضا میں بلند ہوگا اور پھر ہم جس طرف پرواز کرنا چاہیں گے' یہ سفر کرے گا۔ ہم ابتدا میں سفر کی رفتار آہستہ رکھیں گے۔ تاکہ تم پر وحشت طاری نہ ہو اور ہوا کا دباؤ تمہارے لیے زحمت نہ بن سکے۔ ہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ میں تم جیسا ہی انسان ہوں' نہ میں فرشتہ ہوں' نہ جن۔ مجھ سے خائف ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ رہی کمبل کی پرواز تو اسے خرق عادت سمجھو۔ اللہ تعالیٰ جب مہربان ہوجاتا ہے تو انسان کے تصرفات کا دائرہ بہت وسیع کر دیتا ہے۔ اچھا اب تم سنبھل کر بیٹھو اور ہر خوف کو دل سے نکال دو۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ تم اس کمبل سے ہرگز ہرگز نہیں گرو گے۔ اللہ ہمارا حافظ و ناصر ہے۔"

کمبل نے بلند ہونا شروع کیا تو شعیب اور مخدومی جسم میں پیدا ہونے والی سنسناہٹ کو روکنے کی ناکام کوشش میں مصروف ہوگئے۔ دونوں نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور ان کے دل تیزی سے دھڑک رہے تھے۔ ان کی یہ کیفیت اس وقت تک برقرار رہی جب تک کمبل عموداً بلند ہوتا رہا۔ جب کمبل نے آہستہ آہستہ جنوب کی طرف پرواز شروع کی تو ان کے اعصاب کا تناؤ کم ہونے لگا اور کچھ دیر بعد وہ معمول پر آگئے۔ اب وہ اطراف میں پھیلے ہوئے سرسبز و شاداب مناظر میں کھوئے ہوئے تھے۔ عصر کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد سفر پھر شروع ہوگیا۔ اس مرتبہ بلند ہوتے وقت دونوں نسبتاً پہلے سے زیادہ پر سکون رہے۔ مغرب کی نماز کے لیے ایک پہاڑ پر اتر آگیا۔

نماز کے بعد آپ نے کہا "رات ہم یہیں قیام کریں گے۔ انشاء اللہ نماز فجر کے بعد پھر سفر کا آغاز کریں گے۔ موسم سرد ہے اس لیے کسی غار کو تلاش کرو تاکہ رات کے وقت سرد ہواؤں سے محفوظ رہ سکو۔"

تھوڑی دیر کی تلاش میں ہی ایک غار مل گیا۔ ابوالخیر غار کے منہ پر کھڑے ہو گئے اور دونوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

جب دونوں آپ کی پشت کی طرف آکر کھڑے ہو گئے تو آپ نے بلند آواز میں کہا ”اے غار کے مکینوں آج اللہ کے تین بندے اس غار میں بسیرا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ سب آج رات کہیں اور گزار لیجیے اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے گا۔“

آپ نے جیسے ہی اپنی بات مکمل کی، سانپ بچھو اور دیگر انواع اقسام کے کیڑے مکوڑے غار سے نکلنے لگے۔ تھوڑی دیر میں غار صاف ہو گیا تو آپ نے بسم اللہ پڑھ کر غار میں قدم رکھا۔ مخدومی اور شعیب آپ کے ساتھ تھے۔ غار کافی بڑا تھا اور اس کی زمین ہموار تھی مگر غار کا اندرونی حصہ بھی کافی سرد تھا۔

آپ نے دونوں سے پوچھا ”اگر بھوک لگ رہی ہو تو بلا تکلف کہہ دو، کھانے کا انتظام ہو سکتا ہے۔“

”بھوک تو لگ رہی ہے مگر میں اس لیے خاموش تھا کہ یہاں کھانا ملنے کے امکانات نظر نہیں آ رہے ہیں۔“ مخدومی بولا۔

ابوالخیر نے بلند آواز میں کہا ”اے پہاڑ کے مکینو! اپنے ان دونوں مہمانوں کی ضیافت کا اہتمام کرو۔“

تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ دو آدمی غار میں آئے۔ ایک کے ہاتھ میں مشعل تھی اور دوسرے کے سر پر ایک طشت تھا جو ایک نفیس کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ آنے والے نے خوان آپ کے سامنے رکھا اور الٹے پاؤں غار کے دہانے پر جا کر رک گیا۔ دوسرے نے بھی مشعل غار کے ایک کونے میں گاڑ دی اور اپنے ساتھی کے پاس پہنچ گیا اور پھر دونوں غار سے باہر چلے گئے۔

”بسم اللہ، کھانا کھاؤ۔ انتظار کس کا ہے۔“ آپ نے فرمایا۔

دونوں نے بیک زبان کہا ”آپ بھی کھائیے۔“

”میری غذا یہ نہیں ہے۔ آئندہ بھی مجھے اپنے ساتھ کھانا کھلانے کی ضد نہ کرنا۔“ آپ نے کہا۔

دونوں جب لذیذ کھانا سیر ہو کر کھا چکے تو آپ نے نماز عشا پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ دونوں آدمی پھر آئے جو کھانا لائے تھے۔ اب ان کے سروں پر بستر تھے۔ برابر برابر تینوں بستر لگا کر انہوں نے خالی برتن اٹھائے اور چلے گئے۔ شعیب اور مخدومی نے اب تک اتنی حیرت ناک باتیں دیکھ لیں تھی کہ اب مزید حیران ہونے کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔ وہ خود کو ایک طلسماتی فضا میں محسوس کر رہے تھے۔

”اب تم آرام کرو۔“ ابوالخیر نے ان سے کہا۔

دونوں آرام وہ بستروں پر لیٹ گئے پھر نرم اون کے دبیز کمبلوں سے اپنے جسم ڈھانپ لیے۔ جلد ہی وہ خوابوں کی حسین وادیوں میں کھو گئے۔

پچھلی رات تہجد کا وقت ہوا تو آپ نے ان دونوں کو جگایا اور کہا ”اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تم ایسے مبلغ بن جاؤ جن کی باتوں میں اثر ہوتا ہے اور جن کی نصیحت دوسروں کے لیے فکری انقلاب کا سرچشمہ بن جاتی ہے تو تہجد کی نماز کبھی قضا نہ کیا کرو۔“

”وضو کے لیے پانی کی ضرورت ہے۔“ شعیب نے کہا۔

آپ نے ایک طرف اشارہ کیا اور فرمایا ”تمہارے میزبان تمہارے وضو کے لیے ابھی گرم پانی آفتابوں میں رکھ کر گئے ہیں۔“

نماز تہجد کے بعد صبح تک تینوں ذکر و فکر میں مشغول رہے۔ غار کے باہر سے اذان فجر کی آواز آئی تو غار ہی میں سنتیں ادا کیں۔ سنتوں کے بعد ابوالخیر غار سے نکلے تو دیکھا ہزاروں آدمی ایک جگہ نماز فجر کے لیے جمع ہیں۔

ابوالخیر کی اقتدا میں نماز فجر ادا کی گئی۔ دعا کے بعد ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا ”ہم اپنی قسمت پر جس قدر ناز کریں کم ہے کہ آج ہم نے اللہ کے مخلص اور محبوب بندے کی میزبانی کا شرف حاصل کیا اور ان کے پیچھے نماز ادا کی پھر یہ کہ ان کی زیارت سے بھی فیض یاب ہوئے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ وہ رخصت ہونے سے پہلے اپنی ہدایات سے ہمارے دلوں کو منور فرمائیں گے۔“

آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ مسنونہ پڑھنے کے بعد کہا ”یا جنہ، اسلام ایک ایسے سیدھے راستے پر چلنے کی دعوت دیتا ہے جس میں نہ کوئی کجی ہے نہ ٹیڑھ، اپنی خواہش کی پیروی سے بچو کہ یہی گمراہی ہے۔ کتاب اللہ کے مطابق زندگی گزارو کہ یہی ہدایت ہے۔ جس نے ہر اقدام سے پہلے یہ سوچ لیا کہ اللہ کی رضا کیا ہے، وہ یقینی طور پر فائز المرام ہو گا۔ اللہ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔“

آپ یہ چند کلمات ارشاد فرما کر وہاں سے چل پڑے اور کمبل بچھوا کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ جب تک آپ نظر آتے رہے جنہ ہاتھ ہلا ہلا کر الوداع کہتے رہے۔

”حضرت کیا وہ سب جن تھے؟“ شعیب نے پوچھا۔

آپ نے اثبات میں سر ہلا دیا مگر بولے نہیں۔ تھوڑی دیر سفر کے بعد آپ نے فرمایا ”ہم مصر کی حدود سے نکل کر اب سوڈان کی سرزمین پر پرواز کر رہے ہیں۔ یہ بھی ایک وسیع علاقہ ہے۔ آج سوڈان کی آخری سرحد پر ہی رات بسر ہو گی۔ کل ہمارا سفر انشاء اللہ زائر کی حدود میں ہو گا۔“

نماز ظہر کا وقت ہوا تو آپ ایک گھنے جنگل میں اترے، ایک چشمے پر وضو کیا اور نماز ادا کی۔

"اگر بھوک لگ رہی ہے تو یہاں پھل بہت ہیں' توڑ کر کھالو۔" آپ نے نماز کے بعد فرمایا۔

آپ تو بیٹھے رہے اور دونوں ساتھی درختوں سے پھل توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ اچانک شیر کی دھاڑ سے جنگل گونج اٹھا۔ شعیب اور مخدومی بھاگ کر آپ کے پاس آگئے۔ قریب ہی سے ایک شیر کی آواز آئی۔ اس مرتبہ خوف سے دونوں چیخ پڑے۔ آپ نے دونوں کو تسلی دی اور اپنے پاس بٹھالیا۔ اب جنگل کا بادشاہ صرف دس قدم کے فاصلے پر موجود تھا۔ تھوڑی دیر تو وہ غور سے ابوالخیر کو شعلہ بار آنکھوں سے دیکھتا رہا پھر اطاعت کے اظہار میں دم ہلاتا ہوا آگے آیا اور آپ کے قدموں میں لوٹنے لگا۔

آپ نے کہا "تم نے میرے ساتھیوں کو خوف زدہ کرڈالا' اب تم جاؤ۔ اللہ تمہیں اپنی پناہ میں رکھے۔" یہ سنتے ہی شیر دوڑتا ہوا جنگل میں غائب ہوگیا۔

کچھ دیر بعد سفر شروع ہوا تو مخدومی نے کہا "کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہماری پرواز سطح زمین سے صرف اتنی بلند ہو کہ ہم تمام مناظر آسانی سے دیکھ سکیں؟"

"ممکن کیوں نہیں ہے۔ ہم بلندی پر اس لیے پرواز کررہے ہیں تاکہ زمین والوں کے لیے ہم تماشا نہ بنیں۔ وہ ہمیں اڑتا ہوا دیکھیں گے تو قیاس آرائیوں پر اپنا وقت ضائع کریں گے۔ وہ ہمیں دیکھ کر شور مچائیں گے تو کبر نفس پیدا ہوگا۔ آئندہ تمہارے ذوق نظارہ کا خیال رکھوں گا۔ فطرت کے حسین مناظر بھی اللہ کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں۔" آپ نے جواب دیا۔

عصر کی نماز ایک ایک کرکے تینوں نے فضا ہی میں ادا کی۔ سورج غروب ہونے لگا تو آپ ایک صحرا میں اترے۔ تازہ وضو کی کسی کو ضرورت نہ تھی۔ صحرا میں اذان دے کر باجماعت نماز ادا کی۔ سرد اور تیز ہواؤں سے آپ کے ساتھی کانپنے لگے۔ آپ اٹھے اور پیر سے ایک وسیع دائرہ اپنے ساتھیوں کی طرف کھینچا اور ان کے پاس آکر بیٹھ گئے اور پوچھا "اب کیا حال ہے؟"

"ایسا لگتا ہے کہ جیسے ہم کھلی فضا سے بند کمرے میں آگئے ہیں حالانکہ صحرا میں طوفانی ہوا کا زور بڑھتا چلا جارہا ہے۔" شعیب نے کہا "یہ بات بالکل محیرالعقول ہے مگر آپ کی رفاقت نے ناممکنات کے دائرے کو نقطہ بنادیا ہے۔ میں کئی دن سے یہ سوچ رہا ہوں کہ علم حاصل کرکے بھی ہنوز تشنہ علم ہوں۔ آپ سے ملاقات کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ ہمارا علم ظنی ہے اور آپ کا علم حقیقی ہے۔ آپ کے علم نے آپ کو اللہ تعالیٰ سے قریب کردیا ہے اور ہمارا علم ہمارے لیے حجاب بن گیا ہے۔ میں نے آپ کو اپنی رہنمائی کے لیے منتخب کرلیا ہے۔ خدا کے لیے اپنی بیعت کی عزت سے مجھے سرفراز فرمادیں۔ میں اپنے سفر شوق کا آغاز آپ کی سرپرستی میں کرنا چاہتا ہوں۔"

شعیب کی درخواست کو آپ نے قبول کرکے اسے بیعت کرلیا تو مخدومی نے بھی آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرلی۔ آپ بہت دیر تک مبادیات سلوک پر گفتگو کرتے رہے پھر عشا کی نماز سے فارغ ہوکر دونوں مرید آپ سے اجازت لے کر سوگئے۔ تہجد اور فجر کی نمازیں تیمم سے ادا کیں۔ طوفان اب ختم ہوچکا تھا مگر آپ اس وقت تک رکے رہے جب تک دھوپ میں تیزی نہ آگئی۔ زائر کے گھنے جنگلات پر آپ تیزی سے سفر کررہے تھے۔ شعیب اور مخدومی آپ سے بیعت کے بعد ہر خوف سے بے نیاز ہوگئے تھے۔ رفتار کی تیزی کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ شام ہوئی تو زمبیا کی حدود میں تھے۔ وہاں آپ پہاڑی کے دامن میں اترے۔ قریب ہی وحشیوں کی ایک آبادی تھی۔ ایک وحشی نے انہیں اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ اپنے قبیلے والوں کی طرف دوڑ گیا اور انہیں نوواردوں کے بارے میں بتایا۔ اس کے ساتھ یہ بھی اطلاع دی کہ وہ کمبل پر پرواز کرتے ہوئے وہاں پہنچے ہیں۔ قبیلے کے لوگوں نے سمجھا کہ آنے والے جادوگر ہیں۔ ان پر اگر قابو پانا ہے تو اپنے جادوگروں کو ساتھ لے کر جانا ہوگا۔ چنانچہ وہ لوگ اپنے بڑے جادوگر کے پاس پہنچے اور اسے سارا ماجرا سنایا۔ وہ بہت دیر تک گم صم بیٹھا رہا۔ کمبل پر پرواز کرنے والوں کو وہ جادو میں خود سے بہتر سمجھنے پر مجبور تھا کیونکہ اس نے آج تک دس قدم تک پرواز کرنے کی صلاحیت بھی پیدا نہ کی تھی۔ اسے یقین ہوگیا اگر وہ مقابلے پر گیا تو قبیلے کے سامنے اس کا سارا بھرم کھل جائے گا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ رات جب آنے والے سوجائیں گے تو شب خون مار کر انہیں ہلاک کردے گا۔

اس نے قبیلے والوں سے کہا "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' اپنے اپنے ٹھکانے پر چلے جاؤ اور صرف چند نوجوان میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ صبح ان کا سامان اور ان کی لاشیں اٹھا لانا۔ غیر قوموں کا گوشت بہت لذیذ ہوتا ہے۔"

تمام وحشی شور مچاتے ہوئے لوٹ گئے اور صرف دس نوجوان رضاکارانہ طور پر جادوگر کے پاس رک گئے۔

اس نے دو نوجوانوں کو حکم دیا "آنے والوں کا تفصیلی جائزہ لے کر آؤ۔"

سیاہ رات میں ان کے سیاہ جسم رات ہی کا حصہ معلوم ہوتے تھے۔ وہ دونوں دبے پاؤں ابوالخیر کے قریب پہنچ کر درخت کی اوٹ میں چھپ گئے۔ وہ تین آدمی ہیں' ایک بوڑھا اور دو جوان۔ بوڑھا دونوں ہاتھوں سے محروم ہے۔ اس کے پاس کسی قسم کا اسلحہ بھی نہیں ہے۔ تینوں اس وقت سونے کے لیے لیٹ چکے ہیں۔"

تفصیل سن کر جادوگر نے قہقہہ لگایا اور بولا "کل کی دعوت بہت مزیدار ہوگی۔ میں بوڑھے آدمی کی زبان کھاؤں گا۔ اس میں لفظوں کا خزانہ ہوگا۔ مجھے غیر قوموں کی زبان سیکھنے کا بڑا شوق ہے۔"

رات ڈھلی تو جادوگر اپنے دس نوجوانوں کے ساتھ جو تیر کمان سے لیس تھے۔ شکار کی طرف چلا۔ قریب پہنچ کر اس نے دیکھا تینوں بے خبر سو رہے تھے۔

"انہیں تیروں سے ہلاک کردو۔" جادوگر نے حکم دیا "دس تیر ایک ساتھ کمانوں سے نکل کر چلے مگر اپنے ہدف تک پہنچنے سے پہلے زمین پر گر پڑے۔ ابوالخیر نے سونے سے پہلے حسب معمول حصار کھینچ لیا تھا۔ وہ غیر مرئی حصار اتنا مضبوط ہوتا تھا کہ اس میں ناخواستہ ہوا تک داخل نہ ہو سکتی تھی پھر بھلا تیر ان تک کیسے پہنچتے۔ تیروں کی باڑ مسلسل چلتی رہی اور تیر حصار سے ٹکرا ٹکرا کر زمین پر گرتے رہے، یہاں تک کہ ترکش خالی ہوگئے۔

یہ دیکھ کر جادوگر نے نوجوانوں کو حکم دیا "سونے والوں کو اپنے نیزوں سے چھید دو۔"

ہرچند کہ وہ نوجوان ایک آدم خور وحشی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے مگر یہ بات وہ بھی سمجھ گئے تھے کہ سامنے ایک نظر نہ آنے والی رکاوٹ موجود تھی جس سے ان کے تیروں کا حملہ ناکام ہوگیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے اپنے پھینکے ہوئے تیروں کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے نیزے آہستہ سے آگے بڑھائے اور اندازے کے عین مطابق نیزے کسی چیز سے ٹکرا کر رک گئے۔ نظر نہ آنے والی رکاوٹ ان کے نزدیک جادو ٹونے کے علاوہ کچھ اور چیز ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ انہوں نے مڑ کر زور زور سے جادوگر کو آوازیں دی جو سہما ہوا کھڑا تھا۔

اس شور سے حصار کے اندر تینوں افراد بیدار ہوگئے۔ ابوالخیر نے ایک ہی نظر میں تمام صورت حال کو سمجھ لیا اور ایک خاص توجہ سے جادوگر کو دیکھا اس سے اس کا دماغ آپ کے تابع ہوگیا۔ آپ نے اسے حکم دیا "وحشی نوجوانوں کو ایک جگہ روک کر میرے پاس آؤ۔"

تعمیل حکم میں جادوگر قریب آگیا تو آپ اس کے پاس پہنچے۔ زبانیں ہر جگہ مختلف ہوتی ہیں مگر شعور اور احساسات پورے عالم انسانیت کے لیے قدر مشترک ہیں۔ آپ نے اس سے ذہنی رابطہ قائم کرکے بغیر لفظ وبیاں گفتگو شروع کی۔ تاریکیوں میں رہنے والے کو روشنی نظر آئی تو وہ پروانے کی طرح روشنی پر فدا ہوگیا۔ آپ نے جو نصیحت بھی کی وہ قبول کرتا چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں خدا اور رسالت کا واضح تصور اس کے دل میں اتر گیا۔ آپ نے اس سے کہا "ان نوجوانوں سے کہو کہ صبح سورج طلوع ہونے کے بعد پورے قبیلے کو لے کر آجائیں۔ ان کی یہاں شاندار دعوت ہوگی۔"

جادوگر نے نوجوانوں کو آپ کا پیغام دیا تو وہ خوش خوش واپس ہوگئے۔ جادوگر نے واپس آکر آپ سے کہا "آپ سیکڑوں آدمیوں کی دعوت کا انتظام کیسے کریں گے؟"

"مجھے تو تم صرف یہ بتاؤ کہ یہ قبیلہ کیا چیز بہت شوق سے کھاتا ہے؟" آپ نے فرمایا۔

"انہیں آگ پر بھنے ہوئے جنگلی بکرے نمک کے ساتھ مل جائیں تو ان کے نزدیک یہ سب سے بڑی اور سب سے لذیذ نعمت ہوگی۔" جادوگر نے بتایا۔

"بس اب میں سب انتظام کرلوں گا۔" آپ نے کہا "پھر جادوگر شعیب اور مخدومی کو ایک قطار میں کھڑا کرکے دعا کی "الٰہ العالمین انہیں ایک ایسی صلاحیت اور علم دے کہ یہ آپس میں ایک دوسرے کی بات سمجھ سکیں اور سمجھا سکیں۔ یہ دین کی تبلیغ کے لیے اپنے گھروں سے نکلے، ان کی مدد فرما۔"

آپ کی دعا کے بعد تینوں بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ شاید حافظے کے نظام میں فوری شکست وریخت کے باعث بے ہوشی فطری تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد تینوں خود ہی ہوش میں آگئے۔ جادوگر، عربی اور آپ کے دونوں مرید علاقائی زبان ٹھیٹ علاقائی لہجے میں بولنے کی قدرت حاصل کرچکے تھے۔ جب جادوگر نے ابوالخیر سے فصیح وبلیغ عربی میں گفتگو کی تو آپ نے اس کا نام ہی فصیح رکھ دیا۔ فصیح نے دوران گفتگو میں بڑے ادب سے بات کہی۔

"جس قبیلے سے آپ کا واسطہ پڑا ہے، وہ کسی اقطع (اپاہج) کی بات ماننا تو بڑی بات ہے، سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا۔"

آپ فوراً بولے "مگر میں تو اپاہج نہیں۔"

اب جو فصیح نے دیکھا تو آپ کے دونوں ہاتھ سالم تھے۔

شعیب نے کہا "حضرت، دوران سفر میں کئی مرتبہ میں نے محسوس کیا تھا کہ آپ کو ہاتھوں کی شدید ضرورت ہے۔ آپ نے اس وقت ہاتھوں کو درست نہیں کیا تو اب انہیں درست کرنے کا کیا جواز ہے؟؟"

"تم نے اچھی بات دریافت کی ہے۔ جواب غور سے سنو اور یاد رکھو۔" آپ نے فرمایا "اولیا کو اللہ تعالیٰ بڑے بڑے کمالات اور تصرفات عطا کرتا ہے۔ اظہار کرامت میں اولیا ہمیشہ محتاط رہتے ہیں۔ اگر کہیں دین کی تبلیغ، کرامت سے کامیاب ہو سکتی ہے تو وہ اظہار کرامت میں تکلف نہیں کرتے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ مرحلہ بھی ترویج دین اور اشاعت دین کا ہے۔" پھر آپ نے شعیب اور مخدومی کو مخاطب کیا "فصیح کو اپنے ساتھ لے جاؤ، اسے وضو کا طریقہ سکھاؤ اور اپنے ساتھ نماز پڑھواؤ، میں ابھی آتا ہوں۔"

تینوں افراد چلے گئے تو آپ نے اس علاقے میں رہنے والے مسلمان جنوں کو روحانی طور پر طلب کیا۔ وہ فوراً آکر دست بستہ ہوئے اور صف باندھ کر کھڑے ہوگئے۔

"دوستو، کل اللہ کے بھروسے پر میں نے تبلیغی مقصد کے پیش نظر آدم خور قبیلے کی دعوت کردی ہے۔ آپ حضرات اس کار خیر میں مجھ سے تعاون کریں اور اللہ تعالیٰ سے بہتر جزا کی امید رکھیں۔"

ایک جن صف سے آگے آیا اور عرض کیا "ہم ہر خدمت کے لیے حاضر ہیں، آپ حکم فرمائیں۔"

طلوع فجر سے پہلے یہاں پانچ سو جنگلی بکرے، نمک اور انہیں بھوننے کے لیے خشک

لکڑیاں پہنچا دیجیے۔ بکروں کے ذبیحے کا انتظام بھی اپنے ہاتھ میں رکھیے۔ اگر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے بکرے انہوں نے کھالیے تو پھر انہیں مردار سے انشاء اللہ نفرت ہو جائے گی۔" آپ نے فرمایا۔

آپ کی بات سن کر تمام جن غائب ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز تہجد ادا کی۔ مخدومی اور شعیب ذکر و فکر میں مشغول ہو گئے۔ آپ فصیح کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک طرف لے گئے اور آنے والی صبح کے تمام انتظامی امور اس کے ذہن نشین کرتے رہے۔ نماز فجر کی اذان شعیب نے دی۔ آپ فصیح کے ساتھ وہاں پہنچ گئے اور باجماعت نماز ادا کی۔ دعا کے بعد فصیح بستی کی طرف چلا گیا اور آپ ان دونوں کے ساتھ اس طرف چلے جدھر سے بکروں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آپ نے دیکھا کہ سیکڑوں بکرے ایک بڑے باڑے میں بند تھے اور ایک چٹان پر کیلے کے پتے بچھے ہوئے تھے جن پر پسے ہوئے سمندری نمک کا ڈھیر تھا۔ اس کے علاوہ تھوڑے تھوڑے فاصلے سے سو مقامات پر خشک لکڑیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ آپ نے یہ انتظامات دیکھ اطمینان کا اظہار کیا۔

سورج طلوع ہونے کے بعد وحشی قبیلہ' سنکھ اور سینگ بجاتا اور گاتا ہوا قریب آتا دکھائی دیا۔ فصیح کو وحشیوں نے اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ جنگلی پھولوں کے ہار اس کے گلے میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ غول بیابانی شور مچاتا ہوا ابوالخیر کے سامنے رک گیا۔

فصیح نے ان سے ان کی ہی زبان میں خطاب کرتے ہوئے کہا "دوستو' ہم بہت خوش نصیب ہیں کہ آج خوش نصیبی ہمارے یہاں خود آ گئی ہے۔ اب نہ ہمیں دشمنوں کے قبیلوں کا خوف ہے' نہ بیماریوں کا ڈر اور نہ طوفانوں کا اندیشہ۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ خوش نصیبی ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے تو تم سب کو وعدہ کرنا ہوگا کہ تم ہمیشہ خوش نصیبی کی اطاعت کرو گے اور اس کے ہر حکم پر سر جھکا دو گے۔"

قبیلے کا سردار چلا کر بولا "خوش نصیبی کو سامنے لاؤ۔ ہم اس کے سامنے سر جھکانے کو تیار ہیں۔"

فصیح اس طرف بڑھا جہاں ابوالخیر' شعیب' اور مخدومی کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے طے شدہ طریقے کو ملحوظ رکھتے ہوئے شعیب کے سامنے قدرے خم ہو کر اسے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

شعیب اپنی صف سے پندرہ قدم آگے نکل کر کھڑا ہو گیا تو فصیح نے بلند آواز میں کہا "یہی خوش نصیبی ہے۔ سب گردنیں جھکا کر اطاعت اور فرماں برداری کا عہد کریں۔"

تمام وحشی قبیلے کا سر جھک گیا اور شعیب کو اپنا مختار کل مان لیا گیا۔

"دوستو' سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔" شعیب نے کہا "آج کے بعد سے تمہاری گردنیں کبھی کسی انسان کے سامنے نہیں جھکنی چاہئیں۔ میں حکم دیتا ہوں کہ سب کے سب جہاں

کھڑے ہیں وہیں بیٹھ جائیں۔" حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ شعیب نے پلٹ کر حکم دیا "قربانی شروع کی جائے۔"

جنہ جو قربانی کے لیے تیار تھے' قربانی کرنے لگے۔ دوسرے مرحلے میں کھال اتری تیسرے مرحلے میں آلائش صاف ہوئی اور چوتھے مرحلے میں گوشت بڑے بڑے ٹکڑوں میں جمع ہونے لگا۔ وحشی ہر مرحلے کا کام ہوتے دیکھ رہے تھے مگر کام کرنے والے جن انہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ یہی سمجھتے رہے کہ یہ ان کے سردار کی خوش نصیبی کا کمال ہے۔ سارے کام خود بخود ہو رہے تھے۔ جب تین سو بکروں کی قربانی ہو چکی تو لکڑیوں کو آگ لگ گئی۔ ہوا تیز تھی اس لیے خشک لکڑیاں تیزی سے جلنے لگیں۔

شعیب نے پھر قبیلے کو مخاطب کیا "دوستو' میرا پہلا حکم سنو' اگر تم نے اس حکم پر سختی سے عمل کیا تو جیسی دعوت آج ہو رہی ہے۔ ایسی دعوتیں یہاں ہوتی رہیں گی۔ جیسی غذا آج یہاں موجود ہے' اس سے بھی اچھی غذائیں تمہیں میں ملیں گی مگر شرط یہ ہے کہ آج سے کبھی تم انسان کا گوشت نہ کھاؤ گے اور نہ مرے ہوئے جانور کھاؤ گے۔ بولو تمہیں منظور ہے۔"

سب نے انسان اور مردہ جانور نہ کھانے کا عہد کر لیا اور زمین پر اوندھے لیٹ گئے۔ یہ عمل عہد کی توثیق کے لیے کیا گیا۔

جنوبی افریقہ کی تہذیب میں یہ بات مسلمہ تھی کہ اگر کوئی عہد کر کے زمین پر اوندھا لیٹ جائے تو اس کا یہ مطلب ہوتا تھا کہ عہد کرنے والا جان دے دے گا مگر اپنے عہد سے نہ پھرے گا۔

شعیب نے اطاعت گزاری کے اس مظاہرے کو دیکھ کر کہا "اٹھو اور صف بنا کر گوشت کی طرف جاؤ۔ جتنا چاہے گوشت لے کر بھونو اور کھاؤ۔ نمک بھی موجود ہے اور آگ بھی۔"

تین چار گھنٹے میں سب نے سیر ہو کر کھا لیا تو شعیب نے انہیں اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جانے کا حکم دیا۔ پورا قبیلہ چلا گیا اور ابوالخیر تینوں ساتھیوں کو لے کر ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گئے پھر فرمانے لگے "مبارک ہو تمہیں' جنوبی افریقہ میں تبلیغ دین حق کے لیے ایک مضبوط مرکز ہاتھ آ گیا ہے۔ اگر تم لوگوں نے ان قبیلے والوں کے ذہنوں کو علم کی روشنی سے سنوار لیا تو یہ سب کے سب اچھے مبلغ ثابت ہوں گے اور میرا خیال ہے کہ تمہاری کوششیں ضرور بار آور ہوں گی۔ اہل ایمان اخلاص کے ساتھ جب دعوت حق کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ تبلیغ کی راہ میں جس چیز کی کمی تم لوگوں میں ہے' اٹھو تاکہ وہ کمی پوری ہو جائے۔"

تینوں ساتھی کھڑے ہو گئے۔ آپ نے سب سے پہلے شعیب کو سینے سے لگا کر برکتوں کے نزول کی دعا فرمائی پھر مخدومی اس کے بعد فصیح کو بھی سینے سے لگا کر دعائیں دیں۔ آپ

کے اس معانقے کے بعد تینوں کے دل نور معرفت سے روشن ہو گئے اور ان میں کرامات کے صدور کی اہلیت پیدا ہو گئی۔ اللہ نے انہیں مستجاب الدعواۃ بنا دیا۔

ابوالخیر تینوں کی تجلیوں کو مسرور نظر سے دیکھ رہے تھے کہ اچانک آپ نے پلٹ کر ایک شخص کو اپنی آغوش میں کھینچتے ہوئے کہا "تم بالکل ٹھیک وقت پر آئے حنان' اپنا حصہ تم بھی لے لو۔" حنان کی قسمت بھی جاگ اٹھی تو آپ نے سب کا آپس میں تعارف کراتے ہوئے فرمایا "یہ حنان قوم اجنہ سے ہیں۔ رات یہ اور ان کے بہت سے ساتھی بھی مجھ سے بیعت کر چکے ہیں۔ اس رشتے سے تم آپس میں بھائی ہو۔ حنان بھی یہیں رہتے ہیں۔ یہ تم سے ملتے رہیں گے۔ اب میں تم لوگوں کی طرف سے مطمئن ہوں۔ میرے پاس وقت کم ہے اور کام زیادہ اس لیے میں تم لوگوں کے ساتھ زیادہ عرصے قیام نہ کرسکوں گا۔ اب مجھے اجازت دو۔" یہ بات سن کر سب کی آنکھوں میں شدت غم سے آنسو آ گئے۔ آپ نے ہنس کر کہا "نادانو' روشن ضمیر ہو کر بھی فاصلوں سے ملول ہو۔ میں تم پر قرب کا دروازہ کھول کر دور جا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر آپ نے سلام کیا اور روپوش ہو گئے۔

اسی دن نماز ظہر آپ نے حرم کعبہ میں ادا کی۔ ہزاروں بار اس مقدس فضا میں ابوالخیر آئے گئے تھے مگر اس بار حرم کی تجلیوں میں اس طرح محو ہوئے کہ دس سال تک یہ معمول رہا کہ رات تو کعبے کے طواف میں گزارتے' دن دیار رسول کریمؐ میں۔ اس عرصے میں کسی سے بغیر ضرورت کے بات تک بھی نہ کی۔ ایک دن مسجد نبویؐ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے کان میں یعقوب کی آواز آئی۔ آواز میں کرب کی شدت محسوس کر کے آپ نے یعقوب کے پاس پہنچنے کا ارادہ کیا اور پہنچ گئے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک چراگاہ میں چھ یہودی' زخمی یعقوب پر شدت سے حملہ آور ہیں۔ تلواریں تیزی سے چل رہی ہیں۔ یعقوب کے سیدھے ہاتھ پر کاری زخم آیا تھا جس سے خون بہہ رہا تھا اور نقاہت بڑھ رہی تھی۔

آپ نے اپنی قوت متصرفہ سے دشمنوں کے ہاتھ پاؤں مفلوج کر دیے اور آگے بڑھ کر یعقوب کو سہارا دیا جو چکرا کر گرنے والا تھا۔ آپ نے اسے زمین پر لٹا کر زخموں پر ہاتھ پھیرا جس سے فوراً ہی خون بہنا بند ہو گیا۔

آپ نے یہودیوں سے پوچھا "بتاؤ تمہیں اس ظلم کی کیا سزا دی جائے؟ چھ آدمی ایک شخص کو ہلاک کر رہے تھے' یہ بھلا کہاں کی جواں مردی ہے؟"

"ہم یہاں فن سپہ گری کے کسی انعامی مقابلے میں شریک ہونے کے لیے نہیں آئے تھے۔" ایک یہودی بولا "ہم تو انتقام کی آگ میں سلگ رہے ہیں۔ یعقوب نے ہماری پوری بستی کو گمراہ کر کے مسلمان بنا لیا ہے۔ آج دس سال بعد ہم نے اس پر قابو پایا تھا کہ تم نے ہمیں بے بس کر کے اسے بچا لیا۔ تم ہمیں شوق سے قتل کر دو مگر یعقوب اور تم ہماری تنظیم کے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتے۔"

"میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔" میں نے تمہارے پیر ٹھیک کر دیے ہیں۔ تم دوسروں کے لیے سامان عبرت بننے کے لیے اپنی بستی میں لوٹ جاؤ۔ اگر تم اپنے فالج زدہ ہاتھوں کو سحر کا اثر سمجھتے ہو تو کسی ساحر سے علاج کے لیے رجوع کرو اور اگر بیماری قیاس کرتے ہو تو کسی طبیب کی خدمات حاصل کرو۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ کسی علاج سے بھی تمہارے مفلوج ہاتھ ٹھیک نہ ہو سکیں گے لیکن جس دن تم مسلمان آزاری سے توبہ کرلو گے' اچھے ہو جاؤ گے۔ تمہاری سزا مشروط ہے' غیر مشروط نہیں۔" یہ کہہ کر آپ خاموش ہو گئے۔

تمام یہودی تیزی سے اس طرح بھاگے جیسے کوئی تلوار لیے پیچھا کر رہا ہو۔ آپ نے یعقوب کو آواز دی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ آپ کے چہرہ انور پر نظر پڑی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور کہا "اللہ نے آپ کو بروقت پہنچا دیا ورنہ آج آپ کا خادم کام آ گیا ہوتا۔"

چراگاہ سے آپ یعقوب کے ساتھ اس کے گھر پہنچے۔ پورے قصبے میں آپ کے تشریف لانے کی خبر پھیل گئی۔ عورتیں' مرد اور بچے جوق در جوق آپ کی زیارت کے لیے آنے لگے۔ شطا کا ماحول اب خالص اسلامی ہو گیا تھا۔ سب ذوق و شوق کے ساتھ قرآن کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ قصبے میں ایک مسجد بھی بنالی گئی تھی جہاں پانچوں وقت اذان کی روح پرور آواز دلوں میں یاد الٰہی کے جذبے کو بیدار کرتی رہتی تھی۔ ظہر کی نماز کے لیے آپ مسجد میں گئے تو نمازیوں کی کثرت دیکھ کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور دعا کی "اے پروردگار عالم' میرے ساتھیوں کی تبلیغی جدوجہد کو قبول فرما کر انہیں اپنے خصوصی فضل و کرم سے دونوں جہاں میں سرخ رو فرما۔"

نماز کے بعد یعقوب کے گھر آئے' تادیر اپنے رفقا اور بستی کے لوگوں سے باتیں کرتے رہے۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا "ہمیں امید ہے کہ آپ اب ہم لوگوں کو چھوڑ کر نہ جائیں گے۔"

"میں آیا تو اسی رادے سے تھا کہ واپس ہو جاؤں گا مگر ابھی جب میں مسجد سے نکلا تو میری ملاقات ملک الموت سے ہوئی۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا مجھے مسجد کے پہلو کی زمین اپنے لیے پسند ہے؟ میں نے غور سے زمین کی طرف دیکھا تو واقعی وہ جگہ اپنی قبر کے لیے مجھے اچھی لگی۔ میرا خیال ہے کہ اب طلبی ہونے ہی والی ہے۔ اب میں قیامت تک کے لیے تمہاری بستی میں رہوں گا اور ہاں تم نے مسجد کا نام ابوالخیر کیوں رکھ دیا۔ آج ہی کتبہ بدلوا دو۔ میرے خیال میں' مسجد کا نام مسجد خیر بہت اچھا رہے گا۔ اب تم لوگ آرام کرو' مجھے بھی کچھ ضروری کام کرنے ہیں۔" سب حاضرین رخصت ہو گئے تو آپ نے یعقوب سے کہا "میں تنہائی چاہتا ہوں۔"

یعقوب نے فوراً ایک کمرا آپ کے لیے مخصوص کر دیا۔ آپ نے اندر جا کر دروازہ

بند کرلیا۔ زندگی میں پہلی بار تھکن محسوس ہوئی اور آپ بستر پر لیٹ گئے۔ اس وقت آپ کو اپنے ایک عزیز مرید ابوالحسین قرانی یاد آئے، کشفی طور پر متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ وہ ایک ویرانے میں بھوک و پیاس کی شدت سے نڈھال پڑے ہوئے ہیں۔ آپ یہ دیکھ کر بے تاب ہوگئے۔ دوسرے لمحے میں آپ ان کے پاس پہنچ گئے۔ آپ نے ان کا سر اٹھا کر اپنے زانو پر رکھا اور جیب سے شہد کی شیشی نکالی پھر شہد منہ میں ڈالنا شروع کیا۔ شہد جیسی لطیف غذا پیٹ میں پہنچی تو ابوالحسین نے آنکھیں کھول دیں۔ آپ نے انہیں اٹھا کر بٹھایا اور کہا "کھاپی لیا کرو۔ مسلسل فاقے نفس پر کھلا ظلم ہیں۔"

ابوالحسین نے کہا "حضرت، جب کھانا سامنے ہوتا ہے تو بھوک نہیں لگتی اور جب بھوک لگتی ہے تو کھانا دسترس میں نہیں ہوتا۔"

آپ نے انہیں دو سیب دیئے اور کہا "انہیں جیب میں رکھ لو۔ دونوں سیب ایک ساتھ جیب سے نہ نکالنا۔ یہ کبھی ختم نہ ہوں گے۔ میرے سامنے اس کا تجربہ کرلو۔"

ابوالحسین نے دونوں سیب جیب میں ڈال لیے اور ایک سیب نکال کر کھالیا۔ جب دوسرا سیب نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو جیب میں پھر دو سیب موجود تھے۔

آپ نے ابوالحسین سے کہا "اب میں چلا، ہماری یہ آخری ملاقات ہے خدا حافظ۔"

پھر آپ یعقوب کے گھر پہنچے تو ملک الموت کو اپنا منتظر پایا۔

آپ نے پوچھا "آج محرم الحرام کی سترہ تاریخ ہے؟"

ملک الموت نے جواب دیا "آج ۲۴۰ھ کے پہلے مہینے کی سترہ تاریخ ہی ہے۔"

"میرے حساب سے سفر آخرت میں اتنی دیر ضرور باقی ہے کہ میں دو رکعت نماز شکر ادا کرلوں۔ آج میرا مالک مجھے اپنے دائمی قرب سے سرفراز کررہا ہے۔" آپ نے فرمایا اور نماز پڑھنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور جائے نماز پر ہی سکون سے لیٹ گئے۔ اس کے بعد ملک الموت سے فرمایا "اپنا کام شروع کرنے سے پہلے دروازہ کھول دو تاکہ لوگوں کو مجھ تک آنے میں تکلیف نہ ہو۔"

ملک الموت نے دروازہ کھول کر روح قبض کرنی شروع کی تو آپ "اللھم لبیک، اللھم لبیک" کہتے ہوئے اپنے رب کے حضور میں پہنچ گئے۔

○☆○